معارف القرآن



9

تصنیف

حضرت مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب حفظہ اللہ

ناشر: جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

معارف الفرقان

المومنون، النور، الفرقان، الشعراء، النمل، القصص، العنکبوت، الروم، لقمان، السجدہ، الاحزاب

9

تصنیف

استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر
حضرۃ مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب مدظلہ
سابق استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور بانی ومہتمم جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

ادارہ آبِ حیات ٹرسٹ لاہور
غوث گارڈن 2 جی ٹی روڈ مناواں لاہور کینٹ
رابطہ نمبرز 0300-0321-9458876



☼سابق استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور ☼پرنسپل جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

☼سابق شیخ الحدیث جامعہ مفتوحہ لاہور ☼سابق شیخ التفسیر جامعہ رحیمیہ لاہور

☼مدیر اعلیٰ ماہ نامہ آب حیات لاہور ☼مدیر اعلیٰ ماہ نامہ شان دار لاہور

☼مدیر اعلیٰ ماہ نامہ تحفہ خواتین لاہور ☼ماہ نامہ صدائے جمعیت لاہور

☼امیر جمعیت تحفظ اسلام پاکستان ☼صدر ادارہ آب حیات ٹرسٹ

☼متولی جامع مسجد عارفی مناواں لاہور ☼خطیب ٹاؤن ھال لاہور

ضابطہ

نام کتاب۔۔۔

معارف الفرقان جلد ⑨

سورۃ المومنون	۱۱	علم الٰہی کی ہمہ گیری، شیطانی وساوس	۵۵
اہل ایمان کی صفات اور انعام	۱۳	قیامت اور دوزخ کا منظر	۵۸
انسانی پیدائش کے مختلف مراحل	۱۶	انکار آیات پر ملامت	۶۲
قدرت الٰہی کی نشانیاں	۱۷	تخلیق انسانی کی حکمت	۶۴
زیتون کے فائدے	۱۹	سورۃ النور	۶۷
جانور اور کشتیاں خدائی نعمتیں	۲۱	سورۃ النور کی عظمت، فرضیت احکام	۶۹
نوح علیہ السلام کشتی سازی، ادعیہ صالحہ	۲۴	زانیہ اور زانی کی شرعی سزا	۷۰
دعوت موسیٰ وھارون علیہما السلام اور تکبر فرعون	۲۹	زنا کی قباحت، نکاح کی پاکیزگی	۷۶
حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام	۳۰	قذف کی سزا، شہادت کی نااہلی، توبہ	۷۸
اکل طیب، اعمال صالحہ، امت واحدہ	۳۱	اپنی بیوی پر تہمت لگانے والے کا حکم	۸۴
کافروں کو مال اور اولاد کیوں دی جاتی ہے؟	۳۶	شان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۸۷
سچے بندوں کی تین صفات	۳۹	فحاشی پھیلانے کی سزا، اتباع شیطان	۹۴
اہل ایمان نیک اعمال پر بھی ڈرتے ہیں	۴۱	اہل خیر سلسلہ خیر جاری رکھیں	۹۶
کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیجاتی	۴۳	تہمت عفت کی سنگینی، عدل الٰہی کا ظہور	۹۷
مشرکین کی بدنصیبی اور تکبر	۴۵	گھر میں داخلے سے پہلے اجازت	۹۹
انکار حق کی وجوہات اور انجام	۴۷	کہاں بدون اجازت جایا جاسکتا ہے؟	۱۰۶
دلائل قدرت اور انکار بعث	۴۹	پردہ کے شرعی احکامات	۱۰۷
اللہ تعالیٰ کی حاکمیت والوہیت	۵۲	نکاح اور شرم وحیا کی تعلیم	۱۱۰
اللہ تعالیٰ یکتا ہے	۵۴	نکاح باعث مالداری ہے	۱۱۲

آیات بینات، عبرت آموز واقعات	۱۱۴	معبودان باطلہ کی مشرکین سے برأت	۱۶۳
اللہ تعالیٰ کے نور سے کیا مراد ہے؟	۱۱۵	رسول کریم ﷺ کا کھانا پینا اور بازار جانا	۱۶۵
مساجد کی عظمت اور اہل ذکر کے اوصاف	۱۲۰	کافروں کے خیالات واشکالات	۱۶۶
چمکتی ریت کو پانی سمجھنے والے نادان	۱۲۱	اہل جنت کا بہترین ٹھکانہ اور کامل راحت	۱۶۸
خلاق عالم کی کاریگری	۱۲۴	قیامت کی ہولناکی	۱۶۹
منافقین کا طرز عمل، اہل ایمان کی پہچان	۱۲۸	کافر کی حالت زار	۱۷۳
خلافت راشدہ علی منہاج النبوۃ	۱۳۰	قرآن کریم ایک ہی بار کیوں نازل کیا گیا؟	۱۷۴
کفار کی ظاہری قوت کا دھوکہ اور انجام	۱۳۸	کفار کے اعتراضات کا جواب	۱۸۲
تین اوقات میں داخلے کی اجازت	۱۳۹	جس بستی پر پتھروں کی بارش کی گئی	۱۸۴
بچوں کا اجازت طلب کرنا	۱۴۳	استہزاءِ رسالت، ہوا پرستی	۱۸۶
بوڑھی خواتین، پردہ کے احکامات	۱۴۴	سائے کا پھیلنا اور سمٹنا	۱۸۸
خاندانی تعاون، باہمی مواسات	۱۴۶	بارش برسانے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت	۱۸۹
مجلس نبوی کے آداب	۱۴۸	عظمت رسالت محمدی ﷺ	۱۹۳
نبی کریم ﷺ کا ادب واحترام	۱۵۰	بحرین کا نظام، قدرت الٰہی کی حکمت	۱۹۵
اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر بادشاہت	۱۵۱	پانی سے انسان کی پیدائش	۱۹۷
سورۃ الفرقان	۱۵۳	غیر اللہ کے پجاری	۱۹۹
نبی کریم ﷺ کی عالمین کی طرف بعثت	۱۵۴	بشیر اور نذیر	۲۰۰
توحید کامل، باطل معبودوں کا بطلان	۱۵۶	توکل علی اللہ اور عظمت تخلیق	۲۰۲
کفار کی کفریہ باتیں	۱۵۸	عباد الرحمان کی صفات	۲۰۴
جنت اور دوزخ	۱۶۰	تفسیر	۲۰۵

سورۃ الشعراء	۲۰۷	گمراہوں کا آخری ٹھکانہ	۲۳۴
طٰسٓمٓ، حروف مقطعات	۲۰۸	اعتراف گمراہی اور حسرت آخرت	۲۳۴
کتاب مبین	۲۱۰	دعوت نوح علیہ السلام، تکبر قوم	۲۳۶
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غم وحزن	۲۱۱	نوح علیہ السلام اور اہل ایمان کی نجات	۲۳۷
دلائل قدرت، اعراض کفار اور انجام	۲۱۳	انجام قوم نوح، درس عبرت	۲۳۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت	۲۱۵	دعوت ھود اور تکذیب قوم عاد	۲۳۹
موسی وہارون کو فرعون کی طرف بھیجنا	۲۱۶	ہود کے ناصحانہ جملے، قوم عاد کی سرکشی	۲۴۰
فرعون کا طعنہ اور موسیٰ علیہ السلام کا جواب	۲۱۷	صالح علیہ السلام کا ایمان افروز خطاب	۲۴۳
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جرأت گفتار	۲۱۸	چٹان سے اونٹنی نکالی گئی	۲۴۵
مکالمہ موسیٰ علیہ السلام و فرعون	۲۱۹	اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں	۲۴۶
معجزات موسوی، فرعون کی سیاسی چال	۲۲۰	حضرت لوط علیہ السلام کی خیر خواہانہ دعوت	۲۴۷
مقابلے کے میدان میں شکست	۲۲۲	قوم لوط کا فطرت سے انحراف	۲۴۸
معرکہ حق وباطل، جادگروں کا ایمان	۲۲۴	قوم لوط کی تباہی	۲۴۹
ساحران مصر کی بے خوفی	۲۲۶	دعوت شعیب علیہ السلام اور اصحاب الایکہ	۲۵۰
ہجرت بنی اسرائیل وتعاقب فرعون	۲۲۷	قرآن کریم کا تذکرہ کتب سابقہ میں	۲۵۲
فرعون کی غرقابی کا عبرت ناک منظر	۲۲۹	منکرین پر اچانک عذاب	۲۵۴
قبر پرستوں کے کرتوت	۲۳۰	شیاطین کو قرآن سے کیا غرض؟	۲۵۵
اللہ تعالیٰ کی تعریف وثناء	۲۳۱	دعوت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصول	۲۵۶
دعائے خلیل علیہ السلام بارگاہ رب جلیل	۲۳۲	شیاطین کن پر اترتے ہیں؟	۲۵۷
قرب جنت، ظہور جہنم	۲۳۳	شعر وشاعری	۲۵۹

سورۃ النمل	۲۶۷	حشر مکذبین، اتمام حجت، دلائل قدرت	۳۲۴
ہدایت قرآن، صفات مومنین	۲۶۸	جب صور پھونکا جائے گا	۳۲۵
موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے پیغمبری مل گئی	۲۷۱	پہاڑوں کی حرکت وجمود	۳۲۸
تجلی طور، خطاب الٰہی، عصائے موسوی	۲۷۵	عدل الٰہی وفضل ربانی	۳۲۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات	۲۷۷	مبلغ اسلام کی ذمہ داریاں	۳۳۱
معجزات الٰہی کا انکار اور انجام مکذبین	۲۷۹	اللہ اتمام حجت کے بعد سزا دیتا ہے	۳۳۳
سلیمان علیہ السلام اور پرندوں کی بولیاں	۲۸۰	سورۃ القصص	۳۳۵
لشکر سلیمانی اور چیونٹی	۲۸۴	کتاب مبین کی آیات	۳۳۶
ہدہد کا قصہ	۲۸۹	نصرت مظلومین اور زوال فرعون	۳۳۷
ملکہ سبا بلقیس کا تخت شاہی	۲۹۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش	۳۳۹
دعوت صالح علیہ السلام	۳۰۰	موسیٰ کا اپنی والدہ کے پاس پہنچنا	۳۴۱
نو فسادیوں کا عبرت ناک انجام	۳۰۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قبطی کا قتل	۳۴۴
قوم لوط کی بے راہروی، انکار حق، انجام	۳۰۴	حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کیسے پہنچے؟	۳۴۷
توحید باری تعالیٰ کے دلائل وبراہین	۳۰۶	موسیٰ علیہ السلام کی مصر کی طرف واپسی	۳۵۱
آخرت کے بارے میں کافروں کا علم	۳۰۸	معجزات موسوی، نصرت الٰہی	۳۵۲
انکار آخرت، عبرتِ تاریخ، تسلی نبوی	۳۱۲	فرعون کا غرور، انجام سرکشی، قرآن	۳۵۴
عذاب جلدی آنے والا ہے	۳۱۵	کفار کے خانہ ساز اعتراضات	۳۵۷
فضل الٰہی، علم محیط اور انجام تکذیب	۳۱۶	قرآن کریم یکبارگی نازل نہ کرنیکی وجہ	۳۵۸
حقانیت قرآن، فیصلہ الٰہی، حدود دعوت	۳۱۷	دوہرے اجر کے مستحقین	۳۵۹
جانور لوگوں سے باتیں کرے گا	۳۱۸	ہدایت اللہ کے اختیار میں	۳۶۱

رسول کی بعثت کے بغیر کسی کو عذاب	۳۶۴	عذاب الٰہی سے غفلت، جہنم کی وعید	۴۱۳
ہر امت کا نبی گواہ بنایا جائے گا	۳۶۸	صبر، توکل اور جنت کی دائمی نعمتیں	۴۱۴
قارون کا عبرت ناک واقعہ	۳۶۹	اللہ ہی رازق وخالق ہے پھر شرک کیوں؟	۴۱۵
آخرت کی کامیابی اور اعمال کا بدلہ	۳۷۵	دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کا دوام	۴۱۷
پیغام ربانی کی واضح ہدایات	۳۷۶	مصائب ومشکلات میں اللہ کو پکارنیوالے	۴۲۳
سورۃ العنکبوت	۳۷۸	والذین جاھدوا فینا کی تفسیر	۴۲۴
ایمان کی آزمائش اللہ کی دائمی سنت	۳۷۹	**سورۃ الروم**	۴۳۲
برے کام کرنیوالے کیا بھاگ سکتے ہیں؟	۳۸۱	معرکہ روم وفارس کا انجام	۴۳۳
لقاء الٰہی کی امید اور جہاد کا حقیقی فائدہ	۳۸۲	کائنات میں غور وفکر اور منکرین کا انجام	۴۴۵
ایمان، اعمال صالحہ، والدین سے سلوک	۳۸۴	قیامت کے دن مجرموں کی مایوسی	۴۴۶
ایمان کے دعویداروں کا امتحان	۳۸۶	قیامت کا فیصلہ اور تسبیح الٰہی	۴۴۷
اپنے گناہوں کے ساتھ دوسروں کے گناہ	۳۸۷	اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں	۴۴۹
حضرت نوح علیہ السلام کی عمر	۳۹۱	ایک خاص مثال سے شرک کی تردید	۴۵۳
بعثت ابراہیمی، دعوت توحید، آتش نمرودی	۳۹۴	فطرت انسانی، توحید خالص، اصلاح انسانی	۴۵۵
ہجرت ابراہیمی اور اللہ کی نعمتیں	۴۰۰	ہدیہ، ہبہ اور سود	۴۵۸
حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ	۴۰۲	اللہ ہی خالق ورازق، زندگی وموت کا مالک	۴۶۲
تکذیب رسالت، تکبر، فساد کا انجام	۴۰۵	خشکی اور دریاؤں میں فساد	۴۶۳
قوموں کی تباہی اور بربادی کے مناظر	۴۰۷	انجام مشرکین، دین اسلام پر قائم رہو	۴۶۶
باطل سہاروں کی کمزوری، تاثیر نماز	۴۰۸	کفر کا نقصان اور ایمان کا فائدہ	۴۶۷
قرآن اور رسالت کی صداقت پر گواہی	۴۱۰	ہوا، بادل اور بارش کا قدرتی نظام	۴۶۹

بارش احیاء زمین اور انسان کی ناشکری	۴۸۶	قیامت کا دن	۵۴۹
مسئلہ سماع موتیٰ	۴۸۷	اللہ تعالیٰ کا کامل علم، غلبہ اور رحمت	۵۵۴
حیات انسانی کے مختلف مراحل	۵۰۰	تخلیق انسانی کے مراحل	۵۵۵
قیامت کی ہولناکی، منکروں کی محرومی	۵۰۲	مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا	۵۵۶
سورۃ لقمان	۵۰۵	موت، قبض روح اور قیامت	۵۵۷
کتاب حکیم، محسنین، مفلحین، جنات نعیم	۵۰۷	جہنم کو کس سے بھرا جائے گا؟	۵۶۱
آسمان، زمین، پہاڑوں کا خالق اللہ ہی ہے	۵۱۵	غفلت آخرت کا انجام	۵۶۲
حضرت لقمان حکیم کی بیٹے کو نصیحتیں	۵۱۷	مومن اور کافر دونوں کا انجام	۵۶۳
حضرت لقمان حکیم، حکمت و دانائی	۵۲۲	دنیا اور آخرت کا عذاب	۵۶۷
نعمت الٰہی کا اعتراف اور اندھی تقلید	۵۲۴	اللہ کی آیات سے اعراض کرنیوالوں کا انجام	۵۶۸
جس نے مضبوط کڑا تھام لیا	۵۲۵	آپ ﷺ کی موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات	۵۷۰
کافروں کا انجام، اللہ کی کامل حاکمیت	۵۲۷	صبر و یقین سے قیادت، امم سابقہ	۵۷۱
اللہ تعالیٰ کا غیر متناہی علم	۵۲۹	بنجر زمینوں کو اللہ سیراب و آباد کرتا ہے	۵۷۳
اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، بعث بعد الموت	۵۳۱	اللہ کے فیصلے کا انکار اور انجام کفار	۵۷۶
سورج، چاند اور ستارے	۵۳۳	سورۃ الاحزاب	۵۷۹
کائنات میں نظم و ترتیب، اللہ کی وحدانیت	۵۳۸	تقویٰ و توکل اختیار کرنے کا حکم	۵۸۱
صرف مشکل میں نہیں ہمہ وقت اخلاص مطلوب	۵۴۱	ظہار اور تبنّیٰ	۵۸۳
تقویٰ، آخرت، علم الٰہی کی وسعت	۵۴۲	امت پر آپ ﷺ کی شفقت	۵۸۵
سورۃ السجدہ	۵۴۵	انبیاء کرام علیہم السلام سے لیا گیا عہد و پیمان	۵۸۸
حقانیت قرآن اور دلائل توحید	۵۴۷	جنگ خندق کے ایمان افروز واقعات	۵۹۲

منافقین کی منافقت کا بھیانک منظر	۶۰۱	صحابہ و صحابیہ رضی اللہ عنہم کو اذیت دینے والے	۶۷۳
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ	۶۰۵	آیت حجاب کی تفسیر	۶۷۵
جنگ خندق، مسلمانوں کا قابل رشک کردار	۶۰۶	منافقین کو دھمکی	۶۷۷
جنگ خندق غداروں کا انجام	۶۰۸	مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا	۶۷۷
ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی شان	۶۱۴	قیامت، کفار اور گمراہ کرنیوالوں کا انجام	۶۸۰
اہل بیت رضی اللہ عنہم سے کون مراد ہے؟	۶۲۱	يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ	۶۸۰
اہل ایمان مرد و عورت کے اوصاف	۶۲۷	إِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ	۶۸۱
حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	۶۳۱	إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا	۶۸۲
مسئلہ ختم نبوت	۶۳۵	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہ دی جائے	۶۸۲
کثرت ذکر الٰہی اور رحمت خداوندی	۶۴۳	خوف خداوندی اور قول سدید	۶۸۴
شان رسالت، دعوت حق اور توکل علی اللہ	۶۴۵	امانت خداوندی کی سپرداری	۶۸۶
رخصتی سے پہلے طلاق، عورت کی عدت	۶۴۸	ليعذب الله المنافقين والمنافقات	۶۸۷
بعض خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۶۵۰	ويتوب الله على المومنين والمومنات	۶۸۷
ازواج مطہرات کے درمیان تقسیم اوقات	۶۵۷	❀	
ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیازی اعزاز	۶۵۸	❀❀	
آداب معاشرت واحکام پردہ	۶۵۹	❀❀❀	
إِنْ تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ	۶۶۶	❀❀❀❀	
محرموں سے حجاب نہ کرنے کی اجازت	۶۶۷	❀❀❀❀❀❀❀❀❀	
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم	۶۶۹	❀❀❀❀❀❀❀❀❀	
اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے والے	۶۷۲	❀❀❀❀❀❀❀❀❀	

سورۃ المؤمنون (تعارف)

سوال سورۃ المومنون کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ المؤمنون قرآنِ مجید کی ایک جلیل القدر مکی سورت ہے، جس کی آیات کی تعداد ایک سو اٹھارہ ہے، اس کے مکی ہونے پر جمہور مفسرین کا اتفاق ہے اور اس کے مضامین میں بھی مکی سورتوں کی نمایاں خصوصیات یعنی توحید، رسالت، آخرت اور اخلاقی تربیت، واضح طور پر جلوہ گر ہیں۔ (محاسن التأویل، التفسیر الحدیث)

یہ سورت اپنے اسلوب، مضامین اور ترتیب کے اعتبار سے ایک جامع دعوتی و تربیتی نصاب پیش کرتی ہے، جس میں ایمان کی حقیقت، اس کے عملی تقاضے، اور انسانی زندگی کے مقصد کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

وجہ تسمیہ: اس سورت کا نام "المؤمنون" اس لیے رکھا گیا کہ اس کا آغاز ہی اہلِ ایمان کی نمایاں صفات کے بیان سے ہوتا ہے، قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ چنانچہ مفسرین کے مطابق سُمِّيَتْ بِهِمْ لِاشْتِمَالِهَا عَلَى جَلَائِلِ أَوْصَافِهِم (محاسن التأویل) اس سورت کو "مؤمنون" اس لیے کہا گیا کہ اس میں اہلِ ایمان کے عظیم اوصاف اور ان کے نتائج کو بیان کیا گیا ہے۔

اہم مضامین: ① اوصافِ مؤمنین اور فلاح کا معیار، سورت کا آغاز اُن مبارک صفات سے ہوتا ہے جو حقیقی کامیابی کا ذریعہ ہیں، جیسے نماز میں خشوع، لغویات سے اجتناب، زکوٰۃ کی ادائیگی، عفت و پاکدامنی، امانت و عہد کی پاسداری اور نمازوں کی حفاظت، یہ صفات ایک مثالی مومن کی مکمل شخصیت کو اجاگر کرتی ہیں۔ (الأمثل، المختصر) ② توحید اور مظاہرِ قدرت: اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو کائنات کی نشانیوں کے ذریعے واضح کیا گیا ہے، جیسے آسمان و زمین کی تخلیق، نباتات و حیوانات کا نظام اور انسان کی زندگی کے مختلف پہلو، جو سب اس کی قدرتِ کاملہ کے شاہد ہیں۔ (الأمثل) ③ تخلیقِ انسان کے مراحل: انسان کی پیدائش کو مرحلہ وار بیان کر کے اللہ تعالیٰ کی حکمت

اور قدرت کو نمایاں کیا گیا ہے، تاکہ انسان اپنی حقیقت کو پہچانے اور خالق کی عظمت کا اعتراف کرے۔(التفسیر الحدیث)

④ قصصِ انبیاء اور تاریخی عبرتیں: سورت میں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام جیسے نوح، ہود، موسیٰ اور ہارون کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں، جن میں دعوتِ حق، قوموں کی سرکشی اور انجامِ بد کو بیان کر کے اہلِ ایمان کو تسلی اور منکرین کو تنبیہ دی گئی ہے۔(التفسیر الحدیث)

⑤ کفار کے شبہات اور انکارِ آخرت کی تردید: کفار کے اعتراضات، غرور اور دنیا پرستی کو رد کیا گیا ہے اور انہیں بتایا گیا ہے کہ ان کا انجام ہلاکت اور خسارہ ہے، جبکہ ایمان و اطاعت کا راستہ ہی نجات کا ضامن ہے۔(التفسیر الحدیث)

⑥ عقیدۂ آخرت اور جزا و سزا: قیامت، بعث بعد الموت اور آخرت کے احوال کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے، جہاں مؤمنین کی کامیابی اور کفار کی ناکامی واضح کر دی گئی ہے۔(التفسیر الحدیث)

⑦ تسلیٔ رسول ﷺ اور دعوتی رہنمائی: سورت میں نبی کریم ﷺ کو کفار کی تکذیب پر صبر کی تلقین کی گئی ہے اور دعوتِ دین میں استقامت کا درس دیا گیا ہے، تاکہ اہلِ ایمان بھی اسی راہ پر ثابت قدم رہیں۔(التفسیر الحدیث)

مختصر یہ کہ سورۃ المؤمنون ایک ہمہ گیر اور متوازن سورت ہے، جس میں ایمان کے عقائد، اخلاقی صفات، عملی زندگی کے اصول اور دعوتِ دین کے تقاضے نہایت جامع انداز میں بیان کیے گئے ہیں، اس کا مرکزی پیغام یہ ہے کہ حقیقی کامیابی صرف اُن لوگوں کے لیے ہے جو ایمان، عبادت، اخلاق اور عملِ صالح کے جامع پیکر بن جائیں اور اپنی زندگی کو اللہ کی رضا کے تابع کر دیں۔

اہل ایمان کی صِفات اور اِنعام

سوال اہل ایمان کی صفات بیان کیجیے، ان کی کامیابی کی کیا صورت ہو گی؟

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۘ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ المؤمنون

جواب ترجمہ: تحقیق ایمان والے کامیاب ہو گئے۔ جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔ اور جو لغو چیزوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اور جو ادائیگی زکوٰۃ کا کام کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی شرم کی جگہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں کے یا ان باندیوں کے جن کے وہ مالک ہوں سو بلاشبہ وہ ان میں اپنی شرم کی جگہوں کو استعمال کرنے پر ملامت کیے ہوئے نہیں۔ ہاں جو اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہیں تو ایسے لوگ حد سے گزرے ہوئے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ یہی وہ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

شانِ نزول: عبدالرحمٰن بن عبد القاری فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ کے چہرے کے قریب شہد کی مکھی کی بھنبناہٹ کی طرح کی آواز سنائی دیتی تھی، ہم گھڑی بھر ٹھہر گئے اس کے بعد آپ ﷺ نے قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھائے اور کہا کہ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا، وَأَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا، وَأَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا، وَآثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا، وَأَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا، اے اللہ ہمیں زیادہ دے کم نہ دے

ہمارا اکرام کر ہماری توہین نہ کر ہمیں عطا کر محروم نہ کر ہمیں ترجیح دے ہمیں راضی رکھ اور ہم سے راضی رہ، پھر آپ ﷺ نے فرمایا ہم پر دس آیات نازل کی گئی ہیں جس نے ان پر استقامت کی وہ جنت میں داخل ہو گا اس کے بعد آپ نے قد افلح المومنون کی دس آیات کی تلاوت کی۔ (اسباب النزول)

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ: سورۃ کا آغاز نہایت پُر جلال اعلانِ کامیابی سے ہوتا ہے کہ یقیناً اہلِ ایمان فلاح پا گئے۔ یہاں قَدْ اس کامیابی کے تحقق اور قطعیت کو ظاہر کرتا ہے۔ أَفْلَحَ فلاح سے ہے، فلاح سے مراد یہ ہے کہ انسان ہر مطلوب کو پالے اور ہر خوف و نقصان سے نجات پا جائے، گویا ایمان والوں نے اپنی منزلِ مراد حاصل کر لی۔

الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ: یہ کامیاب لوگوں کی پہلی صفت ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں، خَاشِعُونَ خشوع سے ہے، خشوع دل کی وہ کیفیت ہے جس میں بندہ اپنے رب کی عظمت کے حضور جھک جاتا ہے، اس کے ظاہر و باطن پر سکون طاری ہو جاتا ہے اور وہ پوری توجہ کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے۔

خشوع اور خضوع میں فرق: خشوع اور خضوع کے درمیان نہایت لطیف مگر اہم فرق یہ ہے کہ خشوع دراصل دل کی کیفیت کا نام ہے، جبکہ خضوع ظاہر اور جسمانی جھکاؤ کو کہتے ہیں، خشوع اس وقت پیدا ہوتا ہے جب بندہ اپنے رب کی عظمت، جلال اور ہیبت سے دل کی گہرائیوں میں متاثر ہو کر سچائی کے ساتھ جھک جائے، اس میں خوف، سکون اور عاجزی کی ایک باطنی کیفیت شامل ہوتی ہے جو پھر اعضاء و جوارح پر بھی ظاہر ہوتی ہے، اس کے برعکس خضوع محض ظاہری انکساری اور بدن کے جھکنے کا نام ہے، جو کبھی حقیقی عاجزی کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی محض رسم، مجبوری یا خوف کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے، اسی لیے قرآنِ کریم میں خشوع کا لفظ زیادہ تر اللہ تعالیٰ کے سامنے سچے دل کی عاجزی کے لیے آتا ہے، جب کہ خضوع ایک عام لفظ ہے جو ہر طرح کے ظاہری جھکاؤ پر بولا جا سکتا ہے، گویا خشوع باطن کا انقیاد اور دل کا جھک جانا ہے، جبکہ خضوع ظاہر کا انکسار اور جسم کا جھکنا ہے اور کامل عبادت وہی ہے جس میں خشوع کی یہ داخلی کیفیت خضوع کے ظاہری اظہار کے ساتھ جمع ہو جائے۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ: یہ وہ لوگ ہیں جو ہر لغو اور بے فائدہ کام سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ لَغو ہر اس بات اور عمل کو کہا جاتا ہے جو نہ دینی فائدہ دے اور نہ دنیاوی، بلکہ محض وقت اور صلاحیتوں کا ضیاع ہو، مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کو بامقصد بناتا ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ: یہ اہلِ ایمان زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔ زکوٰۃ نہ صرف مال کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے بلکہ نفس کی اصلاح اور معاشرے میں توازن و ہمدردی کو فروغ دیتی ہے، اس کے ذریعے انسان بخل اور حرص سے پاک ہوتا ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ سے فَأُولَئِكَ هُمُ الْعَادُونَ: تک یہ آیات مومن کی عفت و پاکدامنی کو بیان کرتی ہیں کہ وہ اپنی خواہشات کو صرف جائز حدود میں رکھتے ہیں، بیوی یا شرعی دائرے کے علاوہ ہر راستہ ممنوع ہے اور جو اس حد سے آگے بڑھے وہ حد سے تجاوز کرنے والا ہے، اس میں انسانی فطرت کی حفاظت اور معاشرتی پاکیزگی کا راز پوشیدہ ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی امانتوں اور وعدوں کی پوری حفاظت کرتے ہیں، امانت و دیانت اور عہد کی پاسداری ایک صالح معاشرے کی بنیاد ہے اور یہی وصف انسان کو قابلِ اعتماد اور باکردار بناتا ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ: یہ لوگ اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں، ان کے اوقات، آداب اور شرائط کی پوری حفاظت کرتے ہیں، ابتدا میں خشوع کے ساتھ نماز کا ذکر اور یہاں محافظت کا بیان اس بات کی دلیل ہے کہ نماز مومن کی زندگی کا مرکز ہے۔

أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ سے الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ: تک فرمایا گیا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقی وارث ہیں، جو جنت الفردوس کے وارث بنیں گے، فردوس جنت کا اعلیٰ ترین مقام ہے اور یہ اہل ایمان کے لیے دائمی ٹھکانہ ہوگا، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

ان آیاتِ مبارکہ میں مومن کی کامل اور جامع شخصیت کو نمایاں کیا گیا ہے، عبادت میں خشوع، زندگی میں پاکیزگی، معاملات میں دیانت اور معاشرے میں خیر کا کردار، یہی اوصاف انسان کو حقیقی

کامیابی اور جنت الفردوس کا مستحق بناتے ہیں۔

انسانی پیدائش کے مختلف مراحل

سوال انسانی تخلیق کے مراحل کا ذکر کیجیے یہاں تک کہ اسے قیامت کے دن اٹھایا جائے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ {۱۲} ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ {۱۳} ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ {۱۴} ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ {۱۵} ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ {۱۶} المؤمنون

جواب ترجمہ: اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا۔ پھر ہم نے اسے ٹھہرنے کی جگہ میں نطفہ کی صورت میں رکھا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے اس لوتھڑے کو بوٹی بنادیا، پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنادیا پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنادیا، پھر ہم نے اس کو دوسری طرح کی مخلوق بنادیا، سو بابرکت ہے اللہ کی ذات جو سب صناعوں سے بہتر ہے۔ پھر اس سب کے بعد تمہیں یقیناً موت آنے والی ہے، پھر قیامت کے دن تمہیں یقیناً دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ یہ فرمارہے ہیں کہ ہم نے آدم کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو روئے زمین سے لی گئی تھی، پھر ہم نے اس کی نسل کو منی کے قطرے سے پیدا کیا، جو مردوں کی صلب سے نکل کر عورتوں کے رحم میں ٹھہرتا ہے، پھر ہم نے اس قطرہ منی کو سرخ رنگ گوشت کا لوتھڑا بنایا، پھر اس لوتھڑے کو ہم نے چالیس دن کے بعد ایک بوٹی کی شکل میں کیا، پھر اس نرم ونازک بوٹی کو ہم نے ہڈی بنایا، پھر ہم نے اس ہڈی پر گوشت چڑھایا، پھر ہم پیدائش کا وہ مرحلہ لائے کہ ہم نے اس میں روح پھونکی، اللہ بابرکت ذات ہے جس نے ہر چیز کو خوبصورت انداز میں پیدا کیا، پھر انسان کی زندگی کے مختلف مراحل آئے، پھر اس کی عمر کے مختلف مراحل آئے، یہ مراحل ختم ہوئے تو انسان کی زندگی ختم ہوگئی، پھر موت کے بعد اور دنیا کے ختم ہونے کے بعد تم قیامت کے دن زندہ کرکے اپنی قبروں سے حساب اور جزاوسزا

کے لیے اٹھائے جاؤ گے۔

قدرتِ الٰہی کی نشانیاں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ {۱۷} وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ {۱۸} فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ {۱۹} المومنون

جواب ترجمہ: اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر سات طرائق پیدا کیے ہیں اور ہم مخلوق سے بے خبر نہیں ہیں۔ اور ہم نے آسمان سے خاص مقدار کے مطابق پانی اتارا پھر ہم نے اسے زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس کے معدوم کرنے پر قادر ہیں۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ تمہارے لیے کھجور اور انگور کے باغ پیدا کیے ان میں تمہارے لیے بکثرت میوے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ: اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد کرتا ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر "سبع طرائق" یعنی سات آسمان پیدا کیے۔ مفسرین کے نزدیک "طرائق" سے مراد تہہ در تہہ آسمان ہیں، جو ایک دوسرے کے اوپر منظم انداز میں قائم ہیں۔ امام واحدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : سبع طرائق سے مراد سات آسمان ہیں، جنہیں اس لیے طرائق کہا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے اوپر تہہ بہ تہہ ہیں) تفسیر البسیط)۔ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں انہیں طرائق اس لیے کہا گیا کہ وہ ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں (زاد المسیر) امام مراغی رحمہ اللہ کے مطابق یہ آسمان ایسے ہیں جیسے ایک کپڑے پر دوسرا کپڑا چڑھا دیا جائے۔ (تفسیر المراغی)۔ بعض مفسرین نے یہ بھی فرمایا کہ یہ "طرائق" ملائکہ کے آنے جانے کے راستے یا ستاروں کی گردش کے مدار ہیں (روح المعانی، البحر المدید)۔

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ: یعنی ہم اپنی مخلوق سے ہرگز غافل نہیں۔ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ

فرماتے ہیں : ہم نے آسمان بنا کر مخلوق کو یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ان کے نظامِ زندگی کی نگرانی فرماتے ہیں۔ (زاد المسیر)۔ مراغی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، غافل نہیں یعنی ہم ان کے معاملات کو نظر انداز نہیں کرتے بلکہ مکمل تدبیر کے ساتھ چلاتے ہیں (تفسیر المراغی)۔

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَى ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ: اس آیت میں نظامِ بارش کی حکمت بیان کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے آسمان سے پانی ایک خاص اندازے اور مقدار کے ساتھ نازل کیا۔ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یہ پانی ضرورت کے مطابق نازل کیا جاتا ہے، نہ اتنا زیادہ کہ تباہی ہو اور نہ اتنا کم کہ زندگی متاثر ہو (زاد المسیر)۔ قرآنی تفسیر میں آیا ہے : یہ "بقدر" اس بات کی دلیل ہے کہ پانی کا نظام نہایت دقیق تدبیر کے تحت چل رہا ہے (التفسیر القرآنی للقرآن)۔

فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ: یعنی ہم اس پانی کو زمین میں محفوظ کر دیتے ہیں۔ طبرانی رحمہ اللہ کے مطابق، یہ پانی زمین میں چشموں، کنوؤں اور زیرِ زمین ذخائر کی صورت میں محفوظ ہو جاتا ہے (تفسیر القرآن العظیم)۔

وَإِنَّا عَلَى ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ: یعنی اگر ہم چاہیں تو اس پانی کو ختم بھی کر سکتے ہیں۔ تفسیر الحدیث میں ہے : یہ انسان کو یاد دلانے کے لیے ہے کہ اس کی زندگی کا دار و مدار اسی پانی پر ہے اور اللہ چاہے تو اسے چھین سکتا ہے (التفسیر الحدیث)۔

فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ: پھر اسی پانی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے، جن میں بے شمار پھل ہیں اور تم انہی سے رزق حاصل کرتے ہو۔ تفسیر الأمثل میں ہے : یہ باغات اللہ کی وحدانیت کی واضح نشانیاں ہیں اور کھجور و انگور انسانی غذا کے اہم ترین ذرائع ہیں (تفسیر الامثل)۔ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ان باغات سے تم مختلف قسم کے پھل حاصل کرتے ہو اور اپنی زندگی کا سامان کرتے ہو (زاد المسیر)۔ التفسیر القرآنی کے مطابق : کھجور اور انگور زرخیزی، رزق اور معاشی استحکام کی علامت ہیں (التفسیر القرآنی للقرآن)۔

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت، حکمت اور ربوبیت کے عظیم مظاہر کو نہایت بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے، سات آسمانوں کی تخلیق، بارش کا متوازن نظام، پانی کا زمین میں ذخیرہ ہونا اور پھر اسی سے باغات اور رزق کا پیدا ہونا، یہ سب اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ کائنات کا ہر نظام ایک حکیم و قادر رب کے ہاتھ میں ہے، انسان کو چاہیے کہ ان نشانیوں پر غور کرے، اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرے اور اس کی قدرت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔

زیتون کے فائدے

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتائیے کہ جس درخت کا یہاں ذکر ہے اس سے کون سا درخت مراد ہے؟

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ {۲۰} المؤمنون

جواب ترجمہ: اور ہم نے ایک درخت پیدا کیا جو طور سیناء سے تیل لیے ہوئے اگتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن لے کر اگتا ہے۔

حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ میں طور سے مراد وہ پہاڑ ہے کہ جس سے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی گئی۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت وَشَجَرَةً تَخْرُجُ سے زیتون کا درخت مراد ہے۔ آیت مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ سے خوبصورت پہاڑ مراد ہے تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میں تیل اور سالن بنا دیا۔

(عبد الرزاق) حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ سے مراد ہے مبارک پہاڑ آیت تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ یعنی اگاتا ہے تیل کو۔ (ابن ابی شیبہ) ربیع بن انس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آیت وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ سے زیتون کا درخت مراد ہے۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ سے زیتون کا درخت مراد ہے، جو تیل کو اگاتا ہے اور وہ ایسا تیل ہے جو لگایا جاتا ہے اور وہ کھانے والوں کے لیے

سالن بھی ہے کہ لوگ اس کو کھاتے ہیں۔(ابن ابی حاتم)حضرت عطیہ عوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیناء زمین کا نام ہے۔(ابن ابی حاتم)حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طور ایک پہاڑ ہے اور سیناء ایک پتھر ہے اور دوسرے لفظ میں ہے کہ سیناء ایک درخت ہے۔(عبد بن حمید)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ سے مراد وہ تیل ہے جو کھایا جاتا ہے اور اسے لگایا جاتا ہے۔ (عبدالرزاق، ابن المنذر، ابن ابی حاتم)ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ سے مراد ہے کہ وہ لوگ اس کو بطور سالن استعمال کرتے ہیں اور اس میں روٹی کو ڈبوتے ہیں۔(ابن جریر، ابن ابی حاتم)

حضرت ابوہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوا بِهِ، فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ(ترمذی، ابن ماجہ)زیتون کا تیل کھاؤ بھی اور لگاؤ بھی، اس لیے کہ یہ برکت والے درخت سے نکلتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ائْتَدِمُوا بِالزَّيْتِ، وَادَّهِنُوا بِهِ، فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ (بیہقی، ابن ماجہ)زیتون کے تیل کو سالن کے طور پر استعمال کرو اور اسے لگاؤ بھی، اس لیے کہ یہ برکت والے درخت سے ہے۔

علامہ ابن قیم جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیتون کا تیل گرم اور تر ہوتا ہے، جو لوگ اسے خشک بتاتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، زیتون کا تیل زیتون ہی کی طرح ہے، پختہ زیتون کا رس نہایت عمدہ اور بہتر ہوتا ہے، اور نیم پختہ سے نکلنے والا تیل سرد خشک ہوتا ہے اور سرخ زیتون دونوں کے درمیان متوسط ہوتا ہے، سیاہ زیتون گرم کرنے والا ہوتا ہے اور اسی میں اعتدال کے ساتھ رطب ہوتا ہے، ہر قسم کے زہر میں مفید ہے، دست آور ہے، پیٹ کے کیڑوں کو نکالتا ہے، پرانا زیتون کا تیل بہت زیادہ گرم کن اور محلل ہوتا ہے اور جو پانی کے ذریعے نکالا جاتا ہے، اس میں گرمی کم ہوتی ہے اور لطیف تر اور نفع بخش ہوتا ہے، اس کی تمام قسموں سے جلد میں نرمی اور ملائمت پیدا ہوتی ہے، بالوں کی سفیدی کو روکتا ہے۔ (الطب النبوی مؤلفہ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ)

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں کہ وَمَاءُ الزَّيْتُونِ الْمَالِحِ يَمْنَعُ مِنْ تَنَفُّطِ حَرْقِ النَّارِ، وَيَشُدُّ اللِّثَةَ، وَوَرَقُهُ يَنْفَعُ مِنَ الْحُمْرَةِ، وَالنَّمْلَةِ، وَالْقُرُوحِ الْوَسِخَةِ، وَالشِّرَى، وَيَمْنَعُ الْعَرَقَ، وَمَنَافِعُهُ أَضْعَافُ مَا ذَكَرْنَا (الطب النبویہ لابن الجوزیہ) زیتون کا نمکین پانی جلے ہوئے مقام پر آبلے نہیں آنے دیتا، مسوڑھوں کو مضبوط بناتا ہے، زیتون کے پتے بدن کے دانوں اور پہلو کی پھنسیوں، گندے زخموں اور پتی کو روکتا ہے، پسینہ بند کرتا ہے اور اس کے علاوہ اس کے بے شمار فائدے ہیں۔

جانور اور کشتیاں خدائی نعمتیں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ {٢١} وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ {٢٢} المومنون

جواب ترجمہ: اور بلاشبہ تمہارے لیے چوپایوں میں عبرت ہے، ہم انہیں میں سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے، اور تمہارے لیے ان میں بہت منافع ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو۔ اور ان چوپایوں پر اور کشتیوں پر اٹھائے جاتے ہیں۔

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی بے شمار نعمتوں میں غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے خاص طور پر انعام (چوپایہ جانوروں) کا ذکر فرمایا، جو اونٹ، گائے، بکری اور ان جیسے دیگر جانوروں پر مشتمل ہیں، یہ وہ مخلوق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسان کے تابع اور مسخر بنا دیا ہے، حالانکہ وہ اپنی ایک مستقل فطرت اور ارادہ رکھتے ہیں، مگر اس کے باوجود ربِّ کائنات نے انہیں اس طرح انسان کے لیے نرم اور مطیع کر دیا کہ وہ اس کی ضروریات پوری کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

سب سے پہلے فرمایا کہ ان میں تمہارے لیے بڑی عبرت ہے، یعنی ان کی تخلیق، ان کی ساخت اور ان کا انسان کے لیے مسخر ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ایک عظیم خالق ہے، جو نہ صرف پیدا

کرنے پر قادر ہے بلکہ اپنی مخلوق کو انسان کے فائدے کے لیے باقی بھی رکھتا ہے اور اس کے تابع بھی بنا دیتا ہے۔

نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا: یہاں ارشاد فرمایا کہ ہم تمہیں ان کے پیٹوں سے دودھ پلاتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک حیرت انگیز مظہر ہے کہ ایک ہی جانور کے جسم میں مختلف چیزیں جمع ہوتی ہیں، مگر انہی کے درمیان سے نہایت پاکیزہ اور خالص دودھ نکلتا ہے، جو انسان کے لیے بہترین غذا ہے۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ: فرمایا کہ ان میں تمہارے لیے بہت سے فائدے ہیں، چنانچہ ان کے اون، بال اور کھالوں سے انسان اپنے گھروں کے لیے سامان، بستر اور لباس تیار کرتا ہے اور ان کی کھالوں سے خیمے اور رہائش کے اسباب بناتا ہے۔ پھر فرمایا: اور انہی میں سے تم کھاتے بھی ہو، یعنی ان کا گوشت تمہارے لیے حلال اور پاکیزہ رزق ہے، گویا یہ جانور اپنی پوری زندگی میں انسان کے لیے سراپا نفع ہیں، دودھ دیتے ہیں، سامان مہیا کرتے ہیں اور آخر کار خوراک بن جاتے ہیں۔ یہ تمام نعمتیں اس بات کا واضح تقاضا کرتی ہیں کہ انسان اپنے منعمِ حقیقی کا شکر ادا کرے اور اس کی نعمتوں کی ناشکری نہ کرے اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے، کیونکہ شکر گزاری عقل اور ایمان دونوں کا لازمی تقاضا ہے۔

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ: اور تم ان پر اور کشتیوں پر سوار کیے جاتے ہو، یہاں "ان پر" سے مراد تمام جانور نہیں بلکہ ان میں سے بعض ہیں، جیسے اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے، جو بار برداری اور سواری کے کام آتے ہیں، خصوصاً اونٹ کو اس کی غیر معمولی صلاحیت کی وجہ سے "صحراء کا جہاز" کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ بھاری بوجھ اٹھا کر لمبے سفر طے کرتا ہے۔

پھر کشتیوں کا ذکر فرمایا، جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پانی پر چلتی ہیں اور انسانوں اور سامانِ تجارت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی ہیں، یہ کشتیاں زمین کے مختلف علاقوں کو آپس میں جوڑتی ہیں اور ایک خطے کی نعمتوں کو دوسرے خطے تک پہنچانے کا ذریعہ بنتی ہیں۔

آج کے دور میں جب ہم اس قرآنی بیان وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اس کی وسعت اور معنویت اور بھی نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے، قدیم زمانے کی سادہ کشتیوں سے لے کر عصرِ حاضر کے عظیم الشان بحری جہازوں تک، یہ سب اسی الٰہی نظامِ تسخیر کی جدید جھلکیاں ہیں۔

آج سمندروں کی وسعتوں میں چلتے ہوئے وہ دیو قامت جہاز انسان کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں، کہیں تیل سے بھرے ہوئے عظیم ٹینکر ہیں، جو سمندر کے سینے پر ایسے رواں دواں ہوتے ہیں جیسے کوئی پہاڑ پانی پر تیر رہا ہو، ان کے اندر لاکھوں ٹن تیل محفوظ ہوتا ہے، جو ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک پہنچایا جاتا ہے۔

پھر وہ بڑے بڑے کنٹینر بردار جہاز ہیں، جن پر رنگ برنگے کنٹینرز اس ترتیب سے سجے ہوتے ہیں کہ گویا سمندر پر ایک چلتا پھرتا شہر نظر آرہا ہو، ہر کنٹینر اپنے اندر دنیا کی کسی نہ کسی ضرورت کو سمیٹے ہوئے ہوتا ہے، کہیں خوراک، کہیں مشینری، کہیں کپڑے اور کہیں جدید ٹیکنالوجی کے آلات۔

اسی طرح بعض جہاز ایسے ہوتے ہیں جو جانوروں سے لدے ہوتے ہیں، اونٹ، گائے، بکریاں، گویا قدیم زمانے کی تصویر ایک نئے انداز میں زندہ ہو گئی ہو، مگر اب یہ قافلے صحرا کے بجائے سمندر کی موجوں پر سفر کر رہے ہوتے ہیں۔

اور پھر وہ حیرت انگیز کئی کئی منزلہ جہاز، جو بظاہر کسی عظیم الشان عمارت کا منظر پیش کرتے ہیں، ان میں بعض مسافر بردار جہاز (کروز شپ) ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے اندر بازار، رہائش گاہیں، تفریحی مقامات، حتیٰ کہ باغات تک موجود ہوتے ہیں، انسان ان میں سفر کرتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ سمندر پر تیرتے ہوئے ایک مکمل شہر میں رہ رہا ہو۔

یہ تمام مناظر درحقیقت اسی ایک حقیقت کی گواہی دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ عقل، فہم اور وسائل عطا فرمائے، جن کے ذریعے اس نے سمندروں کو مسخر کر لیا، لیکن حقیقت میں نہ یہ جہاز اپنی قوت سے چلتے ہیں اور نہ ہی سمندر خود بخود ان کو اٹھائے رکھتا ہے، بلکہ یہ سب کچھ اسی ربِّ کریم کے حکم اور اس کے قائم کردہ قوانینِ فطرت کے تحت ہے۔

پس جب انسان ان عظیم الشان جہازوں کو دیکھے، جو بادلوں جیسے دھوئیں چھوڑتے ہوئے، پہاڑوں جیسے بوجھ اٹھائے سمندروں میں رواں دواں ہیں، تو اسے چاہیے کہ وہ اس آیتِ مبارکہ کی صداقت کو دل کی آنکھ سے دیکھے اور بے اختیار پکار اٹھے، یہ سب میرے رب کی قدرت کا کرشمہ ہے، جس نے صحراؤں کے اونٹوں سے لے کر سمندروں کے جہازوں تک، ہر چیز کو میرے لیے مسخر فرمادیا۔

الغرض، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی قدرت کی نشانیوں میں غور کرنے، ان سے عبرت حاصل کرنے اور اپنے رب کی نعمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا شکر گزار بننے کی دعوت دی ہے۔

نوح علیہ السلام کشتی سازی، ادعیہ صالحہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور مختصر تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ {۲۳} فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ {۲۴} اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ {۲۵} قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ {۲۶} فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ {۲۷} فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ {۲۸} وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ {۲۹} اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ {۳۰} ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ {۳۱} فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ {۳۲} وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا

تَشْرَبُوْنَ {۳۳}وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ {۳۴}اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ {۳۵}هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ {۳۶}اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ {۳۷}اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ {۳۸}قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ {۳۹}قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ {۴۰}فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ {۴۱}ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ {۴۲}مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ {۴۳}ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ {۴۴}

المومنون

جواب ترجمہ: اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے نوح کو ان کی قوم طرف بھیجا سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ سو ان کی قوم کے سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر اختیار کیا کہ یہ شخص تمہارے ہی جیسا آدمی ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تم پر فضیلت والا بن کر رہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتوں کو نازل فرما دیتا ہم نے تو یہ بات اپنے باپ دادوں میں نہیں سنی جو ہم سے پہلے تھے۔

اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے کہ اس کو جنون ہو گیا ہے سو تم کچھ وقت تک اس کا انتظار کر لو۔

نوح نے عرض کیا کہ اے میرے رب اس سبب سے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا میری مدد فرمایئے۔

سو ہم نے نوح کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے سامنے اور ہماری وحی سے کشتی بنالو پھر جب ہمارا حکم پہنچے اور تنور سے پانی پھوٹ نکلے تو ہر جوڑے سے دو عدد یعنی ایک ایک نر ایک ایک مادہ کشتی میں داخل کر دینا اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے اس کے جس پر ان میں سے پہلے بات طے ہو چکی ہے۔ اور ان لوگوں کے بارے میں مجھ سے خطاب نہ کرنا جنہوں نے ظلم کیا، بلاشبہ وہ غرق کیے جانے والے ہیں۔

سو جب تم اور وہ لوگ جو تمہارے ساتھ ہیں ٹھیک طرح کشتی میں بیٹھ جائیں تو یوں کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی۔ اور تم یوں دعا کرو کہ اے میرے رب مجھے برکت کا اتارنا اتاریو اور آپ اتارنے والوں میں سب سے بہتر ہیں۔

بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں اور بلاشبہ ہم ضرور آزمانے والے ہیں۔ پھر ہم نے ان کے بعد دوسرا گروہ پیدا کیا۔ پھر ہم نے ان میں سے رسول بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم نہیں ڈرتے ہو۔ اس رسول کی قوم کے چودھری جنہوں نے کفر اختیار کیا اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں دنیا میں عیش کی زندگی دی تھی۔

انہوں نے کہا یہ تو تمہارے جیسا ہی آدمی ہے اسی میں سے یہ کھاتا ہے جس سے تم کھاتے ہو اور اسی میں پیتا ہے جس سے تم پیتے ہو۔ اور اگر تم نے اپنے جیسے آدمی کی بات مان لی تو بلاشبہ تم ضرور ہی نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔

کیا یہ شخص تمہیں یہ بتاتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم نکالے جاؤ گے۔ دور ہے دور ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ یہ تو بس دنیا والی ہی زندگی ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔ یہ کچھ نہیں بس یہ صرف ایسا شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

اس پیغمبر نے عرض کیا کہ اے میرے رب اس سبب سے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا میری مدد فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عنقریب یہ لوگ پشیمان ہوں گے۔ سو ان لوگوں کے سچے وعدہ کے موافق سخت چیخ نے پکڑ لیا، پھر ہم نے انہیں خس و خاشاک کر دیا، سو دوری ہے ظالم قوم کے لیے۔ پھر ہم نے ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کیا۔

کوئی امت اپنی اجل سے نہ آگے بڑھ سکتی تھی اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ پھر ہم نے یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو بھیجا جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا سو

ہم بعض کو بعض کے پیچھے وجود میں لاتے رہے اور ہم نے انہیں کہانیاں بنا دیا، سو اس قوم کے لیے دوری ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر بعد کی اقوام تک ایک مسلسل تاریخی و ایمانی سلسلہ بیان فرمایا ہے، جس کا مرکزی پیغام توحید کی دعوت، رسالت کا انکار اور اس کے انجام کی عبرتناک تصویر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو نہایت اخلاص کے ساتھ یہ پیغام دیا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، مگر قوم کے متکبر سرداروں نے اس دعوت کو یہ کہہ کر ردّ کر دیا کہ یہ تو تم ہی جیسا ایک بشر ہے جو تم پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ کو رسول بھیجنا ہوتا تو کسی فرشتے کو بھیجتا، یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو مجنون قرار دے کر مہلت دینے کی بات کی۔

جب مسلسل انکار حد سے بڑھ گیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: اے میرے رب! میری مدد فرما، اس وجہ سے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنی نگرانی اور وحی کے تحت کشتی بنانے کا حکم دیا اور طوفان کی علامت مقرر فرمائی، پھر اہلِ ایمان اور ہر جاندار کے جوڑے اس میں سوار کیے گئے، جبکہ منکرین ہلاک کر دیے گئے، اس موقع پر شکرِ نجات اور دعا کی تعلیم بھی دی گئی، تاکہ بندہ ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع رکھے۔

اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانی اور آزمائش کا مظہر قرار دیا، پھر اس کے بعد آنے والی قوم (عاد) کا ذکر کیا گیا، جنہوں نے اپنے رسول کو اسی طرح جھٹلایا، بشر ہونے کو عیب بنایا، آخرت کا انکار کیا اور تکبر میں ڈوبے رہے، یہاں تک کہ عذابِ الٰہی کی چنگھاڑ نے انہیں آلیا اور وہ بہتی ہوئی جھاگ کی مانند بے وقعت ہو کر رہ گئے۔

آخر میں فرمایا کہ ہر امت کے لیے ایک مقرر وقت ہے، اللہ تعالیٰ پے در پے رسول بھیجتا رہا، مگر جب بھی کسی قوم نے اپنے رسول کو جھٹلایا تو وہ محض قصۂ عبرت بن کر رہ گئی، اس پورے بیان کا

حاصل یہ ہے کہ توحید ہی تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ دعوت ہے، انکارِ رسالت کی جڑ تکبر اور آخرت سے غفلت ہے اور انجام کار ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ اہلِ ایمان نجات پاتے ہیں اور منکرین ہلاکت و رسوائی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

قوم عاد کی ہلاکت: اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو کیسے ہلاک کیا؟ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو ایک زور دار قسم کی چیخ کے ذریعے ہلاک کیا، جس کے ساتھ زور دار قسم کی ہوا بھی چل رہی تھی، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ {۴۱} المؤمنون، چنانچہ اس سچے وعدے کے مطابق ان کو ایک چنگھاڑ نے آپکڑا اور ہم نے انہیں کوڑا کرکٹ بنا کر رکھ دیا۔ پھٹکار ہے ایسے ظالم لوگوں پر۔

قوم عاد پر آنے والے عذاب کے بارے میں قرآنی آیات میں مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں، کہیں آتا ہے کہ انہیں صیحہ (چیخ وچنگھاڑ) سے ہم نے پکڑا، کہیں صاعقہ یعنی بجلی کا ذکر ہے، کہیں ریح یعنی ہوا کا ذکر ہے، کہیں ریح صرصر (تیز آندھی) کا ذکر ہے، کہیں ریح عقیم (بانجھ ہوا) یعنی خیر وبرکت سے خالی ہوا کا ذکر ہے، کہیں ریح عاتیہ (حد سے تجاوز کرنے والی آندھی) کا ذکر ہے۔

ان مختلف آیات کو سامنے رکھتے ہوئے اہل علم وعرفان کہتے ہیں کہ ان میں کوئی باہمی تعارض واختلاف نہیں ہے، اصل عذاب آندھی ہی کا آیا تھا، جسے کسی آیت میں صیحہ سے اور کسی میں صاعقہ سے تعبیر کیا گیا، اس لحاظ سے صیحہ سے مطلق ہلاک کرنے والی سزا کا ذکر کیا گیا ہے، صاعقہ کے معنٰی لغت میں عذاب کے آتے ہیں۔ تفسیر جلالین میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ اور تیز آندھی دونوں سے قوم عاد کو ہلاک کیا گیا، صاعقہ کا معنٰی عذاب ہے، اس لیے مختلف الفاظ کی وجہ سے ان آیات مختلفہ میں تعارض نہیں سمجھنا چاہیے۔

رسولوں کا تسلسل: اللہ تعالیٰ نے انسانی رشد وہدایت کے لیے تسلسل کے ساتھ انبیاء کرام بھیجے، یہاں اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کو ظاہر کرنے کے لیے لفظ تَتْرَا استعمال فرمایا ہے، ثُمَّ

أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا كُلَّ مَا جَاءَ أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُم بَعْضاً {۴۴} المؤمنون، پھر ہم نے پے در پے اپنے پیغمبر بھیجے، جب بھی کسی قوم کے پاس اس کا پیغمبر آتا تو وہ اسے جھٹلاتے، أَرْسَلْنَا تَتْرَا ، تواتر اور متواترہ چیزوں کا پے در پے یعنی ایک کے بعد دوسرے کا اور دوسرے کے بعد تیسرے کا آنا اور بغیر کسی اجتماعیت کے تسلسل قائم ہونا اور اس وجہ سے کہ دونوں نبیوں کے درمیان ایک طویل زمانہ ہے۔ اصمعی کا قول ہے کہ، وَاتَرَتِ الخَبَر، اس وقت کہا جاتا ہے جب ایک کے پیچھے دوسری خبر دی جائے اور دونوں کے درمیان کچھ وقفہ ہو۔

دعوت موسیٰ وھارون علیہما السلام اور تکبر فرعون

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسٰى وَأَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ {۴۵} إِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ {۴۶} فَقَالُوْٓا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ {۴۷} فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ {۴۸} وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ {۴۹} المومنون

جواب ترجمہ: پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی آیات اور کھلی ہوئی دلیل کے ساتھ بھیجا۔ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس۔ سو ان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ اونچے تھے۔ سو ان لوگوں نے کہا کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں اور حال یہ ہے کہ ان کی قوم ہمارے زیر حکم ہے۔ سو ان دونوں کو انہوں نے جھٹلایا لہٰذا وہ ہلاک کیے جانے والے لوگوں میں شامل کر دیئے گئے۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تاکہ وہ لوگ ہدایت پائیں۔

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسٰى وَأَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ: یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی بعثت، فرعون اور اس کے درباریوں کے تکبر آمیز رویّے اور ان کے انجام عبرتناک کو نہایت جامع انداز میں بیان فرمایا ہے۔

اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِیْنَ: ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کو اپنی روشن نشانیوں اور واضح حجت کے ساتھ مبعوث فرمایا، جن میں وہ عظیم معجزات شامل تھے جو حقانیت کو آفتابِ نیم روز کی طرح آشکار کر دیتے تھے، مگر جب یہ دعوت فرعون اور اس کے سرداروں کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے سرکشی اور تکبر کا راستہ اختیار کیا اور اپنی جھوٹی برتری کے زعم میں حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ: انہوں نے استہزاء کے طور پر کہا کہ کیا ہم اپنے ہی جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں؟ اور مزید یہ کہ ان کی قوم (بنی اسرائیل) تو ہماری محکوم اور تابع ہے، گویا انہوں نے حق کو پرکھنے کے بجائے معاشرتی حیثیت اور ظاہری طاقت کو معیار بنالیا، یوں انہوں نے بشریت کو عذر اور دوسروں کی کمزوری کو بہانہ بنا کر دعوتِ حق کو ٹھکرا دیا، حالانکہ یہی طرزِ فکر ہر دور کے منکرین کا رہا ہے۔

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِیْنَ: نتیجتاً انہوں نے موسیٰ وہارون علیہما السلام کو جھٹلا دیا اور انجامِ کار اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہو کر ہلاک کر دیے گئے، چنانچہ فرعون اور اس کے لشکر کو سمندر میں غرق کر دیا گیا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (تورات) عطا فرمائی، تاکہ بنی اسرائیل اس کی روشنی میں ہدایت پائیں اور حق کی راہ اختیار کریں۔

الغرض، ان آیات میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ جب انسان تکبر، غرور اور ظاہری برتری کے فریب میں آکر حق کو ٹھکراتا ہے تو اس کا انجام تباہی اور ہلاکت ہوتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ہمیشہ ہدایت کا راستہ کھولتا ہے، تاکہ جو چاہے اس سے روشنی حاصل کر لے۔

حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام

سوال آیت مبارکہ کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ {۵۰} المؤمنون

جواب ترجمہ: اور مریم کے بیٹے (عیسی علیہ السلام) کو اور ان کی ماں کو ہم نے ایک نشانی بنایا، اور ان دونوں کو ایک ایسی بلندی پر پناہ دی جو ایک پر سکون جگہ تھی، اور جہاں صاف ستھرا پانی بہتا تھا۔

تفسیر: مطلب یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو ہم نے اپنی قدرت کی نشانی بنایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو والد کے بغیر پیدا کیا، پھر ہم نے ان دونوں کے لیے زمین کی ایک بلند جگہ پر ٹھکانہ بنایا۔

شیخ المحدثین مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم صدیقہ علیہا السلام کا نہایت اختصار کے ساتھ حال بیان کیا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا اور بغیر باپ کے ان کو پیدا کیا چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے مریم علیہا السلام کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی ماں مریم علیہا السلام کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا کہ مریم علیہا السلام کے بغیر شوہر بچہ جننے سے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے خدا تعالیٰ کی قدرت عیاں ہے اور ہم نے ان دونوں کو ایک بلند اور اونچی زمین پر ٹھکانہ دیا جو ٹھہرنے کے قابل تھی اور چشموں والی تھی یعنی سرسبز و شاداب تھی جہاں پانی کے چشمے جاری تھے، یہ مقام شام یا فلسطین میں واقع ہے غالباً اس سے وہ ٹیلہ مراد ہے جہاں یا جس کے قریب حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت ہوئی تھی اور آپ نے اس پر پناہ لی تھی۔ (معارف القرآن)

اکل طیب، اعمال صالحہ، امت واحدہ اور گروہ بندیاں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ {۵۱} وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ {۵۲} فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ {۵۳} فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ {۵۴} المؤمنون

جواب ترجمہ: اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو بلاشبہ میں ان کاموں کو جانتا ہوں جنہیں تم کرتے ہو، اور حقیقت یہ ہے کہ یہی تمہارا دین ہے، (سب کے لیے) ایک ہی دین، اور میں

تمہارا پروردگار ہوں، اس لیے دل میں (صرف) میرا رعب رکھو۔ پھر ہوا یہ کہ لوگوں نے اپنے دین میں باہم پھوٹ ڈال کر فرقے بنا لیے، ہر گروہ نے اپنے خیال میں جو طریقہ اختیار کر لیا ہے، اسی پر مگن ہے۔ سو آپ انہیں ایک وقت تک ان کی جہالت میں چھوڑ دیں۔

تفسیر: يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو ایک جامع اور اصولی ہدایت عطا فرمائی ہے، جس میں ان کی بشریت، ان کی عملی ذمہ داری اور ان کے مقامِ بندگی کو نہایت حکیمانہ انداز میں واضح کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ خطاب مجموعی طور پر تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام سے ہے، حالانکہ نزولِ آیت کے وقت عملاً خاتم النبیین ﷺ موجود تھے، لیکن اس اسلوب سے یہ حقیقت اجاگر کرنا مقصود ہے کہ ہر رسول اپنی اپنی امت میں اسی طرح مخاطب رہا اور سب ایک ہی ضابطۂ حیات کے پابند تھے۔ ارشاد فرمایا،

كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ: طیب چیزوں میں سے کھاؤ۔ اس سے مراد وہ پاکیزہ رزق ہے جو ہر اعتبار سے حلال ہو، نہ اپنی ذات کے اعتبار سے خبیث ہو، جیسے مردار، خون اور حرام جانور، اور نہ ہی اس کے حصول کا طریقہ ناجائز ہو، بلکہ وہ پاک، حلال اور اللہ کے نام کے ساتھ حاصل کیا گیا ہو، گویا طیب رزق وہ ہے جس میں حِلّتِ ذاتی اور حِلّتِ شرعی دونوں جمع ہوں۔ اکل طیب کا حکم دینے کے بعد فرمایا :

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا : اور نیک عمل کرو، یہ وہ وصف ہے جو درحقیقت انسان کو ممتاز بناتا ہے، عملِ صالح وہ ہے جو خالصتاً اللہ کے لیے ہو، جس میں خیر ہی خیر ہو، نہ اس کی نیت میں کوئی کھوٹ ہو اور نہ اس کے نتیجے میں کوئی فساد پیدا ہو، ایسا عمل انسانوں کے لیے نفع بخش ہو، ان کی دنیا و آخرت کی بھلائی کا ذریعہ بنے اور اسی میں انبیاء علیہم السلام کی دعوت، ہدایت کی تبلیغ اور رشد و صلاح کی رہنمائی بھی شامل ہے۔

اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ: آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا : بیشک میں تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہوں، یہ جملہ دراصل ایک عظیم تنبیہ اور ذمہ داری کا احساس دلانے کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر عمل کو محیط ہے، ظاہر ہو یا پوشیدہ، اسی لیے انبیاء کرام علیہم السلام، باوجود اپنے اعلیٰ مقام کے، اپنے اعمال کے

بدلے جزا کے مستحق ہیں، جیسا کہ دیگر انسان، چنانچہ یہ آیت اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ پاکیزہ رزق اور نیک عمل کا باہمی تعلق ایمان و عمل کی بنیاد ہے، اور اللہ کے ہاں مقبولیت کا مدار اسی پر ہے۔

وَإِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ: اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اے گروہ انبیاء! تمہارا دین تو ایک ہی تھا، یعنی دین اسلام، میں تمہارا پروردگار ہوں، اس لیے میرے احکامات کی اتباع اور میرے منہیات سے اجتناب کے ساتھ مجھ سے ڈرو، پھر پیروکاران دین مختلف گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے، انہوں نے اپنے دین کو کئی ادیان بنادیا، حالانکہ انہیں اجتماعیت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا، ہر شخص، ہر گروہ اپنی ہی رائے پر اتراتا اور فخر کرتا ہے، اس خیال اور گمان کے ساتھ کہ وہ حق پر ہے، اور اس کا مدمقابل یا دوسرا فریق اور دوسرا گروہ باطل پر ہے، اس لیے دین میں گروہ بندی، فرقہ بندی، جتھہ اور ٹولہ بندی اختیار کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔

یہ آیت حضرت نبی کریم ﷺ کے ارشاد کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ أَلَا إِنَّ مَنْ قَبْلَكُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ افْتَرَقُوا عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَإِنَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ ثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ (سنن ابی داؤد) خبردار تم سے پہلے اہل کتاب بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے اور یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی بہتر دوزخ میں ہوں گے اور ایک جنت میں ہوگا اور وہ جماعت ہے۔

اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اسے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے کچھ اس سے زیادہ بھی روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي (ترمذی) یارسول اللہ: وہ کون سا گروہ ہے؟ فرمایا: جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت میں یوں یہ بیان ہے کہ آیت میں اور حدیث میں جس افتراق سے ڈرایا گیا ہے وہ اصول دین اور قواعد دین میں ہے کیونکہ اصول و قواعد پر ملتوں کا اطلاق کیا ہے اور بیان فرمایا کہ ان ملتوں میں سے کسی چیز کو پکڑنا، دوزخ میں جانے کا موجب ہے اس قسم کا حکم فروع میں نہیں بیان کیا جاتا، کیونکہ یہ ملتوں کے متعدد ہونے اور آگ کے عذاب کا موجب نہیں ہوتا۔ اللہ

فرماتا ہے، لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا (المائدۃ:۴۸)

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا: اللہ کا ارشاد ہے: زُبُرًا یعنی وہ کتب جو انہوں نے خود تیار کیں، وضع کیں اور گمراہیاں جو انہوں نے تالیف کیں، یہ ابن زید کا قول ہے، بعض علماء نے کہا: انہوں نے کتب کو جدا جدا کیا اور ایک فرقہ نے صحف کی پیروی کی، ایک فرقہ نے تورات کی پیروی کی، ایک فرقہ نے زبور کی اور ایک فرقہ نے انجیل کی پیروی کی تمام نے ان کتب میں تحریف اور تبدیلی کی، یہ قتادہ کا قول ہے۔ بعض نے کہا: ان میں سے ہر فریق نے ایک کتاب کو پکڑا اس پر ایمان لائے اور اس کے علاوہ کتب کا انکار کیا۔ (تفسیر قرطبی) زُبُرًا: باء کے ضمہ کے ساتھ نافع کی قرأت ہے اس کی جمع زبور ہے اعمش اور ابو عمرو سے زُبُرًا باء کے فتحہ کے ساتھ مروی ہے یہ لوہے کے ٹکڑوں کی طرح ٹکڑے ہیں جیسے اللہ کا ارشاد ہے: آتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ (الکہف:۹۶)

كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ: اس میں ان کے دین و کتب کے اختلاف کو بیان فرمایا ہے ہر ایک کو اپنی رائے پسند ہے اور خواہش پرست طبقہ کا حال یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی رائے اور خواہش کو پسند کرتے اور اپنے ان لوگوں کو پسند کرتے ہیں جنہوں نے وہ دین گھڑا ہے۔ كُلُّ حِزْبٍۢ: یعنی ہر فریق اور ہر ملت۔ بِمَا لَدَيْهِمْ: یعنی جو دین میں سے ان کے پاس تھا۔ فَرِحُوْنَ: اس پر خوش تھے۔

فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ: یعنی ان لوگوں کو چھوڑیئے یہ گذشتہ لوگوں کی طرح ہیں ان سے عذاب کی تاخیر پر آپ کا سینہ تنگ نہ ہو۔ ہر چیز کا ایک وقت ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر محمد ﷺ کو فرمارہے ہیں۔ اے میرے حبیب ﷺ! ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو جنہوں نے اپنے معاملے کو اپنے مابین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کہ یہ اپنی گمراہی میں ڈوبے رہیں ایک وقت مقررہ تک جب ان پر میرا عذاب ان پہنچے گا۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار و منکرین کی باطنی کیفیت کو ایک نہایت بلیغ اور جامع لفظ غَمْرَتِهِمْ کے ذریعے بیان فرمایا ہے، جو اپنے اندر گہرے معانی اور مؤثر تصویری پہلو رکھتا ہے۔ لغوی

اعتبار سے غمرۃ اس کیفیت کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز کسی کو پوری طرح ڈھانپ لے، جیسے گہرا پانی انسان کو اپنے اندر غرق کر لیتا ہے اور اس پر چھا جاتا ہے، اسی مناسبت سے اہلِ لغت نے اس کے معنی ڈھانپ لینے، غرق کر دینے، اور مکمل طور پر احاطہ کر لینے کے بیان کیے ہیں۔

اسی لغوی بنیاد پر مفسرینِ کرام نے اس لفظ کو کفار کی باطنی گمراہی کی تصویر کے طور پر بیان کیا ہے، چنانچہ بعض نے اسے غفلت سے تعبیر کیا، یعنی وہ ایسی بے خبری میں ڈوبے ہوئے ہیں جس نے ان کے شعور کو مفلوج کر دیا ہے، بعض نے اسے جہالت قرار دیا، کہ وہ حق کو سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں۔ بعض نے اس سے کفر و ضلالت مراد لی، کہ وہ باطل پر اس قدر جم چکے ہیں کہ حق کی روشنی ان تک پہنچ ہی نہیں پاتی اور کچھ مفسرین نے اسے عَمایت (اندھاپن) اور حیرت سے تعبیر کیا، یعنی وہ فکری طور پر ایسے اندھے اور سرگرداں ہو چکے ہیں کہ انہیں صحیح راستہ دکھائی نہیں دیتا۔

درحقیقت غمرۃ ایک ایسا جامع استعارہ ہے، جس میں یہ تمام معانی یکجا ہو جاتے ہیں، گویا یہ لوگ کفر، جہالت، غرور اور باطل پرستی کے ایسے گہرے سمندر میں ڈوب چکے ہیں کہ ان کے دل و دماغ پر پردے پڑ گئے ہیں، اور وہ حق کو دیکھنے اور قبول کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکے ہیں، اس کیفیت کو بعض مفسرین نے اس مثال سے واضح کیا ہے کہ جیسے کوئی شخص پانی میں ڈوب جائے اور وہ پانی اسے ہر طرف سے گھیر لے، اسی طرح یہ لوگ اپنی گمراہی میں گھرے ہوئے ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا: انہیں ان کی اس غفلت میں چھوڑ دیجیے، ایک وقت تک، یعنی جب یہ لوگ بارہا تنبیہ کے باوجود اپنی گمراہی سے باہر نکلنے کے لیے تیار نہیں، تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجیے، یہاں تک کہ وہ مقررہ وقت آ پہنچے، چاہے وہ موت ہو، دنیاوی عذاب ہو یا آخرت کی پکڑ۔

الغرض، اس آیت میں لفظ غمرۃ کے ذریعے ایک نہایت گہری حقیقت کو نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ جب انسان مسلسل انکار، تکبر اور غفلت میں مبتلا رہتا ہے تو وہ ایسی اندھی گمراہی میں

ڈوب جاتا ہے جو اسے چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے اور پھر وہ حق کی آواز سننے اور سمجھنے کے قابل نہیں رہتا۔

کافروں کو مال اور اولاد کیوں دی جاتی ہے؟

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ {٥٥} نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ {٥٦} المؤمنون.

جواب ترجمہ: کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم جو ان کو مال اور بیٹے دیئے جاتے ہیں۔ ان کو فائدہ پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ وہ شعور نہیں رکھتے۔

تفسیر: یہ امداد تو ان کو صرف گناہوں میں ڈھیل دینے کے لئے ہے اور ان کو معاصی کی دلدل میں زیادہ کھینچنے کے لئے ہے اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کی زیادہ نیکیوں کا ان کو صلہ دے رہا ہے، نہیں نہیں یہ تو حیوانات اور بہائم کے مشابہ ہیں ان میں کوئی سمجھ اور شعور نہیں ہے کہ یہ اس پر غور کرتے کہ یہ استدراج اور ڈھیل ہے یا ان کی نیکیوں کا انعام ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ یزید بن میسرہ بیان کرتے ہیں کہ أَوْحَى اللّٰهُ تَعَالَى إِلَى نَبِيٍّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ أَيَفْرَحُ عَبْدِي أَنْ أَبْسُطَ لَهُ الدُّنْيَا وَهُوَ أَبْعَدُ لَهُ مِنِّي، وَيَجْزَعُ أَنْ أَقْبِضَ عَنْهُ الدُّنْيَا وَهُوَ أَقْرَبُ لَهُ مِنِّي (تفسیر کبیر للرازی) اللہ تعالیٰ نے نبیوں میں سے کسی نبی کی طرف یہ وحی کی، کیا میرا بندہ اس پر خوش ہوتا ہے کہ اس پر دنیا کشادہ کر دی گئی حالانکہ وہ مجھ سے بہت دور ہوتا ہے اور وہ اس پر افسوس کرتا ہے کہ میں اس سے دنیا اٹھا لیتا ہوں حالانکہ وہ میرے قریب ہوتا ہے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسریٰ کے کنگن آئے تو انہوں نے وہ کنگن اٹھا کر حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں پہنا دیئے، وہ کنگن اتنے کھلے تھے کہ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کے کندھوں تک

پہنچ گئے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اَللّٰهُمَّ إِنِّي قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ نَبِيَّكَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، كَانَ يُحِبُّ أَنْ يُصِيبَ مَالًا لِيُنْفِقَهُ فِي سَبِيلِكَ، فَزَوَيْتَ ذَلِكَ عَنْهُ نَظَرًا، اے اللہ! تجھ کو علم ہے کہ تیرے نبی علیہ الصلوۃ والسلام اس کو پسند کرتے تھے کہ ان کے پاس مال آئے تو وہ اس کو تیری راہ میں خرچ کریں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی اسی کو پسند کرتے تھے اے اللہ! اس مال کو لوگوں کے لئے آزمائش نہ بنانا پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی : أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَالٍ وَبَنِينَ، کیا وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم مال اور اولاد سے جو ان کی مدد کر رہے ہیں تو وہ ان کی بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں۔ (نہیں نہیں!) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے۔ (تفسیر کبیر)

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے ان کو یہ نعمتیں اس لئے عطا کیں کہ وہ فارغ البال ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کریں اور روزی کا حصول اور اس کے لئے مشقت کرنا ان کی اطاعت اور عبادت میں مانع نہ ہو، لیکن انہوں نے ان نعمتوں کے حصول کے باوجود اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے اعراض کیا تو ان پر اللہ کے عذاب نزول کی وجہ اور زیادہ مستحکم ہو گئی۔ (کبیر)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ سورۃ المؤمنون کی اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مُكِرَ وَاللهِ بِالْقَوْمِ فِي أَمْوَالِهِمْ وَأَوْلَادِهِمْ، يَا ابْنَ آدَمَ، فَلَا تَعْتَبِرِ النَّاسَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَوْلَادِهِمْ، وَلٰكِنِ اعْتَبِرْهُمْ بِالْإِيمَانِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ (تفسیر ابن کثیر) قسم بخدا! یہ لوگ اپنے مالوں اور اپنی اولادوں کے ذریعے فریب میں ڈالے گئے، اے ابن آدم! لوگوں کو ان کے مال و دولت کے ذریعے نہ پرکھو بلکہ انہیں ان کے ایمان اور نیک اعمال کے ذریعے پرکھو۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِنَّ اللهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَخْلَاقَكُمْ، كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ، وَإِنَّ اللهَ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُحِبُّ وَمَنْ لَا يُحِبُّ، وَلَا يُعْطِي الدِّينَ إِلَّا لِمَنْ أَحَبَّ، فَمَنْ أَعْطَاهُ اللهُ الدِّينَ فَقَدْ أَحَبَّهُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا يُسْلِمُ عَبْدٌ حَتَّى يُسْلِمَ قَلْبُهُ وَلِسَانُهُ، وَلَا يُؤْمِنُ حَتَّى يَأْمَنَ جَارُهُ بَوَائِقَهُ قَالُوا: وَمَا

بَوَائِقُهُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ؟ قَالَ: غَشْمُهُ وَظُلْمُهُ، وَلَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالًا مِنْ حَرَامٍ فَيُنْفِقُ مِنْهُ فَيُبَارَكَ لَهُ فِيهِ، وَلَا يَتَصَدَّقُ بِهِ فَيُقْبَلَ مِنْهُ، وَلَا يَتْرُكُهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ إِلَّا كَانَ زَادَهُ إِلَى النَّارِ، إِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ، وَلٰكِنْ يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ، إِنَّ الْخَبِيثَ لَا يَمْحُو الْخَبِيثَ (مسند احمد)

بے شک اللہ نے تمہارے درمیان اخلاق بھی اس طرح تقسیم کیے ہیں جس طرح اللہ نے تمہارے درمیان تمہارے رزق تقسیم کیے ہیں، اللہ تعالیٰ دنیا تو اسے بھی دیتا ہے جس سے محبت رکھتا ہے اور جس سے محبت نہیں رکھتا، مگر دین صرف انہی لوگوں کو دیتا ہے جن سے محبت رکھتا ہے، جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دین عطا فرمایا پس وہ اللہ کا محبوب ہے، اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، کوئی بندہ مسلمان نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو جائے، کوئی بندہ مؤمن نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کے پڑوسی اس کی تکلیفوں اور ایذاؤں سے محفوظ نہ ہوں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، کہ ایذائیں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دھوکہ بازی اور اس کا ظلم۔

اور کوئی بندہ حرام مال کما کر خرچ کرتا ہے تو اسے اس میں برکت نہیں دی جاتی، حرام مال کما کر صدقہ کرتا ہے تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جاتا، حرام مال کما کر اپنے پیچھے چھوڑتا ہے تو وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ ہی زیادہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں ختم کرتا بلکہ برائی کو اچھائی کے ساتھ ختم کرتا ہے، کیونکہ گندی چیز گندی چیز کو ختم نہیں کر سکتی۔

اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقامات پر قرآن کریم میں اسی جیسے ارشادات فرمائے ہیں {إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا} (آلِ عمرٰن:۱۷۸) (اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ ہم جو ان کو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کی جانوں کے لیے بہتر ہے) بات یہی ہے کہ ہم انہیں مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ گناہوں میں اور زیادہ ترقی کر لیں (اور ان کے لیے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔)

{فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ * وَأُمْلِي لَهُمْ

إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ} (القلم:۴۴،۴۵) لہذا (اے پیغمبر) جو لوگ اس کلام کو جھٹلا رہے ہیں انہیں مجھ پر چھوڑ دو۔ ہم انہیں اس طرح دھیرے دھیرے (تباہی کی طرف) لے جائیں گے کہ انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔

{ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا * وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا * وَبَنِينَ شُهُودًا * وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا * ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ * كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا} (المدثر:۱۱-۱۶) اس شخص کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا اور اسے میں نے مال دیا، جو بڑھتا جا رہا ہے اور بیٹے دیے جو سامنے موجود رہتے ہیں اور میں نے اس کے لیے ہر طرح کا سامان مہیا کر دیا، پھر بھی وہ یہ لالچ کرتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں، ہرگز نہیں، وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔

{وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَى إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ} (سبأ: ۳۷) اور تمہارے اموال اور اولاد ایسے نہیں ہیں جو تمہیں ہمارا مقرب بنا دیں مگر ہاں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، سو ان لوگوں کے لیے ان کے اعمال کی وجہ سے ایسا صلہ ہے جو بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا اور وہ بالاخانوں میں امن و چین سے ہوں گے۔

سچے بندوں کی تین صفات

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ {۵۷} وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ {۵۸} وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ {۵۹} المومنون

جواب ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے۔

تفسیر: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کی پہلی صفت بیان فرمائی کہ وہ اپنے

رب کی خشیت سے مُشْفِقُون ہوتے ہیں، یعنی خوف زدہ اور لرزاں رہتے ہیں، یہ خوف محض ظاہری نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں میں رچا بسا وہ احساس ہے جو بندے کو ہر وقت اللہ کی گرفت سے ڈراتا اور اطاعت پر آمادہ رکھتا ہے۔ چنانچہ امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یعنی وہ اللہ کے عذاب کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔ تفسیر المراغی میں ہے الخشیۃ: یعنی خشیت سزا کے خوف کا نام ہے اور اشفاق اس خوف کی انتہا ہے، جو بندے کو دائمی اطاعت پر قائم رکھتی ہے۔ دیگر مفسرین نے بھی اس کی یہی تفسیر کی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے عذاب سے خائف رہتے ہیں اور اسی خوف کی بنا پر گناہوں سے بچتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ: اس آیت میں اہلِ ایمان کی دوسری صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تمام آیات پر ایمان رکھتے ہیں، اس میں قرآنِ کریم کی آیات بھی شامل ہیں اور کائنات میں پھیلی ہوئی قدرت کی نشانیاں بھی۔ امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کی دلیلوں کو سچا مانتے ہیں۔ تفسیر المراغی میں اس کی وضاحت یوں کی گئی، آیات سے مراد کائناتی نشانیاں بھی ہیں اور نازل کردہ آیات بھی۔ اسی طرح دیگر مفسرین نے بیان کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کو اللہ کی طرف سے مانتے ہیں اور زمین و آسمان میں پھیلی ہوئی نشانیوں سے اس کی قدرت کو پہچانتے ہیں

وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ: تیسری صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، بلکہ خالص توحید کے علمبردار ہوتے ہیں، ان کی عبادت میں نہ شرک ہوتا ہے اور نہ ریاکاری کی آمیزش۔ امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی عبادت کو خالص اللہ کے لیے کرتے ہیں اور اس میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔ دیگر مفسرین نے وضاحت کی کہ وہ نہ ظاہر میں شرک کرتے ہیں اور نہ باطن میں، بلکہ ہر اعتبار سے توحیدِ خالص کے حامل ہوتے ہیں۔

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے بندوں کی تین بنیادی صفات بیان فرمائی ہیں: اوّل یہ کہ وہ اللہ کے خوف سے لرزاں رہتے ہیں، اور یہی خشیت انہیں مسلسل اطاعت پر قائم رکھتی

ہے۔ دوم یہ کہ وہ اللہ کی تمام آیات، قرآن اور کائنات، پر کامل ایمان رکھتے ہیں اور سوم یہ کہ وہ خالص توحید کے پیکر ہوتے ہیں، اپنی عبادت کو ہر قسم کے شرک اور ریا سے پاک رکھتے ہیں۔ گویا یہ آیات ایمان، خشیت اور توحید کے اس جامع تصور کو پیش کرتی ہیں جو بندہ مومن کی کامل شخصیت کی بنیاد ہے۔

اہل ایمان نیک اعمال پر بھی اللہ سے ڈرتے ہیں

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ {٦٠} اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ {٦١} المؤمنون.

جواب ترجمہ: اور جو لوگ کچھ دیتے ہیں تو اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل اس بات سے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس لوٹنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور ان کی طرف دوڑ رہے ہیں۔

تفسیر: لفظ يُؤْتُوْنَ اِيتَاءٌ سے مشتق ہے جس کے معنیٰ دینے اور خرچ کرنے کے ہیں اس لئے اس کی تفسیر صدقات کے ساتھ کی گئی ہے اور حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک قرأت اس کی يَاْتُوْنَ مَا اَتَوْ بھی منقول ہے یعنی عمل کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں اس میں صدقات نماز، روزہ اور تمام نیک کام شامل ہو جاتے ہیں اور مشہور قرأت پر اگرچہ ذکر یہاں صدقات ہی کا ہو گا مگر مراد بہر حال عام اعمال صالحہ ہیں جیسا کہ ایک حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ أَهُمُ الَّذِينَ يَشْرَبُونَ الْخَمْرَ وَيَسْرِقُونَ؟ قَالَ: لَا يَا بِنْتَ الصِّدِّيقِ وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِينَ يَصُومُونَ وَيُصَلُّونَ وَيَتَصَدَّقُونَ وَهُمْ يَخَافُونَ أَلَّا يُقْبَلَ مِنْهُمْ أُولَئِكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ (مسند احمد، ترمذی) یہ کام کر کے ڈرنے والے لوگ وہ ہیں جو شراب پیتے یا چوری کرتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے صدیق کی بیٹی! یہ بات نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو

روزے رکھتے اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقات دیتے ہیں اس کے باوجود اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ہمارے یہ عمل اللہ کے نزدیک (ہماری کسی کوتاہی کے سبب) قبول نہ ہوں ایسے ہی لوگ نیک کاموں میں جلدی اور مسابقت کیا کرتے ہیں ۔

اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لَقَدْ أَدْرَكْنَا أَقْوَامًا كَانُوا مِنْ حَسَنَاتِهِمْ أَنْ تُرَدَّ عَلَيْهِمْ أَشْفَقَ مِنْكُمْ عَلَى سَيِّئَاتِكُمْ أَنْ تُعَذَّبُوا عَلَيْهَا (تفسیر قرطبی ج ۱۲ ص ۱۳۲) ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیک عمل کر کے اتنے ڈرتے تھے کہ وہ نیک اعمال بھی کہیں ان پر واپس نہ کر دیے جائیں، کہ کہیں ان نیک اعمال پر بھی ان کو سزا نہ دی جائے، وہ لوگ تم سے زیادہ بہت زیادہ ڈرتے تھے کہ تم برے عمل کر کے بھی اتنا نہیں ڈرتے۔

أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان خوش نصیب بندوں کا ذکر فرمایا ہے جو پچھلی آیات میں بیان کردہ عظیم صفات، خشیتِ الٰہی، ایمانِ کامل اور توحیدِ خالص، سے متصف ہوتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ یہی لوگ نیکیوں کی طرف دوڑتے ہیں اور انہی میں سبقت لے جانے والے ہیں، یعنی ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ محض نیکی کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ نیکیوں میں جلدی اور سبقت کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں، جہاں خیر کا کوئی موقع ملے، فوراً آگے بڑھتے ہیں، تاخیر اور سستی کو اپنے قریب نہیں آنے دیتے، ان کے دلوں میں اللہ کی رضا کی ایسی تڑپ ہوتی ہے کہ وہ ہر بھلائی میں دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں، يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ نیک اعمال کی طرف تیزی سے لپکتے ہیں۔

وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ: اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ نہ صرف کوشش کرتے ہیں بلکہ حقیقتاً دوسروں سے آگے بڑھ کر کامیابی حاصل کرتے ہیں، گویا ان کی زندگی کا ہر لمحہ اطاعت، عبادت اور خدمتِ خلق میں گزرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ کا معنیٰ مروی ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کے لیے سعادت مل چکی ہے اس وجہ سے وہ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں مطلب

یہ ہے کہ وہ نیکیوں کی وجہ سے سبقت لے جانے والے ہیں۔ یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ ایمان کا کمال صرف عقیدہ تک محدود نہیں بلکہ عمل میں اس کی جھلک نمایاں ہوتی ہے، سچا مومن وہ ہے جو خیر کے میدان میں سستی نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ آگے بڑھنے اور سبقت حاصل کرنے کی فکر میں رہتا ہے، الغرض، یہ آیت اہلِ ایمان کے اس اعلیٰ مقام کو بیان کرتی ہے کہ وہ نیکیوں کے میدان کے شہسوار ہوتے ہیں، ہر بھلائی میں پیش پیش، ہر خیر میں سبقت لے جانے والے، اور اللہ کی رضا کے طلبگار۔

کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ {٦٢}بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ {٦٣}حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ {٦٤}لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ {٦٥} المؤمنون.

جواب ترجمہ: ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتے اور ہمارے پاس کتاب ہے جو حق کے ساتھ ہے بیان کر دے گی اور ان پر ظلم نہیں ہو گا۔ بلکہ ان کے دل اس دین کی طرف سے جہالت میں ہیں علاوہ اور بھی ان کے اعمال ہیں جنہیں وہ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوش حال لوگوں کو عذاب کے ساتھ پکڑ لیں گے تو وہ چلائیں گے۔ آج مت چلاؤ، بلاشبہ آج ہماری طرف سے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔

تفسیر: وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل عدل اور رحمت پر مبنی نظامِ جزا و سزا کو نہایت واضح انداز میں بیان فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتے، یعنی شریعت کے تمام احکام انسان کی استطاعت اور وسعت کے مطابق ہیں، اللہ تعالیٰ نے بندے پر وہی ذمہ داریاں عائد کی ہیں جنہیں وہ ادا کرنے کی

قدرت رکھتا ہے، اس لیے دین میں کوئی ایسا حکم نہیں جو انسان کے لیے نا قابلِ برداشت ہو۔

وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنطِقُ بِالْحَقِّ: ارشاد فرمایا "اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو حق کے ساتھ بولتی ہے"۔ اس سے مراد وہ نامۂ اعمال ہے جس میں ہر انسان کے تمام اعمال نہایت دقیق انداز میں محفوظ کر دیے گئے ہیں، یہ کتاب قیامت کے دن ایسی سچی گواہی دے گی جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو گی، نہ اس میں کوئی کمی بیشی ہو گی اور نہ کسی قسم کی تحریف۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں کتاب سے مراد اعمال کو شمار کرنے والی کتاب ہے جسے فرشتے اٹھاتے ہیں اس کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا کیونکہ اس میں اللہ کے حکم سے بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں وہ حق کے ساتھ بولتی ہے اس میں تہدید اور ظلم سے مایوس کرنا ہے۔ لفظ نطق کتاب کے لئے جائز ہے اور مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اس کے احکام کے ساتھ بولتے ہیں، بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد لوح محفوظ ہے اس میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے پس وہ اس سے تجاوز نہیں کرتے، بعض نے کہا: وَلَدَيْنَا کتاب سے مراد قرآن ہے، یہ تمام معانی کا احتمال رکھتا ہے اور پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن علامہ قرطبی)

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ: اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا، یعنی نہ ان کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی اور نہ ان کے گناہوں میں اضافہ کیا جائے گا، بلکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کے عین مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کامل انصاف کا مظہر ہے کہ ہر بندہ اپنی کمائی کا پورا پورا صلہ پائے گا۔ الغرض، اس آیت میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین فطرت کے عین مطابق اور آسان ہے اور آخرت میں اس کا فیصلہ بھی سراسر عدل و انصاف پر مبنی ہو گا، جہاں کسی پر ذرّہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَٰذَا: یہاں اللہ تعالیٰ نے کفار و منکرین کی باطنی کیفیت، ان کے اعمال، اور انجامِ عذاب کی نہایت مؤثر تصویر پیش فرمائی ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ ان کے دل اس حق سے غفلت کی گہری تہہ میں ڈوبے ہوئے ہیں، یہ قرآنِ کریم جو سراسر حق پر مبنی ہے اور وہ کتاب جو ان کی

ہدایت کے لیے نازل کی گئی، اس سے وہ بے خبر اور بے پرواہیں، نہ صرف یہ کہ وہ اس غفلت میں مبتلا ہیں بلکہ ان کے اور بھی بہت سے اعمال ہیں جو کفر کے علاوہ بداعمالیوں، سرکشی اور دنیا پرستی پر مشتمل ہیں اور وہ انہی میں مشغول رہتے ہیں۔

وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ: پھر فرمایا کہ یہ غفلت اور سرکشی یونہی جاری رہتی ہے۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ: یہاں تک کہ جب ہم ان کے عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو عذاب میں پکڑتے ہیں تو اچانک ان کی حالت بدل جاتی ہے اور وہ بلند آواز سے چیخنے اور فریاد کرنے لگتے ہیں، وہی لوگ جو دنیا میں غرور و تکبر میں مبتلا تھے، عذاب کے وقت عاجزی اور بے بسی کی تصویر بن جاتے ہیں، لیکن اس وقت ان کی فریاد کسی کام نہیں آتی، چنانچہ انہیں جھڑک کر کہا جاتا ہے

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ: آج مت چلّاؤ اور نہ فریاد کرو، تمہیں ہماری طرف سے کوئی مدد نہیں ملے گی، یہ کلمات دراصل انہیں اللہ کی رحمت سے مایوس کرنے اور ان کی بے بسی کو واضح کرنے کے لیے ہیں، کہ اب نہ کوئی مددگار ہے اور نہ کوئی پناہ دینے والا۔

الغرض، ان آیات میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ جب انسان حق سے غافل ہو کر کفر، گناہ اور دنیا پرستی میں ڈوب جاتا ہے، تو بالآخر ایک ایسا وقت آتا ہے جب وہ عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو کر چیختا اور فریاد کرتا ہے، مگر اس وقت کی پکار بے سود ہوتی ہے، یہ ایک سخت تنبیہ ہے کہ انسان غفلت کی زندگی چھوڑ کر حق کی طرف رجوع کرے، ورنہ انجام حسرت اور محرومی کے سوا کچھ نہیں۔

مشرکین کی بدنصیبی اور تکبر

سوال ان آیات کریمہ کی تفسیر کیجیے۔

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ {٦٦} مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ {٦٧} المؤمنون.

جواب ترجمہ: میری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو تم الٹے پاؤں مڑ جاتے تھے۔۔ بڑے غرور سے اس (قرآن) کے بارے میں رات کو مجلسیں جما کر بے ہودہ باتیں کرتے تھے۔

تفسیر: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم پر قرآن کریم کی آیات تلاوت کی جاتی تھیں، تاکہ تم ان پر ایمان لاؤ، مگر تم اس کو سننے سے بھاگتے تھے اور اس کی تصدیق سے جی چراتے تھے، اس پر عمل کرنے سے رکے رہتے تھے، جیسا الٹے پاؤں پیچھے کی طرف مڑنے والا کرتا ہے، تم ناحق تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے تھے، یہ کچھ تم بیت اللہ کی وجہ سے کرتے تھے کہ ہم اس کے رہنے والے ہیں، ہمیں اس میں کوئی مغلوب نہیں کر سکتا، تم اس کے ارد گرد بے ہودہ باتوں کی مجلسیں سجاتے تھے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں پھر ان کا ایک بڑا گناہ بیان ہو رہا ہے کہ یہ میری آیتوں کے منکر تھے انہیں سنتے تھے اور ٹال جاتے تھے، بلائے جاتے تھے لیکن انکار کر دیتے تھے توحید کا انکار کرتے تھے شرک پر عقیدہ رکھتے تھے حکم تو بلند و برتر اللہ ہی کا چلتا ہے۔

مُسْتَكْبِرِيْنَ دال ہے ان کے حق سے ہٹنے اور حق کا انکار کرنے پر، فرمایا کہ یہ اس وقت تکبر کرتے تھے اور حق اور اہل حق کو حقیر سمجھتے تھے، اس معنی کی رو سے بِهٖ کی ضمیر کا مرجع یا تو حرم ہے یعنی مکہ کہ یہ اس میں بیہودہ بکواس بکتے تھے، یا قرآن ہے جسے یہ مذاق میں اڑاتے تھے کبھی شاعری کہتے تھے کبھی کہانت وغیرہ، یا خود آنحضرت ﷺ ہیں کہ راتوں کو بیکار بیٹھے ہوئے اپنی گپ شب میں حضور ﷺ کو کبھی شاعر کہتے، کبھی کاہن کہتے، کبھی جادوگر کہتے، کبھی جھوٹا کہتے، کبھی مجنون بتلاتے، حالانکہ حرم اللہ کا گھر ہے قرآن اللہ کا کلام ہے حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں جنہیں اللہ نے اپنی مدد پہنچائی اور مکہ پر قابض کیا، ان مشرکین کو وہاں سے ذلیل و پست کر کے نکالا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہ لوگ بیت اللہ کی وجہ سے فخر کرتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ وہ اولیاء اللہ ہیں حالانکہ یہ خیال محض وہم تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مشرکین قریش بیت اللہ پر فخر کرتے تھے اپنے آپ کو اس کا مہتمم اور متولی بتلاتے تھے حالانکہ نہ اسے آباد کرتے تھے نہ اس کا صحیح ادب کرتے تھے۔ (ابن کثیر)

انکار حق کی وجوہات اور انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ {٦٨}اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ {٦٩}اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ {٧٠}وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ {٧١}اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ {٧٢}وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ {٧٣}وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ {٧٤}وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ {٧٥}وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ {٧٦}حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ {٧٧}المومنون

جواب ترجمہ: کیا ان لوگوں نے اس کلام میں غور نہیں کیا یا ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جو ان سے پہلے ان کے بڑوں کے پاس نہیں آئی۔ یا انھوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا سو وہ ان کے منکر ہو رہے ہیں۔ یا وہ یوں کہتے ہیں کہ اس کو دیوانگی ہے، بلکہ یہ رسول ان کے پاس حق لیکر آیا ہے اور ان میں اکثر وہ ہیں جو حق کو مکروہ جانتے ہیں۔ اور اگر حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو آسمان اور زمین اور جو ان کے اندر ہیں سب تباہ ہو جائے بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت بھیجی ہے سو وہ اپنی نصیحت سے روگردانی کر رہے ہیں۔ کیا آپ ان سے کچھ آمدنی کا سوال کرتے ہیں سو آپ کے رب کی آمدنی بہتر ہے اور وہ سب دینے والوں سے بہتر ہے اور وہ سب دینے والوں سے بہتر ہے۔ اور بلاشبہ آپ انھیں صراط مستقیم کی طرف بلاتے ہیں۔ اور بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، وہ راستے سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اور اگر ہم ان پر مہربانی کریں اور وہ جس تکلیف میں ہیں اسے دور کر دیں تو وہ اپنی

سرکشی میں بھٹکے ہوئے اصرار کرتے رہیں گے۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے انھیں عذاب میں گرفتار کیا سو وہ اپنے رب کے سامنے نہ جھکے اور نہ عاجزی اختیار کی۔ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب والا دروازہ کھول دیں گے، تو اچانک وہ اس میں حیرت زدہ ہو کر رہ جائیں گے۔

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ : ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے انکارِ حق کے اسباب اور ان کے انجام کو نہایت جامع اور مدلّل انداز میں بیان فرمایا ہے، سب سے پہلے ان کی غفلت پر تنبیہ کی گئی کہ کیا انہوں نے قرآنِ کریم میں غور و فکر نہیں کیا، یا کیا ان کے پاس کوئی ایسی نئی بات آئی ہے جو ان کے آباء و اجداد کے پاس نہ آئی ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو یہ کلام نیا اور انوکھا ہے اور نہ ہی ہدایت کا یہ پیغام غیر مانوس، بلکہ ان کی روگردانی محض ضد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے۔

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ: پھر فرمایا کہ کیا انہوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں؟ حالانکہ وہ اسے خوب جانتے تھے، اس کی سچائی اور امانت کے معترف تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے انکار کا راستہ اختیار کیا، یہاں تک کہ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ (نعوذ باللہ) یہ مجنون ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ سراسر حق لے کر آیا ہے، مگر ان کی اکثریت حق کو ناپسند کرتی ہے، کیونکہ وہ اپنے نفس، حسد اور باطل تعصب میں گرفتار ہے۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ: اس کے بعد ایک عظیم اصول بیان فرمایا کہ اگر حق لوگوں کی خواہشات کے تابع ہو جائے تو زمین و آسمان اور ان میں موجود ساری مخلوق کا نظام درہم برہم ہو جائے، کیونکہ انسانی خواہشات نہ تو علمِ کامل رکھتی ہیں اور نہ ہی انجامِ امور کو سمجھتی ہیں، اسی لیے حق ہمیشہ خواہشات کا تابع نہیں بلکہ ان پر حاکم ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ: اے نبی ﷺ! کیا آپ ان سے کوئی اجر مانگتے ہیں کہ وہ اس وجہ سے آپ کی دعوت سے منہ موڑتے ہیں؟ ہرگز نہیں، بلکہ آپ کا اجر تو اللہ کے پاس ہے اور وہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ آپ تو انہیں سیدھے راستے، یعنی دینِ اسلام کی

طرف بلا رہے ہیں، مگر جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ اس سیدھی راہ سے ہٹ کر ٹیڑھے راستوں پر چل رہے ہیں جو انہیں ہلاکت کی طرف لے جاتے ہیں۔ مزید فرمایا کہ

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ: اگر ہم ان پر رحم کر کے ان کی مصیبتیں دور بھی کر دیں تو بھی وہ اپنی سرکشی میں اور بڑھ جائیں گے اور گمراہی میں بھٹکتے رہیں گے، ہم نے انہیں مختلف آزمائشوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا، مگر نہ وہ جھکے، نہ عاجزی اختیار کی اور نہ ہی اپنے رب کے حضور گڑگڑائے، یہاں تک کہ جب ان پر شدید عذاب کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے تو وہ یکایک مایوسی اور ناامیدی میں ڈوب جاتے ہیں، ہر طرف سے امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں اور کوئی راہِ نجات نظر نہیں آتی۔ الغرض، ان آیات میں یہ حقیقت نہایت وضاحت سے بیان کی گئی ہے کہ انکارِ حق کی اصل وجہ دل کی ہٹ دھرمی، خواہشات کی پیروی اور آخرت سے غفلت ہے، اور اس کا انجام ہمیشہ حسرت، ناکامی اور عذابِ الٰہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

دلائل قدرت اور انکار بعث

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ {۷۸} وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ {۷۹} وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ {۸۰} بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ {۸۱} قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ {۸۲} لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ {۸۳} قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ {۸۴} سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ {۸۵} قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ {۸۶} سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ {۸۷} المومنون

جواب ترجمہ: اور اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم کم شکر ادا کرتے ہو۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا رکھا ہے اور تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

اور وہی ہے کہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، اور اسی کے اختیار میں ہے رات دن کا یکے بعد دیگرے آنا جانا، سو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔ بلکہ انہوں نے وہ بات کہی جو ان سے پہلے لوگوں نے کہی۔ انہوں نے کہا کیا ہم جب مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو کر رہ جائیں گے کیا ہم زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ اس بات کا ہم سے اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے یہ بات پرانے لوگوں سے نقل ہوتی آئی ہے۔ آپ فرما دیجیے کس کے لیے ہے زمین اور جو کچھ اس میں ہے اگر تم جانتے ہو۔ اس کے جواب میں وہ کہیں گے کہ اللہ ہی کے لیے، آپ فرمایئے پھر کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ آپ فرما دیجیے کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ وہ جواب دیں گے کہ سب کچھ اللہ کے لیے ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے منکرینِ آخرت کو نہایت حکیمانہ انداز میں ان نعمتوں اور نشانیوں کی طرف متوجہ کیا ہے، جو خود ان کے اندر اور کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں، تاکہ وہ بعث بعد الموت کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔ چنانچہ فرمایا کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں سماعت، بصارت اور دل عطا کیے، تاکہ تم سنو، دیکھو اور سمجھو، مگر افسوس کہ تم ان عظیم نعمتوں پر بہت کم شکر ادا کرتے ہو، حالانکہ یہی حواس اور عقل اس بات کے لیے کافی تھے کہ انسان اپنے خالق کی قدرت اور آخرت کی حقیقت کو پہچان لیتا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ

وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ: اسی نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور اسی کی طرف تم سب کو جمع کیا جائے گا، یعنی جس نے تمہیں پیدا کیا اور زمین میں بسایا، وہی تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اپنے حضور حاضر کرے گا، تاکہ تمہارے اعمال کا حساب لیا جائے۔ مزید فرمایا کہ

وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ: زندگی اور موت کا اختیار بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور رات و دن کی گردش، ان کا بدلنا، چھوٹا بڑا ہونا، یہ سب اسی کی تدبیر کے تحت ہے، یہ سب کھلی نشانیاں ہیں جو اس کی قدرتِ کاملہ اور یگانگت پر دلالت کرتی ہیں، دمگر اس کے باوجود سوال کیا گیا: کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ اس کے باوجود ان کا حال یہ ہے کہ

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ: وہی بات دہراتے ہیں جو ان کے پہلے گمراہ لوگ کہا کرتے تھے۔
قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ: وہ تعجب اور انکار کے ساتھ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر جائیں گے، مٹی اور بوسیدہ ہڈیاں بن جائیں گے تو دوبارہ زندہ کیے جائیں گے؟
لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ: وہ اس وعدۂ بعث کو محض پرانی کہانیاں اور افسانے قرار دیتے ہیں، کیونکہ ان کی نگاہ صرف ظاہری اسباب تک محدود ہے اور وہ اللہ کی قدرتِ مطلقہ کو نہیں سمجھتے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ
قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: ان سے سوال کریں یہ زمین اور اس میں رہنے والے کس کے ہیں؟ وہ فوراً جواب دیں گے کہ سب اللہ کے ہیں۔ پھر فرمایا: کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ یعنی جب تم خود مانتے ہو کہ سب کچھ اللہ کا ہے تو کیا وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ پھر ان سے پوچھا گیا
قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ: ساتوں آسمانوں کا رب کون ہے اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ وہ اس کا بھی یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ اس پر فرمایا:
قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ: آپ انہیں فرما دیجیے کہ پھر تم اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں؟ یعنی جب تم اس کی ربوبیت اور عظمت کو تسلیم کرتے ہو تو اس کی اطاعت اور اس کے عذاب سے بچنے کی فکر کیوں نہیں کرتے؟ ربوبیت یعنی اللہ کو خالق و مالک ماننا، الوہیت یعنی صرف اللہ کی عبادت کرنا نجات کے لیے دونوں کا جمع ہونا ضروری ہے، یعنی صرف یہ مان لینا کافی نہیں کہ اللہ ہے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ بندگی صرف اسی کی کی جائے۔ الغرض، ان آیات میں نہایت واضح اور فطری دلائل کے ذریعے یہ حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ جو ذات انسان کو پیدا کرنے، زندگی و موت دینے اور پوری کائنات کو چلانے پر قادر ہے، اس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں، مگر ہٹ دھرمی اور غفلت انسان کو اس واضح حقیقت کے انکار پر آمادہ کر دیتی ہے، جو اس کی ہلاکت کا سبب بنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت والوہیت

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ کا کیا مطلب ہے؟

قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ {۸۸} سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ {۸۹} بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ {۹۰} المؤمنون

جواب ترجمہ: آپ فرمایئے کہ وہ کون ہے جس کے قبضے میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم جانتے ہو؟ وہ جواب دینگے کہ یہ صفات اللہ ہی کی ہیں۔ آپ فرمادیجیے کہ پھر تم کہاں ہو جادو کیے ہوئے؟ بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے پاس حق بھیجا ہے اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں۔

تفسیر: دریافت کرو کہ تمام ملک کا مالک ہر چیز کا مختار کون ہے؟ پھر یہ بھی پوچھ لیجیے کہ وہ کون ہے؟ جو سب کو پناہ دے اور اس کی دی ہوئی پناہ کو کوئی توڑ نہ سکے اور اس کے مقابلے پر کوئی پناہ دے نہ سکے کسی کی پناہ کا وہ پابند نہیں یعنی اتنا بڑا سید و مالک کہ تمام خلق، ملک، حکومت، اسی کے ہاتھ میں ہے بتاؤ وہ کون ہے؟ عرب میں دستور تھا کہ سردار قبیلہ اگر کسی کو پناہ دے دے تو سارا قبیلہ اس کا پابند ہے لیکن قبیلے میں سے کوئی کسی کو پناہ میں لے لے تو سردار پر اس کی پابندی نہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی سلطنت و عظمت بیان ہو رہی ہے کہ وہ قادر مطلق حاکم کل ہے اس کا ارادہ کوئی بدل نہیں سکتا، وہ سب سے باز پرس کرلے لیکن کسی کی مجال نہیں کہ اس سے کوئی سوال کر سکے، اس کی عظمت، اس کی کبریائی، اس کا غلبہ، اس کا دباؤ، اس کی قدرت، اس کی عزت، اس کی حکمت، اس کا عدل بے پایاں اور بے مثل ہے، سب مخلوق اس کے سامنے عاجز پست اور لاچار ہے، اب ساری مخلوق کی باز پرس کرنے والا ہے اس سوال کا جواب بھی ان کے پاس اس کے سوا کوئی اور نہیں کہ وہ اقرار کریں کہ اتنا بڑا بادشاہ ایسا خود مختار اللہ واحد ہی ہے کہہ دے کہ پھر تم پر کیا ٹپکی پڑی ہے؟ ایسا کونسا جادو

تم پر ہو گیا ہے؟ باوجود اس اقرار کے پھر بھی دوسروں کی پرستش کرتے ہو؟ ہم تو ان کے سامنے حق واضح کر چکے توحید ربوبیت کے ساتھ ساتھ توحید الوہیت بیان کر دی، صحیح دلیلیں اور صاف باتیں پہنچا دیں اور ان کا غلط گو ہونا ظاہر کر دیا کہ یہ شریک بنانے میں جھوٹے ہیں اور ان کا جھوٹ خود ان کے اقرار سے ظاہر و باہر ہے۔

وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ: اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عذاب اور مصیبت رنج و تکلیف سے پناہ دیدے اور یہ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے مقابلہ پر کسی کو پناہ دے کر اس کے عذاب و تکلیف سے بچالے۔ یہ بات دنیا کے اعتبار سے بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو کوئی نفع پہنچانا چاہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس کو کوئی تکلیف و عذاب دینا چاہے اس سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ اور آخرت کے اعتبار سے بھی یہ مضمون صحیح ہے کہ جس کو وہ عذاب میں مبتلا کرے گا اس کو کوئی بچا نہ سکے گا اور جس کو جنت اور راحت دے گا اس کو کوئی روک نہ سکے گا۔

سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ فَأَنّٰى تُسْحَرُونَ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ان سے پوچھا جائے گا کہ ہر چیز کی بادشاہی کس کے ہاتھ میں ہے اور کون ہے جو سب پر کامل اختیار رکھتا ہے، تو وہ بے ساختہ اقرار کریں گے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اس واضح اعتراف کے باوجود نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ان سے پوچھا جائے: پھر تمہاری عقلیں کہاں چلی گئی ہیں؟ کیسے تم اس حقیقت کو ماننے کے باوجود غیر اللہ کی عبادت میں مبتلا ہو جاتے ہو؟ یہ دراصل ان کے تضاد کو ظاہر کرنے کے لیے ایک مؤثر اندازِ توبیخ ہے کہ جب تم خود مانتے ہو کہ اقتدارِ کامل اللہ ہی کے پاس ہے تو عبادت بھی صرف اسی کے لیے مخصوص ہونی چاہیے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کے باطل دعووں کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

بَلْ أَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ: حقیقت وہ نہیں جو یہ مشرکین کہتے ہیں، بلکہ ہم نے ان کے پاس ایسا حق بھیجا ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اس کے باوجود یہ لوگ اپنے دعووں میں

سراسر جھوٹے ہیں، خاص طور پر اس بات میں کہ وہ اللہ کے لیے شریک یا اولاد ثابت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ان بے بنیاد اقوال سے پاک اور بہت بلند و برتر ہے۔

ان آیات میں واضح کیا گیا کہ مشرکین کا اللہ کی ربوبیت کا اقرار ان کے لیے فائدہ مند نہ ہوا، کیونکہ انہوں نے اس کے ساتھ الوہیت میں شرک کو شامل کر لیا، چنانچہ حق واضح ہونے کے باوجود ان کا انکار اور شرک، صریح گمراہی اور جھوٹ قرار پایا۔

اللہ تعالیٰ یکتا ہے

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ {۹۱} المؤمنون.

جواب ترجمہ: اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا قرار نہیں دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کر لیتا، اللہ ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نہ تو کسی کو اپنی اولاد قرار دیا ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اور ہر الٰہ اپنی اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور ایک دوسرے پر غلبہ پانے کے لئے چڑھائی کر دیتا، جو باتیں یہ اللہ تعالیٰ کی نسبت بتاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات ان باتوں سے پاک اور بری ہے یعنی نہ تو اس کی کوئی اولاد ہے جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں یا عرب کے جاہل کہتے ہیں نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے اگر کوئی اور خدا بھی ہوتا تو اس کا قوی امکان تھا کہ وہ اپنی اپنی بنائی ہوئی اور پیدا کی ہوئی مخلوق کو لیکر علیحدہ ہو جاتا اور اس کا بھی امکان تھا کہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی غرض سے چڑھائی کر دیتا اور سارا عالم خداؤں کی لڑائی میں تباہ ہو جاتا، جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں کی لڑائی میں ہوتا ہے اور جب آج تک ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہو گیا کہ جو باتیں یہ مشرک اس کی شان میں کہتے ہیں وہ ان

سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔

علم الٰہی کی ہمہ گیری، شیطانی وساوس سے بچاؤ، دفاع کا طریقہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ {۹۲}قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ {۹۳}رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ {۹۴}وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ {۹۵}اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ {۹۶}وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ {۹۷}وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ {۹۸}حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ {۹۹}لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ {۱۰۰}المومنون

جواب ترجمہ: پوشیدہ اور آشکارا ہر چیز کا جاننے والا ہے سو وہ ان لوگوں کے شرک سے بالاتر ہے۔ آپ یوں دعا کیجیے کہ اے میرے رب جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جارہا ہے۔ اگر وہ آپ مجھے دکھادیں تو۔ اے میرے رب مجھے ان ظالموں میں شامل نہ فرمایئے۔ اور بلاشبہ ان سے ہم جو وعدہ کررہے ہیں ہمیں اس پر قدرت ہے کہ اسے آپ کو دکھادیں۔ آپ اس طریقے سے اس کی بدمعاملگی کو دفع کیجیے جو بہت ہی اچھا طریقہ ہے، ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ اور آپ یوں دعا کیجیے کہ اے میرے رب میں شیطان کے وسوسوں سے آپ کی پناہ لیتا ہوں۔ اور اس بات سے آپ کی پناہ لیتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس موت آپہنچے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے واپس کیجیے۔ تاکہ میں جس کو چھوڑ کر آیا ہوں اس میں نیک عمل کروں، ہرگز نہیں! بلاشبہ یہ بات ہے کہ جس کا وہ کہنے والا ہے اور ان کے آگے اٹھائے جانے کے دن تک برزخ ہے۔

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ: اس کی مخلوق میں جو کچھ چھپا ہوا ہے وہ سب کو جانتا ہے، وہ ظاہری تمام چیزوں کو بھی جانتا ہے اور حواس سے معلوم کی جانے والی ساری چیزوں

سے بھی واقف ہے، اس پر کوئی چیز پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے، وہ ان تمام سے برتر و بالا ہے، وہ اس بات سے پاک ذات ہے کہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دعا سکھائی یعنی آپ ﷺ یوں دعا کیجیے کہ: اے میرے پروردگار اگر آپ ضرور مجھے وہ عذاب دکھانا چاہتے ہیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ، تو ان پر عذاب نازل ہونے کے وقت مجھے ان ظالم قوم سے نہ کرنا بلکہ مجھے ان سے نکال لینا۔ بعض نے کہا: ندا معترض ہے اور اِمَّا میں ما زائدہ ہے۔ بعض نے کہا: اِمَّا کی اصل ان ما ہے۔ ان شرط ہے اور ما بھی شرط ہے دونوں شرطوں کو تاکید کے لیے جمع فرمایا۔ اور جواب۔ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ہے یعنی جب آپ انہیں عذاب دینے کا ارادہ فرمائیں تو مجھے ان سے نکال لینا نبی کریم ﷺ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ظالم قوم سے آپ کو نہیں کرے گا جب ان پر عذاب نازل ہو گا لیکن اللہ نے آپ کو اس دعا اور سوال کا حکم دیا تاکہ آپ کا اجر بڑھے اور آپ ہر وقت اپنے پروردگار کا ذکر کرتے رہیں۔

وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ: اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ ہم آپ کی موجودگی میں انہیں عذاب میں مبتلا نہ کریں گے یعنی ایسا عذاب نہ بھیجیں گے جس سے یہ سب تباہ و برباد ہو جائیں اور بعض لوگوں پر خاص حالات میں دنیا میں عذاب کا آجانا اس کے منافی نہیں ہے آپ کے وجود گرامی کی وجہ سے عمومی عذاب نہ آئے یہ موعود تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یہ قدرت حاصل ہے کہ جب چاہے جن لوگوں پر چاہے عذاب بھیج دے۔ (انوار البیان) پھر فرمایا

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ: آپ اس طریقے پر ان کی بد معاملگی کو دفع کیجیے جو بہت ہی اچھا طریقہ ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کو تلقین فرمائی ہے کہ آپ برائی کو یعنی کافروں کی ایذا رسانی کو دفع کرتے رہیں اور ان کے شر کا دفعیہ اچھے سے اچھے طریقہ پر کرتے رہیں، برائی کے مقابلہ میں خوش اخلاقی اختیار کرنا اور درگزر سے کام لینا اور اپنی طرف سے اچھا برتاؤ کرنا اس سے دشمنوں کی ایذا ختم یا کم ہو جاتی ہے پھر اخلاق عالیہ کا بھی یہی تقاضا ہے۔ سورۃ حم سجدہ میں فرمایا اور اچھائی اور برائی برابر نہیں

ہیں، ایسے طریقے پر دفعیہ کیجیے جو اچھے سے اچھا طریقہ ہو جب ایسا کرو گے تو وہ شخص جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے خالص دوست ہو جائے گا، بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حکم آیت جہاد سے منسوخ ہو گیا حالانکہ منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں کیونکہ مکارم اخلاق کا استعمال تو ہمیشہ ہی ضروری ہے۔ پھر فرمایا

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ : ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ آپ کی نسبت کہتے ہیں، ہم اپنے علم کے مطابق انہیں سزا دے دیں گے۔ (انوار البیان) اس کے بعد ایک اور دعا تلقین فرمائی اور وہ یہ ہے

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ: اے میرے رب میں شیطان کے وسوسوں سے آپ کی پناہ لیتا ہوں اور اس بات سے آپ کی پناہ لیتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں، یہ دعا بہت اہم اور ضروری ہے ہر مسلمان کو یاد کرنی چاہیے بارہا پڑھنی چاہیے شیاطین پیچھے لگے رہتے ہیں وسوسے ڈالتے ہیں ان سے محفوظ رہنے کے لیے یہ دعا بہت اہم ہے جب رسول اللہ ﷺ کو شیاطین سے محفوظ رہنے کے لیے تلقین فرمائی تو اور کون شخص ہے جسے شیاطین کے وسوسوں سے محفوظ ہونے کی دعاء سے بے نیازی ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی نیند میں گھبرا جائے تو یہ الفاظ پڑھے اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ ،ان کلمات کو پڑھ لے تو اسے (شیاطین) ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ (رواہ الترمذی) ترجمہ: میں اللہ کے پورے کلمات کے ذریعہ اس کے غصہ سے اور اس کے عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیاطین کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ یہ شیاطین میرے پاس حاضر ہوں پناہ لیتا ہوں۔ (انوار)

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ: یہاں اللہ تعالیٰ انسان کی غفلت اور انجام کار کی نہایت مؤثر تصویر پیش فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جب ان منکرین میں سے کسی ایک پر موت کا وقت آ پہنچتا ہے اور وہ اپنی آنکھوں سے عذابِ الٰہی کے آثار دیکھ لیتا ہے تو اسے اپنی کوتاہیوں اور نافرمانیوں پر سخت ندامت ہوتی ہے۔ تب وہ حسرت و افسوس کے ساتھ فریاد کرتا ہے: "اے میرے

رب! مجھے دوبارہ دنیا میں لوٹا دے، تاکہ میں وہ نیک اعمال کرلوں جنہیں میں نے چھوڑ رکھا تھا۔"
درحقیقت یہ اس کی وہ دیرینہ غفلت کا نتیجہ ہوتا ہے کہ جس دنیا میں اسے عمل کا موقع ملا تھا، وہ اسے ضائع کرتا رہا۔ چنانچہ حضرت محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یہ تمنا کسی دنیاوی مفد کے لیے نہیں بلکہ محض نیک عمل کی کمی پوری کرنے کی آرزو ہوتی ہے، مگر یہ آرزو اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب عمل کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حسرت بھرے مطالبے کو قطعی طور پر رد فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا : ہرگز نہیں! یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے، یعنی اب واپسی کا کوئی امکان نہیں۔ مزید فرمایا کہ

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ : ان کے آگے ایک "برزخ" حائل ہے، جو قیامت کے دن تک باقی رہے گا، اس برزخ سے مراد وہ درمیانی پردہ اور مرحلہ ہے جو موت کے بعد اور قیامت سے پہلے ہوتا ہے، جہاں سے دنیا کی طرف واپسی ممکن نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق برزخ دراصل موت اور بعث کے درمیان کا وہ زمانہ ہے جو انسان کو آخرت کے لیے روک کر رکھتا ہے، یوں یہ آیات انسان کو متنبہ کرتی ہیں کہ مہلت عمل صرف دنیا کی زندگی تک محدود ہے، اس کے بعد ندامت اور خواہش کسی کام نہیں آتی۔

قیامت اور دوزخ کا منظر

سوال اس آیت کا ترجمہ کریں، نیز بتایئے کہ وَهُمْ فِيهَا كٰلِحُوْنَ کا کیا مطلب ہے؟

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ {١٠١} فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ {١٠٢} وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَأُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا أَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ {١٠٣} تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ {١٠٤} المؤمنون

جواب ترجمہ: سو جب صور پھونکا جائے گا تو اس روز ان میں باہمی رشتے نہ رہیں گے وہ نہ آپس میں ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔ سو جن کے وزن بھاری ہوں گے تو یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہوں گے۔ اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کر لیا، ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ان کے چہروں کو آگ جھلستی ہو گی اور اس میں ان کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے۔

تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں قیامت کے ہولناک مناظر کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ: جب مقرر فرشتہ دوسری بار صور میں پھونکے گا، جو قیامت کے قائم ہونے کا اعلان ہو گا، تو اس وقت تمام دنیاوی رشتے اور نسب ختم ہو جائیں گے، کوئی شخص اپنے خاندان یا حسب و نسب پر فخر نہ کر سکے گا اور نہ ہی ایک دوسرے سے حال دریافت کرنے کی فرصت ہو گی، کیونکہ ہر شخص آخرت کی ہولناکیوں اور اپنی فکر میں ایسا مشغول ہو گا کہ اسے کسی اور کی خبر نہ ہو گی۔ پھر اللہ تعالیٰ میزانِ اعمال کے فیصلہ کن مرحلے کو بیان فرماتے ہیں کہ

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ: جن لوگوں کے نیک اعمال کا پلڑا بھاری ہو گا، وہی دراصل کامیاب ہوں گے، کیونکہ انہیں اپنی مطلوبہ نعمتیں حاصل ہوں گی اور ہر خوف و خطر سے نجات ملے گی۔ جن کے نامہ اعمال کا وزن ہلکا ہو گا ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ: اور جن کے اعمال کا پلڑا ہلکا ہو گا، یعنی ان کی برائیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی، تو یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال لیا، کہ انہوں نے ایمان اور اعمالِ صالحہ کو چھوڑ کر اپنے لیے ہلاکت کا سامان کیا، چنانچہ ایسے لوگ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، جہاں سے انہیں کبھی نجات نہ ملے گی۔

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ: جس طرح تَلفَحُ ہے اسی طرح ایک لفظ تَنفح بھی ہے، دونوں کا معنیٰ ایک ہی ہے، قرآن کریم کے دوسرے مقام پر ہے وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ

رَبِّكَ (الانبیاء:۴۶) مفسر قرآن علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تَلفَح تکلیف کے اعتبار سے زیادہ ہے۔ جب کہ لفح ہلکی سے ضرب کو کہا جاتا ہے، اس میں زیادہ تکلیف نہیں ہوتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، کالحون کا معنی ہے منہ بسورنے والے۔ اہل لغت نے کہا یبوست میں دانت نکالنے کو الکلوح کہتے ہیں۔ الکالح جس کے ہونٹ سکڑ گئے ہوں اور دانت باہر نکل آئے ہوں۔ اعمش کا شعر ہے :

وَلَهُ الْمُقَدَّمُ لَا مِثْلَ لَهُ...سَاعَةَ الشِّدْقِ عَنِ النَّابِ كَلَحْ

ترجمہ: اور اسی کے لیے سبقت (برتری) ہے، اس کا کوئی مثل نہیں... اُس وقت جب سختی کے عالم میں ہونٹ دانتوں سے ہٹ کر سکڑ جائیں (اور چہرہ بگڑ جائے)۔

عربی محاورے میں یہ جو کہا جاتا ہے کہ كَلَحَ الرَّجُلُ كُلُوحًا وَكِلَاحًا وَمَا أَقْبَحَ كَلْحَتَهُ اس سے مراد منہ اور اس کے ارد گرد کا حصہ سکوڑنا ہے، جو بہت ہی بدنما اور برا لگتا ہے۔ اسی طرح عربی محاورے میں زمانے کی شدت اور سختی کے لیے جو لفظ بولا جاتا ہے وہ ہے دَهْرٌ كَالِحٌ (سخت زمانہ)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس کا اسی طرح مفہوم بیان کیا گیا ہے یعنی۔ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ سے مراد وہ شخص ہے جس کے ہونٹ سکڑ گئے ہوں اور اس کی پیپ بہ گئی ہو۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ نے اس سر کی طرف نہیں دیکھا جسے آگ کے ساتھ کنگھی کی جائے گی اور ان کے دانت نکلے ہوئے ہوں گے اور ہونٹ خشک ہو چکے ہوں گے۔ (قرطبی)

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے كَالِحُون کا معنیٰ عَابِسُون کیا ہے۔ علامہ مصطفے البغا رحمہ اللہ نے بخاری کی تعلیق میں فرمایا کہ کہ كالحون ایسا ہوتا ہے جس کے ہونٹ دانتوں سے سکڑ گئے ہوں اور اس کے دانت سامنے دکھائی دے رہے ہوں۔

حضرت ابو سعید خدری رحمہ اللہ نے کائنات کے سب سے سچے انسان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کالحون کی تفسیر یوں بیان کی ہے تَشْوِيهِ النَّارُ فَتَقَلَّصُ شَفَتُهُ الْعُلْيَا حَتَّى تَبْلُغَ وَسَطَ رَأْسِهِ وَتَسْتَرْخِي شَفَتُهُ السُّفْلَى حَتَّى تَضْرِبَ سُرَّتَهُ، آگ اسے بھون دے گی اس کا

اوپر والا ہونٹ سکڑ جائے گا، یہاں تک کہ وہ سر کے درمیان تک پہنچ جائے گا اور نیچے ولا ہونٹ اس کی ناف تک پہنچ جائے گا۔ (ترمذی)

یہ بد شکل انسان کی شکل وصورت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، جس کا اوپر والا ہونٹ اوپر کھنچ جائے یہاں تک کہ سر تک پہنچ جائے اور نیچے والا ہونٹ اتنا نیچے پہنچ جائے کہ ناف تک دکھائی دے، علامہ سندھی نے یہ شکل وصورت بد صورت انسان کی بتائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ يَعْظُمُ الْكَافِرُ فِي النَّارِ مسيرة سبع ليال ويصير ضِرْسُهُ مِثْلَ أُحُدٍ وَشِفَاهُهُمْ عِنْدَ سرر هم، سودزرق [حبن] مقبوحون، کافر کے جسم کی چوڑائی سات رات چلنے کے بقدر ہو گی، پس اس کی داڑھ اُحد پہاڑ کے برابر ہو گی اور ان کے ہونٹ ایسے ہوں گے جیسے پکی ہوئی سری جس کے دانت باہر نکل آئے ہوں اور ہونٹ سکڑ گئے ہوں اور وہ کالے رنگ کے قبیح شکل والے ہوں گے۔ (تفسیر بغوی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ ضِرْسُ الْكَافِرِ مِثْلُ أُحُدٍ وَفَخِذُهُ مِثْلُ الْبَيْضَاءِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ كَمَا بَيْنَ قُدَيْدٍ وَمَكَّةَ وَكَثَافَةُ جَسَدِهِ اِثْنَان وَأَرْبَعُونَ ذِرَاعًا بِذِرَاعِ الْجَبَّارِ (الترغیب والترھیب للمنذری) کافر کی داڑھ اُحد پہاڑ کی طرح ہو گی، اس کی ران بیضاء پہاڑ کی طرح ہو گی، اس کی سرین دوزخ میں اس طرح ہو گی جتنی قدید اور مکہ کے درمیان کا فاصلہ ہے، اس کا جسم بیالیس ہاتھ جتنا موٹا ہو گا۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ ضِرْسُ الْكَافِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِثْلُ أُحُدٍ وَفَخِذُهُ مِثْلُ الْبَيْضَاءِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ مَسِيرَةُ ثَلَاث مِثل الرَّبذَةِ، کافر کی داڑھ قیامت کے دن احد پہاڑ کی طرح ہو گی، اس کی ران بیضاء پہاڑ کی طرح ہو گی، اس کی سرین تین دن کی مسافت جتنی موٹی ہو گی، ربذہ کی طرح ہو گی۔ (یعنی مدینہ اور ربذہ کے درمیان جتنی مسافت ہے اس قدر موٹی ہو گی)

ترمذی کی روایت میں ہے کہ إِنَّ غِلَظَ جِلدِ الْكَافِرِ اِثْنَان وَأَرْبَعُونَ ذِرَاعًا وَإِنَّ ضِرسَهُ مِثلُ أُحُدٍ وَإِنَّ مَجْلِسَهُ مِن جَهَنَّمَ مَا بَينَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ (ترمذی) کافر کی چمڑی بیالیس ہاتھ

موٹی ہو گی، اس کی داڑھ احد پہاڑ جتنی ہو گی، اس کی بیٹھنے کی جگہ جہنم میں اتنی ہو گی جتنی مکہ اور مدینہ کے درمیان مسافت ہے۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ضِرْسُ الْكَافِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِثْلُ أُحدٍ وَعَرْضُ جِلْدِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا وَعَضُدُهُ مِثْلُ الْبَيْضَاءِ وَفَخِذُهُ مِثْلُ وَرقَان وَمَقعَدُهُ مِنَ النَّارِ مَا بَيْنِي وَبَيْنَ الرَّبَذَةِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَكَانَ يُقَالُ بَطْنُهُ مِثْلُ بَطْنِ إِضِمٍ، کافر کی داڑھ قیامت کے دن احد پہاڑ جتنی ہو گی، اس کے چمڑے کی موٹائی ستر ہاتھ ہو گی، اس کا بازو بیضاء پہاڑ جتنا ہو گا، اس کی ران ورقان جتنی ہو گی، اس کی سرین میرے اور ربذہ کے درمیان ہو گی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کافر کا پیٹ اضم کے پیٹ کی طرح ہو گا، یہ روایات علامہ منذری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الترغیب والترھیب میں نقل کی ہیں۔

ابوسنان اور ابن ابی ہذیل کی روایت میں اہل جہنم کا یوں ذکر کیا گیا ہے لَفَحَتْهُمْ لَفْحَةً مَا أَبْقَتْ لَحْمًا عَلَى عَظْمٍ إِلَّا أَلْقَتْهُ عَلَى أَعْقَابِهِمْ (صفۃ النار ابن ابی الدنیا) ان کو آگ ایسا جھلسائے گی کہ ہڈی پر گوشت تک نہ چھوڑے گی، اسے پشت پر ڈال دے گی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تَأْكُلُهُمُ النَّارُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِينَ أَلْفَ مَرَّةٍ، كُلَّمَا أَكَلَتْهُمْ وَأَنْضَجَتْهُمْ قِيلَ لَهُمْ: عُودُوا، فَيَعُودُونَ كَمَا كَانُوا (صفۃ النار ابن ابی الدنیا) اہل دوزخ کو جہنم روزانہ ستر ہزار مرتبہ کھائے گی، جب بھی انہیں کھائے گی اور ان کو ادھیڑے گی تو کہا جائے گا کہ لوٹو (یعنی اسی طرح ہو جاؤ) تو وہ اسی طرح ہو جائیں گے جیسے وہ تھے۔

انکار آیات پر ملامت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ {۱۰۵} قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ {۱۰۶} رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ {۱۰۷} قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ {۱۰۸} اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ

لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ {۱۰۹} فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِىْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ {۱۱۰} اِنِّىْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ {۱۱۱} قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِى الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ {۱۱۲} قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ {۱۱۳} قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ {۱۱۴} المومنون

جواب ترجمہ: کیا تمہارے پاس میری آیتیں نہیں آئیں جو تمہارے اوپر تلاوت کی جاتی تھی پھر تم انہیں جھٹلاتے تھے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہماری بد بختی ہم پر غالب آگئی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ اور اے ہمارے رب ہمیں اس سے نکال دیجیے پھر اگر ہم دوبارہ کریں تو بلاشبہ ہم ظالم ہوں گے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ تم اسی میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔ بلاشبہ بات یہ ہے کہ میرے بندوں میں سے ایک جماعت تھی، جو یوں دعا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے سو آپ ہمیں بخش دیجیے اور ہم پر رحم فرمایئے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے ہیں۔ سو تم نے ان کو مذاق بنالیا یہاں تک کہ انہوں نے تمہیں میری یاد بھلا دی اور تم ان سے ہنستے تھے۔ بلاشبہ آج میں نے انہیں ان کے صبر کرنے کی وجہ سے یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا سوال ہو گا کہ تم برسوں کی گنتی کے اعتبار سے زمین میں کتنے دن رہے۔ وہ کہیں گے کہ ایک یا ایک دن سے بھی کم رہے سو آپ گننے والوں سے سوال فرما لیجیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہو گا کہ تم تھوڑی ہی مدت رہے اگر تم جانتے ہو۔

تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں قیامت کے دن کفار و مشرکین کی رسوائی اور ان پر ہونے والی زبردست سرزنش کو بیان کیا گیا ہے۔ ان سے کہا جائے گا:

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ: کیا تم پر دنیا میں اللہ کی آیات نہیں پڑھی جاتی تھیں، پھر تم انہیں جھٹلاتے رہے؟ اس پر وہ اعترافِ جرم کرتے ہوئے کہیں گے:

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ: اے ہمارے رب! ہماری بد بختی ہم پر

غالب آگئی تھی اور ہم گمراہ لوگوں میں شامل تھے۔ پھر وہ نہایت عاجزی سے درخواست کریں گے:

رَبَّنَآ اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ: اے ہمارے رب! ہمیں اس جہنم سے نکال دے، اگر ہم دوبارہ کفر و گمراہی کی طرف لوٹے تو ہم یقیناً ظالم ہوں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کی اس درخواست کو رد کرتے ہوئے فرمائے گا:

قَالَ اخۡسَـُٔوۡا فِيۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ: اسی میں ذلیل و خوار ہو کر پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔

مزید فرمایا جائے گا کہ میرے بندوں میں سے ایک جماعت ایسی تھی جو ایمان لائی اور دعا کیا کرتی تھی:

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ: اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے، پس ہمارے گناہ معاف فرما اور ہم پر رحم کر، تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔ مگر تم ان اہلِ ایمان کا مذاق اڑاتے رہے، یہاں تک کہ تمہاری یہ ہنسی ٹھٹھا تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل کر گیا اور تم ان پر ہنستے رہے، آج میں نے ان کے صبر کا بدلہ انہیں جنت کی صورت میں عطا کر دیا، بے شک وہی کامیاب ہیں، جب کفار دنیا میں واپس جانے کی خواہش کریں گے تاکہ اپنی اصلاح کر لیں، تو انہیں یاد دلایا جائے گا کہ تمہیں دنیا میں اتنی مہلت دی گئی تھی جس میں تم چاہو تو توبہ کر سکتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان سے سوال فرمائے گا:

كَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ عَدَدَ سِنِيۡنَ: تم دنیا میں کتنے سال ٹھہرے رہے؟ وہ جواب دیں گے: ہم ایک دن یا دن کے کچھ حصے کے برابر ٹھہرے تھے، آپ گننے والوں سے پوچھ لیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

قٰلَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا لَّوۡ اَنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ: تم دنیا میں بہت ہی تھوڑی مدت ٹھہرے تھے، اگر تم اس حقیقت کو سمجھ لیتے تو اسی مختصر وقت میں اطاعت و بندگی اختیار کر لیتے، یہ آیات انسان کو جھنجھوڑنے کے لیے ہیں کہ دنیا کی زندگی نہایت مختصر ہے اور اسی میں آخرت کی دائمی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ ہونا ہے۔

تخلیق انسانی کی حکمت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ {۱۱۵} فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ {۱۱۶} وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ {۱۱۷} وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ {۱۱۸} المومنون

جواب ترجمہ: کیا تم نے یہ خیال کیا کہ ہم نے تمہیں بطور عبث پیدا کیا اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے۔ سو برتر ہے اللہ جو بادشاہ ہے حق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش کریم کا رب ہے۔ اور جو کوئی شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے سو ان کا حساب اس کے رب کے پاس ہے، بلاشبہ بات یہ ہے کہ کافر لوگ کامیاب نہیں ہو نگے۔ اور آپ یوں دعا کیجیے کہ اے میرے رب بخش دیجیے اور رحم فرمایئے بلاشبہ آپ رحم کرنے والوں میں سے سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیں۔

تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ انسان کو جھنجھوڑتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا تم نے یہ گمان کر لیا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے، کہ نہ کوئی جزا ہو گی اور نہ سزا، اور تمہیں قیامت کے دن ہماری طرف لوٹ کر نہیں آنا؟ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تخلیق ایک عظیم حکمت کے تحت ہوئی ہے اور اسے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی بلندی اور عظمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہی حقیقی بادشاہ ہے، جس کا ہر وعدہ اور ہر قول حق ہے اور اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ عرشِ عظیم کا رب ہے اور جو سب سے بڑی مخلوق کا رب ہو، وہی تمام کائنات کا حقیقی رب ہے۔

مزید فرمایا کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارتا ہے، حالانکہ اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں (اور حقیقت میں کسی کے پاس بھی نہیں ہو سکتی)، تو اس کے اس باطل عمل کا حساب اس کے رب کے پاس ہے اور وہی اسے اس پر سزا دے گا، بے شک کافر کبھی کامیاب نہیں ہوں گے، نہ وہ اپنی مطلوبہ چیز حاصل کر سکیں گے اور نہ ہی عذاب سے بچ سکیں گے۔

آخر میں نبی کریم ﷺ کو (اور بالواسطہ امت کو) یہ دعا سکھائی گئی ہے: "اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔" اس میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ انسان کو ہمیشہ اپنے رب سے مغفرت اور رحمت کا طلبگار رہنا چاہیے، کیونکہ نجات کا حقیقی ذریعہ اللہ ہی کی بخشش اور مہربانی ہے۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ، آج سورۃ المومنون پر نظر ثانی مکمل کی گئی، ترمیمات واضافات کی تکمیل کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ سے دلی دعا ہے کہ وہ اس متواضع تفسیری کاوش کو اپنی عالی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے، اسے ہمارے لیے، ہمارے متعلقین کے لیے، مساعدین ومعاونین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور سب کے لیے ذریعہ نجات بنادے۔ آمین یارب العالمین

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور کینٹ

۲۹ اپریل ۲۰۲۶ء، بمطابق ۱۱ ذیقعدہ ۱۴۴۷ھ بروز بدھ، ڈیڑھ بجے شب

سورۃ النور (تعارف)

سوال سورۃ النور کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ النور قرآنِ کریم کی ایک اہم مدنی سورت ہے، جس کی کل چونسٹھ (۶۴) آیات ہیں، یہ سورت اپنے مضامین کے اعتبار سے نہایت جامع اور ہمہ گیر ہے، کیونکہ اس میں اسلامی معاشرے کی تطہیر، اخلاقی اصلاح، اور قانونی و معاشرتی نظام کی مضبوط بنیادیں بیان کی گئی ہیں، اس میں حدود و تعزیرات، عفت و پاکدامنی، خاندانی نظام اور معاشرتی آداب کے ایسے اصول ذکر کیے گئے ہیں جو ایک پاکیزہ اور باوقار اسلامی معاشرہ تشکیل دیتے ہیں، گویا یہ سورت ایک مکمل ضابطۂ حیات پیش کرتی ہے، جس میں فرد اور معاشرہ دونوں کی اصلاح کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

وجہ تسمیہ: اس سورت کا نام "النور" اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نور کا نہایت بلیغ اور جامع بیان آیا ہے، جیسا کہ آیتِ کریمہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں مذکور ہے، مزید برآں اس سورت میں نورِ الٰہی کی تمثیل اور ہدایت و گمراہی کے فرق کو نہایت حسین انداز میں واضح کیا گیا ہے، حتیٰ کہ یہ سورت نورِ ایمان، نورِ ہدایت اور نورِ الٰہی کے معانی و مفاہیم کو اجاگر کرتی ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام "النور" رکھا گیا، کیونکہ یہ سورت انسان کی ظاہری و باطنی زندگی کو نورِ ہدایت سے منور کرتی ہے۔

اہم مضامین: سورۃ النور کے بنیادی مضامین نہایت اہم اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ سورت کا آغاز ہی زنا کی سزا کے بیان سے ہوتا ہے، جس کے ذریعے معاشرے میں عفت و پاکدامنی کو فروغ دیا گیا ہے، اس کے ساتھ قذف (بہتان) کے احکام بیان کیے گئے ہیں تاکہ عزت و آبرو کا تحفظ یقینی بنایا جاسکے۔ اسی ضمن میں واقعۂ افک کا ذکر ہے، جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائے گئے بہتان کی تردید اور اس سے متعلق اہم اخلاقی و ایمانی ہدایات دی گئی ہیں۔

مزید برآں، اس سورت میں نگاہوں کی حفاظت، حجاب، زینت کی حدود اور فتنوں سے بچنے کی

تلقین کی گئی ہے، تاکہ معاشرہ پاکیزگی اور حیاء کا گہوارہ بن سکے، اسی طرح آدابِ استئذان (گھروں میں داخل ہونے کے اصول) نہایت تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، حتیٰ کہ بچوں کو بھی مخصوص اوقات میں اجازت لینے کی تعلیم دی گئی ہے۔

سورت کا مرکزی روحانی پہلو آیتِ نور ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کے نور کی عظیم تمثیل بیان کی گئی ہے، جو ایمان اور ہدایت کی حقیقت کو واضح کرتی ہے۔ مزید یہ کہ اس میں مؤمنین اور منافقین کے کردار کو نمایاں کیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، آپ کے فیصلوں کے احترام اور اسلامی نظمِ اجتماعی کی پاسداری کی تاکید کی گئی ہے۔

اسی کے ساتھ سورت میں نکاح کی ترغیب، پاکیزہ زندگی کی دعوت، اور معاشرتی برائیوں سے بچاؤ کے اصول بیان کیے گئے ہیں اور اہلِ ایمان کے لیے زمین میں غلبہ و تمکین کی خوشخبری بھی دی گئی ہے، بشرطیکہ وہ ایمان و عملِ صالح پر قائم رہیں۔

فضیلت سورۃ النور: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا گیا کہ سورۃ البقرہ، سورۃ النساء، سورۃ المائدہ، سورۃ الحج اور سورۃ النور کا علم حاصل کرو کیونکہ ان میں فرائض ہیں۔ (مستدرک) حارثہ بن مضرب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ہماری طرف حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ لکھ کر بھیجا کہ تم لوگ سورۃ النساء، سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کا علم حاصل کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ وہ سورۃ النور کو پڑھتے تھے اور اس کی تفسیر کرتے تھے، ایک سننے والے نے کہا سبحان اللہ! اس شخص کے منہ سے کیسے جواہر پارے نکل رہے ہیں، اگر ترک ان کو سن لیتے تو مسلمان ہو جاتے۔ (در منثور)

مختصر یہ کہ سورۃ النور درحقیقت ایک ایسی جامع سورت ہے جو اسلامی معاشرے کی اخلاقی، سماجی اور روحانی تطہیر کا مکمل نظام پیش کرتی ہے، اس میں عفت و پاکدامنی، عدل و انصاف، نورِ ہدایت اور اطاعتِ رسول ﷺ جیسے بنیادی اصولوں کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک صالح اور مثالی معاشرہ وجود میں آسکے، یہی وجہ ہے کہ اسے قرآنِ کریم کی اصلاحی اور معاشرتی سورتوں میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔

سورۃ النور کی عظمت، فرضیت احکام

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ{۱} النور

جواب ترجمہ: یہ ایک سورت ہے جو ہم نے نازل کی ہے اور ہم نے اس کی ادائیگی کا ذمہ دار بنایا ہے اور ہم نے اس میں واضح آیات نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو۔

تفسیر: سورۃ النور کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ اس سورت کی شان اور اہمیت کو نہایت بلیغ انداز میں بیان فرماتے ہیں :سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا: سورت کو نکرہ (بغیر تعین) ذکر کرنا اس کی عظمت اور بلندیِ شان کو ظاہر کرنے کے لیے ہے اور یہی اس کے لیے کافی اعزاز ہے کہ اسے خود اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، مزید یہ کہ اس میں خاص طور پر اس بات کی تصریح کی گئی کہ یہ سورت اللہ ہی کی طرف سے نازل کردہ ہے، تاکہ اس کے احکام کی اہمیت اور ان کی پابندی کی تاکید دلوں میں راسخ ہو جائے۔

وَفَرَضْنٰهَا: کا مطلب یہ ہے کہ اس سورت میں بیان کردہ تمام احکام کو اللہ تعالیٰ نے لازم اور واجب قرار دیا ہے، خصوصاً وہ قوانین جو خاندانی نظام کے تحفظ، عفت و پاکدامنی کے قیام اور نسلِ انسانی پر حملہ کرنے والوں کی سزا سے متعلق ہیں، یہ احکام اس لیے فرض کیے گئے ہیں تاکہ کوئی شخص ان سے سرتابی نہ کرے، کیونکہ یہ براہِ راست اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں، اگرچہ ان میں بعض سزائیں سخت معلوم ہوتی ہیں، مگر درحقیقت یہ سختی صرف مجرموں اور فساد پھیلانے والوں کے لیے ہے، جبکہ اہلِ ایمان کے لیے یہ سراسر حفاظت اور پاکیزگی کا ذریعہ ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جس طرح پوری سورت کو اپنی طرف منسوب کرکے اسے شرف بخشا، اسی طرح اس کے احکامی مضامین کو بھی وحی کے ذریعے نازل فرما کر ان کی فرضیت اور اہمیت کو مزید مؤکد کیا، ان احکام میں سب سے نمایاں اور سخت سزا زنا کی ہے، جو معاشرتی بگاڑ کی جڑ ہے۔ آخر میں فرمایا، لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ: تاکہ تم ان احکام کو یاد رکھو، ان کی سنگینی کو سمجھو اور ان جرائم کی قباحت

اور ان کے معاشرتی اثرات کو پہچانو، کیونکہ جب ایسے جرائم کسی قوم میں عام ہو جائیں تو وہ ذلت، کمزوری اور زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔

زانیہ اور زانی کی شرعی سزا

سوال زانیہ عورت اور زانی مرد کی شادی سے پہلے کیا سزا ہے؟ اس سزا پر قرآن کریم کی آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ النور

جواب ترجمہ: زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد ان میں سے ہر ایک کو سو درے مارو اور اللہ کے دین میں ان دونوں کے بارے میں تمہیں رحمت نہ پکڑے اگر تم ایمان لاتے ہو اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور ان کی سزا کے وقت مومنین کی ایک جماعت حاضر رہے۔

تفسیر: زنا ایک ایسی برائی ہے جسے ہر زمانے میں اخلاقی اور معاشرتی طور پر برا سمجھا گیا ہے اور قرآن نے کبائر کے بیان میں شرک کے ساتھ اسے بھی ذکر کیا ہے، مذکورہ سزا کے علاوہ قرآن نے اس کے ذرائع سے بھی دور رہنے کا حکم دیا ہے اور اسے بڑی ہی بے حیائی کی بات اور بڑی برائی کا چلن قرار دیا ہے دراصل نوع انسانی کی بقا اور انسانی تمدن کا قیام دونوں اس بات کے متقاضی ہیں کہ عورت و مرد کا تعلق کسی قانونی اور اخلاقی ضابطہ کے تحت قائم ہونا چاہیے تاکہ انسانی خاندان وجود میں آئیں اور ان پر تہذیب و تمدن کی عمارت قائم ہو سکے لیکن اگر عورت اور مرد کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو انسان کی اجتماعی زندگی تباہ ہو کر رہ جاتی ہے اور انسانی تمدن کی تعمیر نہیں ہو سکتی لہذا زنا کی حرمت انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔

مولانا آزاد رحمہ اللہ لکھتے ہیں اجتماعی زندگی کی سب سے بڑی بنیاد نکاح مدنی ہے یعنی یہ بات کہ ایک

مرد اور ایک عورت ازدواجی زندگی بسر کرنے کے لیے جنسی رفاقت و اشتراک کا عہد کرلیں اور پھر صرف ایک دوسرے ہی کے لیے ہو کر جئیں، زنا ٹھیک اس کی ضد ہے یہ مرد اور عورت کو اشتراک حیات کے لیے نہیں، بلکہ محض نفسیاتی تقاضے کی عارضی تسکین کے لیے جمع کرتا ہے اور ازدواجی زندگی کے تمام معاشرتی احساسات فنا کر دیتا ہے جس سوسائٹی میں زنا کا دروازہ کھلا رہے گا وہ کبھی ازدواجی زندگی کی استواری حاصل نہیں کر سکے گی اور اگر ازدواجی زندگی استوار نہ ہوئی تو اجتماعی زندگی کی ساری بنیادیں ہل گئیں یہی وجہ ہے کہ یہاں پہلے اس فساد کی شناعت پر زور دیا پھر اس کی سزا کا اعلان کیا اصطلاح میں ان سزاؤں کو حد کہتے ہیں۔ (ترجمان القرآن)

پہلا حکم حد زنا : قرآن کریم اور احادیث متواترہ میں چار جرائم کی سزا اور اس کا طریقہ کار خود متعین کر دیا گیا ہے کسی قاضی یا امیر کی رائے پر نہیں چھوڑا گیا اور انہی متعینہ سزاؤں کو شریعت کی اصلاح میں حدود کہا جاتا ہے اور ان کے علاوہ باقی جرائم کی سزا متعین نہیں بلکہ قاضی یا امیر مجرم کی حالت کی حیثیت ماحول وغیرہ کے مجموعے پر نظر کر کے جس قدر سزا دینے کو مناسب سمجھے انسداد جرم کیلئے وہ سزا ہو گی ایسی سزاؤں کو شریعت کی اصلاح میں تعزیرات کہا جاتا ہے۔

حدود شرعیہ چار جرائم پر جاری ہوتی ہیں۔ ① چوری ② کسی پاکدامن عورت پر تہمت لگانا ③ شراب پینا ④ زنا کرنا

زنا کی تعریف: زنا کہتے ہیں وَطْءٌ فِي قُبُلٍ خَالٍ عَنِ الْمِلْكِ وَشُبْهَتِ (شرح وقایہ: ص ۲۴۴ ج ۲) ایسی عورت کی شرمگاہ میں وطی کرنا جس پر نہ ملک یمین ہو اور نہ ملک نکاح ہو اور اس میں ملک شبہ بھی نہ ہو۔

مگر شرع نے ثبوت نکاح کے لئے کچھ شرائط مقرر کی ہیں اسی طرح وجوب حد کیلئے کچھ قیود لازم کی ہیں جن کی تفصیل کا محل کتب فقہ ہیں، الغرض ان میں سے ہر ایک جرم اپنی جگہ پر دنیا کے امن وامان کو تباہ کرنے کا اور بہت سی خرابیوں کا مجموعہ ہے لیکن ان سب میں زنا کے نتائج بہت زیادہ برے ہیں، اس لئے کوئی شریف انسان اپنی عزت وناموس کیلئے سب کچھ قربان کر دینے کو مشکل نہیں جانتا زانی

کے قتل کے درپے ہو جاتا ہے اور یہ جوش انتقام نسلوں میں چلتا ہے اور خاندانوں کو تباہ کر دیتا ہے، اس لئے اسلام نے انسانی معاشرے کو تباہی سے بچانے کیلئے زنا کی سزا کو دوسرے سب جرائم کی سزاؤں سے سخت قرار دیا ہے اور وہ اس آیت میں مذکور ہے یہ سزا غیر شادی شدہ زانی مرد و عورت کیلئے ہے جبکہ جرم ثابت ہو جائے۔

وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ: تنبیہ مؤمنین: ① سزا میں رعایت نہ ہونے پائے ورنہ انسداد جرم نہیں ہو سکے گا اگر تم کو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان ہے۔ ② طریق حد زنا: یہ سزا مسلمانوں کی ایک جماعت کے سامنے ہونی چاہیے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور جرم دنیا سے کم ہو۔ (معارف الفرقان)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "غیر شادی شدہ مرد و عورت کی سزا سو کوڑے جو آیت نور میں مذکور ہے اس حدیث میں اس کے ساتھ ایک مزید سزا کا ذکر ہے کہ مرد کو سال بھر کے لئے جلاوطن بھی کر دیا جائے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ سال بھر کی جلاوطنی کی سزا مرد زانی کو سو کوڑوں کی طرح لازمی ہے یا قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ ضرورت سمجھے تو سال بھر کے لئے جلاوطن بھی کر دے، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہی آخری صورت صحیح ہے یعنی حاکم کی رائے پر موقوف ہے۔

دوسری بات اس حدیث میں یہ ہے کہ شادی شدہ مرد و عورت کے لئے سنگساری سے پہلے سو کوڑوں کی سزا بھی ہے مگر دوسری روایات حدیث اور نبی کریم ﷺ اور اکثر خلفاء راشدین کے تعامل سے ثابت یہ ہے کہ یہ دونوں سزائیں جمع نہیں ہوں گی، شادی شدہ پر صرف سزائے سنگساری جاری کی جائے گی۔ اس حدیث میں خاص طور پر یہ بات قابل نظر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں **أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا** کی تفسیر فرمائی ہے۔

اور تفسیر میں جو بات سورۃ نور کی آیت میں مذکور ہے یعنی سو کوڑے لگانا، اس پر کچھ مزید چیزوں کا اضافہ بھی ہے اول سو کوڑے کی سزا کا غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لئے مخصوص ہونا، دوسرے سال بھر کی جلاوطنی کا اضافہ تیسرے شادی شدہ مرد و عورت کے لئے رجم و سنگساری کا حکم۔ ظاہر ہے

کہ اس میں سورۃ نور کی آیت پر جن چیزوں کی زیادتی رسول اللہ ﷺ نے فرمائی وہ بھی وحی الٰہی اور حکم ربانی ہی سے تھی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی، اور پیغمبر اور ان سے براہ راست سننے والوں کے حق میں وہ وحی جو بصورت قرآن تلاوت کی جاتی ہے اور وہ وحی جس کی تلاوت نہیں ہوتی دونوں برابر ہیں۔

خود رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع عام کے سامنے اس پر عمل فرمایا، ماعز اور غامدیہ پر سزائے رجم و سنگساری جاری فرمائی، جو تمام کتب حدیث میں اسانید صحیحہ کے ساتھ مذکور ہے اور حضرت ابوہریرہ اور زید بن خالد جہنی کی روایت صحیحین میں ہے کہ ایک غیر شادی شدہ مرد نے جو ایک شادی شدہ عورت کا ملازم تھا اس کے ساتھ زنا کیا، زانی لڑکے کا باپ اس کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ واقعہ اقرار سے ثابت ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَاَقْضِیَنَّ بَیْنَکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ، یعنی میں تم دونوں کے معاملہ کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کروں گا، پھر یہ حکم صادر فرمایا کہ زانی لڑکا جو غیر شادی شدہ تھا اس کو سو کوڑے لگائے جاویں اور عورت شادی شدہ تھی اس کو رجم و سنگسار کرنے کے لئے حضرت انیس کو حکم فرمایا انہوں نے خود عورت سے بیان لیا اس نے اعتراف کر لیا تو اس پر بحکم نبی کریم ﷺ رجم و سنگساری کی سزا جاری ہوئی (ابن کثیر)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایک کو سو کوڑے لگانے کی دوسرے کو سنگسار کرنے کی سزا دی اور دونوں سزاؤں کو قضاء بکتاب اللہ فرمایا، حالانکہ آیت سورۃ نور میں صرف کوڑوں کی سزا کا ذکر ہے، سنگساری کی سزا مذکور نہیں۔ وجہ وہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جو اس آیت کی مکمل تفسیر و تشریح اور تفصیلی حکم بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا تھا وہ سارا کتاب اللہ ہی کے حکم میں ہے گو اس میں سے بعض حصہ کتاب اللہ میں مذکور اور متلو نہیں۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا خطبہ بروایت ابن عباس مذکور ہے صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ جَالِسٌ عَلَى مِنْبَرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ، فَكَانَ مِمَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةُ الرَّجْمِ، قَرَأْنَاهَا وَوَعَيْنَاهَا وَعَقَلْنَاهَا، فَرَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ، فَأَخْشَى إِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ أَنْ يَقُولَ قَائِلٌ: مَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللهِ فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ أَنْزَلَهَا اللهُ، وَإِنَّ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللهِ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنَى إِذَا أَحْصَنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ، إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ، أَوْ كَانَ الْحَبَلُ، أَوِ الِاعْتِرَافُ (مسلم)

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا جبکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے منبر پر تشریف رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی تو جو کچھ کتاب اللہ میں آپ پر نازل ہوا اس میں آیت رجم بھی ہے جس کو ہم نے پڑھا، یاد کیا اور سمجھا، پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی رجم کیا اور ہم نے آپ کے بعد رجم کیا، اب مجھے یہ خطرہ ہے کہ زمانہ گزرنے پر کوئی یوں نہ کہنے لگے کہ ہم رجم کا حکم کتاب اللہ میں نہیں پاتے تو وہ ایک دینی فریضہ چھوڑ دینے سے گمراہ ہو جاویں جو اللہ نے نازل کیا ہے اور سمجھ لو کہ رجم کا حکم کتاب اللہ میں حق ہے اس شخص پر جو مردوں اور عورتوں میں سے محصن ہو یعنی شادی شدہ جبکہ اس کے زنا پر شرعی شہادت قائم ہو جائے یا حمل اور اعتراف پایا جائے۔

یہ روایت صحیح بخاری میں بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے (بخاری ۱۰۰۹ جلد ۲) اور نسائی میں اس روایت کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

إِنَّا لَا نَجِدُ مِنَ الرَّجْمِ بُدًّا فَإِنَّهُ حَدٌّ مِنْ حُدُودِ اللهِ أَلَا وَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ رَجَمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ، وَلَوْلَا أَنْ يَقُولَ قَائِلُونَ: زَادَ عُمَرُ فِي كِتَابِ اللهِ مَا لَيْسَ فِيهِ لَكَتَبْتُ فِي نَاحِيَةٍ مِنَ الْمُصْحَفِ: وَشَهِدَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ، وَفُلَانٌ وَفُلَانٌ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ رَجَمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ

زنا کی سزا میں ہم شرعی حیثیت سے رجم کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ وہ اللہ کی حدود میں سے ایک حد ہے خوب سمجھ لو کہ رسول اللہ ﷺ نے خود رجم کیا اور ہم نے آپ کے بعد بھی رجم کیا اور اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ کہنے والے کہیں گے کہ عمر نے کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیا ہے تو میں قرآن کے کسی گوشہ میں بھی اس کو لکھ دیتا اور عمر بن خطاب گواہ ہے عبد الرحمن بن عوف گواہ ہیں اور فلاں فلاں صحابہ گواہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے رجم کیا۔ (ابن کثیر)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حکم رجم کی کوئی مستقل آیت ہے جو سورۃ نور کی آیت مذکورہ کے علاوہ ہے مگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے الفاظ نہیں بتلائے کہ کیا تھے اور نہ یہ فرمایا کہ اگر وہ اس آیت نور کے علاوہ کوئی مستقل آیت ہے تو قرآن میں کیوں نہیں اور کیوں اس کی تلاوت نہیں کی جاتی؟ صرف اتنا فرمایا کہ اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ مجھ پر کتاب اللہ میں زیادتی کا الزام لگائیں گے تو میں اس آیت کو قرآن کے حاشیہ پر لکھ دیتا۔ (کمارواہ النسائی)

اس روایت میں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر وہ واقعی قرآن کی کوئی آیت ہے اور دوسری آیات کی طرح اس کی تلاوت واجب ہے تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی بدگوئی کے خوف سے اس کو کیسے چھوڑ دیا؟ جبکہ ان کی شدت فی امر اللہ معروف و مشہور ہے اور یہ بھی قابل غور ہے کہ خود حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں اس آیت کو قرآن میں داخل کر دیتا بلکہ ارشاد یہ فرمایا کہ میں اس کو قرآن کے حاشیہ پر لکھ دیتا۔

یہ سب امور اس کے قرائن ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سورۃ نور کی آیت مذکورہ کی جو تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی جس میں آپ نے سو کوڑے لگانے کے حکم کو غیر شادی شدہ مرد و عورت کے ساتھ مخصوص فرمایا اور شادی شدہ کے لئے رجم کا حکم دیا، اس مجموعی تفسیر کو اور پھر اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل کو کتاب اللہ اور آیت کتاب اللہ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا اس معنی میں کہ آپ کی یہ تفسیر و تفصیل بحکم کتاب اللہ ہے وہ کوئی مستقل آیت نہیں۔

ورنہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کوئی طاقت اس سے نہ روک سکتی کہ قرآن کی جو آیت رہ گئی ہے اس کو اس کی جگہ لکھ دیں، حاشیہ پر لکھنے کا جو ارادہ ظاہر فرمایا وہ بھی اسی کی دلیل ہے کہ درحقیقت وہ کوئی مستقل آیت نہیں بلکہ آیت سورۃ نور ہی کی تشریح میں کچھ تفصیلات ہیں اور بعض روایات میں جو اس جگہ ایک مستقل آیت کے الفاظ مذکور ہیں وہ اسناد و ثبوت کے اعتبار سے اس درجہ میں نہیں کہ اس کی بنا پر قرآن میں اس کا اضافہ کیا جاسکے۔ حضرات فقہاء نے جو اس کو منسوخ التلاوۃ غیر منسوخ الحکم

کی مثال میں پیش کیا ہے وہ مثال ہی کی حیثیت میں ہے اس سے در حقیقت اس کا آیت قرآن ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سورۃ نور کی آیت مذکورہ میں جو زانیہ اور زانی کی سزا سو کوڑے لگانا مذکور ہیں یہ رسول اللہ ﷺ کی مکمل تشریح و تصریح کی بنا پر غیر شادی شدہ لوگوں کے لئے مخصوص ہے اور شادی شدہ کی سزا رجم ہے۔

یہ تفصیل اگرچہ الفاظ آیت میں مذکور نہیں مگر جس ذات اقدس پر یہ آیت نازل ہوئی خود ان کی طرف سے ناقابل التباس وضاحت کے ساتھ یہ تفصیل مذکور ہے اور صرف زبانی تعلیم وارشاد ہی نہیں بلکہ متعدد بار اس تفصیل پر عمل بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع کے سامنے ثابت ہے اور یہ ثبوت ہم تک تواتر کے ذریعہ پہنچا ہوا ہے، اس لئے شادی شدہ مرد و عورت پر سزائے رجم کا حکم در حقیقت کتاب اللہ ہی کا حکم اور اسی کی طرح قطعی اور یقینی ہے، اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ سزائے رجم کتاب اللہ کا حکم ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سزائے رجم سنت متواترہ سے قطعی الثبوت ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی الفاظ منقول ہیں کہ رجم کا حکم سنت سے ثابت ہے اور حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ (معارف القرآن)

زنا کی قباحت، نکاح کی پاکیزگی

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ {۳} النور

جواب ترجمہ: زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ زنا جیسے قبیح جرم کی سنگینی اور اس کے معاشرتی اثرات کو واضح کرتے

ہوئے ارشاد فرماتے ہیں

الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً: اس کا مفہوم یہ ہے کہ پاکیزہ اور باحیا انسان اپنی فطرت کے مطابق کبھی بھی ناپاک اور بدکردار عورت سے نکاح کو پسند نہیں کرتا، کیونکہ وہ اپنے نطفہ کو کسی گندے مقام میں ڈالنا گوارا نہیں کرتا اور زنا سے بڑھ کر کون سی ناپاکی ہو سکتی ہے۔ یہاں "نکاح" سے مراد عقدِ نکاح ہے، نہ کہ محض مباشرت، جیسا کہ جمہور اہلِ علم کا موقف ہے، لہٰذا ایک مومن شخص اس وقت تک کسی زانیہ سے نکاح نہیں کرتا جب تک وہ سچی توبہ کرکے اپنے آپ کو اس گناہ سے پاک نہ کرلے۔

اسی طرح ایک پاکدامن اور متقی عورت بھی کسی ایسے مرد کو اپنا شوہر بنانا پسند نہیں کرتی جو زنا میں مبتلا ہو اور اپنی بدکرداری کے لیے معروف ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح میں دینداری اور پاکیزگی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور یہی "کفاءت" کا اصل معیار ہے جس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

چنانچہ جس طرح زانی مرد کو عموماً زانیہ یا مشرکہ ہی قبول کرتی ہے، اسی طرح زانیہ عورت کو بھی وہی شخص قبول کرتا ہے جو خود بدکردار یا بے دین ہو، یہ دراصل فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے، کیونکہ میاں بیوی کا تعلق نہایت گہرا ہوتا ہے، جس میں جسمانی اور روحانی دونوں طرح کا اختلاط ہوتا ہے اور جس طرح جسمانی بیماریاں منتقل ہوتی ہیں، اسی طرح اخلاقی وروحانی برائیاں بھی ایک دوسرے کو متاثر کرتی ہیں۔

اگرچہ فطرتِ انسانی خود اس قسم کے تعلقات سے نفرت کرتی ہے، لیکن شریعت نے بھی اس کی صراحت کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے

وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ: یعنی اہلِ ایمان پر ایسے نکاح کو حرام قرار دیا گیا ہے، بعض فقہاء نے اس آیت کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے زانی اور غیر زانی کے درمیان نکاح کو ناجائز یا فاسد قرار دیا ہے، جبکہ جمہور کے نزدیک یہ نکاح اصلاً منع نہیں، تاہم توبہ کے بغیر ایسا نکاح سخت ناپسندیدہ ہے۔

جو شخص اس گناہ کا عادی ہو جاتا ہے، وہ نکاح بھی عموماً اپنے ہی جیسی زانیہ یا ایسی مشرکہ سے کرنا پسند کرتا ہے جو زنا سے نہیں بچتی، حالانکہ اس سے نکاح کرنا جائز نہیں، اسی طرح جو عورت زنا کی عادی ہو جائے، وہ بھی نکاح کے لیے ایسے ہی زانی یا مشرک مرد کو پسند کرتی ہے جو اس گناہ سے پرہیز نہیں

کرتا، باوجود اس کے کہ اس سے نکاح حرام ہے اور اہلِ ایمان پر زانیہ سے نکاح کرنا اور زانی کا نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔

البتہ یہ بات بھی واضح رہے کہ اگر زانی یا زانیہ سچی توبہ کرلیں تو وہ اس گناہ سے پاک ہو جاتے ہیں، کیونکہ توبہ سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے، لہٰذا جب وہ ایمان، اخلاص اور عملِ صالح کے ساتھ اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے نکاح کرنا بالاتفاق جائز ہے، اس آیت کا اصل مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کو زنا کی آلودگی سے محفوظ رکھا جائے اور نکاح جیسے مقدس بندھن کو پاکیزگی، دینداری اور اخلاقی بلندی کی بنیاد پر قائم کیا جائے۔

قذف کی سزا، شہادت کی نااہلی، قبولیت توبہ

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ {۴} اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {۵} النور.

جواب ترجمہ: اور جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی درے مارو، اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، اور یہ لوگ فاسق ہیں۔ مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔

تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے عزت و آبرو کے تحفظ کے لیے نہایت سخت اور مؤثر قانون بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ: جو لوگ پاکدامن عورتوں پر (اور اسی طرح پاکدامن مردوں پر بھی) بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں، پھر اپنے دعوے کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہیں کرتے، تو ایسے لوگوں کو، اے حکام! اسی (۸۰) کوڑے مارے جائیں۔ مزید یہ کہ ان کی

گواہی ہمیشہ کے لیے قبول نہ کی جائے، کیونکہ یہ لوگ اللہ کی اطاعت سے نکلے ہوئے فاسق ہیں، اس حکم کے ذریعے اسلامی معاشرے کو بہتان تراشی اور کردار کشی جیسے سنگین جرائم سے محفوظ کیا گیا ہے، تاکہ کسی کی عزت وناموس کو ناحق پامال نہ کیا جاسکے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا دروازہ بھی کھلا رکھا ہے، چنانچہ فرمایا کہ

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ: جو لوگ اس جرم کے بعد سچی توبہ کرلیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کی گواہی بھی دوبارہ معتبر ہو جاتی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا اور ان پر نہایت مہربان ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ قذف کا جرم نہایت سنگین ہے، لیکن اخلاص کے ساتھ توبہ انسان کو دوبارہ عزت اور قبولیت کے مقام تک پہنچا سکتی ہے۔

قذف کی لغوی تحقیق: علامہ سید مرتضیٰ زبیدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قَذْفٌ بِالْحِجَارَةِ کا معنیٰ ہے پتھر پھینکنا اور قَذْفُ الْمُحْصَنَة کا معنی ہے پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا اور یہ مجاز ہے اور ایک قول یہ ہے کہ قذف کا معنی ہے گالی دینا اور حدیث میں ہے کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کو شریک کے ساتھ تہمت لگائی، اصل میں قذف کا معنی ہے پھینکنا پھر یہ لفظ گالی دینے اور زنا کی تہمت میں استعمال ہوا۔ (تاج العروس ۶ ص ۲۱۷، مصر)

قذف کا شرعی معنیٰ: علامہ زین الدین ابن نجیم رحمہ اللہ قذف کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، قذف کا شرعی معنیٰ ہے کسی محصن (مسلمان پاک دامن) کو زنا کی تہمت لگانا اور فتح القدیر میں ہے، اس پر اجماع ہے کہ حد کا تعلق اس کے ساتھ ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے، جو لوگ محصنات (مسلمان اور پاک دامن) عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور پھر اس پر چار مرد گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو۔

اسی آیت میں لفظ رمی سے زنا کی تہمت مراد ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو دیگر گناہوں کی تہمت لگائی تو اس پر حد قذف واجب نہیں ہوگی بلکہ تعزیر واجب ہوگی اور اس آیت میں جو چار گواہ نہ لانے کی

شرط لگائی ہے اس سے زنا کی تہمت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ صرف زنا کے ثبوت کے لئے چار گواہوں کی ضرورت ہے، ہر چند کہ اس آیت میں محصنات کا لفظ ہے جو مؤنث کا صیغہ ہے لیکن یہ حکم مردوں کو بھی شامل ہے اور یہ بات نہیں کہ صرف عورت کو زنا کی تہمت لگانے سے حد قذف واجب ہوتی ہے بلکہ مسلمان اور پاک دامن عورت یا مرد جس کو بھی زنا کی تہمت لگائی گئی اور اس کے ثبوت میں چار گواہ نہ لائے جاسکیں تو تہمت لگانے والے پر حد قذف واجب ہوگی۔ (البحر الرائق)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا، اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ، قِيلَ: وَمَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الشِّرْكُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ (بخاری، مسلم، السنن الکبریٰ)

سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، جس شخص کے قتل کو حق کے سوا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ موڑنا اور پاک دامن مسلمان بے خبر عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔

حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جن دو مردوں اور ایک عورت نے تہمت لگائی تھی آپ ﷺ نے ان کو حد قذف لگانے کا حکم دیا تھا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، فقہاء رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جب کوئی مکلف شخص محصن کو زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد قذف واجب ہوتی ہے اور احصان کی پانچ شرائط ہیں ① عقل ② حریت ③ اسلام ④ زنا سے پاک دامن ہونا ⑤ وہ شخص اتنا بڑا ہو کہ جماع کر سکتا ہو یا اس سے جماع کیا جاسکتا ہو۔ تمام متقدمین اور متاخرین علماء نے احصان میں ان شرائط کا اعتبار کیا ہے۔ البتہ داؤد ظاہری نے یہ کہا ہے کہ غلام کو تہمت لگانے سے بھی حد واجب ہوگی۔

احصان کی شرائط میں مذہب احناف: علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

اِحصَان یہ ہے کہ جس شخص کو تہمت لگائی گئی ہے وہ ① آزاد، ② عاقل ③ بالغ ④ مسلمان اور ⑤ زنا کے فعل سے پاک دامن ہو، آزاد ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ قرآن مجید میں آزاد پر احصان کا اطلاق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ان لونڈیوں کی سزا آزاد عورتوں کی نصف ہے۔(النساء:۲۵)

اور عقل و بلوغ کی شرط اس لئے ہے کہ بچے اور مجنون کو زنا کی تہمت سے عار لاحق نہیں ہوتا کیونکہ ان سے فعل زنا کا تحقق نہیں ہوتا اور اسلام کی شرط اس لئے ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا وہ محصن نہیں ہے۔(سنن دار قطنی) اور زنا سے پاک دامن ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ جو پاک دامن نہ ہو اس کو عار لاحق نہیں ہوگا اور تہمت لگانے والا اس تہمت میں سچا ہوگا۔(تفسیر تبیان القرآن)

کوڑے مارنے کا حکم: علامہ المرغینانی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں: امام کو ایسے کوڑے کے ساتھ مارنے کا حکم دینا چاہیے جس میں گرہ یا پھل نہ ہوں (یعنی درخت کی ایسی شاخ سے مارا جائے جس میں گرہ نہ ہو اور نہ پھل ہوں) اور متوسط ضرب کے ساتھ مارنا چاہیے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوڑے مارنے لگے تو انہوں نے درخت کی شاخ سے پھل کاٹ دیئے۔

اور متوسط ضرب وہ ہوتی ہے کہ نہ تو اس سے چوٹ کا نشان پڑے اور نہ ایسی ضرب ہو جس سے بالکل تکلیف نہ ہو، کیونکہ پہلی صورت میں ہلاکت کا خدشہ ہے اور دوسری صورت میں کوڑے لگانے کا مقصد فوت ہو جائے گا، مجرم جس کے کوڑے لگائے جائیں اس کے کپڑے اتار لئے جائیں اور صرف چادر (تہبند) باقی رہے اور اس کے جسم کے متفرق اعضاء پر کوڑے مارے جائیں کیونکہ ایک جگہ کوڑے مارنے سے اس کی ہلاکت کا خدشہ ہے اور اس کے سر، چہرہ اور شرمگاہ پر کوڑے نہ مارے جائیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حد لگانے والے سے فرمایا اس کے چہرے اور شرمگاہ سے اجتناب کرو۔

تمام حدود میں مجرم کو کھڑا کر کے کوڑے مارے جائیں کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مردوں کو کھڑا کر کے کوڑے ماریں، کوڑے مارتے وقت کوڑے مارنے والا کوڑے کو اپنے سر سے اوپر نہ اٹھائے، کوڑے مارے جانے میں مرد اور عورت کے مساوی احکام ہیں، البتہ عورت کے صرف فالتو

کپڑے اتارے جائیں گے سارے کپڑے اتار کر یا صرف تہبند میں حد نہیں لگائی جائے گی اور اس کو بٹھا کر حد لگائی جائے گی۔ (ہدایہ اولین)

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کوڑے مارنے کے لئے درخت کی ایسی شاخ لی جائے جس میں کوئی گرہ ہو نہ کوئی پھل ہو، نہ وہ سوکھی ہوئی خشک شاخ ہو، اگر وہ خشک شاخ ہو تو اس کو چھیل کر نرم کر لیا جائے، کیونکہ امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ حکم کیا جاتا تھا کہ درخت کی شاخ سے پھل کاٹ لئے جائیں پھر اس کو دو پتھروں کے درمیان رکھ کے کوٹ کر نرم کیا جائے پھر اس سے کوڑے لگائے جاتے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

علامہ بن ہمام رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ ایسی شاخ میں کوئی گرہ یا پھل ہو، کیونکہ امام عبد الرزاق رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے لائق حد زنا کیا ہے مجھ پر حد جاری کیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑا منگوایا تو ایک سخت ٹہنی لائی گئی جس میں پھل تھے آپ نے فرمایا اس سے کم لاؤ پھر ایک نرم شاخ لائی گئی آپ نے فرمایا اس سے کچھ زیادہ لاؤ، پھر ایک درمیانی شاخ لائی گئی، آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے پھر آپ نے اس سے کوڑے مارنے کا حکم دیا، خلاصہ یہ ہے کہ متوسط شاخ سے کوڑے لگائے جائیں۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۱۶۔۱۵)

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان اور پاک دامن مرد یا عورت پر کسی مکلف نے زنا کی تہمت لگائی اور اس پر چار گواہ نہیں پیش کئے تو اس پر اسی (۸۰) کوڑے حد لازم ہو گی۔

جس پر حد قذف لگ چکی ہو اس کی شہادت قبول کرنے میں اختلاف فقہاء :جو شخص کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے پھر اس پر چار گواہ نہ پیش کر سکے اس کے متعلق تین حکم بیان فرمائے، ایک یہ کہ اس کو اسی (۸۰) کوڑے مارو، دوسرا یہ کہ ان کی شہادت کو کبھی قبول نہ کرو اور تیسرا یہ کہ وہی فاسق ہیں، اس کے بعد فرمایا سوا ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح

کرلیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

اس پر اجماع ہے کہ اس استثناء کا تعلق کوڑے مارنے کی سزا کے ساتھ نہیں ہے یعنی اگر کسی شخص نے تہمت لگانے کے بعد اس تہمت سے رجوع کرلیا اور یہ کہا کہ میں نے جھوٹ بولا تھا تو اس کو پھر بھی اسی (۸۰) کوڑے مارے جائیں گے، البتہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اس توبہ کے بعد اس کی شہادت قبول کی جائے گی یا نہیں، قاضی شریح، ابراہیم نخعی، حسن بصری، سفیان ثوری اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی توبہ اب بھی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور اس سے استثناء کا تعلق توبہ قبول نہ کرنے کے ساتھ ہے یعنی تہمت لگانے کے بعد اس نے توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی تو پھر اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۱۶۵)

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ صحیح بخاری میں ہے: حضرت ابو بکرہ، شبل بن معبد اور نافع رحمہم اللہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر زنا کی تہمت لگائی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تینوں کو اسی، اسی (۸۰، ۸۰) کوڑے مارے کیونکہ یہ چار گواہ نہیں پیش کرسکے تھے، پھر فرمایا کہ جو ان میں سے توبہ کرلے گا اس کی شہادت قبول کرلی جائے گی، شبل اور نافع نے اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ اپنے قول پر قائم رہے۔ (صحیح البخاری کتاب الشہادات)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں "زہری نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکرہ، نافع اور شبل نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زنا کی شہادت دی اور زیاد ابن ابو سفیان نے ان کی شہادت کے خلاف شہادت دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تینوں کو کوڑے مارے اور فرمایا تم میں سے جس نے اپنی شہادت سے رجوع کرلیا اس کی شہادت قبول کرلی جائے گی۔ حضرت ابو بکرہ نے اپنی شہادت سے رجوع کرنے سے انکار کردیا۔

ان چاروں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو رقطاء ام جمیل بنت عمرو بن الاقعم الہلالیہ کے پیٹ کے اوپر دیکھا، انہوں نے جاکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو معزول

کر دیا اور ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر بنا دیا اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو حاضر کیا گیا، اول الذکر تینوں نے ان کے خلاف زنا کی شہادت دی اور زیاد بن ابو سفیان نے قطعی شہادت نہیں دی اور کہا میں نے بہت قبیح منظر دیکھا تھا اور میں نہیں جانتا کہ انہوں نے یہ فعل کیا تھا یا نہیں، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تینوں پر حد قذف جاری کی۔

حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے کہ زیاد نے کہا کہ میں نے ان دونوں کو ایک لحاف میں دیکھا میں نے ان کا زور زور سے سانس سنا اور اس کے بعد کیا ہوا اس کا مجھے پتہ نہیں۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۵۸۳۔۵۸۴ بحوالہ تفسیر تبیان القرآن)

اپنی بیوی پر تہمت لگانے والے کا حکم

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے اور تفسیر بیان فرمائیں

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ {٦} وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ {٧} وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ {٨} وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ {٩} وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ {١٠} النور.

جواب اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور خود اپنے سوا ان کے پاس کوئی اور گواہ نہ ہوں تو ایسے کسی شخص کو جو گواہی دینی ہو گی وہ یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ بیان دے کہ وہ (بیوی پر لگائے ہوئے الزام میں) یقیناً سچا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ: اگر میں (اپنے الزام میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور عورت سے (زنا کی) سزا دور کرنے کا راستہ یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ اس کا شوہر (اس الزام میں) جھوٹا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ: اگر وہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بات نہ

ہوتی کہ اللہ کثرت سے توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے (تو خود سوچ لو کہ تمہارا کیا بنتا؟)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں

لعان کا حکم: زنا کے متعلقات میں چوتھا حکم لعان کا ہے، لعان اور ملاعنت کے معنٰی ایک دوسرے پر لعنت اور غضب الٰہی کی بد دعا کرنے کے ہیں، اصطلاح شرع میں میاں اور بیوی دونوں کو چند خاص قسمیں دینے کو لعان کہا جاتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگا دے یا اپنے بچے کو کہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں ہے اور یہ عورت جس پر الزام لگایا گیا ہے اس کو جھوٹا بتلا دے اور اس کا مطالبہ کرے کہ مجھ پر جھوٹی تہمت لگائی ہے اس لئے شوہر پر تہمت زنا کی سزا اسی کوڑے جاری کی جاوے تو اس وقت شوہر سے مطالبہ کیا جاوے گا کہ الزام زنا پر چار گواہ پیش کرے۔

اگر اس نے گواہ پیش کر دیئے تو عورت پر حد زنا لگائی جاوے گی اور اگر وہ چار گواہ نہ لا سکا تو ان دونوں میں لعان کرایا جاوے گا، یعنی اول مرد سے کہا جاوے گا کہ وہ چار مرتبہ ان الفاظ سے جو قرآن میں مذکور ہیں یہ شہادت دے کہ میں اس الزام میں سچا اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔

اگر شوہر ان الفاظ کے کہنے سے رکے تو اس کو قید کر دیا جائے گا کہ یا تو اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرو یا مذکورہ الفاظ کے ساتھ پانچ مرتبہ یہ قسمیں کھاؤ اور جب تک وہ ان دونوں میں سے کوئی کام نہ کرے اس کو قید رکھا جائے گا، اگر اس نے اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کر لیا تو اس پر حد قذف یعنی تہمت زنا کی شرعی سزا جاری ہو گی اور اگر الفاظ مذکورہ کے ساتھ پانچ مرتبہ قسمیں کھالیں تو پھر اس کے بعد عورت سے ان الفاظ میں پانچ قسمیں لی جاویں گی جو قرآن میں عورت کے لئے مذکور ہیں۔

اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کو اس وقت تک قید رکھا جاوے گا جب تک کہ وہ یا تو شوہر کی تصدیق کرے اور اپنے جرم زنا کا اقرار کرے تو اس پر حد زنا جاری کر دی جاوے اور یا پھر الفاظ مذکورہ کے ساتھ پانچ قسمیں کھاوے، اگر وہ الفاظ مذکورہ سے قسمیں کھانے پر راضی ہو جاوے اور قسمیں کھالے تو اب لعان پورا ہو گیا، جس کے نتیجہ میں دنیا کی سزا سے دونوں بچ گئے آخرت کا معاملہ

اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے کہ ان میں سے کون جھوٹا ہے جھوٹے کو آخرت میں سزا ملے گی، لیکن دنیا میں بھی جب دو میاں بیوی میں لعان کا معاملہ ہو گیا تو یہ ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتے ہیں شوہر کو چاہئے کہ اس کو طلاق دے کر آزاد کر دے، اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم ان دونوں میں تفریق کر سکتا ہے جو بحکم طلاق ہو گی، بہر حال اب ان دونوں کا آپس میں دوبارہ نکاح بھی کبھی نہیں ہو سکتا معاملہ لعان کی یہ تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

لعان کا قانون شریعت اسلام میں شوہر کے جذبات ونفسیات کی رعایت کی بنا پر نافذ ہوا ہے کیونکہ کسی شخص پر الزام زنا لگانے کا قانون جو پہلی آیات میں گزر چکا ہے اس کی رو سے یہ ضروری ہے کہ الزام زنا لگانے والا چار گواہ عینی پیش کرے اور جو یہ نہ کر سکے تو الٹی اسی پر تہمت زنا کی حد جاری کی جاوے گی، عام آدمی کے لئے تو یہ ممکن ہے کہ جب چار گواہ میسر نہ ہوں تو وہ الزام زنا لگانے سے خاموش رہے تا کہ تہمت زنا کی سزا سے محفوظ رہ سکے لیکن شوہر کے لئے یہ معاملہ بہت سنگین ہے جب اس نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا اور گواہ موجود نہیں اگر وہ بولے تو تہمت زنا کی سزا پائے اور نہ بولے تو ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا رہے اور اس کی زندگی وبال ہو جائے اس لئے شوہر کے معاملہ کو عام قانون سے الگ کر کے اس کا مستقل قانون بنا دیا گیا، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لعان صرف میاں بیوی کے معاملہ میں ہو سکتا ہے دوسروں کا حکم وہی ہے جو پہلی آیات میں گزر چکا ہے۔ (معارف القرآن)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے یہاں لعان سے متعلق احادیث سے دو واقعات بھی تحریر فرمائے ہیں، اس کے بعد اس سے متعلق چند مسائل بھی لکھے ہیں وہ ملاحظہ فرمایئے مسئلہ: جب دو میاں بیوی کے درمیان حاکم کے سامنے لعان ہو جاوے تو یہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے جیسے حرمت رضاعت ابدی ہوتی ہے۔

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَلْمُتَلَاعِنَانِ لَا یَجْتَمِعَانِ اَبَدًا، حرمت تو لعان ہونے ہی سے ثابت ہو جاتی ہے لیکن عورت کو دوسرے شخص سے بعد عدت نکاح کرنا امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک جب جائز ہو گا جبکہ مرد طلاق دیدے یا زبان سے کہہ دے کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا اور

اگر مرد ایسا نہ کرے تو حاکم قاضی ان دونوں میں تفریق کا حکم کر دے گا وہ بھی بحکم طلاق ہو جائے گا پھر عدت طلاق تین حیض پورے ہونے کے بعد عورت آزاد ہو گی اور دوسرے کسی شخص سے نکاح کر سکے گی۔ (مظہری وغیرہ)

مسئلہ: جب لعان ہو چکا اس کے بعد اس حمل سے جو بچہ پیدا ہو وہ اس کے شوہر کی طرف منسوب نہیں ہو گا بلکہ اس کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جاوے گی، رسول اللہ ﷺ نے ہلال بن امیہ اور عویمر عجلانی دونوں کے معاملات میں یہی فیصلہ فرمایا۔

مسئلہ: لعان کے بعد اگرچہ ان میں جو جھوٹا ہے اس کا عذاب آخرت پہلے سے زیادہ بڑھ گیا مگر دنیا کی سزا اس سے ساقط ہو گئی، اسی طرح دنیا میں اس کو زانیہ اور بچے کو ولد الزنا کہنا بھی کسی کے لئے جائز نہیں ہو گا، ہلال بن امیہ کے معاملہ میں رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ میں یہ حکم بھی فرمایا۔ وقضی بان لا ترمی ولا ولدھا۔ (معارف القرآن للمفتی)

شان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سوال واقعہ افک کیا ہے؟ قرآنی آیات کی روشنی میں وضاحت فرمائی جائے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡکِ عُصۡبَۃٌ مِّنۡکُمۡ ؕ لَا تَحۡسَبُوۡہُ شَرًّا لَّکُمۡ ؕ بَلۡ ہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ؕ لِکُلِّ امۡرِیًٔ مِّنۡہُمۡ مَّا اکۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ ۚ وَ الَّذِیۡ تَوَلّٰی کِبۡرَہٗ مِنۡہُمۡ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ {۱۱} لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡہُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِہِمۡ خَیۡرًا ۙ وَّ قَالُوۡا ہٰذَاۤ اِفۡکٌ مُّبِیۡنٌ {۱۲} لَوۡلَا جَآءُوۡ عَلَیۡہِ بِاَرۡبَعَۃِ شُہَدَآءَ ۚ فَاِذۡ لَمۡ یَاۡتُوۡا بِالشُّہَدَآءِ فَاُولٰٓئِکَ عِنۡدَ اللّٰہِ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ {۱۳} وَ لَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَتُہٗ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ لَمَسَّکُمۡ فِیۡ مَاۤ اَفَضۡتُمۡ فِیۡہِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ {۱۴} اِذۡ تَلَقَّوۡنَہٗ بِاَلۡسِنَتِکُمۡ وَ تَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاہِکُمۡ مَّا لَیۡسَ لَکُمۡ بِہٖ عِلۡمٌ وَّ تَحۡسَبُوۡنَہٗ ہَیِّنًا ۖ وَّ ہُوَ عِنۡدَ اللّٰہِ عَظِیۡمٌ {۱۵} وَ لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡہُ قُلۡتُمۡ مَّا یَکُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَکَلَّمَ بِہٰذَا ۖ سُبۡحٰنَکَ ہٰذَا بُہۡتَانٌ عَظِیۡمٌ {۱۶} یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِہٖۤ اَبَدًا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ {۱۷} وَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الۡاٰیٰتِ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ {۱۸}

النور

جواب ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ تہمت لے کر آئے یہ تم میں سے ایک جماعت ہے، تم اسے اپنے لیے شر نہ سمجھو، بلکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہے، ان میں سے ہر شخص کے لیے گناہ کا وہ حصہ ہے جو اس نے کمایا، اور ان میں سے جس شخص نے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔ جب تم نے اس کو سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ اچھا گمان کیوں نہ کیا اور یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح تہمت ہے۔ وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے، سو جب وہ گواہ نہ لائے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات میں تم لگے رہے اس کی وجہ سے تم پر بڑا عذاب واقع ہو جاتا۔ جب تم اس بات کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے مونہوں سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں علم نہیں ہے، اور تم اسے ہلکی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بھاری بات ہے۔ اور جب تم نے اس کو سنا تو یوں کیوں نہ کہا کہ یہ بات اس لائق نہیں ہے کہ ہم اسے اپنے منہ سے نکالیں سبحان اللہ یہ بڑا بہتان ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ پھر کبھی بھی تم ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مومن ہو۔ اور اللہ تمہارے لیے احکام بیان فرماتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ ۶ ھ میں غزوہ بنی المصطلق سے واپس آرہے تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ساتھ تھیں اور ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا اور اس پر ایک ہودج تھا، اسی ہودج میں ام المومنین سوار کی جاتی تھیں اور اسی ہودج میں اتاری جاتی تھیں، واپسی میں ایک منزل پر پڑاؤ کیا، روانگی سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لئے پڑاؤ سے باہر چلی گئیں وہاں اتفاق سے ان کے گلے میں جو منکوں کا ہار تھا ٹوٹ کر گر گیا اس کی تلاش میں دیر لگ گئی یہاں پیچھے کوچ ہو گیا جو لوگ اونٹ پر ہودج رکھا کرتے تھے انہوں نے یہ خیال کیا کہ ام المومنین ہودج ہی میں ہیں۔ ہودج کو اونٹ پر کس دیا چونکہ اس زمانہ میں عورتیں نہایت ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، موٹی تازی نہیں ہوتی تھیں۔

اور اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بھی کم تھی اس لئے ہودج کسنے والوں کو کچھ شبہ بھی نہ ہوا اور اونٹ کو لے کر قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے، جب لشکر روانہ ہو گیا تب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہار مل گیا اور آپ اسی جگہ پر آ گئیں جہاں پڑاؤ کیا گیا تھا، دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں، قافلہ روانہ ہو چکا ہے آخر یہ سوچ کر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب منزل پر پہنچ کر مجھے نہیں پائیں گے تو تلاش کے لئے یہیں کسی کو بھیج دیں گے یہ خیال کر کے وہیں بیٹھ گئیں۔

وہاں بیٹھے بیٹھے ان پر نیند نے غلبہ کیا اور سو گئیں، لشکر کے پیچھے گری پڑی چیز کی حفاظت اور نگہداشت کے لئے ایک شخص صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ رہا کرتا تھا وہ لشکر کے پیچھے آ رہا تھا، علی الصبح سویرے ہی سویرے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی منزل کے قریب آ پہنچا اور دور سے دیکھ کر یہ سمجھا کہ کوئی شخص پڑا سو رہا ہے، جب قریب پہنچا تو اس نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر پہچان لیا کیونکہ نزول حجاب سے پہلے انہوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا ہوا تھا۔

جب اس نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس طرح دیکھا تو نہایت افسوس کرتے ہوئے ان للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، اس پڑھنے کی آواز سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل گئی اور فوراً چادر سے منہ ڈھانک لیا حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے اونٹ کو لا کر ان کے قریب بٹھلا دیا ام المومنین پردہ کے ساتھ اس اونٹ پر سوار ہو گئیں اور وہ اونٹ کی مہار پکڑ کر اس کو کھینچتے ہوئے پیدل آگے آگے چلے یہاں تک کہ عین دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملے۔

اتنی سی بات پر منافقوں نے بہتان طرازی شروع کر دی اور اس معمولی سے واقعہ کا ایک افسانہ بنا دیا، جس کا سرخیل رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی منافق تھا، اس خبیث دشمن کو ایک بات ہاتھ لگ گئی اور طرح طرح سے واہی تباہی بکنا شروع کیا، اصل فتنہ پرداز تو منافقین تھے، لیکن بعض بھولے بھالے مسلمان بھی سنی سنائی باتوں کا تذکرہ کرنے لگے، جیسے حضرت حسان رضی اللہ عنہ اور مسطح رضی اللہ عنہ اور حمنہ بنت جحش جو ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وہاں پہنچ کر بیمار ہو گئیں، جب ان کو اس کی خبر ہوئی تو زار و قطار روئیں

اور ہچکیاں بندھ گئیں اور بیماری میں اور اضافہ ہوا، نبی کریم ﷺ سے اجازت لے کر اپنے والد کے گھر آ گئیں، شب و روز روتی تھیں اور آنسو نہیں تھمتے تھے۔ (بخاری شریف)

بالآخر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا صدمہ حد سے گزر گیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ کا کلمہ زبان پر جاری ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں یہ آیتیں إِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْإِفْكِ سے لے کر أُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ، تک نازل ہوئیں، جن سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت پر قیامت تک کے لئے مہر لگ گئی اور کسی منافق کی مجال نہیں رہی کہ وہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں کوئی لفظ اپنی زبان سے نکال سکے۔

اصل سازش تو منافقوں کی ہے اور چند مسلمان نادانستہ طور پر ان کی اس عیارانہ سازش کا شکار ہو گئے باقی ان چند کے سوا جمہور اہل اسلام اس سازش میں نہیں پھنسے، اصل فتنہ کا بانی مبانی تو عبد اللہ بن سلول منافق تھا اور اس کے ساتھ منافقین کی جماعت تھی اس کے علاوہ چند مخلص مسلمان جیسے حسان رضی اللہ عنہ اور مسطح رضی اللہ عنہ اور حمنہ رضی اللہ عنہا وہ صرف کسی غلط فہمی کا سادہ لوحی کی وجہ سے منافقین کے جال میں پھنس گئے، مومنین مخلصین میں سے صرف یہ تین تھے، باقی منافقین تھے اور عام اہل اسلام اس خبر سے غایت درجہ رنجیدہ اور ملول تھے۔

اس لئے ان آیات میں ان کی تسلی فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم اس بہتان کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو، ظاہر میں اگرچہ برا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں برا نہیں بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے، کہ اللہ تعالیٰ خود برأت کا متولی اور کفیل بنا اور آسمان سے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں اور اہل ایمان کی مدح میں اور منافقین کی فضیحت اور مذمت میں اٹھارہ آیتیں نازل کیں جو قیامت تک اہل علم کے سینوں میں محفوظ رہیں گی اور مسجدوں اور محرابوں میں زبانیں ان کی تلاوت کرتی رہیں گی یہ تو لسان صدق ہے، دنیا اور آخرت میں جس سے تمہاری بزرگی اور عظمت شان سب پر ظاہر ہو گئی اور دشمنان اسلام ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار ہو گئے سو یہ بہتان تمہارے حق میں برا نہیں ہوا بلکہ ان کے حق میں

برا ہوا اور ان کی ایذاء اور بدزبانی پر صبر کا اجر اس کے علاوہ رہا۔

یہ خطاب ان مسلمانوں کی تسلی کے لئے ہے جنہیں اس واقعہ سے صدمہ پہنچا تھا بالخصوص یہ خطاب آنحضرت ﷺ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے گھر والوں کو ہے جن پر صدمہ کا پہاڑ آگرا، یہ آیتیں نازل کر کے ان کو تسلی بخشی اور دنیا کو متنبہ کر دیا کہ پیغمبر علیہ السلام کی ازواج مطہرات کا اور خاص کر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا کیا مرتبہ ہے۔ (معارف القرآن للکاندھلوی)

ان میں سے ہر شخص کے لئے اسی قدر سزا ہے جس قدر اس نے گناہ کمایا ہے، جس شخص نے جس قدر اس فتنہ میں حصہ لیا، بقدر حصہ وہ سزا کا مستحق ہے، اس لئے کہ بعضے اس خبر کو سن کر ہنستے تھے اور بعض نے کچھ زبان سے بھی کہا تھا بعض خاموش رہے مگر بولنے والے کو منع نہ کیا۔

اس مختصر جملہ میں اس قسم کے تمام لوگوں پر عتاب ہے اور وہ شخص جس نے اس میں بڑا حصہ لیا اس کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے اس سے مراد عبد اللہ بن ابی منافق ہے دنیا کی ذلت کے علاوہ آخرت میں ذلیل اور خوار ہو گا، اس آیت میں منافقین کے سرغنہ عبد اللہ بن ابی کو تہدید فرمائی۔ (معارف القرآن للکاندھلوی)

حضرت مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں "اب آئندہ آیات میں ان مومنین کو نصیحت فرماتے ہیں کہ جو نادانستہ طور پر منافقین کی اس سازش کا شکار ہو گئے تھے بعض اس خبر کو سن کر خاموش ہو گئے اور بعض نے اس خبر کو نقل کیا اگرچہ وہ اس خبر کو سچا نہیں سمجھتے تھے لیکن نقل کرنے سے ایک درجہ میں منافقین کے معاون بنے اس لئے آئندہ آیت میں اس قسم کے مسلمانوں کو نصیحت اور ملامت فرماتے ہیں کہ جب تم نے اس بات کو سنا تو ایمان والے مردوں نے جن میں حسان رضی اللہ عنہ اور مسطح رضی اللہ عنہ بھی آگئے اور ایمان والی عورتوں نے جن میں حمنہ رضی اللہ عنہا بھی آگئیں اپنے بھائی بہنوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہ کیا اور سنتے ہی فوراً زبان سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو کھلا جھوٹ ہے یعنی مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ نیک گمان رکھتے اور اپنے جیسا ان کو سمجھتے اور صاف کہہ دیتے کہ یہ تو کھلا جھوٹ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طہارت اور نزاہت اور ان کا ام المومنین ہونا اور ان کا ذات اطہر ﷺ کی زوجیت میں ہونا اور صفوان رضی اللہ عنہ کا مرد صالح اور متقی ہونا اور عبد اللہ بن ابی کا منافق ہونا اور دشمن رسول ہونا اور اس کا جھوٹا ہونا یہ سب باتیں تمہارے سامنے تھیں، پھر دشمنان رسول کی ایک جھوٹی افواہ پر تم نے کیسے کان لگایا، ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے سامنے جب اس بات کا ذکر آیا تو سنتے ہی کہہ دیا کہ سب جھوٹ ہے صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور نبی کی بیوی کے متعلق ایسا گمان نہیں کیا جاسکتا۔

غرض یہ کہ ان آیات میں قاذفین (تہمت لگانے والے) منافقین کے علاوہ ان مومنین اور مومنات پر ناصحانہ ملامت ہے جنہوں نے اس خبر کو سن کر خاموشی اختیار کی یا تردد میں رہے یا بطور تذکرہ اس خبر کو نقل کیا ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ سنتے ہی کہہ دیتے ھٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ یہ صریح بہتان ہے۔ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ اہل افک اپنی اس بات پر چار گواہ کیوں نہ لائے کیونکہ اثبات گناہ کے لئے چار گواہوں کا ہونا شرط ہے، پس جب یہ لوگ اس پر چار گواہ نہ لاسکے تو ایسے لوگ قانون شریعت کے موافق اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔

کیونکہ شریعت نے جب یہ قاعدہ اور یہ قانون مقرر کر دیا کہ ثبوت گناہ کے لئے چار گواہوں کا ہونا شرط ہے، دعوے میں ذاتی معاینہ کافی نہیں بلکہ ثبوت کے لئے چار عینی شاہدوں کی شہادت ضروری ہے پس جو شخص کسی پر بدکاری کی تہمت لگائے اور چار گواہ نہ پیش کرسکے تو قانون شریعت کے مطابق وہ شخص جھوٹا ہے، اگرچہ اس نے اپنی آنکھ سے مشاہدہ کیا ہو لیکن عدالتی ثبوت کے لئے چار عینی شاہدوں کی شہادت ضروری ہے بغیر ثبوت کے ایسی سنگین بات کا زبان سے نکالنا جرم ہے۔

پس معلوم ہوا کہ آیت میں عند اللہ کے معنیٰ فی علم اللہ کے نہیں بلکہ فی حکم اللہ اور فی قانون اللہ کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص دعوائے زنا میں چار گواہ نہ پیش کرسکے تو وہ قانون خداوندی اور ضابطہ شریعت کے اعتبار سے جھوٹا ہے گو واقعہ میں وہ سچا ہو اس لئے کہ بغیر ثبوت فراہم ہوئے اس کو اجازت نہ تھی کہ زبان سے ایسی بات نکالے اس لئے قانون شہادت اور ضابطہ گواہی کے

اعتبار سے اس کو کاذب کہنا جائز ہے اگرچہ وہ فی الواقع اور فی علم اللہ صادق ہے لیکن عدالت میں تو قانون شہادت کے اعتبار سے اس کے صدق اور کذب کو جانچا جائے گا جو شخص کسی پر زنا کا دعویٰ کرے اور چار عینی گواہ نہ پیش کر سکے تو وہ ازروئے قانون جھوٹا ہے۔ (معارف القرآن للکاندھلوی)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ: اللہ تعالیٰ واقعۂ افک کے حوالے سے اہلِ ایمان کو نہایت مؤثر انداز میں تنبیہ فرماتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور وہ تمہیں فوراً سزا میں نہ پکڑتا بلکہ تم میں سے توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول نہ فرماتا، تو اس بہتان اور جھوٹ میں مشغول ہونے کی وجہ سے تم پر بڑا عذاب نازل ہو جاتا، یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ اس نے فوراً گرفت نہ کی اور اصلاح کا موقع عطا فرمایا۔

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ: یاد کرو وہ وقت جب تم ایک دوسرے سے یہ جھوٹی بات نقل کر رہے تھے اور اپنی زبانوں سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہ تھا، تم اسے معمولی اور ہلکی بات سمجھ رہے تھے، حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ نہایت سنگین جرم تھا، کیونکہ اس میں ایک پاکدامن ہستی پر بہتان لگانا اور صریح جھوٹ بولنا شامل تھا۔

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ: تمہیں چاہیے تھا کہ جب تم نے یہ بہتان سنا تو فوراً کہہ دیتے کہ ہمیں ایسی ناپاک بات زبان پر لانا بھی جائز نہیں اور اللہ کی پاکی بیان کرتے ہوئے اعلان کرتے کہ یہ ایک کھلا اور بڑا بہتان ہے، یہی ایمان کا تقاضا تھا کہ انسان بلا تحقیق کسی ایسی بات کو نہ پھیلائے جو کسی کی عزت کو مجروح کرے۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ: اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے اور خبردار فرماتا ہے کہ اگر تم واقعی ایمان والے ہو تو آئندہ کبھی بھی اس طرح کے بہتان اور جھوٹ کی طرف نہ لوٹنا، یہ ایک سخت تنبیہ ہے کہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی زبان اور اپنے طرزِ عمل کو پاک رکھے۔

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْآيَاتِ: اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام اور نصیحتوں کو کھول کھول کر بیان فرماتا ہے، اور وہ تمہارے تمام اعمال سے خوب واقف ہے، اس سے کوئی چیز مخفی نہیں، وہ اپنے علم اور

حکمت کے مطابق تمہیں جزا یا سزا دے گا، لہٰذا ان آیات میں یہ واضح پیغام دیا گیا ہے کہ اسلامی معاشرہ بہتان تراشی، افواہ سازی اور کردار کشی سے پاک ہونا چاہیے اور ہر مومن کو اپنی زبان اور عمل کی پوری ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے۔

فحاشی پھیلانے کی سزا، اتباع شیطان کی ممانعت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۙ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ ؕ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَتُہٗ وَاَنَّ اللّٰہَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۰﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ وَمَنۡ یَّتَّبِعۡ خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ فَاِنَّہٗ یَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ ؕ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَتُہٗ مَا زَکٰی مِنۡکُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۱﴾ النور

جواب ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی کی بات کا چرچا ہو ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بات کہ اللہ بڑا مہربان ہے بڑی رحمت والا ہے تو تم بھی نہ بچتے۔ اے ایمان والو شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کرو، اور جو شخص شیطان کے قدموں کے پیچھے چلتا ہے سو وہ بے حیائی کے کاموں کا اور برائیوں کا حکم دیتا ہے، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کبھی بھی کوئی شخص پاک نہ ہوتا، لیکن اللہ پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ آمَنُوا: یہاں واقعۂ افک کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں سخت وعید بیان فرمائی ہے جو اہلِ ایمان کے معاشرے میں فحاشی، بے حیائی اور تہمت و بہتان کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ یہاں الۡفَاحِشَۃُ سے مراد زنا کی تہمت، بدگمانی اور بے حیائی کی باتوں کی اشاعت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایسی ناپاک باتیں اہلِ

ایمان میں عام ہوں، ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں دردناک عذاب ہے، دنیا میں یہ عذاب رسوائی، حدِ قذف یا دیگر سزاؤں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، جبکہ آخرت میں جہنم کا عذاب ان کا منتظر ہے، اگرچہ یہ آیات خاص طور پر ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئیں جو واقعۂ افک میں پیش پیش تھے، تاہم ان کا حکم عام ہے اور ہر اس شخص کو شامل ہے جو معاشرے میں فحاشی اور بہتان کو فروغ دیتا ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ: اللہ تعالیٰ اس موقع پر اہلِ ایمان کو اپنے فضل و کرم کی یاد دہانی کرواتے ہیں کہ اگر اس کا فضل اور رحمت شاملِ حال نہ ہوتی تو اس جرم کی سنگینی کے باعث فوراً سخت عذاب نازل ہو جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ رؤف و رحیم ہے، اس نے مہلت دی، تنبیہ فرمائی اور اصلاح کا موقع عطا کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رحمت بندوں پر غالب ہے اور وہ فوراً گرفت کرنے کے بجائے توبہ کا دروازہ کھلا رکھتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ: پھر اہلِ ایمان کو ایک اصولی ہدایت دی گئی کہ وہ شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کریں، کیونکہ شیطان انسان کو بتدریج فحاشی اور برائی کی طرف لے جاتا ہے، درحقیقت فحاشی کی اشاعت، بہتان تراشی اور بے حیائی کا فروغ سب شیطانی وسوسوں کا نتیجہ ہے، خواہ وہ زبان کے ذریعے ہو، تحریر کے ذریعے یا کسی اور ذریعہ سے، مزید فرمایا کہ اگر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی پاکیزہ نہ ہو سکتا، لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے، اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انسان کی ظاہری و باطنی پاکیزگی صرف اللہ کے فضل ہی سے ممکن ہے۔

المختصر ان آیات میں واضح کیا گیا کہ فحاشی اور تہمت کی اشاعت ایک سنگین جرم ہے، جو فرد اور معاشرے دونوں کو تباہ کر دیتا ہے، مؤمنین کو چاہیے کہ وہ اپنی زبان، فکر اور عمل کو پاک رکھیں، شیطانی راستوں سے بچیں اور ہر حال میں اللہ کے فضل و رحمت کے محتاج رہیں، کیونکہ اسی کے ذریعے حقیقی پاکیزگی اور نجات حاصل ہوتی ہے۔

ان آیات کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ آج کا عالمی معاشرہ بے حیائی، فحاشی اور اخلاقی زوال کے ایک شدید سیلاب میں مبتلا ہے، جہاں نہ صرف خود گناہوں کا ارتکاب عام ہو چکا ہے بلکہ ان کی اشاعت، ترویج اور قبولیت بھی ایک معمول بن گئی ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ میڈیا، سوشل میڈیا اور دیگر ذرائع نے اس رجحان کو مزید تقویت دی ہے، یہاں تک کہ برائی کو برائی سمجھنے کا احساس بھی کمزور پڑ گیا ہے۔

در حقیقت یہ سب شیطان کے بتدریج بہکانے کا نتیجہ ہے، جو انسان کو آہستہ آہستہ گناہ کی طرف لے جا کر اسے معمول بنا دیتا ہے، اس صورتِ حال کا مقابلہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب فرد اپنی اصلاح کرے، معاشرہ برائی کو برائی کہنے کا حوصلہ برقرار رکھے، خاندانی نظام کو مضبوط کیا جائے، میڈیا کا محتاط استعمال ہو، نکاح کو آسان بنایا جائے اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے تعلق، توبہ اور استغفار کو مضبوط کیا جائے، کیونکہ اللہ کے فضل کے بغیر کوئی بھی پاکیزگی حاصل نہیں کر سکتا۔

اہل خیر سلسلہ خیر جاری رکھیں

سوال اس آیت مبارکہ کا شان نزول کیا ہے؟

وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ {۲۲} النور

جواب ترجمہ: اور تم میں سے جو لوگ اہل خیر ہیں اور مالی وسعت رکھتے ہیں، وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے، اور انہیں چاہیے کہ معافی اور درگزر سے کام لیں۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اللہ تمہاری خطائیں بخش دے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

شان نزول: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے رشتہ دار مسطح بن اثاثہ پر مال خرچ کیا کرتے تھے جب مسطح نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگانے والے کا ساتھ دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت نازل فرما

دی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ اب تجھ پر خرچ نہ کروں گا، اس پر آیت کریمہ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ آخر تک نازل ہوئی۔ (انوار البیان)

حضرت مسطح سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ کے بیٹے تھے، مہاجر بدری صحابی تھے، جو واقعہ افک میں پھنس گئے تھے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان پر مال خرچ کیا کرتے تھے، ان کا مالی تعاون کیا کرتے تھے، اس واقعہ میں جو لوگ کسی بھی درجہ میں شریک ہوئے ان میں یہ بھی تھے، صحابہ کرام میں سے کچھ لوگوں نے قسم کھائی کہ وہ ان پر اس وجہ سے خرچ نہیں کریں گے، اللہ نے ان لوگوں کو فرمایا کہ وہ معافی اور درگزر سے کام لیں، اللہ نے فرمایا کہ تم میں کون لوگ ہیں جو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے اور درگزر کر دے، پھر حضرت مسطح کے لیے جو کچھ خرچ کرتے تھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان پر خرچ کرتا رہوں گا۔

تہمت عفت کی سنگینی، عدل الٰہی کا ظہور

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ {٢٣} يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ {٢٤} يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللّٰهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ {٢٥} اَلْخَبِيثٰتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ {٢٦} النور

جواب ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ بے خبر مومن عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کر دی گئی اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ جس روز ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دینگے جو یہ لوگ کیا کرتے تھے۔ اس دن اللہ ان کو پوری سزا دے دے گا، جو ان کی واقعی سزا ہو گی اور وہ لوگ جان لیں گے کہ بلاشبہ اللہ حق ہے اور ظاہر فرمانے

والا ہے۔ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ہیں، یہ لوگ اس سے بری ہیں جو تہمت لگانے والے کہتے ہیں ان کے لیے مغفرت ہے اور عزت والا رزق ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے پاک دامن، بے خبر اور سادہ دل مؤمنہ عورتوں پر تہمت لگانے والوں کے لیے نہایت سخت وعید بیان فرمائی ہے، اَلْمُحْصَنٰت سے مراد وہ عفیف عورتیں ہیں جو پاکدامنی کی زندگی گزارتی ہیں، اَلْغٰفِلٰت وہ ہیں جن کے دلوں میں فحاشی کا خیال تک نہیں آتا، اور اَلْمُؤْمِنٰتِ وہ ہیں جو کامل ایمان رکھتی ہیں، ایسے پاکیزہ کردار رکھنے والی خواتین پر بہتان باندھنے والے دنیا و آخرت دونوں میں لعنت کے مستحق قرار دیے گئے ہیں، دنیا میں ان کے لیے رسوائی اور حدِ قذف ہے، جبکہ آخرت میں وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو کر عذابِ عظیم میں مبتلا ہوں گے، اس حکم کا سب سے نمایاں مصداق ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، جن کے بارے میں واقعۂ افک پیش آیا۔

یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ: پھر قیامت کے دن کا منظر بیان کیا گیا ہے کہ اس دن انسان کے اپنے اعضاء، زبان، ہاتھ اور پاؤں، اس کے خلاف گواہی دیں گے، یا تو اللہ تعالیٰ انہیں قوتِ گویائی عطا فرمائے گا یا ان کے اعمال کے آثار خود ان پر ظاہر ہو جائیں گے، یہ منظر عدالتِ الٰہی کے کامل انصاف اور انسان کی بے بسی کو نمایاں کرتا ہے، جہاں کوئی انکار یا فرار ممکن نہ ہو گا۔

یَوْمَىٕذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ: اس دن اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا، یہاں "دین" سے مراد جزا و سزا ہے، یعنی ہر عمل کا عادلانہ حساب ہو گا، اس موقع پر سب کو یقین ہو جائے گا کہ اللہ ہی "الحق المبین" ہے، یعنی وہی کامل حق اور انصاف کا حقیقی مظہر ہے، جس کے فیصلے میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی نہیں۔

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ: آخر میں ایک عظیم اخلاقی اصول بیان کیا گیا کہ ناپاک اور بدکردار لوگ ناپاک ہی کے لیے موزوں ہوتے ہیں اور پاکیزہ و صالح لوگ پاکیزہ لوگوں کے لیے، اسی اصول کے تحت

اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ یہ پاک دامن ہستیاں، جن پر بہتان لگایا گیا، ان تمام جھوٹی باتوں سے بالکل بری ہیں، ان کے لیے اللہ کی طرف سے مغفرت اور عزت والا رزق (یعنی جنت) مقدر ہے، یہ آیت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی قطعی براءت اور ان کی پاکدامنی کی واضح دلیل ہے اور اس میں ہر اس شخص کے لیے تنبیہ ہے جو اہلِ ایمان کی عزت پر حملہ کرنے کی جسارت کرے۔

المختصر ان آیات میں تہمت و بہتان کی شدید مذمت، قیامت کے دن کے عدلِ کامل کا بیان اور پاکیزہ و خبیث لوگوں کے درمیان فطری امتیاز کو واضح کیا گیا ہے، نیز اہلِ ایمان خصوصاً امہات المؤمنین کی براءت کو قطعی طور پر ثابت کیا گیا ہے، تاکہ اسلامی معاشرہ عزت و عفت کی بنیادوں پر قائم رہے۔

گھر میں داخلے سے پہلے اجازت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ {۲۷} فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا ۚ هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ {۲۸} النور

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو، اور ان میں بسنے والوں کو سلام نہ کرلو۔ یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے، امید ہے کہ تم خیال رکھو گے۔ اور اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تب بھی ان میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تمہیں اجازت نہ دے دی جائے۔ اور اگر تم سے کہا جائے کہ: واپس چلے جاؤ۔ تو واپس چلے جاؤ۔ یہی تمہارے لیے پاکیزہ ترین طریقہ ہے، اور تم جو عمل بھی کرتے ہو اللہ کو اس کا پورا پورا علم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت مانگو، جب اجازت ملے، جاؤ پہلے سلام کرو، اگر پہلی دفعہ کی اجازت طلبی پر جواب نہ ملے تو پھر اجازت مانگو، تین مرتبہ اجازت

چاہو اگر پھر بھی اجازت نہ ملے تو لوٹ جاؤ۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، تین دفعہ اجازت مانگی، جب کوئی نہ بولا تو آپ واپس لوٹ گئے، تھوڑی دیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا! دیکھو عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ آنا چاہتے ہیں، انہیں بلا لو لوگ گئے، دیکھا تو وہ چلے گئے ہیں، واپس آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی، دوبارہ جب حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا آپ واپس کیوں چلے گئے تھے؟ جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا، فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ، فَلْيَنْصَرِفْ، تین دفعہ اجازت چاہنے کے بعد بھی اگر اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جاؤ۔

میں نے تین بار اجازت چاہی جب جواب نہ آیا تو میں اس حدیث پر عمل کر کے واپس لوٹ گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس پر کسی گواہ کو پیش کرو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا، آپ وہاں سے اٹھ کر انصار کے ایک مجمع میں پہنچے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا اور فرمایا کہ تم میں سے کسی نے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم سنا ہو تو میرے ساتھ چل کر عمر رضی اللہ عنہ سے کہہ دے، انصار نے کہا یہ مسئلہ تو عام ہے بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم سب نے سنا ہے ہم اپنے سب سے نو عمر لڑکے کو تیرے ساتھ کر دیتے ہیں، یہی گواہی دے آئیں گے، چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا کہ میں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت افسوس کرنے لگے کہ أَلْهَانِي عَنْهُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ بازاروں کے لین دین نے مجھے اس مسئلہ سے غافل رکھا۔ (بخاری و مسلم)

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے اجازت مانگی، فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ! حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب میں وعلیک السلام ورحمۃ اللہ تو کہہ دیا لیکن ایسی آواز سے کہ آپ نہ سنیں، چنانچہ تین بار یہی ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام کرتے، آپ جواب دیتے لیکن اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنیں نہیں، اس کے بعد آپ وہاں سے واپس لوٹ چلے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے لپکے ہوئے آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی تمام آوازیں میرے کانوں میں پہنچ رہی تھیں، میں نے ہر

سلام کا جواب بھی دیا لیکن اس خیال سے کہ آپ کی دعائیں بہت ساری لوں اور زیادہ برکت حاصل کروں کہ جواب اس طرح نہ دیا آپ کو سنائی دے اب آپ چلئے! تشریف رکھئے چنانچہ حضور ﷺ گئے، انہوں نے آپ کے سامنے کشمش لاکر رکھی آپ نے تناول فرمائیں اور فارغ ہو کر فرمانے لگے أَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ، وصَلَّت عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَأَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ، تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا، فرشتے تم پر رحمت بھیج رہے ہیں، تمہارے ہاں روزے داروں نے روزہ کھولا۔ (احمد)

ایک اور روایت میں ہے کہ جس وقت حضور ﷺ نے سلام کیا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آہستہ جواب دیا تو ان کے لڑکے حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ حضور ﷺ کو اجازت کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے فرمایا خاموش رہو دیکھو حضور ﷺ دوبارہ سلام کہیں گے، ہمیں دوبارہ آپ کی دعا ملے گی، اس میں یہ بھی ہے کہ یہاں جاکر حضور ﷺ نے غسل کیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے زعفران یا ورس سے رنگی ہوئی ایک چادر پیش کی، جسے آپ نے جسم مبارک پر لپیٹ لی، پھر ہاتھ اٹھا کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کی کہ اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَاتَكَ وَرَحْمَتَكَ عَلَى آلِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، اے اللہ سعد بن عبادہ کی آل پر اپنے درود و رحمت نازل فرما پھر حضور ﷺ نے وہیں کھانا تناول فرمایا جب واپس جانے کا ارادہ کیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے گدھے پر پالان کس لائے، اسے حضور ﷺ کی سواری کے لئے پیش کیا اور اپنے لڑکے قیس سے کہا تم حضور ﷺ کے ساتھ جاؤ، یہ ساتھ چلے مگر حضور ﷺ نے ان سے فرمایا قیس آؤ تم بھی سوار ہو جاؤ انہوں نے کہا حضور ﷺ مجھ سے تو یہ نہ ہو سکے گا، آپ نے فرمایا دو باتوں میں سے ایک تمہیں ضرور کرنی ہو گی یا تو میرے ساتھ اس جانور پر سوار ہو جاؤ یا واپس چلے جاؤ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے واپس جانا منظور کر لیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کے ذیل میں اجازت لینے کے آداب بھی تحریر فرمائے، وہ فرماتے ہیں کہ اجازت مانگنے والا گھر کے دروازے کے بالمقابل کھڑا نہ رہے بلکہ دائیں بائیں قدرے کھسک کے کھڑا رہے، کیونکہ ابوداؤد میں ہے کہ حضور ﷺ جب کسی کے ہاں جاتے تو اس کے دروازے کے بالکل سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ ادھر یا ادھر قدرے دور ہو کر زور سے سلام کہتے اس وقت تک

دروازوں پر پردے بھی نہیں ہوتے تھے۔ (ابو داؤد)

حضور ﷺ کے مکان کے دروازے کے سامنے ہی کھڑے ہو کر ایک شخص نے اجازت مانگی تو آپ نے اسے تعلیم دی کہ هَكَذَا فَإِنَّمَا الِاسْتِئْذَانُ مِنَ النَّظَرِ (سنن ابی داؤد) نظر نہ پڑے اسی لیے تو اجازت مقرر کی گئی ہے، پھر دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر آواز دینے کے کیا معنی؟ یا تو ذرا سا ادھر ہو جاؤ یا ادھر۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا لَوْ أَنَّ امْرَأً اطَّلَعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ إِذْنٍ فَخَذَفْتَه بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ مَا كَانَ عَلَيْكَ مِنْ جُنَاحٍ (بخاری و مسلم) کوئی تیرے گھر میں تیری اجازت کے بغیر جھانکنے لگے اور تو اسے کنکر مارے جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تجھے کوئی گناہ نہ ہو گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنے والد مرحوم کے قرضے کی ادائیگی کے فکر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، دروازہ پر دستک دی تو آپ نے پوچھا کون صاحب ہیں؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ہوں، آپ نے فرمایا: میں میں "گویا آپ نے ناپسند فرمایا کیونکہ "میں" کہنے سے یہ تو معلوم نہیں ہو سکتا کون ہے جب تک کے نام یا مشہور کنیت نہ بتائی جائے "میں" تو ہر شخص اپنے لئے کہہ سکتا ہے، پس اجازت طلبی کا اصلی مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد)

صفوان بن امیہ جب مسلمان ہو گئے تو ایک مرتبہ کلدہ بن حنبل کو آپ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا، آپ اس وقت وادی کے اونچے حصے میں تھے یہ سلام کئے بغیر اور اجازت لئے بغیر ہی آپ کے پاس پہنچ گئے آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ اور کہو السلام علیکم کیا میں آؤں؟ (مسند احمد)

قبیلہ بنو عامر کا ایک شخص آپ کے گھر آیا اور کہنے لگا میں اندر آجاؤں؟ آپ نے اپنے غلام سے فرمایا جاؤ اور اسے اجازت مانگنے کا طریقہ سکھاؤ کہ پہلے تو سلام کرے پھر دریافت کرے، اس شخص نے یہ سن لیا اور اسی طرح سلام کر کے اجازت چاہی آپ نے اجازت دے دی اور وہ اندر گئے۔ (ابی داؤد)

حضرت عمرو بن سعید ثقفی کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور گھر سے باہر کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ کیا میں آجاؤں تو آپ ﷺ نے اپنی لونڈی روضہ کو بھیجا کہ جاؤ اسے اندر آنے کا

طریقہ سکھاؤ کہ یوں کہے السلام علیکم، کیا میں اندر آجاؤں، چنانچہ اس شخص نے یہ بات سن لی اور اس کے بعد اس نے کہا کہ کیا میں اندر آجاؤں؟ (تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر)

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْکَلَامِ (ترمذی) بات کرنے سے پہلے السلام علیکم کہنا چاہیے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ قضا حاجت سے فارغ ہو کر آرہے تھے لیکن دھوپ کی تاب نہ لاسکے تو ایک قریشی عورت کی جھونپڑی کے پاس پہنچ کر یوں کہا کہ السلام علیکم کیا میں اندر آجاؤں اس نے کہا سلامتی سے آجاؤ آپ نے پھر یہی کہا اس نے پھر یہی جواب دیا، آپ کے پاؤں جل رہے تھے کبھی اس قدم پر سہارا لیتے، کبھی اس قدم پر، فرمایا یوں کہو کہ آجاؤ، اب آپ اندر تشریف لے گئے۔ (طبری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس چار عورتیں گئیں، اجازت چاہی کہ کیا ہم آجائیں؟ آپ نے فرمایا نہیں! تم میں جو اجازت کا طریقہ جانتی ہو اسے کہو کہ وہ اجازت لے، تو ایک عورت نے پہلے سلام کیا، پھر اجازت مانگی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی۔ پھر یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ (ابن کثیر)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اپنی ماں اور بہنوں کے پاس بھی جانا ہو تو ضرور اجازت لے لیا کرو۔

انصار کی ایک عورت نے رسول کریم ﷺ سے کہا کہ میں بعض دفعہ گھر میں اس حالت میں ہوتی ہوں کہ اس وقت اگر میرے باپ بھی آجائیں یا میرا اپنا لڑکا بھی اس وقت آجائے تو مجھے برا معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ حالت ایسی نہیں ہوتی کہ اس وقت کسی کی بھی نگاہ مجھ پر پڑے تو میں ناخوش نہ ہوؤں اور گھر والوں میں سے کوئی آہی جاتا ہے اس وقت یہ آیت اتری۔ (تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، تین آیتیں ہیں کہ لوگوں نے ان پر عمل چھوڑ رکھا ہے ایک تو یہ کہ اللہ فرماتا ہے تم میں سے سب سے زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ کا خوف رکھتا ہو اور لوگوں کا خیال یہ ہے کہ سب سے بڑا وہ ہے جو سب سے زیادہ امیر ہو اور ادب کی آیتیں بھی لوگ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عطا رحمہ اللہ نے پوچھا، میرے گھر میں میری یتیم بہنیں ہیں جو ایک ہی گھر میں رہتی ہیں اور

میں ہی انہیں پالتا ہوں کیا ان کے پاس جانے کے لئے بھی مجھے اجازت کی ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ضرور اجازت طلب کیا کرو، میں نے دوبارہ یہی سوال کیا کہ شاید کوئی رخصت کا پہلو نکل آئے آپ نے فرمایا کیا تم انہیں ننگا دیکھنا پسند کروگے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا پھر ضرور اجازت مانگا کرو، میں نے یہی سوال دہرایا تو آپ نے فرمایا کیا تو اللہ کا حکم مانے گا یا نہیں؟ میں نے کہا ہاں مانوں گا، آپ نے فرمایا پھر بغیر اطلاع ہرگز ان کے پاس بھی نہ جاؤ۔

حضرت طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں محرمات ابدیہ پر ان کی عریانی کی حالت میں نظر پڑ جائے اس سے زیادہ برائی میرے نزدیک اور کوئی نہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اپنی ماں کے پاس بھی گھر میں بغیر اطلاع کے نہ جاؤ، عطا رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ بیوی کے پاس بھی بغیر اجازت کے نہ جائے؟ فرمایا یہاں اجازت کی ضرورت نہیں، یہ قول بھی محمول ہے اس پر کہ اس سے اجازت مانگنے کی ضرورت نہیں لیکن تاہم اطلاع ضرور ہونی چاہئے ممکن ہے وہ اس وقت ایسی حالت میں ہو کہ وہ نہیں چاہتی کہ خاوند بھی اس حالت میں اسے دیکھے۔

حضرت زینب فرماتی ہیں کہ میرے خاوند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب میرے پاس گھر میں آتے تو کھنکار کر آتے، کبھی بلند آواز سے دروازے کے باہر کسی سے باتیں کرنے لگتے تاکہ گھر والوں کو آپ کی اطلاع ہو جائے چنانچہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے تَسْتَانِسُوا کے معنی بھی یہی کیے ہیں کہ کھنکار دے یا جوتیوں کی آہٹ سنا دے۔ (مسند احمد)

ایک حدیث میں ہے کہ سفر سے رات کے وقت بغیر اطلاع گھر آجانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس سے گویا گھر والوں کی خیانت کا پوشیدہ طور پر ٹٹولنا ہے۔ (بخاری و مسلم)

آپ ایک مرتبہ ایک سفر سے صبح کے وقت آئے تو حکم دیا کہ بستی کے پاس لوگ اتریں تاکہ مدینے میں خبر مشہور ہو جائے، شام کو اپنے گھروں میں جانا، اس لئے کہ اس اثناء میں عورتیں اپنی صفائی ستھرائی کر لیں۔ (بخاری)

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا سلام تو ہم جانتے ہیں لیکن استیناس کا طریقہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا یَتَکَلَّمُ الرَّجُلُ بِتَسْبِیحَةٍ وَتَکْبِیرَةٍ وَتَحْمِیدَةٍ، وَیَتَنَحْنَحُ فَیؤذِنُ أَهْلَ الْبَیْتِ، سبحان اللہ یا الحمد اللہ یا اللہ اکبر بلند آواز سے کہہ دینا یا کھنکار دینا جس سے گھر والے معلوم کرلیں کہ فلاں آرہا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ، معجم کبیر طبرانی)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تین بار کی اجازت اس لئے مقرر کی ہے کہ پہلی دفعہ میں تو گھر والے معلوم کرلیں کہ فلاں ہے، دوسری دفعہ میں وہ سنبھل جائیں اور ہوشیار ہو جائیں، تیسری مرتبہ میں اگر وہ چاہیں اجازت دیں چاہیں منع کر دیں، جب اجازت نہ ملے پھر دروازے پر ٹھہرا رہنا برا ہے، لوگوں کو اپنے کام اور اشغال ایسے ضروری ہوتے ہیں کہ وہ اس وقت اجازت نہیں دے سکتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں یہ دستور نہ تھا، ایک دوسرے سے ملتے تھے لیکن سلام نہ کرتے تھے، کسی کے ہاں جاتے تھے تو اجازت نہیں لیتے تھے یونہی جا دھمکتے پھر کہہ دیا کہ میں آگیا ہوں، تو بسا اوقات یہ گھر والے پر گراں گزرتا، ایسا بھی ہوتا کہ وہ اپنے گھر میں کبھی ایسے حال میں ہوتا ہے کہ اس میں اس کا آنا بہت برا لگتا، اللہ تعالیٰ نے یہ تمام برے دستور اچھے آداب سکھا کر بدل دیئے، اسی لئے فرمایا کہ یہی طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے، اس میں مکان والے کو آنے والے کو دونوں کو راحت ہے، یہ چیزیں تمہاری نصیحت اور خیر خواہی کی ہیں، اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو بے اجازت اندر نہ جاؤ، کیونکہ یہ دوسرے کی ملک میں تصرف کرنا ہے جو ناجائز ہے، مالک مکان کو حق ہے اگر وہ چاہے اجازت دے، چاہے روک دے، اگر تمہیں کہا جائے، لوٹ جاؤ تو تمہیں واپس چلا جانا چاہیے، اس میں برا ماننے کی بات نہیں بلکہ یہ تو بڑا ہی پیارا طریقہ ہے۔ (ابن کثیر)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض مہاجرین رضی اللہ عنہم افسوس کیا کرتے تھے کہ ہمیں اپنی پوری عمر میں اس وقت آیت پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملا کہ کوئی ہم سے کہتا لوٹ جاؤ اور ہم اس آیت کے ماتحت وہاں سے واپس ہو جاتے، اجازت نہ ملنے پر دروازے پر ٹھہرے رہنا بھی منع فرما دیا۔

اللہ تمہارے عملوں سے باخبر ہے، یہ آیت اگلی آیت سے مخصوص ہے اس میں ان گھروں میں بلا اجازت جانے کی رخصت ہے جہاں کوئی نہ ہو اور وہاں اس کا کوئی سامان وغیرہ ہو، جیسے کہ مہمان خانہ وغیرہ، یہاں جب پہلی مرتبہ اجازت مل گئی پھر ہر بار کی اجازت ضروری نہیں، تو گویا یہ آیت پہلی آیت سے استثنا ہے، اسی طرح کی ایسے تاجروں کے گودام مسافر خانے وغیرہ۔

کہاں بدون اجازت جایا جاسکتا ہے؟

سوال کون سے ایسے گھر ہیں جن میں کوئی شخص بدون اجازت داخل ہو سکتا ہے؟ آیت قرآن کریم کی روشنی میں بتایئے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ {۲۹} النور.

جواب ترجمہ: اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جن میں کوئی رہتا نہیں ان میں تمہارے استعمال کرنے کی کوئی چیز ہو۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

شان نزول: یہ آیت ان اصحاب کے جواب میں نازل ہوئی جنہوں نے اذن کی آیت نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ ہم لوگ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ اور شام کے ملک کی طرف تجارت کی غرض سے جاتے ہیں اور راستہ میں مسافر خانوں کے طور پر اکثر ایسے مکان ہیں جن میں کوئی نہیں رہتا ان میں بلا اجازت کے جا کر اتر جانا، یا کچھ سامان ان میں رکھ دینا جائز ہے یا نہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ تم پر کچھ گناہ نہیں اگر بغیر اجازت کسی ایسے گھر میں جاؤ کہ جہاں کوئی نہ بستا ہو اور ان کے برتنے کا تمہیں اختیار ہے اور اللہ تعالیٰ تمہاری چھپی اور ظاہری باتوں کو خوب جانتا ہے۔

غیر مسکونہ کی کئی تفاسیر ہیں، ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد سرائے، بیت الخلاء اور گودام وغیرہ ہیں جن میں سازو سامان رکھا جاتا ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد ویران مکان، کھنڈرات اور بیت الخلاء ہیں۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد مکہ کے مکان ہیں کیونکہ وہ وقف عام

ہیں ان کا کوئی مالک نہیں۔ چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد تاجروں کی دکانیں ہیں جو راستوں میں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ پانچویں تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد تمام غیر رہائشی مکانات ہیں کیونکہ داخل ہونے کے لیے اجازت کی شرط مکان میں رہنے والوں کے اعتبار سے ہے اور جب وہاں کوئی رہنے والا نہ ہو تو پھر یہ شرط بھی نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ جو عمارات کسی خاص شخص یا قوم کی ذاتی ملکیت نہ ہوں اور وہاں عام لوگوں کو آنے جانے کی روک رکاوٹ نہ ہو اور وہاں ٹھہرنے اور انہیں استعمال کرنے کی عام اجازت ہو، جیسے ریسٹورنٹ، ہوٹل، سرائے، مسافر خانے، اسٹیشن، ہوائی اڈے، مساجد، خانقاہیں، دینی مدارس، ہسپتال، ڈاک خانے، پبلک مقامات جہاں داخلے پر پابندی نہیں ہوتی وہاں بغیر اجازت کے جایا جاسکتا ہے، جہاں داخلے کی کچھ شرائط ہوں وہاں ان شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

پردہ کے شرعی احکامات

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ {۳۰} وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ {۳۱} النور.

جواب ترجمہ: مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہی ان کے لیے پاکیزہ ترین طریقہ ہے۔ وہ جو کارروائیاں کرتے ہیں اللہ ان سب سے پوری

طرح باخبر ہے۔ اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی سجاوٹ کو کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے۔ اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں، اور اپنی سجاوٹ اور کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے شوہروں کے، یا اپنے باپ، یا اپنے شوہروں کے باپ کے، یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے، یا اپنی عورتوں کے، یا ان کے جو اپنے ہاتھوں کی ملکیت میں ہیں یا ان خدمت گزاروں کے جن کے دل میں کوئی (جنسی) تقاضا نہیں ہوتا یا ان بچوں کے جو ابھی عورتوں کے چھپے ہوئے حصوں سے آشنا نہیں ہوئے اور مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ انہوں نے جو زینت چھپا رکھی ہے وہ معلوم ہو جائے۔ اور اے مومنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اے میرے حبیب! اہل ایمان سے کہہ دیجیے کہ وہ ان عورتوں سے اپنی نگاہیں جھکا لیا کریں جو ان کے لیے حلال نہیں ہیں، اسی طرح اپنی شرم گاہوں کو ان چیزوں سے بچایئے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حرام کی ہیں، جیسے زنا اور لواطت اور شرم گاہوں کو کھولنا، یہ ان کے لیے بڑی پاکیزہ بات ہے، جو کچھ اللہ نے انہیں حکم دیا ہے، جس سے اللہ نے انہیں منع کیا ہے اس سب کو اللہ تعالیٰ بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ لوگ کر کیا رہے ہیں؟

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا کہ وہ ایمان والی عورتوں سے کہہ دیں کہ ان سے اپنی نگاہیں نیچی کر لیں جو ان کے لیے حلال نہیں ہیں، اسی طرح جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حرام کیا ہے ان سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اپنی زیب وزینت غیر مردوں کے سامنے ظاہر نہ کریں، بلکہ اس کو چھپانے کی کوشش کریں۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں "اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو اپنے محارم کے سوا کسی مرد کو دیکھنا حرام ہے بہت سے علماء کا قول یہ ہے کہ غیر محرم مرد کو دیکھنا عورت کے لئے مطلقاً حرام ہے خواہ شہوت اور بری نیت سے دیکھے یا بغیر کسی نیت و شہوت کے، دونوں

صورتیں حرام ہیں اور اس پر حضرت ام سلمہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک روز ام سلمہ اور میمونہ دونوں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں اچانک عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا صحابی آگئے اور یہ واقعہ احکام حجاب نازل ہونے کے بعد پیش آیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ہم دونوں کو حکم دیا کہ ان سے پردہ کرو، ام سلمہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! وہ تو نابینا ہیں نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں نہ ہمیں پہچانتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو، تم تو ان کو دیکھ رہی ہو (ابوداؤد، ترمذی)

اور دوسرے بعض فقہاء نے کہا کہ بغیر شہوت کے غیر مرد کو دیکھنے میں عورت کے لئے مضائقہ نہیں، ان کا استدلال صدیقہ عائشہ کی اس حدیث سے ہے جس میں مذکور ہے کہ مسجد نبوی کے احاطہ میں کچھ حبشی نوجوان عید کے روز اپنا سپاہیانہ کھیل دکھا رہے تھے، رسول اللہ ﷺ اس کو دیکھنے لگے اور صدیقہ عائشہ نے آپ کی آڑ میں کھڑے ہو کر ان کا کھیل دیکھا اور اس وقت تک دیکھتی رہیں جب تک کہ خود ہی اس سے اکتا نہ گئیں، رسول اللہ ﷺ نے اس سے نہیں روکا۔ (معارف القرآن)

اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نظر شہوت تو حرام ہے اور بلا شہوت نظر کرنا بھی خلاف اولیٰ ہے اور ایک عورت کو دوسری عورت کے مواضع ستر کو دیکھنا بغیر خاص ضرورتوں کے یہ بھی اسی آیت کے الفاظ سے حرام ہے کیونکہ جیسا اوپر بیان ہو چکا ہے کہ موضع ستر یعنی مردوں کا ناف سے گھٹنوں تک اور عورتوں کا کل بدن بجز چہرہ اور ہتھیلیوں کے، یہ مواضع ستر ہیں ان کا چھپانا سب سے فرض ہے نہ کوئی مرد دوسرے مرد کا ستر دیکھ سکتا ہے نہ کوئی عورت دوسری عورت کا ستر دیکھ سکتی ہے اور مرد کسی عورت کا یا عورت کسی مرد کا ستر دیکھے یہ بدرجہ اولیٰ حرام ہے اور آیت مذکورہ کے حکم غض بصر کے خلاف ہے کیونکہ آیت کا مطلب جو اوپر بیان ہو چکا ہے اس میں ہر ایسی چیز سے نظر پست رکھنا اور ہٹا لینا مراد ہے جس کی طرف دیکھنے کو شرع میں ممنوع کیا گیا ہے اس میں عورت کے لئے عورت کا ستر دیکھنا بھی داخل ہے۔ (معارف القرآن)

اگر ان آیات کے تقاضوں کو سامنے رکھا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ عصرِ حاضر میں دنیا کے بڑے حصے میں ان کی کھلی خلاف ورزی ہو رہی ہے، قرآن نے جس چیز سے روکا، یعنی فحاشی کی

اشاعت، تہمت، کردار کشی اور بے حیائی کو عام کرنا، وہی چیز آج باقاعدہ صنعت اور تفریح کا حصہ بن چکی ہے، ٹی وی شوز، فلمیں اور ڈرامے اکثر ایسے مناظر اور موضوعات پیش کرتے ہیں جن میں بے پردگی، ناجائز تعلقات اور اخلاقی حدود کی پامالی کو معمول بنا کر دکھایا جاتا ہے، حتیٰ کہ اسے "نارمل" اور قابلِ قبول بنا دیا جاتا ہے، اسی طرح ٹک ٹاک، فیس بک، یوٹیوب اور دیگر سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر بے حیائی پر مبنی مواد، فیشن کے نام پر عریانی اور ذاتی زندگیوں کی نمائش بڑے پیمانے پر پھیلائی جاتی ہے اور لوگ نہ صرف خود اس میں مبتلا ہوتے ہیں بلکہ اسے دوسروں تک پھیلانے میں بھی سرگرم رہتے ہیں، جو عین اسی بات کی تصویر ہے جسے قرآن نے اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ سے تعبیر کیا۔

مزید برآں، اخبارات، ویب سائٹس اور سوشل میڈیا پر بغیر تحقیق کے الزامات لگانا، اسکینڈلز کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا اور لوگوں کی عزت اچھالنا بھی عام ہو چکا ہے، کسی کی نجی غلطی یہاں تک کہ اگر ثابت بھی نہ ہو، کو عوامی تماشہ بنا دیا جاتا ہے، جو قذف اور بہتان کی سنگین شکل ہے، مختلف معاشرتی طبقات میں فیشن، آزادی اور "جدیدیت" کے نام پر حیا اور پردہ کو پیچھے چھوڑ دیا گیا ہے، جس کے نتیجے میں دلوں سے گناہ کی قباحت کم ہوتی جا رہی ہے، یوں آج کا ماحول اس قرآنی تنبیہ کا عملی نمونہ بن چکا ہے کہ جب فحاشی عام ہو جائے تو معاشرہ اخلاقی کمزوری، بے حسی اور بالآخر زوال کا شکار ہو جاتا ہے، ایسے حالات میں ضروری ہے کہ فرد اور معاشرہ دونوں شعوری طور پر اس بہاؤ کے خلاف کھڑے ہوں اور اپنی زندگیوں میں حیا، ذمہ داری اور احتیاط کو دوبارہ زندہ کریں، قرآنی ارشادات اور نبوی فرمودات کو ہمہ وقت نہ صرف سامنے رکھیں بلکہ ان پر عمل کریں، عمل سے ہی زندگی بنتی ہے۔

نکاح اور شرم وحیا کی تعلیم

سوال آیت کا ترجمہ کریں، نیز یہ بتائیے کہ اَلْاَيَامٰى اور اِمَآئِكُمْ کا کیا مطلب ہے؟

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ {۳۲} النور

جواب ترجمہ: تم میں سے جن (مردوں یا عورتوں) کا اس وقت نکاح نہ ہو، ان کا بھی نکاح کراؤ، اور

تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نکاح کے قابل ہوں، ان کا بھی۔ اگر وہ تنگ دست ہوں تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔ اور اللہ بہت وسعت والا ہے، سب کچھ جانتا ہے۔

تفسیر: علماء کی جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص نکاح کی قدرت رکھتا ہو اس پر نکاح کرنا واجب ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ (بخاری، مسلم) اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہو، اسے نکاح کر لینا چاہئے، نکاح نظر کو نیچی رکھنے والا شرمگاہ کو بچانے والا ہے اور جسے طاقت نہ ہو وہ لازمی طور پر روزے رکھے، یہی اس کے لیے خصی ہونا ہے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ تَزَوَّجُوا، تَوَالَدُوا، تَنَاسَلُوا، فَإِنِّي مُبَاهٍ بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (سنن ابی داؤد، نسائی) زیادہ اولاد جن سے ہونے کی امید ہو ان سے نکاح کرو تاکہ نسل بڑھے میں تمہارے ساتھ اور امتوں میں فخر کرنے والا ہوں۔

الْأَيَامٰى: ایامی جمع ہے ایم کی، جوہری کہتے ہیں اہل لغت کے نزدیک بے بیوی کا مرد اور بے خاوند کی عورت کو "ایم" کہتے ہیں، خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو، پھر مزید رغبت دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر وہ مسکین بھی ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل و کرم سے مالدار بنا دے گا، خواہ وہ آزاد ہوں خواہ غلام ہوں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول ہے تم نکاح کے بارے میں اللہ کا حکم مانو، وہ تم سے اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں امیری کو نکاح میں طلب کرو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، تین قسم کے لوگوں کی مدد کا اللہ کے ذمے حق ہے۔ نکاح کرنے والا جو حرام کاری سے بچنے کی نیت سے نکاح کرے۔ وہ لکھت لکھ دینے والا غلام جس کا ارادہ ادائیگی کا ہو، وہ غازی جو اللہ کی راہ میں نکلا ہو۔ (ترمذی وغیر)

اسی کی تائید میں وہ روایت ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کا نکاح ایک عورت سے کرا دیا، جس کے پاس سوائے تہبند کے اور کچھ نہ تھا یہاں تک کہ لوہے کی انگوٹھی بھی اس کے پاس

سے نہیں نکلی تھی اس فقیری اور مفلسی کے باوجود آپ نے اس کا نکاح کر دیا اور مہر یہ ٹھہرایا کہ جو قرآن اسے یاد ہے، اپنی بیوی کو یاد کرا دے، یہ اسی بنا پر کہ نظریں اللہ کے فضل و کرم پر تھیں کہ وہ مالک انہیں وسعت دے گا اور اتنی روزی پہنچائے گا کہ اسے اور اس کی بیوی کو کفایت ہو۔

اَلْاَیَامٰی: اس عورت کو کہتے ہیں جس کا خاوند نہ ہو، خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ اور اس مرد کو کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو۔ **اِمَآئِکُمْ:** اس سے مراد باندیاں، لونڈیاں ہیں۔

نکاح کے شرعی حکم میں مذاہب فقہاء: امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا نکاح کرنا کھانے پینے کی طرح مباح ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا نکاح کرنا مستحب ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا غلبہ شہوت کے وقت نکاح کرنا واجب ہے، عام حالات میں سنت ہے اور اگر ظلم اور جور کا خدشہ ہو تو پھر نکاح کرنا مکروہ ہے۔

نکاح باعث مالداری ہے

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۗ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {۳۳} النور

جواب ترجمہ: اور جن لوگوں کو نکاح کے مواقع میسر نہ ہوں، وہ پاک دامنی کے ساتھ رہیں، یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں مالدار کر دے۔ اور تمہاری ملکیت کے غلام باندیوں میں سے جو مکاتبت کا معاہدہ کرنا چاہیں، اگر ان میں بھلائی دیکھو تو ان سے مکاتبت کا معاہدہ کر لیا کرو اور (مسلمانو) اللہ نے تمہیں جو مال دے رکھا ہے اس میں سے ایسے غلام باندیوں کو بھی دیا کرو، اور اپنی باندیوں کو دنیوی زندگی کا ساز و سامان حاصل کرنے کے لیے بدکاری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاک دامنی چاہتی ہوں، اور جو کوئی انہیں مجبور کرے گا تو ان کو مجبور کرنے کے بعد اللہ (ان باندیوں کو) بہت بخشنے والا، بڑا

مہربان ہے۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ: اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے معاشرتی پاکیزگی اور عفت وحیا کے تحفظ کے لیے جامع ہدایات عطا فرمائی ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے، خواہ تنگ دستی کی وجہ سے، انہیں چاہیے کہ صبر اور عفت اختیار کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے، اس میں واضح تعلیم ہے کہ فقر یا حالات کی تنگی انسان کو گناہ کی طرف لے جانے کا جواز نہیں بن سکتی، بلکہ ایسے حالات میں ضبطِ نفس اور اللہ پر بھروسا ہی مؤمن کی شان ہے۔ مزید فرمایا کہ

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا: جو غلام اپنے آقاؤں سے مکاتبت (یعنی ایک معاہدہ جس کے ذریعے وہ مال ادا کر کے آزادی حاصل کریں) کا مطالبہ کریں، تو اگر ان میں دیانت، صلاحیت اور ادائیگی کی قدرت پائی جائے تو ان کے آقاؤں پر لازم ہے کہ وہ اس معاہدے کو قبول کریں، بلکہ مزید احسان کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے کچھ حصہ دے کر ان کی مدد بھی کریں، مثلاً مقررہ رقم میں کمی کر دیں، تاکہ وہ آزادی حاصل کر سکیں، اس سے اسلام کا وہ روشن پہلو سامنے آتا ہے جو غلامی کے خاتمے اور انسانی آزادی کی راہ ہموار کرتا ہے۔ پھر نہایت سختی کے ساتھ اس قبیح عمل سے روکا گیا کہ

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور کیا جائے تاکہ دنیاوی مال حاصل کیا جائے، جیسا کہ جاہلیت میں بعض لوگ ایسا کرتے تھے، اگر کوئی باندی خود پاکدامنی اختیار کرنا چاہے تو اسے ہرگز اس گناہ پر مجبور نہ کیا جائے اور اگر کسی کو جبر کے ذریعے اس پر مجبور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ان مجبور عورتوں کو معاف فرمانے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے، کیونکہ وہ بے اختیار ہیں، جبکہ اصل گناہ ان لوگوں پر ہے جو انہیں اس فعل پر مجبور کرتے ہیں۔

آیات بینات، عبرت آموز واقعات

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ {۳۴} النور

جواب ترجمہ: اور ہم نے تمہاری طرف کھلے کھلے احکام نازل کیے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے تھے ان کی بعض حکایات اور متقیوں کے لیے نصیحت نازل کی ہیں۔

تفسیر: اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے کلامِ حکیم کی عظمت اور اس کے جامع نظامِ ہدایت کو بیان فرماتے ہیں کہ

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ: ہم نے تمہاری طرف تین عظیم چیزیں نازل کی ہیں۔ پہلی چیز آیاتِ مبیّنات ہیں، یعنی وہ واضح اور کھلی آیات جو شریعت کے احکام کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہیں، ان میں خاندانی نظام، نکاح، اولاد کے حقوق، میاں بیوی کے باہمی حقوق و فرائض اور معاشرتی تعلقات کے اصول نہایت حکمت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، تاکہ ایک پاکیزہ اور مضبوط اسلامی معاشرہ قائم ہو سکے اور اس کی بنیادیں محفوظ رہیں۔ دوسری چیز

وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ: ہے، یعنی تم سے پہلے گزرنے والی قوموں کے واقعات اور مثالیں، جن میں عبرت اور نصیحت کے بے شمار پہلو موجود ہیں، یہ واقعات اس لیے بیان کیے گئے ہیں تاکہ انسان ان سے سبق حاصل کرے اور جان لے کہ نافرمانی، ظلم اور فحاشی کا انجام ہمیشہ تباہی اور رسوائی ہوتا ہے، جبکہ اطاعت و تقویٰ کامیابی اور فلاح کا ذریعہ بنتے ہیں۔ تیسری چیز

مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ: ہے، یعنی یہ قرآن اہلِ تقویٰ کے لیے نصیحت اور یاد دہانی ہے، اس میں ان لوگوں کے انجام کا بیان ہے جو معاشرے میں فساد پھیلاتے ہیں، نسلوں کو بگاڑتے ہیں اور فحاشی کو عام کرتے ہیں اور ان کے لیے مقرر کردہ سزائیں بھی بیان کی گئی ہیں، یہ سب احکام اور واقعات اہلِ عقل

وبصیرت کے لیے عبرت کا سامان ہیں، جن سے وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کی اطاعت اختیار کرتے ہیں، البتہ جو لوگ تقویٰ سے خالی ہوں، ان پر محض نصیحت اثر نہیں کرتی، بلکہ ان کے لیے عملی سزائیں ہی عبرت کا ذریعہ بنتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نور سے کیا مراد ہے؟

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ {۳۵} النور

جواب ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے وہ چراغ ایک شیشہ کے قندیل میں ہے وہ قندیل ایسا ہے جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو وہ چراغ بابرکت درخت سے روشن کیا جاتا ہو جو زیتون ہے، یہ درخت نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف، قریب ہے کہ اس کا تیل خود بخود روشن ہو جائے اگرچہ اس کو آگ نہ چھوئے نور علی نور ہے، اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی ہدایت دیتا ہے، اور لوگوں کے لیے اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

نور کا معنی ہے ضیاء (روشنی) ۔ (مختار الصحاح) علامہ الجرجانی لکھتے ہیں: كيفية تُدرَكُهَا البَاصِرَةُ أَوَّلًا وَبوَاسِطَتِهَا سَائِر المُبصِرَات. نور اس کیفیت کو کہتے ہیں جس کا آنکھیں سب سے پہلے ادراک کرتی ہیں پھر اس کیفیت کے واسطے سے باقی دکھائی دینے والی چیزوں کا ادراک کرتی ہیں۔ (یعنی جو کیفیت خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کے لئے مظہر ہو) (التعریفات للجرجانی)

التعریفات الفقہیہ میں بھی نور کی تعریف یہ کی گئی ہے، البتہ وہاں اتنا اضافہ ہے کہ ضوء بھی روشنی

کو کہا جاتا ہے مگر ضوء نور سے زیادہ خاص ہے، نور میں عموم ہے۔ (تعریفات الفقہیہ)

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، اَلْكَيْفِيَّةُ الْفَائِضَةُ مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنَّارِ عَلَى الْأَرْضِ وَالْجُدْرَانِ وَغَيْرِهِمَا نور اس کیفیت کو کہتے ہیں جو سورج، چاند اور چراغ وغیرہ سے زمین اور دیواروں پر فائض ہوتی ہے۔ (تفسیر کبیر) امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نور چونکہ ایک کیفیت حادثہ کو کہتے ہیں اس لئے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر محال ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (الانعام:۱) اللہ نے ظلمات (اندھیروں) اور نور (روشنی) کو پیدا کیا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نور مخلوق ہے اور اللہ خالق نور ہے خود نور نہیں ہے کیونکہ نور مخلوق ہے اور چونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر نور کا اطلاق فرمایا ہے اس لئے علماء نے اس میں حسب ذیل توجیہات کی ہیں۔ ① نور ظہور اور ہدایت کا سبب ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے، اللہ مومنوں کا کارساز ہے وہ ان کو ظلمات سے نور کی طرف نکال لاتا ہے۔ (البقرہ:۲۵۷) لیکن ہم نے اس (کتاب) کو نور بنایا ہم اس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت دیتے ہیں۔ (الشوریٰ : ۵۲)

جب یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں نور کا اطلاق ہدایت پر کیا گیا ہے تو اللہ نور السموت والارض کا معنی ہے یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کے نور والا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ آسمانوں والوں اور زمینوں والوں کو اللہ تعالیٰ سے ہدایت حاصل ہوتی ہے، یعنی وہی ان کا ھادی ہے۔ (تبیان القرآن)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثرین کا یہی قول ہے۔ ② اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ سے آسمانوں اور زمینوں کا مدبر ہے، جیسے بہت بڑے عالم کے لئے کہا جاتا ہے وہ شہر کا نور ہے کیونکہ وہ شہر والوں کی عمدہ تدبیر کرتا ہے تو وہ ان کے لئے بہ منزلہ نور ہوتا ہے، جس سے ان کو شہر کے معاملات میں رہنمائی حاصل ہوتی۔

③ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا ناظم ہے کیونکہ اس نے انتہائی حسین ترتیب سے ان کا نظام قائم کیا ہوا ہے۔ ④ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو منور کرنے والا ہے اس کا ایک محمل یہ ہے کہ وہ آسمانوں کو ملائکہ سے منور کرتا ہے اور زمین کو انبیاء سے اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں

کو سورج، چاند اور ستاروں سے منور کرتا ہے، اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ اس نے آسمان کو سورج، چاند اور ستاروں سے مزین کیا ہے اور زمین کو انبیاء اور علماء سے مزین کیا ہے۔ یہ تفسیر حضرت ابی بن کعب، حسن بصری اور ابو العالیہ سے منقول ہے۔ (تفسیر کبیر)

حضرت نبی کریم ﷺ کے ارشادات عالیہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ نور استعمال کیا گیا ہے۔ نبی (ﷺ) تہجد کی نماز میں پڑھتے تھے، اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، اے اللہ! تیرے لئے حمد ہے تو آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ (بخاری، مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، ابن ماجہ) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ؟ آپ ﷺ نے فرمایا، میں نے اپنے رب کو جہاں سے بھی دیکھا وہ نور ہی نور ہے۔ (مسلم، سنن ترمذی) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے نور کو دیکھا۔ (صحیح مسلم)

علامہ قرطبی نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پر بھی نور کا اطلاق فرمایا ہے: ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل کیا ہے۔ (سورۃ النساء) اور اپنے نبی ﷺ پر بھی نور کا اطلاق فرمایا ہے بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے آگیا نور اور روشن کتاب۔ (المائدہ:۱۵) بحوالہ تفسیر تبیان القرآن)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے موافق اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تفسیر یہ ہے کہ آسمان پر فرشتے اور زمین پر نیک لوگ اللہ تعالیٰ کے نور ہدایت سے راہ راست پر آئے ہیں (ابن کثیر) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں (مسلم)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام کے پتلے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کی مٹی لی ہے، اسی واسطے اولاد آدم میں کوئی گورا ہے کوئی کالا، کوئی سخت مزاج ہے کوئی نرم مزاج۔ (ترمذی، ابوداؤد) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ساڑھے چار مہینہ کے عرصہ میں جب نطفہ سے بچہ کا پتلا ماں کے پیٹ میں تیار ہو جاتا ہے تو پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے (بخاری و مسلم) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے اپنے علم غیب

کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ لکھ لیا ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد کون شخص جنت میں داخل ہونے کے قابل کام کرے گا اور کون دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل۔ (صحیح بخاری، مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے جب سب روحوں کو پیدا کیا تو ان روحوں پر گناہوں کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان روحوں پر اپنی قدرت سے ایک نور چھڑکا اور اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق جو لوگ دنیا میں پیدا ہونے کے بعد جنت میں داخل ہونے کے قابل کام کرنے والے تھے، ان کی روحوں پر اجالا چھا گیا اور باقی کے لوگ اندھیرے کے اندھیرے ہی میں رہے۔ (مسند امام احمد، ترمذی)

ان آیتوں کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول اور اوپر کی حدیثوں کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ فرشتوں کی پیدائش نور سے ہے اس لیے ان پر کسی اور نور ہدایت کے چھڑکنے کی ضرورت نہیں ہوئی بلکہ فرشتے اپنے پیدائشی نور کے اثر سے اس طرح راہ راست پر ہیں کہ ان میں گناہ کا کوئی مادہ تک نہیں ہے، ہاں انسان کی پیدائش پہلے آدم علیہ السلام کی مٹی کے اثر سے اور پھر نطفہ سے ہونے والی تھی، جس کے سبب سے اولاد آدم کی روحوں پر عالم ارواح میں گناہوں کا اندھیرا چھایا ہوا تھا اور اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے عالم ارواح میں سب روحوں پر اپنی قدرت سے ایک نور چھڑکا، لیکن اس نور سے فائدہ فقط ان لوگوں کی روحوں ہی کو ہوا جو اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق دنیا میں پیدا ہونے کے بعد راہ راست پر آنے والے تھے، ایماندار شخص کے دل میں یہ نور ہدایت جس طرح چمکتا ہے۔ (تفسیر احسن التفاسیر)

آگے اس کی مثال یہ بیان فرمائی کہ ایماندار کا سینہ مشکوٰۃ کی مانند ہے اور اس کا دل ایک چمکدار شیشے کی قندیل ہے، جس قندیل میں نور ایمانی چراغ کی طرح روشن ہے، جس چراغ میں ایسا آبدار زیتون کا تیل جلتا ہے جو آگ کے شعلے کی طرح چمکتا ہے، کیونکہ وہ زیتون نہ تو باغ کے شرقی کونے کا ہے جس کو سہ پہر کی دھوپ نہ پہنچ سکے اور نہ غربی کونے کا ہے جس کو دوپہر سے پہلے کی دھوپ نہ پہنچ سکے،

بلکہ ہر وقت کی دھوپ کھا کر وہ زیتون خوب پختہ اور اس کا پھل نہایت عمدہ ہے۔ (احسن التفاسیر)

آگے فرمایا اللہ کی قدرت کی اگرچہ یہ چند روشنیاں جمع ہیں لیکن ان روشنیوں سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو اللہ کے علم غیب میں نیک ٹھہر چکے ہیں، پھر فرمایا، قرآن میں جو مثالیں بیان کی گئی ہیں، وہ لوگوں کے سمجھانے کے لیے بیان کی گئی ہیں لیکن ان مثالوں کو سمجھ کر جو لوگ راہ راست پر آنے والے اور مرتے دم تک جو گمراہ رہنے والے ہیں، ان کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کیونکہ کوئی چیز اس کے علم غیب سے باہر نہیں ہے۔ (تفسیر احسن التفاسیر)

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ: سے اسی مطلب کو ادا فرمایا گیا ہے، حاصل یہ ہے کہ عالم ارواح میں جن لوگوں کی روحوں نے نور ہدایت کا حصہ پایا ہے، آیت میں ان ہی کی یہ مثال بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کے سینے میں ان کا دل تارے جیسے چمکدار قندیل کی طرح ہے جس میں نور ایمان کا چراغ روشن ہے۔

ترمذی اور مسند امام احمد میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے اس میں بھی عالم ارواح کے نور کا ذکر ہے، اس حدیث کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ جس وقت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کی پشت سے قیامت تک کی اولاد آدم کی روحیں نکالیں تو ہر ایک انسان کی پیشانی پر ایک طرح کا نور تھا۔

یہ نور فطرت اسلام کا نور ہے جس کا ذکر صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس نور ہدایت کا ذکر ہے وہ نور جدا ہے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس فطرت اسلام کے نور کا ذکر ہے وہ نور جدا ہے، جو بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے وہ فطرت اسلام کے نور پر پیدا ہوتا ہے اور صحیح مسلم کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے موافق بچہ کی زبان کے کھلنے تک اس نور کا اثر باقی رہتا ہے اس کے بعد وہ ماں باپ جیسا ہو جاتا ہے، نور ہدایت کا اثر مرتے دم تک رہتا ہے، یہ تو ان دونوں نوروں کا دنیاوی فرق ہوا۔ (احسن التفاسیر)

عالم ارواح میں آدم علیہ السلام کے فطرت اسلامی کے سبب سے ہر ایک انسان کی پیشانی پر ایک طرح کا نور پایا جاتا ہے جس کا ذکر ترمذی کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ نور ہدایت کے سبب سے بعضوں کو نورانی شکل اور بعضوں کا چہرہ سیاہ پایا جس کا ذکر مسند امام احمد میں ابودرداء کی روایت میں ہے۔

عرب لوگ اپنے گھروں کی دیوار میں چراغ رکھنے کا ایک طاق بنا لیتے تھے، اسی کو مشکوٰۃ کہتے ہیں۔

مساجد کی عظمت اور اہل ذکر کے اوصاف

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ {۳۶} رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ {۳۷} لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ {۳۸} النور

جواب ترجمہ: ایسے گھروں میں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے ان میں ایسے لوگ صبح شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ جنہیں اللہ کی یاد سے، اور نماز پڑھنے سے، اور زکوۃ دینے سے، سوداگری اور خرید و فروخت کرنا غفلت میں نہیں ڈالتا، وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔ تاکہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا اچھے سے اچھا بدلہ دے اور اپنے فضل سے انہیں اور بھی زیادہ دے اور اللہ جسے چاہتا ہے بلا حساب رزق دیتا ہے۔

تفسیر: ان آیات میں مساجد کی عظمت، ان میں ذکرِ الٰہی کی اہمیت اور ان خوش نصیب بندوں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں جو دنیاوی مشاغل کے باوجود اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے اور آخرت کے خوف کے ساتھ نیک اعمال کرتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہترین جزا اور بے حساب فضل کا وعدہ فرمایا ہے۔

فِيْ بُيُوْتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ: یہاں اللہ تعالیٰ نے ان مقدس مقامات کا ذکر فرمایا ہے جہاں اس کا نور اور ہدایت جلوہ گر ہوتی ہے، یعنی مساجد۔ "بیوت" سے مراد وہ گھر ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بلند مقام عطا فرمایا اور حکم دیا کہ ان میں اس کا ذکر کیا جائے، ان کی رفعت محض ظاہری نہیں بلکہ معنوی ہے، کیونکہ یہ وہ مقامات ہیں جہاں دل اللہ کے ذکر سے منور ہوتے ہیں، ایمان تازہ

ہوتا ہے اور بندہ اپنے رب سے تعلق مضبوط کرتا ہے، ان گھروں میں صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کی جاتی ہے، جس سے مراد یا تو اللہ کی پاکی بیان کرنا ہے یا نماز ادا کرنا، کیونکہ نماز ہی ذکرِ الٰہی کا سب سے کامل مظہر ہے، یوں مساجد درحقیقت نورِ الٰہی کے مراکز اور ہدایت کے سرچشمے ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ: ان مساجد کو آباد کرنے والے وہ مردانِ خدا ہیں جنہیں دنیا کی تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی، وہ اپنے کاروبار اور معاملات میں بھی اللہ کو یاد رکھتے ہیں، اس کی حدود کا خیال کرتے ہیں، نہ دھوکہ دیتے ہیں، نہ کسی کا حق مارتے ہیں، ان کے دل ہر حال میں ذکرِ الٰہی سے وابستہ رہتے ہیں اور وہ باقاعدگی سے نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، یہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی، یعنی قیامت کے دن کی ہیبت اور خوف ان کے دلوں میں رچا بسا ہوتا ہے، جو انہیں ہمیشہ اطاعت اور تقویٰ پر قائم رکھتا ہے۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا: ان اہلِ ایمان کے اخلاص، عبادت اور خوفِ آخرت کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بہترین اعمال کا بدلہ عطا فرمائے گا اور اپنے فضل سے مزید اضافہ بھی کرے گا، یہ جزا نہ صرف ان کے اعمال کے مطابق ہوگی بلکہ اللہ کے فضل و کرم سے بڑھ کر بھی ہوگی، کیونکہ وہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ہاں نیک اعمال کبھی ضائع نہیں ہوتے، بلکہ اخلاص اور تقویٰ کے ساتھ کیے گئے اعمال پر بے پایاں اجر عطا کیا جاتا ہے۔

چمکتی ریت کو پانی سمجھنے والے نادان

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللّٰهَ عِندَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ {۳۹} أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ

لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ {۴۰} النور

جواب ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں چمکتی ہوئی ریت ہو جسے پیاسا آدمی پانی سمجھ رہا ہو، یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا۔ اور اس نے وہاں اللہ کی قضاء کو پالیا سو اللہ نے اس کا حساب پورا کر دیا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ یا جیسے کسی گہرے سمندر کے اندرونی حصہ میں اندھیریاں ہوں جسے موج نے ڈھانک رکھا ہو، اس کے اوپر ایک موج ہو اس کے اوپر بادل ہو، اندھیریاں ہیں بعض بعض کے اوپر ہیں۔ جب اپنے ہاتھ کو نکالے تو اسے نہ دیکھ پائے۔ اور جس کے لیے اللہ روشنی نہ مقرر نہ فرمائے سو اس کے لیے کوئی روشنی نہیں۔

تفسیر: اللہ تعالیٰ یہ فرمارہے ہیں کہ جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا تو ان کے وہ اعمال جنہیں وہ نفع بخش سمجھتے تھے وہ آخرت میں ان کے لیے چمکتی ریت کی طرح ہوں گے، جیسے دوپہر کے وقت ریگستانی زمین پر کوئی پانی کا مشاہدہ کرتا ہے، پیاسا شخص ریگستان کے چمکتے ذرّات کو پانی خیال کرتا ہے، جب وہ اسے پانی سمجھ کر قریب آتا ہے تو وہ وہاں پانی نہیں پاتا، اسی طرح کافر سمجھتا ہے کہ اسے اس کے اعمال نفع دیں گے، لیکن جب قیامت کا دن آئے گا تو اس کے اعمال کا اسے اجر و ثواب نہیں ملے گا، ان لوگوں نے عمل کیے تھے کہ ہمیں اس کے عوض بہت کچھ ملے گا، مگر ان کی بدنیتی کی بنیاد پر آخرت میں انہیں کچھ نہیں ملے گا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کے بقول ان کے اعمال شریعت کے مطابق نہیں تھے اس لیے انہیں اس کا کچھ صلہ نہ ملے گا، ان کے یہاں پہنچنے سے پہلے ان کے سارے اعمال جہنم میں پہنچ چکے ہوں گے، یہاں یہ خالی ہاتھ پہنچیں گے، حساب کے موقع پر رب العالمین خود موجود ہیں، ایک ایک عمل کا حساب لے رہے ہوں گے، ان کافروں کا کوئی عمل ایسا نہیں نکلے گا جس پر انہیں اجر و ثواب ملے۔

چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ یہودیوں سے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ؟ فَيَقُولُونَ: كُنَّا نَعْبُدُ عُزَيْرَ ابْنَ اللهِ، فَيُقَالُ: كَذَبْتُمْ، مَا اتَّخَذَ اللهُ مِنْ وَلَدٍ، مَاذَا تَبْغُونَ؟ فَيَقُولُونَ: أَيْ رَبَّنَا، عَطِشْنَا فَاسْقِنَا فَيُقَالُ: أَلَا تَرِدُونَ؟ فَتُمَثَّلُ لَهُمْ

النَّارُ كَأَنَّهَا سَرَابٌ يُحَطِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا. فَيَنْطَلِقُونَ فَيَتَهَافَتُونَ فِيهَا (ابن کثیر)

تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے رہے؟ وہ جواب دیں گے کہ اللہ کے بیٹے عزیر کی، کہا جائے گا کہ جھوٹے ہو اللہ کا کوئی بیٹا نہیں، اچھا بتاؤ اب کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے اے اللہ! ہم بہت پیاسے ہو رہے ہیں، ہمیں پانی پلوایا جائے تو ان سے کہا جائے گا کہ دیکھو وہ کیا نظر آرہا ہے؟ تم وہاں کیوں نہیں جاتے؟ اب انہیں دور سے جہنم ایسی نظر آئے گی جیسے دنیا میں سراب ہوتا ہے جس پر جاری پانی کا دھوکہ ہوتا ہے، یہ وہاں جائیں گے اور دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے، یہ مثال جہل مرکب والوں کی ہے۔

اب جہل بسیط والوں کی مثال سنیے جو نرے لکیر کے فقیر تھے، اپنی گرہ کی عقل مطلق نہیں رکھتے تھے، یہ بہرے گونگے لوگ عقل سے عاری تھے اور آنکھیں بند کر کے ان کی آواز پر لگے ہوئے تھے کہ ان کی مثال گہرے سمندر کی تہہ کے اندھیروں جیسی ہے جسے اوپر سے تہہ بہ تہہ موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو اور پھر اوپر سے بادل ڈھانکے ہوئے ہوں، یعنی اندھیرے پر اندھیرا ہو، یہاں تک کہ ہاتھ کو ہاتھ بھی سجھائی نہ دیتا ہو، یہی حال ان سفلے جاہل کافروں کا ہے کہ نرے لکیر کے فقیر ہیں، انہیں یہ تک معلوم نہیں کہ کہاں جارہے ہیں؟ نہ ہی اپنے قائدین کے احوال سے یہ لوگ آگاہ ہیں، چنانچہ ایک مثال بیان کی جاتی ہے کہ کسی جاہل سے پوچھا گیا کہاں جارہا ہے؟ اس نے کہا ان کے ساتھ جا رہا ہوں، پوچھنے والے نے پھر دریافت کیا کہ یہ کہاں جارہے ہیں؟ اس نے کہا مجھے تو معلوم نہیں۔

علامہ عوفی رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں کہ جیسے اس سمندر پر موجیں اٹھ رہی ہیں، اسی طرح کافر کے دل پر، اس کے کانوں پر، اس کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، جیسے فرمان ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَىٰهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَٰوَةً (الجاثیۃ: ۲۳) تو نے انہیں دیکھا؟ جنہوں نے خواہش پرستی شروع کر رکھی ہے اور اللہ نے انہیں علم پر بہکا دیا ہے اور ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فَهُوَ يَتَقَلَّبُ فِي خَمْسَةٍ مِنَ الظُّلَمِ: كَلَامُهُ ظُلْمَةٌ، وَعَمَلُهُ ظُلْمَةٌ، وَمَدْخَلُهُ ظُلْمَةٌ، وَمَخْرَجُهُ ظُلْمَةٌ، وَمَصِيرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى الظُّلُمَاتِ، إِلَى النَّارِ. ایسے لوگ پانچ اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں۔ ① ان کا کلام سیاہ ہے۔ ② ان کا عمل سیاہ ہے۔ ③ ان کا کسی چیز میں داخل ہو جانا سیاہی و تاریکی ہے۔ ④ ان کا کسی چیز سے باہر نکلنا بھی سیاہی اور تاریکی ہے۔ ⑤ ان لوگوں کا انجام کار بھی قیامت کے دن اندھیروں کی طرف ہو گا جو کہ دوزخ کی آگ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ہدایت کامل جانا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، جسے وہ ہدایت دے وہی ہدایت پا سکتا ہے، جسے وہ محروم کر دے کوئی اسے ہدایت نہیں دے سکتا، جسے وہ اندھیروں میں رکھے اسے کوئی تاریکیوں اور اندھیروں سے نہیں نکال سکتا۔

خلاق عالم کی کاریگری

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ {۴۱} وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ {۴۲} اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ {۴۳} يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ {۴۴} وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ {۴۵} لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ {۴۶} النور

جواب ترجمہ: اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو آسمانوں

میں اور زمین میں ہیں اور پرندے جو پر پھیلائے ہوئے ہیں ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا ہے۔ اور جن کاموں کو لوگ کرتے ہیں اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور اللہ ہی کے لیے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادل کو چلاتا ہے۔ پھر بادلوں کو باہم ملا دیتا ہے پھر اس کو تہہ بنا دیتا ہے، پھر اے مخاطب تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس کے درمیان سے نکل رہی ہے۔ اور بادل سے یعنی بادل کے بڑے بڑے ٹکڑوں میں سے جو پہاڑ کی طرح ہیں اولے برساتا ہے پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ان کو ہٹا دیتا ہے، قریب ہے کہ اس کی بجلی کی روشنی آنکھوں کو ختم کر دے۔ اور اللہ رات اور دن کو بدلتا ہے اس میں ضرور عبرت ہے آنکھ والوں کے لیے۔ اور اللہ نے ہر چلنے والے جاندار کو پانی سے پیدا فرمایا پھر ان میں بعض وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ واقعی بات یہ ہے کہ ہم نے ایسی آیات نازل کی ہیں جو بیان کرنے والی ہیں، اور اللہ جسے چاہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ: اللہ تعالیٰ نہایت بلیغ انداز میں انسان کو اس حقیقت کی طرف متوجہ فرماتے ہیں کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس میں مشغول ہیں؟ یہاں أَلَمْ تَرَ انکاری انداز میں آ کر اس حقیقت کو پختہ کرتا ہے کہ یہ بات واضح اور ثابت شدہ ہے۔

تمام کائنات، خواہ وہ عقل رکھنے والی ہو یا بے عقل، اپنے اپنے انداز میں اللہ کی پاکی بیان کرتی، اس کے سامنے جھکتی اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے، آیت میں مَن کا استعمال اس لیے کیا گیا کہ اگرچہ مخلوقات میں غیر عاقل بھی شامل ہیں، مگر ان کی تسبیح اور دلالت ایسی واضح ہے کہ انہیں گویا عقلاء کے مقام پر رکھا گیا ہے، خصوصاً ملائکہ، انسان اور جنات جیسے باشعور مخلوقات اس میں نمایاں ہیں۔ خصوصی طور پر پرندوں کا ذکر فرمایا:

وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ: یعنی وہ پرندے جو فضا میں اپنے پر پھیلائے ہوئے، منظم صفوں میں پرواز کرتے

ہیں، ان کی یہ منظم پرواز اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تخلیقی حکمت کا ایک عظیم مظہر ہے، جو انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے، ہر مخلوق کو اپنے رب کی عبادت اور تسبیح کا ایک خاص طریقہ سکھایا گیا ہے، جسے وہ خوب جانتی ہے، جیسا کہ فرمایا

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ: یعنی ہر ایک اپنی عبادت اور تسبیح کے انداز سے واقف ہے اور اللہ تعالیٰ ان سب کے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ: اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی کامل بادشاہی اور حاکمیت کا اعلان فرماتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کی حقیقی سلطنت صرف اسی کے لیے ہے، وہی ان سب کا خالق، مالک اور مدبر ہے اور اس کے سوا کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں، جو کچھ لوگ اللہ کے سوا معبود بناتے ہیں، وہ نہ کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ کسی قسم کی شفاعت کے اہل، بالآخر سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، جہاں ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا: اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل ہر سمت میں دکھائی دیتے ہیں، انسان جب اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتا ہے تو وہ اپنی کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے کہ ایک غالب اور طاقتور ہستی ایسی ہے جو بادلوں کو جدھر چاہتی ہے ادھر ہی موڑتی اور پھیرتی چلی جاتی ہے، ان بادلوں کو بکھیرتی ہے، ان کے ٹکڑے جگہ جگہ انسانی عقل کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں، پھر وہ ان منتشر اور بکھرے ہوئے بادل کے ٹکڑوں کو یکجا کرتا ہے، پھر انہیں تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے۔

پھر ان کے درمیان میں سے بارش کون برساتا ہے؟ پہاڑوں کی طرح بڑے بڑے دکھائی دینے والے بادلوں سے پانی کو اتار دیتا ہے، اس کے بعد پھر اس کی قدرت کا مشاہدہ کیا جائے کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے اس پر بارش برسا دیتا ہے، جس سے چاہتا ہے اسے پھیر دیتا ہے، جس کو بارش پہنچائی یہ اس کی حکمت کاملہ کا تقاضا تھا، جس سے بارش کو پھیر دیا یہ اس کی تدبیر تھی، پھر اس کی قدرت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ ان بادلوں کے اندر بجلیاں کوندتی ہیں، جن کی شدت سے یوں اندازہ

ہوتا ہے کہ یہ دیکھتی آنکھوں کو اچک لیں گی۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ: قدرت والے کی قدرت کے دلائل میں سے ہی ہے دن اور رات کی گردش، ایک دوسرے کے بعد دن اور رات کی آمد ورفت، پھر کبھی دن بڑا اور کبھی رات بڑی، کبھی دن چھوٹا اور کبھی رات چھوٹی، یہ ایسے دلائل ہیں جن سے اہل بصیرت ہی عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ پھر قدرت والے کی کاریگری ملاحظہ کی جاسکتی ہے کہ اس نے زمین پر چلنے والے تمام جانوروں کو پانی سے وجود بخشا، پانی ہی اس کی تخلیق کی بنیاد بنا، ان جانوروں میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل گھسٹ کر چلتے ہیں، جیسے سانپ اور اس جیسے اور جانور، ان جانوروں میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی دو ٹانگوں پر چلتے ہیں، جیسے انسان، بعض وہ ہیں جو چار ٹانگوں پر چلتے پھرتے ہیں جیسے بہائم، چوپائے، اللہ تعالیٰ جس کو جس طرح چاہے پیدا کرے وہ ہر چیز پر یکساں قدرت رکھتا ہے۔

لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ: اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنی نازل کردہ وحی کی وضاحت اور اس کی ہدایت بخش حقیقت کو بیان فرماتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے رسول محمد ﷺ پر ایسی واضح اور روشن آیات نازل کی ہیں جن میں کسی قسم کا ابہام یا شبہ نہیں، یہ آیات دین کے احکام، عقائد اور اخلاقی اصولوں کو نہایت صاف اور دوٹوک انداز میں بیان کرتی ہیں، تاکہ انسان کے لیے حق و باطل میں امتیاز کرنا آسان ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ: اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی توفیق عطا فرماتا ہے، یہ صراطِ مستقیم وہ راہِ ہدایت ہے جس میں کوئی کجی یا انحراف نہیں اور جو بندے کو بالآخر جنت تک پہنچاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کا اصل سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے اور قرآن کی یہ واضح آیات اسی ہدایت کا ذریعہ ہیں، جو شخص اخلاص اور طلبِ حق کے ساتھ ان آیات سے رہنمائی حاصل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے سیدھے راستے پر قائم رکھتا ہے اور کامیابی کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

منافقین کا طرز عمل اور اہل ایمان کی حقیقی پہچان

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ {۴۷} وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ {۴۸} وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ {۴۹} اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ {۵۰} اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ {۵۱} وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ {۵۲} وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ {۵۳} قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ {۵۴} النور

جواب ترجمہ: اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور ہم فرمان بردار ہیں پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فریق روگردانی کرلیتا ہے، اور یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔ اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمادے تو ان میں سے ایک فریق اسی وقت پہلو تہی کرلیتا ہے۔ اور اگر ان کا کوئی حق ہو تو اس کی طرف فرمان بردار بنے چلے آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں مرض ہے یا انہیں شک ہے انہیں اس بات کا خوف ہے کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول ظلم کریں گے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ یہی لوگ ظالم ہیں۔ جب مومنین کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے تو ان کا کہنا یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔ اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچے سو یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔ اور انہوں نے خوب مضبوطی

کے ساتھ قسم کھائی کہ اگر آپ انہیں حکم دیں گے تو ضرور نکل جائیں گے، آپ فرمادیجیے کہ قسم نہ کھاؤ، فرمان برداری پہچانی ہوئی ہے۔ بلاشبہ اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ آپ فرمادیجیے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی سو اگر تم روگردانی کروگے تو رسول کے ذمہ وہ ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا۔ اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا، اور اگر تم نے ان کی فرمان برداری کی تو ہدایت پانے والے بن جاؤ گے۔ اور رسول کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچادینا ہے۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا: اللہ تعالیٰ نے معاشرۂ نبوی میں موجود منافقین کے باطن کو بے نقاب فرمایا ہے، یہ لوگ زبان سے ایمان اور اطاعت کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر عملاً اس سے روگردانی اختیار کرتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی نفی فرمادی، جب انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کی طرف بلایا جاتا ہے تو ایک گروہ اعراض کرتا ہے، البتہ اگر فیصلہ ان کے حق میں ہو تو فوراً سرِ تسلیم خم کردیتے ہیں، یہ طرزِ عمل اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کا معیار حق نہیں بلکہ اپنی خواہشات ہیں، پھر اللہ تعالیٰ ان کے اس رویے کی اصل وجوہ بیان فرماتے ہیں: کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے؟ یا شک وشبہ میں مبتلا ہیں؟ یا انہیں اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کریں گے؟ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود ہی ظالم ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ: اس کے مقابلے میں سچے اہلِ ایمان کی صفت بیان کی گئی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ بلاتردد کہتے ہیں: "ہم نے سنا اور اطاعت کی۔" یہی کامل ایمان کی علامت ہے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، مزید فرمایا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اللہ سے ڈرتا رہے اور تقویٰ اختیار کرے، وہی حقیقی کامیاب ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ نجات کا راستہ محض دعوے نہیں بلکہ عملی اطاعت، خشیتِ الٰہی اور تقویٰ میں مضمر ہے۔

وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ: ان آیات میں منافقین کی ایک اور صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ زور دار قسمیں کھاکر اطاعت کا یقین دلاتے ہیں، حالانکہ ان کے اعمال ان کے دعووں کی تردید کرتے ہیں،

اللہ تعالیٰ نے ایسے جھوٹے حلف سے منع فرمایا اور واضح کیا کہ مطلوب سچی اور معروف اطاعت ہے، نہ کہ کھوکھلے دعوے، پھر نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ لوگوں سے کہہ دیں: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، کیونکہ اگر تم اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے اور اگر منہ موڑوگے تو اس کا وبال تم پر ہی آئے گا، رسول ﷺ کی ذمہ داری صرف واضح طور پر پیغام پہنچانا ہے، جبکہ حساب و جزا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

ان آیات میں سچے مؤمن اور منافق کے درمیان واضح فرق بیان کیا گیا ہے، مؤمن وہ ہے جو ہر حال میں اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے، جبکہ منافق وہ ہے جو اپنے مفاد کے مطابق دین کو قبول یا رد کرے، اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی واضح کر دی گئی کہ کامیابی کا راستہ اطاعت، تقویٰ اور خشیتِ الٰہی ہے اور رسول ﷺ کا منصب صرف تبلیغ ہے، ہدایت و جزا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

خلافت راشدہ علیٰ منہاج النبوت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے ساتھ جس خلافت اور تمکین فی الارض کا وعدہ کیا ہے اس کی شرط کیا ہے؟

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ {۵۵} وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ {۵۶} النور

جواب ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا، جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا، اور ان کے لیے اس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جسے ان کے لیے پسند کیا ہے، اور ان کو جو خوف

لاحق رہا ہے، اس کے بدلے انہیں ضرور امن عطا کرے گا۔ (بس) وہ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور جو لوگ اس کے بعد بھی ناشکری کریں گے تو ایسے لوگ نافرمان ہوں گے۔ اور نماز کو قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رسول کی فرمان برداری کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

شان نزول: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لما قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وسلم وَأَصْحَابُه الْمَدِينَةَ وَآوَتْهُمُ الْأَنْصَارُ رَمَتْهُمُ الْعَرَب عَنْ قَوس وَاحِدَة فَكَانُوا لَا يَبِيتُونَ إِلَّا فِي السِّلَاحِ وَلَا يُصْبِحُونَ إِلَّا فِيهِنَّ فَقَالُوا: أَتَرَوْنَ أَنَا نَعِيش حَتَّى نَبيت آمِنِينَ مُطْمَئِنِينَ لَا نَخَافُ إِلَّا اللهَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں آئے اور انصار نے ان کو ٹھکانہ دیا تو ہمارے عرب ان کے دشمن بن گئے وہ صبح شام ہتھیار لیے پھرتے تھے تو انہوں نے کہا تم دیکھو گے کہ ہم ایسی زندگی بھی گزاریں گے یہاں تک کہ ہم رات گزاریں گے اور اطمینان سے اور ہم اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈریں گے تو یہ آیت وَعَدَاللهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنكُم وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، نازل ہوئی۔ (حاکم، بیہقی)

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ: اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور اہل اعمال صالحہ سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کی مدد کرے گا، مشرکین کی زمین کا انہیں وارث بنائے گا، اس زمین پر انہیں تاج خلافت سے نوازے گا، جیسے اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھنے والے ان کے اسلاف کو خلافت ارضی سے سرفراز فرمایا تھا۔

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ: ان کے لیے جو دین اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اس دین کو مضبوط کرے گا، ان کی حالت خوف کو امن وشانتی سے بدل دے گا، یہ اس وقت ہو گا جب وہ ایک اکیلے اللہ کی عبادت اور بندگی بجالائیں گے، یہ اس وقت ہو گا جب وہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری پر ثابت قدم رہیں گے، یہ اس وقت ہو گا جب وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے،

جو خلافت مل جانے کے بعد، امن وشانتی نصیب ہو جانے کے بعد، زمین میں دین کو مضبوطی حاصل ہو جانے کے بعد، مکمل غلبہ حاصل ہو جانے کے بعد اللہ کی نعمتوں کا انکار کریں گے تو یہ ایسے بدنصیب ہوں گے جو اللہ کی اطاعت سے باہر نکلنے والے ہوں گے۔

شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں "قرآن پاک کی اس نص قطعی کے تحت، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم خلفائے برحق ہیں، یہ ساری خوبیاں اسلام کو ان کے دور میں حاصل ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے دین کو خوب پھیلایا اور چمکایا۔

مسند احمد اور مستدرک حاکم حدیث کی کتابیں ہیں، ان میں روایت ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسجد نبوی کی تعمیر دو دفعہ ہوئی پہلی دفعہ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے دوبارہ تعمیر سات ہجری کے بعد ہوئی ہے، پہلے بھی کچی تھی دوبارہ بھی کچی تھی، دوبارہ جب تعمیر ہوئی اور بنیادیں نکالی گئیں روایت میں ہے) کہ پہلا پتھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا، دوسرا پتھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رکھا اور تیسرا پتھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رکھا، چوتھا پتھر آپ کے حکم سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے رکھا، اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کافی تعداد موجود تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا هؤُلَاءِ وُلَاةُ الأَمرِ مِن بَعدِی، یہ جس ترتیب سے انہوں نے پتھر رکھے ہیں اسی ترتیب سے یہ میرے بعد خلفاء ہوں گے۔ (ذخیرۃ الجنان)

صحیح روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا اور پیغمبر کا خواب حقیقت ہوتا ہے، فرمایا میں نے دیکھا ایک کنواں ہے، اس میں بڑا پانی ہے، میں اس کنویں سے پانی نکال کر لوگوں کو پلا رہا ہوں، میرے بعد ڈول ابو بکر نے پکڑ لیا اور پانی نکال کر لوگوں کو پلایا، اس کے بعد ڈول عمر نے پکڑ لیا اور دیکھتے دیکھتے وہ ڈول بڑا ہو گیا۔ فرمایا لَم أَرَ عَبقَرِیاً یَفرِی فَرِیَه، ایسی قوت کے ساتھ پانی نکالنے والا قوی آدمی میں نے نہیں دیکھا، نکالتے گئے پلاتے گئے، پہلے لوگ اپنے جانوروں کو کنویں کے پاس لا کر پانی پلاتے تھے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈول پکڑا تو جانوروں کے باڑوں تک پانی پہنچ گیا، حضرت عمر کے دور میں بائیس لاکھ مربع میل رقبہ فتح ہوا، پورا مصر، عراق، شام، ایران، افغانستان، کاشغر کی سرحد تک

سارا علاقہ اور روم کا کافی حصہ فتح ہو گیا تھا تھوڑا سارہ گیا تھا بعد میں وہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور انہوں نے لوگوں کے گھروں تک وظائف پہنچائے۔

نمبر تین نبی ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کی طرف سے ایک ترازو اتری، اس کے ایک پلڑے میں مجھے بٹھایا گیا اور دوسرے پلڑے میں دوسرے لوگوں کو، میرا پلڑا بھاری ہو گیا، پھر میری جگہ ابو بکر کو بٹھایا گیا تو اس کا وزن بھاری تھا، پھر ابو بکر کی جگہ عمر کو بٹھایا گیا تو ان کا وزن زیادہ تھا، پھر حضرت عمر کی جگہ حضرت عثمان کو بٹھایا گیا جب تولا گیا تو اوپر سے رسی ٹوٹ گئی، یہ اشارہ تھا حضرت عثمان کی شہادت کی طرف کہ ان کے آخری دور میں عبداللہ بن سبا یمنی یہودی کی ناپاک سازشوں کے تحت بہت کچھ ہوا، یہاں تک کہ حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا۔ (ذخیرۃ الجنان)

خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، نبی کریم ﷺ نے خلفاء متعین تو نہیں فرمائے لیکن قرائن سے بتادیا کہ یہ حضرات میرے خلفاء ہیں، بخاری شریف کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو بڑی تکلیف تھی ایک عورت مقدمہ لے کر آئی میں نے آپ سے فیصلہ کرانا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا، بی بی مجھے اس وقت تکلیف زیادہ ہے پھر آجانا، کہنے لگی حضرت میں دوبارہ آؤں گی ۔ اِن لَّم اَجِدُكَ تَعنِي المَوتَ، اگر میں آپ کو نہ پاؤں مراد اس کی آپ کی وفات تھی پھر میں کس کے پاس جاؤں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، فَاتِي اَبَابَكر ۔ ابو بکر کے پاس آنا وہ تیرا فیصلہ کریں گے، کتنی واضح بات ہے کہ اگر میں نہ ہوں تو پھر فیصلہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس لے جانا۔

تو یاد رکھنا قرآن پاک کی اس نص قطعی سے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، خلفاء ہیں ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دین کو چمکایا ہے اور پھیلایا ہے، ان میں پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بڑی عظمت اور شان عطا فرمائی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، میرے ساتھ سودا کر لو اپنی دو نیکیاں مجھے دے دو، اور میری ساری نیکیاں لے لو، ایک غار ثور والی رات کی نیکی اور دوسری نبی کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد استقامت والی نیکی۔

مشکوٰۃ شریف اور دیگر کتابوں میں روایت ہے کہ رات صاف تھی سب ستارے نظر آرہے تھے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا حضرت کوئی ایسا بندہ ہے جس کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہوں؟ آپ نے فرمایا، ہاں عمر ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میرے اباجی کی نیکیاں؟ فرمایا عمر کی ساری نیکیاں اور ابو بکر کی ایک نیکی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، مجھ سے سودا کرلو، اپنی دو نیکیاں مجھے دو اور میری ساری نیکیاں لے لو، ایک نیکی ہجرت کے سفر والی کہ جان ہتھیلی پر رکھ کر آپ کے ساتھ غار ثور میں پہنچے تو پھر وہاں سے مدینہ طیبہ پہنچے، کافروں نے اعلان کیا ہوا تھا جو ان کو زندہ پکڑ کر لائے گا اس کو دو سو اونٹ انعام ملیں گے یا ان کے سر اتار کر لائے گا تو بھی دو سو اونٹ ملیں گے، انعام کی خاطر لوگ پاگلوں کی طرح ٹکریں مارتے تھے اس حالت میں ساتھ دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جان ہتھیلی پر رکھ کر ساتھ دیا ہے۔

حضور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو سات محاذ بن گئے۔ ① مسیلمہ کذاب نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا اور ایک محاذ کھول لیا۔ ② اسود عنسی نے نبوت کا دعوی کر دیا اور محاذ کھول دیا۔ ③ طلیحہ بن خویلد نے نبوت کا دعوی کیا اور محاذ کھول لیا۔ ④ ان کو دیکھ کر ایک نوجوان لڑکی جس کا نام سجاح تھا اس نے بھی نبوت کا دعوی کر دیا۔ کچھ لوگ اس کے ساتھ بھی ہو گئے یہ بھی ایک محاذ تھا۔ ⑤ کچھ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے مرتد ہو گئے تھے یہ بھی ایک محاذ تھا۔ ⑥ ایک گروہ نے کہا کہ ہم باقی تمام کام کریں گے مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے، خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً۔ (سورۃ توبہ) اے نبی کریم آپ ان کے مالوں سے زکوۃ وصول کریں، آپ کو زکوۃ لینے کا حکم تھا چونکہ آپ اب نہیں ہیں تو کسی اور کو ہم زکوٰۃ کیوں دیں ایک محاذ یہ ہو گیا۔ ⑦ اور ایک محاذ موتہ کے مقام پر تھا جو آپ نے خود نامزد کیا تھا۔

ان تمام محاذوں پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقابلہ تھا، صرف ایک محاذ پر یمامہ کے مقام پر تین دن میں سات سو حفاظ کرام شہید ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، حضرت یہ جو زکوٰۃ نہیں دیتے کلمہ پڑھتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں فی الحال ان کے ساتھ نہ لڑو، فرمایا، عمر! جب کافر تھے تو بڑے بہادر اور دلیر تھے اب آپ ڈھیلی ڈھالی باتیں کرتے ہو۔ اَيَنْقُصُ دِيْنٌ وَاَنَا حَيٌّ، میرے سامنے دین کم

ہو تا جائے اور میں تماشا دیکھتا رہوں، خدا کی قسم! اگر یہ وہ رسی بھی نہیں دیں گے جو زکوٰۃ کے جانور کے ساتھ ہوتی ہے تو میں ان کے ساتھ لڑوں گا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سات محاذوں پر جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ نے کامیاب فرمایا اور دین کی حفاظت فرمائی، ان حضرات نے دین کو چمکایا، یہ خلفاء ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

نھج البلاغہ، شیعہ کی کتاب ہے اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خط موجود ہے جو انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو لکھا، فرمایا میری بات ٹھنڈے دل سے سن لو تمہیں علم ہے کہ اسلام سچا مذہب ہے اور قرآن حق ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تم بھی ایمان رکھتے ہو اور ہم بھی ایمان رکھتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد انہی مومنوں اور شوریٰ کے لوگوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا، ان کے خلیفہ برحق ہونے کو تم بھی مانتے ہو اور ہم بھی مانتے ہیں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے ہم بھی مانتے ہیں اور تم بھی مانتے ہو، ان کے بعد انہی لوگوں نے اور شوریٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا وہ خلیفہ برحق تھے ہم بھی مانتے ہیں اور تم بھی مانتے ہو اور انہی لوگوں نے مجھے خلیفہ بنایا پھر تم کیوں نہیں مانتے؟ مطلب یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب کو خلیفہ برحق مانتے ہیں۔ (ذخیرۃ الجنان)

تو اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ان لوگوں سے کہ جو تم میں سے ایمان لائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جنہوں نے عمل کیے اچھے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ضرور خلیفہ بنائے گا جیسا کہ خلیفہ بنائے اللہ تعالیٰ نے ان سے پہلوں میں اور اللہ تعالیٰ ضرور ان کو قدرت دے گا اور ان کے ذریعے دین کو پھیلائے گا اور چمکائے گا جس دین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ضرور بدل دے گا، ان کے خوف کو امن کے ساتھ۔ (ذخیرۃ الجنان)

حضرت عمر کا دور خلافت: حیرہ عراق میں ایک بہت بڑا مقام ہے، یہ بین الاقوامی منڈی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں حیرہ کے علاقے سے زیوارت سے لدی ہوئی عورت جاتی تھی اور اس کی طرف کوئی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ بخاری شریف کی روایت ہے ایسا امن تھا کہ کسی کو نہ مال کا خطرہ اور نہ جان کا خطرہ ہوتا تھا۔

يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا: فرمایا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ایک محاذ پر لڑائی زوروں پر تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو کمانڈر بنا دیا۔

لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا کہ ہم کر تو کچھ نہیں سکتے مگر آپ کا یہ اقدام ہمارے خیال کے مطابق غلط ہے ایسے قابل جرنیل کو عین لڑائی کے موقع پر معزول کر دیا اور ہو سکتا ہے خالد جذبات میں آکر کافروں کے ساتھ مل جائے، جذبات میں آکر آدمی کچھ بھی کر سکتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہاری ان باتوں نے مجھے مجبور کیا ہے معزول کرنے پر کہتے ہو خالد نے مورچا فتح کیا، خالد کے ذریعے مورچا فتح ہوا، میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں خالد کوئی چیز نہیں ہے رب خالد سب کچھ کر سکتا ہے، اب دیکھتا ہوں مورچے پر خالد جرنیل نہیں ہو گا تو پھر بھی اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائیں گے، رہی دوسری بات خالد اتنا کچا آدمی نہیں ہے کہ عہدے سے معزول ہونے کے بعد وہ اسلام کو چھوڑ دے۔ (ذخیرۃ الجنان)

تاریخ خلافت: اس وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے چاروں خلفائے راشدین کو خلافت پر متمکن کیا، پہلے دو خلفاء کے زمانے میں دین کا بڑا کام ہوا، اسلام کی بنیادیں مستحکم ہوئیں اور اسلامی ریاست کی سرحدیں عرب سے نکل کر عجم تک پھیل گئیں، خلیفہ ثالث حضرت عثمان کی خلافت کے پہلے چھ سال بھی امن وامان میں گزرے مگر اس کے بعد یہودیوں اور منافقوں کی سازش کی وجہ سے قصر خلافت میں دراڑیں پڑنا شروع ہو گئیں، تاہم اس دور میں بھی بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے گئے، پھر چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی کے زمانے میں مسلمانوں کے آپس کے اختلافات بہت بڑھ گئے مگر انہوں نے بھی پانچ سالہ دور میں سابقہ تین ادوار کے نمونے کو برقرار رکھا۔ (معالم العرفان فی دروس القرآن للشیخ السواتی)

خلافت تیس سال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا الْخِلَافَةُ فِيْ أُمَّتِيْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً یعنی میرے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوت تیس سال تک قائم رہے گی۔ (ترمذی، قرطبی) چنانچہ چاروں خلفائے

راشدین اور حضرت حسن کے چھ ماہ کو شمار کیا جائے تو پورے تیس سال بنتے ہیں۔

فرمایا اس عرصہ کے بعد خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو جائے گی، تاہم ابتدائی دور ملوکیت عادلہ کا ہو گا، چنانچہ حضور ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوئی، حضرت حسن کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت میں شمار نہیں ہوتا، البتہ یہ ملوکیت عادلہ میں شمار ہوتا ہے، آپ نے بیس سال تک گورنری اور بیس سال تک خلافت کا فریضہ انجام دیا، آپ کے زمانے میں اختلافات ختم ہو چکے تھے اور پوری امت مسلمہ متفق تھی، ان حالات سے خلافت راشدہ برحق ثابت ہوتی ہے اور جو رافضی یا ناصبی اس خلافت میں شک کرتے ہیں وہ گمراہ اور اسلام کے دشمن ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو وعدہ فرمایا تھا، وہ خلفائے راشدین پر پورا ہو گیا اور چاروں خلفاء نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق امور خلافت کو ٹھیک ٹھیک انجام دیا۔ (معالم العرفان فی دروس القرآن للسواتی)

ملوکیت کا زمانہ: اس کے بعد چودہ سو سالہ تاریخ میں مسلمانوں کے حالات خراب ہی رہے ہیں، ملوکیت کے دوران جبر واستبداد کا دور دورہ رہا ہے، درمیان میں کوئی عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ جیسا اچھا حکمران آ گیا تو کام درست ہو گیا، آپ رحمہ اللہ کے زمانہ کو تو محدثین اور فقہاء خلافت راشدہ میں شمار کرتے ہیں کیونکہ آپ نے انہی کے نقش قدم پر خلافت کی ذمہ داری پوری کی، لیکن آپ کے بعد اموی خاندان پھر ذاتی منفعت میں پڑ گیا، اس خاندان کے بعد عباسیوں نے ساڑھے چھ سو سال تک حکومت کی لیکن وہ بھی مکمل ملوکیت تھی، وہی عیش و آرام اور وہی جاہ پسندی، چونکہ اس سارے دور میں سب سے اعلیٰ قانون قرآن کو ہی تسلیم کیا جاتا تھا۔

لہٰذا اجتماعی طور پر قرآن کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے تھے، مگر ذاتی طور پر ایک دوسرے کو مغلوب کرنے ہی کی کوشش کرتے رہے، اس زمانے میں بھی بعض اچھے لوگ پیدا ہوئے ہیں بعض ملوک بھی ذاتی طور پر صاحب علم اور اچھے آدمی تھے، انہوں نے اچھے کام کرنے کی کوشش بھی کی ہے مگر نظام حکومت کو تبدیل نہیں کر سکے، وہاں خلافت کی بجائے ملوکیت ہی چلتی رہی۔ (معالم العرفان)

کردوں میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے ذاتی طور پر بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے، خاص طور

پر صلیبی جنگوں میں انہوں نے عیسائیوں کے خلاف بڑی کامیابیاں حاصل کیں، ادھر برصغیر میں سلطان ناصر الدین التمش کا دور بڑا اچھا دور تھا مگر وہ بھی ملوک ہی تھے اورنگ زیب عالمگیر نے بڑے اچھے کام کیے مگر نظام خلافت کو جاری نہ کر سکے، ترکوں میں سلطان محمد خامس اور سلطان سلیم کی حالت اچھی رہی مگر بعد والے انحطاط میں چلے گئے اور بڑی خرابیاں پیدا ہوئیں۔

ملوکیت ایک بڑا عذاب ہے جو فحاشی، عیاشی اور لہو ولعب کی بنا پر اصل مقصد سے بہت دور لے جاتا ہے، ادھر خلافت کے لفظ سے ہی واضح ہے کہ اس میں من مانی نہیں ہوتی، بلکہ خلیفہ رسول اللہ کا نائب ہوتا ہے اور وہ وہی کام کرتا ہے جو اللہ کے نبی نے کئے، وہ دین کو سربلند کرتے ہیں جب کہ ملوک مذہب کو اپنے تابع بنانے کی کوشش کرتے ہیں، علمائے سوء سے غلط فتوے لے کر دین میں خرابیاں پیدا کرتے ہیں، بہر حال اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خلافت عطا کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا اور اس کی ابتدا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے ہوئی۔ (معالم العرفان فی دروس القرآن للسواتی)

گزشتہ صدی میں شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی کے تلمیذ رشید اور خلیفہ ارشد حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے خلافت راشدہ علیٰ منہاج النبوت کے مسئلے کو اس طرح واضح کیا جیسے واضح کرنے کا حق تھا، انہوں نے مسئلہ خلافت راشدہ علی منہاج النبوت پر کوہ ہمالیہ سے بڑے اور چٹانوں سے مضبوط دلائل پیش کیے، انہوں نے اس مسئلہ کے احیاء اور تفہیم کے لیے ایک تحریک بپا کر رکھی تھی، جس کے پرچم تلے صبح وشام وہ ایک ہی آواز لگائے جا رہے تھے کہ اس آیت استخلاف کا حقیقی مصداق حضرات خلفاء اربعہ یعنی حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی ہیں، وہ تیس سالوں والی، خلافت والی روایت کو ڈنکے کی چوٹ بیان کرتے تھے، حضرت حسن کی چھ ماہی خلافت کو تتمۂ خلافت ثابت کرتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

کفار کی ظاہری قوت کا دھوکہ اور ان کا انجام بد

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ {۵۷}

النور

جواب ترجمہ: اے مخاطب ان کے بارے میں یہ ہر گز خیال نہ کر کہ روئے زمین میں عاجز کرنے والے ہیں، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور البتہ وہ بری جگہ ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ: اللہ تعالیٰ نے پہلے مؤمنین کے لیے خلافتِ ارضی، نصرتِ الٰہی اور کامیابی کا وعدہ بیان فرمایا، جو ایمان، اقامتِ صلاۃ، ادائے زکوٰۃ اور اطاعتِ رسول ﷺ کے ساتھ مشروط ہے، اس کے بعد اس آیت میں کفار و مشرکین کا انجام بیان کر کے دونوں گروہوں کے مابین واضح تقابل پیش کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی کریم ﷺ! آپ ہر گز یہ گمان نہ کریں کہ کافر زمین میں اللہ کو عاجز کرنے والے ہیں یا اس کی گرفت سے بچ نکلیں گے، یہ اسلوب دراصل نفی کے معنی میں ہے، یعنی حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر گز اللہ کے قابو سے باہر نہیں، بلکہ اللہ کی قدرت کے تحت ہیں اور اہلِ ایمان کو ان پر غلبہ عطا ہو گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دین اور اپنے بندوں کی نصرت فرماتا ہے۔ مزید فرمایا کہ

وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ: کفار کا حقیقی انجام دنیاوی وقتی قوت یا ظاہری غلبہ نہیں، بلکہ آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، مأویٰ (ٹھکانہ) کا لفظ یہاں بطورِ تہکم استعمال ہوا ہے، یعنی جس جگہ کو سکون و آرام کا مقام ہونا چاہیے تھا، وہی ان کے لیے عذاب کا گھر بن جائے گا۔ پھر

وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ: کے الفاظ کے ذریعے اس انجام کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے کہ وہ نہایت ہی برا ٹھکانہ ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ کفار کی وقتی کامیابیاں دھوکہ ہیں، اصل کامیابی اہلِ ایمان کے لیے ہے اور دائمی ناکامی کفار کا مقدر ہے۔

تین اوقات میں داخلے کی اجازت

سوال جن اوقات میں داخلے کی اجازت ہے ان کی قرآنی آیات کی روشنی میں وضاحت کیجیے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ

بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۚ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ {۵۸} النور

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! جو تمہارے مملوک ہیں اور تم میں سے وہ لڑکے جو بلوغ کو نہیں پہنچے تین وقتوں میں اجازت لیا کریں، نماز فجر سے پہلے اور جس وقت تم دوپہر میں اپنے کپڑے اتار کر رکھتے ہو، اور نماز عشاء کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ تم پر اور ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے ہیں، کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس، اللہ اسی طرح تمہارے لیے احکام بیان فرماتا ہے اور اللہ علیم ہے حکیم ہے۔

شان نزول: انصار میں سے ایک آدمی اور اس کی بیوی اسماء بنت مرشدہ نے نبی ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا، اسماء نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ کتنی بری بات ہے؟ کہ ایک آدمی بیوی اور اس کے شوہر کے پاس اس حال میں آتا ہے میاں اور بیوی ایک ہی کپڑے میں ہوتے ہیں اور ان سے اجازت بھی نہیں لیتا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

قرآن کریم کی روشنی میں ہمیں پتا چلتا ہے کہ یہ تین اوقات ہیں جن میں اجازت لینا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ① نماز فجر سے پہلے، اس وقت اجازت لینا اس لیے ضروری قرار دیا گیا، کیونکہ یہ ایسا وقت ہوتا ہے جس میں سوتے وقت پہنے جانے والے کپڑے اتارنے اور بیداری کے کپڑے پہننے کا وقت ہوتا ہے۔ ② دوپہر کے وقت جب قیلولہ کرنے کے لیے بالائی کپڑے اتارے جاتے ہیں، اس وقت گھروں میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینا ضروری ہے۔ ③ عشاء کی نماز کے بعد گھروں میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینا ضروری ہے، کیونکہ یہ سونے کا وقت ہے۔

غلاموں اور باندیوں میں سے وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ اور تمہارے آزاد مردوں اور عورتوں میں سے۔ (تفسیر در منثور) رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ اس بات سے ناخوش ہوتے تھے کہ ان اوقات میں اپنی بیویوں سے ہم بستری کریں تاکہ پھر وہ غسل کریں اور نماز کے لیے

جائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے غلاموں اور لڑکوں کو حکم کریں کہ وہ ان اوقات میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہوں۔ (ابن ابی حاتم، در منثور)

عبد اللہ بن سوید کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان تین پردوں کے اوقات کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا جب میں دوپہر کے بعد اپنے کپڑے اتار دوں اس وقت خادموں میں سے اور ان لڑکوں میں جو ابھی بالغ نہیں ہوئے میرے پاس نہ آئے نہ مرد وزن میں سے کوئی بغیر اجازت کے آئے اور جب میں اپنے کپڑے اتار دوں عشاء کی نماز کے بعد اور صبح سے پہلے۔ (ابن مردویہ، در منثور)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ کے بارے میں روایت ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کے ساتھ اکیلا عشاء کے بعد ہو تو اس کے پاس کوئی خادم یا کوئی بچہ اندر نہ جائے مگر اس کی اجازت سے یہاں تک کہ صبح کی نماز پڑھ لی جائے اور جب دوپہر کے وقت اپنی بیوی کے ساتھ اکیلا ہو تو بھی یہی حکم ہے اور ان کے علاوہ بغیر اجازت کے داخل ہونے کی رخصت دی گئی ہے اور یہی قول ہے اللہ تعالیٰ کا آیت لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ اور وہ لڑکا جو بالغ ہو گیا وہ بھی کسی میاں بیوی کے پاس اندر داخل نہ ہو مگر ان کی اجازت سے اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے آیت وَإِذا بلغ الْأَطْفَال مِنْكُم الْحلم فليستأذنوا كَمَا اسْتَأْذن الَّذين من قبلهم (ابن المنذر، ابن ابی حاتم، السنن للبیہقی)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے الثَّلَاث عورات کے بارے میں پوچھا، جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکم فرمایا، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا إِنَّ اللهَ حَلِيمٌ رَحِيمٌ بِالْمُؤْمِنِينَ يُحِبُّ السَّتْرَ، وَكَانَ النَّاسُ لَيْسَ لِبُيُوتِهِمْ سُتُورٌ وَلَا حِجَالٌ، فَرُبَّمَا دَخَلَ الْخَادِمُ أَوِ الْوَلَدُ أَوْ يَتِيمَةُ الرَّجُلِ وَالرَّجُلُ عَلَى أَهْلِهِ، فَأَمَرَهُمُ اللهُ بِالِاسْتِئْذَانِ فِي تِلْكَ الْعَوْرَاتِ، فَجَاءَهُمُ اللهُ بِالسُّتُورِ وَالْخَيْرِ، فَلَمْ أَرَ أَحَدًا يَعْمَلُ بِذَلِكَ بَعْدُ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت ہی حلم والا ہے، اہل ایمان پر رحم کرنے والا ہے، پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے، اور لوگوں کے دروازوں پر پردے نہیں تھے اور نہ ان کے کمروں میں پردے ہوتے تھے، کسی وقت

اس کا خادم یا اس کا لڑکا یا اس کا یتیم بچہ اس کے کمرے میں آجاتا تھا اور وہ اپنی بیوی کے پاس ہوتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر دہ کے اوقات میں اجازت لینے کا حکم دے دیا، پھر اللہ ان کے دروازوں پر پردے اور خیر و بھلائی لایا، میں نے کسی کو اس طرح عمل کرتے ہوئے اس کے بعد نہیں دیکھا۔ (ابو داؤد)

دوسرے مقام پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پردے کا حکم نازل فرمایا اور ان کے لیے رزق میں کشادگی کر دی، تو ان لوگوں نے دروازوں پر پردے بنائے اور کمروں میں بھی پردے بنا لیے، لوگوں نے خیال کیا کہ اجازت کیلیے یہی کافی ہے، جس کا وہ حکم دیئے گئے۔ (ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، سنن بیہقی، تفسیر در منثور)

علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ سے عورتیں مراد ہیں۔ کیونکہ مرد تو اجازت لے ہی لیتے ہیں۔ عورتیں بھی اجازت لے کر داخل ہوا کریں۔ (حاکم)

ابو عبد الرحمن سلمی سے اس آیت کے بارے میں روایت ہے کہ یہ خاص طور پر عورتوں کے بارے میں ہے اور مرد تو ہر حال میں دن اور رات میں اجازت لے کر داخل ہوتے ہیں۔ (الفریابی، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم)

سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ طَوَّافُوْنَ عَلَيْكُمْ سے افراد مراد ہیں جو صبح شام بغیر اجازت کے آتے جاتے اور آیت وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ یعنی چھوٹے بچے آیت مِنْكُمُ الْحُلُمَ یعنی آدمی کی اپنی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کی اولاد فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وہ اسی طرح اجازت طلب کرے جس طرح آدمی کی اپنی بڑی اولاد اور رشتہ داروں کی اولاد اجازت طلب کرتی ہے۔ (ابن ابی حاتم، تفسیر در منثور)

حضرت عطاء سے روایت ہے کہ انہوں نے ابن عباس سے اپنی بہن سے اجازت لینے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا ہاں اجازت لینی چاہیے میں نے کہا کہ وہ میری پرورش میں ہے اور میں اس پر خرچ کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ میرے گھر میں ہے کیا میں اس سے اندر آنے کی اجازت لوں؟

فرمایا ہاں ! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آیت لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ان کا اجازت لینے کا حکم نہیں دیا گیا ہے مگر ان تین اوقات میں اور فرمایا واذا بلغ الاطفال منکم الحلم فلیستاذنوا کما استذن الذین من قبلھم تو پھر اجازت لینا واجب ہے تمام امت پر۔ (بخاری فی الادب، ابن منذر، ابن ابی حاتم)

حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ ! کیا میں اپنی ماں سے اجازت لوں ؟ آپ نے فرمایا، ہاں اجازت لو اس نے کہا کہ میں اس کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں، آپ نے فرمایا، اس سے اجازت لو اس نے پھر کہا میں اس کا خادم ہوں، کیا میں اس سے اجازت لوں ؟ جب بھی میں داخل ہوں، فرمایا، أفتحب أن تراھا عُرْیَانَۃ کیا تو اس بات کو پسند کرے گا کہ تو اس کو ننگی حالت میں دیکھے ؟ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا ، پھر اس سے اجازت لے لیا کرو۔ (ابن جریر، السنن للبیہقی)

ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَا تغلبنکم الْأَعْرَاب علی اسم صَلَاتکُمْ الْعشَاء فَإِنَّمَا ھِیَ فِی کتاب اللہ الْعشَاء وَإِنَّمَا یعتم بحلاب الإِبل تم پر دیہاتی غالب نہ آجائیں تمہاری عشاء کی نماز کے نام پر کیونکہ اللہ کی کتاب میں اس کا نام عشاء ہے اور عتمہ اونٹنی کے دوہنے کو کہتے ہیں۔ (ابن ابی شیبہ، ابن مردویہ)

بچوں کا اجازت طلب کرنا

سوال بچوں کا گھروں میں داخل ہونے کے بارے میں اجازت لینے کا کیا حکم ہے ؟ آیت قرآنی کی روشنی میں وضاحت فرمایئے۔

وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ {۵۹} النور

جواب ترجمہ: اور جب تمہارے بچے بلوغ کو پہنچ جائیں، تو وہ بھی اسی طرح اجازت لیا کریں جیسے ان سے پہلے بالغ ہونے والے اجازت لیتے رہے ہیں۔ اللہ اسی طرح اپنی آیتیں کھول کھول کر تمہارے

سامنے بیان کرتا ہے، اور اللہ بہت زیادہ علم والا اور بہت زیادہ حکمت والا ہے۔

تفسیر: بچے ہر وقت گھروں میں داخل ہوسکتے ہیں، ہاں جب بچے بالغ ہو جائیں، احکام شرعیہ کے مکلف ہو جائیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ گھروں میں داخل ہونے کے لیے اس طرح اجازت لیں جس طرح بڑی عمر کے لوگ اجازت لے کر گھروں میں داخل ہوتے ہیں، بالغ لڑکوں کو گھر میں دخل ہونے کے لئے ہر وقت اجازت طلب کرنا ضروری ہے، جب آزاد لڑکے بالغ ہو جائیں تو وہ گھر میں داخل ہونے کے لئے ہر وقت اجازت طلب کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب آزاد لڑکا بالغ ہو جائے تو وہ کسی شخص اور اس کی بیوی کے ہاں کسی بھی وقت بغیر اجازت کے داخل نہ ہو اور جس طرح اور مرد گھر میں دخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرتے ہیں وہ بھی اجازت طلب کرے۔ (امام ابن ابی حاتم) سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا جس طرح کسی شخص کے بڑے بیٹے اور دیگر رشتہ دار اجازت طلب کرتے ہیں اسی طرح بالغ لڑکے بھی اجازت طلب کریں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم) گزشتہ آیات کے ذیل میں ہم بہت سی ایسی روایات نقل کر چکے ہیں جو بچوں کے استیذان سے متعلق ہیں۔

بوڑھی خواتین کے بارے پردہ کے احکامات

سوال بہت بوڑھی عورت کے بارے میں پردہ کے کیا احکامات ہیں؟ خصوصاً ان کے لباس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ قرآنی آیت کی روشنی میں وضاحت فرمائیے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ {٦٠} النور.

جواب ترجمہ: اور جن بڑی بوڑھی عورتوں کو نکاح کی کوئی توقع نہ رہی ہو، ان کے لیے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے، (مثلاً چادریں، نامحرموں کے سامنے) اتار کر رکھ دیں، بشرطیکہ زینت کی نمائش نہ کریں اور اگر وہ احتیاط ہی رکھیں تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے۔ اور اللہ سب کچھ سنتا، ہر بات جانتا ہے۔

تفسیر: ایسی بوڑھی عورتیں جو بہت ہی بوڑھی ہو چکی ہوں، جن سے استمتاع نہیں کیا جاسکتا، جن کے بڑھاپے کی وجہ سے ان کی طرف نظر شہوت نہیں اٹھ سکتی، انہیں مردوں سے شادی کی رغبت نہیں رہتی، نہ ہی مردوں کو ان سے شادی کی رغبت ہوتی ہے، ان بوڑھیوں پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنے زائد کپڑے اتار کر رکھ دیں، ہاں ان پر یہ پابندی بدستور رہے گی کہ وہ اپنی زینت کی نمائش نہ کریں، ہاں یہ جتنی بھی اپنے طور پر احتیاط کریں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔

یہاں ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ جو عورت بڑی بوڑھی ایسی ہو جاوے کہ نہ اس کی طرف کسی کو رغبت ہو اور نہ وہ نکاح کے قابل ہو تو اس کے لئے پردہ کے احکام میں یہ سہولت دے دی گئی ہے کہ اجانب بھی اس کے حق میں مثل محارم کے ہو جاتے ہیں، جن اعضاء کا چھپانا اپنے محرموں سے ضروری نہیں ہے اس بوڑھی عورت کے لئے غیر مردوں غیر محرموں سے بھی ان کا چھپانا ضروری نہیں۔ اس لئے فرمایا وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِیْ، مگر ایسی بڑی بوڑھی عورت کے لئے بھی ایک قید تو یہ ہے کہ جو اعضاء محرم کے سامنے کھولے جائیں یہ عورت غیر محرم کے سامنے بھی کھول سکتی ہے بشرطیکہ بن سنور کر زینت کر کے نہ بیٹھے۔ (معارف القرآن للمفتی)

دوسری بات آخر میں یہ فرمائی وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ، یعنی اگر وہ غیر محرموں کے سامنے آنے سے بالکل ہی بچیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے۔ اَلْقَوَاعِدُ سے مراد ایسی بوڑھی عورتیں ہیں جو آنے جانے اور معمول کے مطابق کام کاج کرنے سے عاجز ہو کر بیٹھ جائیں، ان کی ماہواری آنا بند ہو جائے اور ان سے بچے پیدا نہ ہو سکیں، یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ ربیعہ نے کہا اَلْقَوَاعِدُ سے مراد ایسی بوڑھی عورتیں ہیں کہ جب تم ان کو دیکھو تو ان کے بڑھاپے کی وجہ سے تم کو گھن آئے۔

فقہاء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ وہ بوڑھی عورتیں جو نکاح سے مایوس ہو چکی ہیں اگر ان کے سر کے بال کھلے ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے، اس بناء پر ان کا دوپٹہ اتار کر رکھنا جائز ہے۔

ستر و حجاب میں فرق: ستر اور حجاب میں فرق ہے، عورت کا پورا جسم سوا چہرے، ہاتھوں اور پیروں کے واجب الستر ہے اور اس کے سر کے بالوں کا بھی ستر واجب ہے اور چہرے، ہاتھوں اور پیروں کو

چادر سے ڈھانپنا حجاب ہے، اس لئے بوڑھی عورت کے لئے چادر کو اتارنا اور چہرے، ہاتھوں اور پیروں کو کھولنا جائز ہے لیکن سر کے بالوں کو ڈھانپنا واجب ہے۔ بوڑھی عورت ستر میں جوان عورت کی مثل ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ گھر میں قمیض پہنے اور دوپٹہ اوڑھے اور اوپر اوڑھنے والی چادر اتار سکتی ہیں۔ (ابن ابی حاتم)

ام الضیاء بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی، میں نے عرض کیا، اے ام المومنین! آپ بالوں کو رنگنے، کپڑوں کو رنگنے، کانوں میں بالیاں پہننے، پازیب پہننے، سونے کی انگوٹھی پہننے اور باریک کپڑوں کے پہننے کے بارے میں کیا فرماتی ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عورتوں کی جماعت! یہ سب چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں لیکن تمہارے اس بناؤ سنگھار کو غیر محرم نہ دیکھے۔ (ابن ابی حاتم) سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا وہ اپنی چادر اتار کر گھر سے نہ نکلے جس سے اس کی زینت دکھائی دے۔ (امام ابن ابی حاتم) مقاتل بن حیان رحمہ اللہ نے کہا اس کے لئے اوپر اوڑھنے والی چادر اتار کر گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے جس سے اس کے گلے کا ہار، کانوں کی بالیاں اور دیگر زیورات دکھائی دیں۔ (ابن ابی حاتم)

خاندانی تعاون، باہمی مواسات، آداب معاشرت کی تعلیم

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ {٦١} النور

جواب ترجمہ: نہ تو نابینا آدمی کے لیے کوئی مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لیے مضائقہ ہے اور نہ مریض کے لیے کوئی مضائقہ ہے اور نہ خود تمہارے لیے کوئی مضائقہ ہے کہ تم اپنے گھروں سے

یا اپنے باپوں کے گھروں سے، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے، یا اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے، یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے، یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیوں کے تم مالک ہو، یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ، تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ، سو جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے دعاء مانگنے کے طور پر، جو مبارک ہے پاکیزہ ہے، اللہ اسی طرح تمہیں اپنے احکام بتاتا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خاندانی نظام کے اندر باہمی تعاون، ہمدردی اور مالی مواسات کا نہایت جامع اصول بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ نابینا، لنگڑے اور بیمار افراد پر کوئی گناہ یا تنگی نہیں، کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو عجز و کمزوری کی وجہ سے خود کمانے پر قادر نہیں ہوتے، گویا یہ آیت اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ایسے محتاج و معذور افراد کی کفالت اور ان کی ضروریات پوری کرنا خاندان کے اہلِ استطاعت افراد کی ذمہ داری ہے، اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلامی معاشرہ محض قانونی رشتوں پر قائم نہیں بلکہ ہمدردی، رحم اور باہمی تعاون کی بنیاد پر استوار ہے، یہاں تک کہ گویا ایک ہی خاندان کا مال باہم مشترک حیثیت رکھتا ہے، جس میں ضرورت مند اپنی حاجت پوری کر سکتا ہے۔ مزید فرمایا کہ

وَّلَا عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ أَن تَأْكُلُوا مِن بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ: تمہارے لیے اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے گھروں، اپنے باپ دادا، ماؤں، بھائیوں، بہنوں، چچاؤں، پھوپھیوں اور دیگر قریبی رشتہ داروں کے گھروں سے کھاؤ، اس میں اس بات کی طرف رہنمائی ہے کہ قریبی رشتہ داروں کے درمیان اس قدر اعتماد اور قربت ہونی چاہیے کہ ایک کا گھر دوسرے کے لیے اجنبی نہ رہے، بلکہ سب ایک ہی خاندان کے افراد کی طرح ہوں، اسی طرح ایسے گھروں سے کھانے کی بھی اجازت دی گئی ہے

اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ: جن کی چابیاں تمہارے سپرد ہوں یا ایسے دوستوں کے گھروں سے جن کے ساتھ گہری محبت اور اعتماد کا تعلق ہو، تاہم یہ سب کچھ باہمی رضا اور حسنِ نیت پر مبنی ہو، نہ کہ زبردستی یا ناجائز تصرف پر۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا: آیت کے آخر میں یہ بھی واضح فرمایا کہ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اکٹھے کھاؤ یا الگ الگ، یعنی شریعت نے اس معاملے میں وسعت رکھی ہے، پھر گھروں میں داخل ہونے کے آداب سکھاتے ہوئے حکم دیا کہ

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ: ایک دوسرے کو سلام کرو، جو اللہ کی طرف سے بابرکت اور پاکیزہ تحفہ ہے، اس پورے بیان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ: وہ اپنی آیات اس لیے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ عقل سے کام لیں، اپنے معاملات کو درست کریں اور ایک پاکیزہ، باہمی محبت اور تعاون پر مبنی معاشرہ قائم کریں۔

مجلس نبوی کے آداب

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ {٦٢} النور.

جواب ترجمہ: مومن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو دل سے مانتے ہیں اور جب رسول کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں شریک ہوتے ہیں تو ان سے اجازت لیے بغیر کہیں نہیں جاتے۔ (اے پیغمبر) جو لوگ تم سے اجازت لیتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو دل سے مانتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ اپنے کسی کام کے لیے تم سے اجازت مانگیں تو ان میں سے جن کو چاہو، اجازت دے دیا

کرو، اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کیا کرو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

تفسیر: سچے اور پکے ایمان والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور رسول اللہ کی تصدیق کی ہے، ان کی شریعت پر عمل کیا ہے، جب یہ لوگ حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھی کسی ایسے معاملے میں شریک ہوں جو مسلمانوں کی مصلحت کے لیے کیا گیا ہو، تو ان میں سے کسی کو واپس جانے کی اس وقت تک اجازت نہیں جب تک کہ وہ حضرت نبی کریم ﷺ سے اجازت نہ لے لیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے حبیب! جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں وہ اللہ اور رسول اللہ پر پختہ ایمان رکھتے ہیں، آپ سے جب وہ اپنے کسی کام، کسی عذر کی وجہ سے اجازت لیں تو آپ ﷺ انہیں اجازت دے دیا کریں، اس کے بعد آپ ﷺ ان کے لیے بخشش کی دعا بھی کیا کریں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایک ادب اور بھی سکھاتا ہے کہ جیسے آتے ہوئے اجازت مانگ کر آتے ہو ایسے ہی جانے کے وقت بھی میرے نبی سے اجازت مانگ کر جاؤ۔ خصوصاً ایسے وقت جب کہ مجمع ہو اور کسی ضروری امر پر مجلس ہوئی ہو مثلاً نماز جمعہ ہے یا نماز عید ہے یا جماعت ہے یا کوئی مجلس شوریٰ تو ایسے موقعوں پر جب تک حضور ﷺ سے اجازت نہ لے لو ہرگز ادھر ادھر نہ جاؤ مومن کامل کی ایک نشانی یہ بھی ہے۔ پھر اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ جب یہ اپنے کسی ضروری کام کے لئے آپ سے اجازت چاہیں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیا کریں اور ان کے لئے طلب بخشش کی دعائیں بھی کرتے رہیں۔

ابو داؤد وغیرہ میں ہے إِذَا انْتَهَى أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَجْلِسِ فَلْيُسَلِّمْ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَقُومَ فَلْيُسَلِّمْ، فَلَيْسَتِ الْأُولَى بِأَحَقَّ مِنَ الْآخِرَةِ. جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں جائے تو اہل مجلس کو سلام کر لیا کرے اور جب وہاں سے آنا چاہے تو بھی سلام کر لیا کرے آخری دفعہ کا سلام پہلی مرتبہ کے سلام سے کچھ کم نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ادب واحترام

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ {۶۳} النور

جواب ترجمہ: تم اپنے درمیان رسول اللہ کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو بیشک اللہ ان کو جانتا ہے جو تم میں سے آڑ میں ہو کر کھسک جاتے ہیں۔ سو جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس بات سے ڈریں کہ ان پر کوئی مصیبت آپڑے یا انہیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حضرت رسول کریم ﷺ کا ادب سکھا رہے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کو بلاؤ تو انہیں اس طرح نہ بلاؤ جس طرح تم ایک دوسرے کو بلند آواز سے چیخ کر بلاتے ہو، جس طرح تم ایک دوسرے کے نام لے کر بلاتے اور مخاطب کرتے ہو، جیسے منافقین حضرت نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں کمی کرتے ہوئے ان کا نام لے کر یا محمد پکارتے تھے، یا محمد ہماری طرف آؤ، نہ یا محمد کہو اور نہ یا محمد بن عبد اللہ کہو، نہ یا احمد کہو، اس لیے کہ محمد نام دادا نے رکھا تھا اور احمد نام والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے رکھا تھا۔

اس کے برعکس ایمان والے لوگ آپ ﷺ کی شرافت، کرامت، بزرگی اور علو مرتبت کو مد نظر رکھتے ہوئے یا رسول اللہ کہیں، یا حبیب اللہ کہیں، یا نبی اللہ کہیں، ان ناموں سے متوجہ کرتے ہوئے بھی ادب کا پہلو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، ادب کا لہجہ اختیار کیا جائے، آہستہ سے آپ ﷺ کو متوجہ کیا جائے، زور سے، چیخ کر بد تہذیبی اور بد تمیزی سے یہ نام بھی نہ لیے جائیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی طرف سے آپ ﷺ کی بے ادبی کا انکشاف کیا ہے کہ منافقین

جب آپ ﷺ کی مجلس مبارک میں آتے ہیں تو چپکے سے کھسک جاتے ہیں، آپ ﷺ کو اطلاع تک دینا مناسب نہیں سمجھتے، آپ ﷺ خطبہ دے رہے ہوں، وعظ و نصیحت فرما رہے ہوں، بیان فرما رہے ہوں تو یہ مسلمانوں کی اوٹ اور آڑ لے کر چپکے سے نکل جاتے ہیں اور اپنے گھروں میں جا گھستے ہیں، یہ ادائے منافقانہ اللہ کو ناپسند ہے۔

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کی سنت پر چلنے کے اشارات ہیں، جو آپ ﷺ کے طریقوں کی مخالفت کرے گا وہ کسی مصیبت سے دوچار ہو سکتا ہے، اسے دردناک عذاب کا کوڑا پڑ سکتا ہے، اسے آخرت میں سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔

بعض لوگوں کی بد نصیبی اور حرماں بختی ہے کہ وہ زبانی کلامی تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ عشق و محبت کے بہت بڑے بڑے دعوے کریں گے، لوگوں کو باور کرانے کی کوشش کریں گے کہ ہم سے بڑھ کر کوئی عاشق رسول اور محب رسول نہیں ہے مگر عملی لحاظ سے وہ کورے اور صفر پر ہوتے ہیں، وہ محض زبانی کلامی اس طرح کے دعوے کرتے ہیں، ان کی عملی زندگی سے بالکل اس بات کا اندازہ نہیں ہوتا کہ اس کا نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ کہیں دور کا بھی کوئی تعلق ہے، اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس طرح نبی کریم ﷺ کی ذات کے ساتھ والہانہ محبت رکھتا ہے اس کے ظاہر سے بھی اس چیز کا اظہار ہونا لازمی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے طریقے جسے سنت رسول کہا جاتا ہے کے مطابق زندگی بنالے، وہ اپنی وضع قطع نبی کریم ﷺ کے مطابق بنالے، اتباع سنت پر قرآن کریم کی بے شمار آیات دلالت کرتی ہیں، آپ ﷺ کو مسلمانوں کے لیے آئیڈیل بنایا گیا ہے، تو آئیڈیل کی پیروی لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر بادشاہت

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ {٦٤} النور

جواب ترجمہ: خبر دار بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، بلاشبہ وہ جانتا ہے کہ تم کس حال پر ہو، اور جس دن وہ اس کی طرف لوٹائے جائینگے وہ اس دن کو بھی جانتا ہے پھر وہ انہیں بتلادے گا جو عمل انہوں نے کیے، اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

أَلَا إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ: اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل بادشاہت اور ہمہ گیر علم کو نہایت مؤکد انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، خواہ وہ بلند و بالا ستارے اور سیارے ہوں، مضبوط برج ہوں، یا زمین کے اندر اور باہر پھیلی ہوئی مخلوقات، انسان و جن، پہاڑ و میدان، سمندر اور ان کے اندر پائی جانے والی عجیب و غریب مخلوقات، سب اسی کے پیدا کردہ اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، چونکہ وہی ان سب کا خالق اور مبدع ہے، اس لیے اس کا علم بھی ہر چیز کو محیط ہے، جیسا کہ فرمایا: کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا؟

قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ: یہاں "قد" تاکید کے لیے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری ہر حالت کو خوب جانتا ہے، تمہارے ظاہر و باطن، نیک و بد اعمال، ارادے اور نیتیں، سب اس کے علم میں ہیں، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں، اس میں بندوں کے لیے بشارت بھی ہے اور تنبیہ بھی کہ ہر عمل اللہ کے علم میں محفوظ ہے اور اسی کے مطابق جزا دی جائے گی۔ مزید فرمایا کہ

وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا: جس دن سب لوگ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے تو وہ انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا، یہ آگاہ کرنا محض خبر دینا نہیں ہوگا بلکہ ان کے اعمال کو ان کے سامنے حاضر کر دیا جائے گا اور ان پر مکمل حساب ہوگا، جس کے نتیجے میں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا، خواہ وہ نعمتوں کی صورت میں ہو یا عذاب کی شکل میں، آیت کے اختتام پر فرمایا:

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ: یعنی اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے، نہ زمین کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ ہے اور نہ آسمان کی، اس جامع بیان کے ذریعے بندوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اللہ کے علم اور یومِ حساب کی جواب دہی کے احساس کے ساتھ گزاریں۔

سورۃ النور کے اضافات و ترمیمات آج پایہ تکمیل کو پہنچے۔ یکم مئی ۲۰۲۶ء شب ایک بجے

سورۃ الفرقان (تعارف)

سوال سورۃ الفرقان کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ الفرقان قرآنِ کریم کی ایک عظیم الشان مکی سورت ہے، جس کی آیات کی تعداد ستتر (۷۷) ہے، جمہور مفسرین کے نزدیک یہ مکمل طور پر مکی ہے، البتہ بعض کے نزدیک چند آیات مدنی بھی ہیں، یہ سورت اپنے مضامین کے اعتبار سے نہایت جامع اور مؤثر ہے اور اس میں خاص طور پر قرآنِ مجید اور رسالتِ محمدی ﷺ کے خلاف کفار کے اعتراضات کا مدلل اور حکیمانہ جواب دیا گیا ہے، اس سورت کا اسلوب دعوت، استدلال اور تذکیر کا حسین امتزاج پیش کرتا ہے، جس کے ذریعے اہلِ ایمان کو ثابت قدمی اور کفار کو تنبیہ کی گئی ہے۔

وجہ تسمیہ: اس سورت کا نام "الفرقان" رکھا گیا ہے، اور "فرقان" دراصل قرآنِ کریم ہی کا ایک وصف ہے، جس کے معنی ہیں "حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا"، چونکہ یہ سورت اس حقیقت کو بار بار واضح کرتی ہے کہ قرآن ایک ایسا الٰہی کلام ہے جو سچ اور جھوٹ، ہدایت اور گمراہی، حلال اور حرام کے درمیان واضح امتیاز قائم کرتا ہے، اس لیے اسے "الفرقان" کہا گیا، گویا یہ نام اس سورت کے مرکزی مضمون کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔

اہم مضامین: سورۃ الفرقان کے مضامین نہایت متنوع اور جامع ہیں، جن میں سرِفہرست توحیدِ الٰہی کا اثبات اور شرک کی تردید ہے، سورت کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی کامل بادشاہت اور کائنات پر اس کے تصرف کا بیان کیا گیا ہے، جس سے اس کی وحدانیت واضح ہوتی ہے، اس کے ساتھ ہی کفار کی جانب سے رسول اللہ ﷺ اور قرآنِ مجید پر کیے جانے والے اعتراضات، جیسے قرآن کو انسانی کلام کہنا، معجزات کا مطالبہ کرنا، یا رسول ﷺ کی بشریت پر اعتراض کرنا، ان سب کا نہایت بلیغ انداز میں رد کیا گیا ہے۔

اسی طرح اس سورت میں سابقہ قوموں، جیسے قومِ نوح، عاد، ثمود وغیرہ کے واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ ان کے انجام سے عبرت حاصل کی جائے اور یہ واضح ہو کہ حق کی تکذیب کرنے والوں کا انجام

ہمیشہ ہلاکت ہی ہوتا ہے، مزید برآں، سورت کے آخر میں "عباد الرحمن" یعنی اللہ کے نیک بندوں کی صفات کو بڑے جامع اور دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے، جو دراصل ایک مثالی اسلامی کردار کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔ ان صفات میں عاجزی، صبر، عبادت، تقویٰ، اور اخلاقِ حسنہ جیسی اعلیٰ قدریں شامل ہیں۔

مختصراً، سورۃ الفرقان ایک ایسی جامع سورت ہے جو عقیدۂ توحید کو مضبوط کرتی ہے، رسالتِ محمدی ﷺ کی صداقت کو واضح کرتی ہے، کفار کے شبہات کا رد کرتی ہے اور ایک مثالی مؤمن کی صفات کو نمایاں کرتی ہے، یہ سورت ہدایت، بصیرت اور فرقانیت کا کامل نمونہ ہے، جو انسان کو حق و باطل میں امتیاز سکھا کر سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی عالمین کی طرف بعثت

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کیجیے، نیز یہ بتائیے کہ العالمین کا کیا مطلب ہے؟

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۙ﴿۱﴾ الفرقان.

جواب ترجمہ: وہ ذات بابرکت ہے جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ جہانوں کا ڈرانے والا ہو جائے۔

تفسیر: اس آیت مبارکہ میں واضح فرمایا گیا ہے کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو عالمین کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے، جیسے ایک دوسری آیت میں واضح کیا گیا کہ میں تم سب لوگوں کے لیے اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، احادیث میں آپ ﷺ کے ارشادات موجود ہیں جن سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح دکھائی دیتی ہے کہ آپ ﷺ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر شرافت و بزرگی دی گئی، یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ برکت والی ذات نے اپنے بندے پر قرآن کریم نازل کیا تاکہ وہ جہان والوں کے لیے ڈرانے والا ہو جائے۔

اس سے مراد انسانوں اور جنات کا عالم اور جہان ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے، اور انہیں آپ ﷺ عذاب سے ڈرانے والے تھے، آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں،

خاتم المرسلین ہیں، اپنے زمانے میں حضرت سیدنا نوح علیہ السلام سب انسانوں کی طرف رسول و نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز و بزرگی نبی کریم ﷺ کو عطا فرمائی کہ آپ ﷺ تمام انسانوں اور تمام جنات کی طرف رسول بن کر تشریف لائے، حضرات مفسرین کے بقول آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی کی رسالت میں عموم اور شمول نہیں ہے، ہمارے نبی کریم تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُحِلَّتْ لِي الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً (بخاری)

مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے، تمام روئے زمین کو میرے لئے مسجد اور آلہ تیمم بنا دیا، سو میری امت میں سے جو شخص جس جگہ بھی نماز کا وقت پائے وہیں نماز پڑھ لے، اور میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا اور مجھے شفاعت عطا کی گئی اور پہلے نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ مجھے چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی، ارشاد ہے فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ (مسلم)

مجھے انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے، مجھے جوامع الکلم دیے گئے، رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی، میرے لیے مال غنیمت حلال کی گئی ہے، میرے لیے زمین کو پاک بنایا گیا ہے اور جائے سجدہ

کو پاک بنایا گیا ہے، مجھے تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے، مجھے خاتم النبیین بنایا گیا ہے۔

مسلم شریف میں ہی حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وَبُعِثْتُ إِلَى كُلِّ أَحْمَرَ وَأَسْوَدَ (مسلم) مجھے ہر گورے اور کالے کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ نَبِيٌّ قَبْلِي، وَلَا أَقُولُهُنَّ فَخْرًا: بُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً، الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَأُحِلَّتْ لِي الْغَنَائِمُ، وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَجُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ، فَأَخَّرْتُهَا لِأُمَّتِي، فَهِيَ لِمَنْ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا

مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں اور میں یہ بات فخریہ نہیں کہہ رہا ہوں، میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں، سرخ اور سیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں، ایک ماہ کی مسافت تک میری رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے، میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے جب کہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا تھا، میرے لیے زمین کو جائے سجدہ بنایا گیا ہے اور پاک کیا گیا ہے، مجھے حق شفاعت دیا گیا ہے، اس حق کو میں نے اپنی امت کے لیے مؤخر کیا ہے، یہ شفاعت اس کے لیے ہو گی جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہو گا۔ (مسند احمد)

توحید کامل اور باطل معبودوں کا قطعی بطلان

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا {۲} وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا {۳} الفرقان

جواب ترجمہ: اللہ کی وہ ذات ہے جس کے لیے ملک ہے آسمانوں اور زمین کا اور اس نے کسی کو اپنی اولاد قرار نہیں دیا، اور حکومت میں اس کا کوئی شریک نہیں، اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کا

ٹھیک انداز مقرر فرمایا۔ اور لوگوں نے اس کے علاوہ معبود بنالیے جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے اور حال یہ ہے کہ وہ پیدا کیے جاتے ہیں، اور وہ اپنی جانوں کے لیے کسی ضرر اور کسی نفع کے مالک نہیں ہیں، اور نہ وہ کسی کی موت کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ حیات کا، اور نہ کسی کو زندہ کر کے اٹھانے کا۔

تفسیر: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل ربوبیت اور وحدانیت کو نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ

اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: آسمانوں اور زمین کی ساری بادشاہت صرف اسی کے لیے ہے، اس کا حکم پوری کائنات میں نافذ ہے اور اس کے اقتدار میں کوئی شریک نہیں، وہ اس سے بھی پاک ہے کہ

وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا: اس کی کوئی اولاد ہو، کیونکہ اولاد کی حاجت اس کو ہوتی ہے جو محتاج ہو، جبکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی حاجت سے منزہ اور بے نیاز ہے، اسی طرح اس کی بادشاہت میں کسی کے شریک ہونے کی نفی کر کے مشرکین کے اس عقیدے کو باطل قرار دیا گیا ہے کہ

وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ: کوئی اور بھی اللہ کے ساتھ اقتدار میں حصہ دار ہے۔ مزید فرمایا کہ

وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا: اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور اس نے ہر مخلوق کو ایک خاص انداز، حکمت اور تقدیر کے مطابق پیدا فرمایا ہے۔ کائنات کی ہر چیز ایک منظم نظام کے تحت چل رہی ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس کا خالق ایک ہی ہے اور وہی ہر چیز کو ناپ تول کر، مقصد اور مصلحت کے ساتھ وجود میں لایا ہے، اس آیت میں توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ الوہیت دونوں کو نہایت جامع انداز میں واضح کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس کفار و مشرکین کی گمراہی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ: انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود بنالیے ہیں جو نہ کسی چیز کو پیدا کر سکتے ہیں بلکہ خود مخلوق ہیں، یہ بت اور جھوٹے معبود دراصل بے جان چیزیں ہیں جنہیں خود انسان اپنے ہاتھوں سے بناتا ہے، اس لیے وہ خالق کیسے ہو سکتے ہیں؟ مزید یہ کہ

وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا: وہ اپنے لیے بھی کسی نفع یا نقصان کے مالک نہیں، نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ کسی مصیبت کو ٹال سکتے ہیں۔ اسی طرح ان میں یہ قدرت بھی نہیں کہ وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا: وہ کسی کو موت دے سکیں یا زندگی عطا کریں یا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر سکیں، حالانکہ یہ تمام صفات صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، اس واضح استدلال کے ذریعے قرآنِ کریم نے مشرکین کے عقیدۂ شرک کو جڑ سے باطل قرار دیا اور یہ حقیقت روشن کر دی کہ عبادت کے لائق صرف وہی ذات ہے جو خالق، مالک اور مختارِ کل ہو اور یہ صفات صرف اللہ تعالیٰ ہی میں پائی جاتی ہیں۔

کفار کی کفریہ باتیں

سوال کافروں نے قرآن کریم اور حضرت محمد ﷺ کے بارے میں کیا ہے؟ ان آیات کی روشنی میں وضاحت کیجیے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا {۴} وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا {۵} قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا {۶} وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا {۷} اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا {۸} اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا {۹} الفرقان.

جواب ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے صرف ایک جھوٹ ہے جسے اپنے پاس سے بنا لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس بارے میں اس کی مدد کی ہے، سو یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کو لے کر آئے۔ اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں جو منقول

ہوتی چلی آئی ہیں جن کو اس نے لکھوالیا ہے سو وہی صبح شام اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ آپ فرمادیجیے کہ اس کو اس ذات نے نازل فرمایا ہے جو چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے آسمانوں میں ہوں یا زمین میں، بلاشبہ وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔ اور ان لوگوں نے کہا اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے، اس پر کیوں نہیں نازل ہوا ایک فرشتہ جو اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا۔ یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا، یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس میں سے کھاتا، اور ظالموں نے کہا کہ تم ایسے ہی آدمی کا اتباع کرتے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے۔ آپ دیکھ لیجیے انہوں نے آپ کے لیے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کی ہیں، سو وہ گمراہ ہو گئے پھر وہ کوئی راہ نہیں پائیں گے۔

تفسیر: کافروں نے کہا کہ اللہ کی قسم! یہ قرآن جھوٹ اور بہتان ہے، جسے محمد ﷺ نے گھڑ لیا ہے، دوسرے لوگوں نے ان کی اعانت اور مدد کی ہے، جنہوں نے بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کیا ہے، سخت جھوٹ لائے ہیں، حالانکہ یہ کتاب ایسی کتاب ہے جس کا اختراع کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

کافروں نے کہا کہ یہ قرآن کریم پہلے لوگوں کی باتوں پر مشتمل ہے، جو ان کی کتابوں میں موجود تھیں، جسے حضرت محمد ﷺ نے لکھ لیا ہے، جو صبح وشام ان پر پڑھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے فرمایا کہ ان کافروں سے فرمادیں کہ یہ قرآن جس ذات اور ہستی نے نازل کیا ہے اس کو اللہ کہتے ہیں، جس کے علم نے آسمان وزمین کی ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے، وہ ایسی ذات ہے جو گناہوں اور معاصی سے توبہ تائب ہونے والوں کو معاف کرنے والی ہے، وہ ایسے لوگوں پر رحم کرنے والی ذات ہے جو عقوبت اور سزا میں جلدی نہیں کرتے۔

مشرکوں نے کہا، حضرت محمد ﷺ کو کیا ہو گیا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں، حالانکہ وہ ہماری طرح کھانا کھاتے ہیں، وہ رزق کی تلاش میں بازاروں میں چلتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہمراہ کسی فرشتے کو کیوں نہیں بھیجا جو ان کی سچائی پر گواہی دیتا، یا آسمان سے ان پر مال کا کوئی خزانہ لاتا، یا ان کے ساتھ کوئی بڑا باغ ہوتا جس سے یہ پھل کھاتے، ان ظالم جھٹلانے والوں نے کہا، اے اہل ایمان! تم تو ایک ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جس کی عقل پر جادو کا غلبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو فرماتے ہیں کہ اے رسول! دیکھیے یہ آپ ﷺ کے لیے کیسی کیسی عجیب وغریب مثالیں بیان کرتے ہیں، یہ لوگ حق سے بہت دور ہو چکے ہیں، یہ حق کا راستہ نہیں پاتے جو ان کے ہفوات اور بکواسات کی اصلاح کرے۔

جنت اور دوزخ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا {۱۰}بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا {۱۱}اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا {۱۲}وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا {۱۳}لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا {۱۴}قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا {۱۵}لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا {۱۶} الفرقان

جواب ترجمہ: بابرکت ہے وہ ذات جو اگر چاہے تو آپ کے لیے اس سے بہتر نعمتیں عطا فرما دے یعنی ایسے باغ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں اور آپ کے لیے محل بنا دے۔ بلکہ ان لوگوں نے قیامت کو جھٹلایا اور جو شخص قیامت کو جھٹلائے ہم نے اس کے لیے دھکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ جب وہ انہیں دور سے دیکھے گی تو وہ اس کی غضبناک اور جوش وخروش والی آواز سنیں گے۔ اور جب وہ اس میں ایسی حالت میں ڈالے جائینگے کہ ان کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہوں گے تو وہاں ہلاکت کو پکاریں گے۔ آج ایک ہلاکت کو مت پکارو اور بہت ہلاکتوں کو پکارو۔ آپ فرما دیجیے کہ یہ بہتر ہے یا ہمیشہ کے رہنے والی جنت بہتر ہے جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے یہ جنت ان کے لیے بطور بدلہ عطا کی جائے گی اور ان کا ٹھکانا ہو گی۔ اور ان کے لیے اس میں وہ سب کچھ ہو گا جو وہ چاہیں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ آپ کے رب کا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اس نے اپنے ذمہ لے لیا ہے جس کی درخواست کرنی چاہیے۔

تفسیر: یہاں کفارِ مکہ کے ان بے جا مطالبات کا جواب دیا گیا ہے جو وہ رسولِ اکرم ﷺ سے کیا کرتے تھے، جیسے باغات، محلات اور دنیاوی آسائشوں کا مطالبہ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

تَبَارَكَ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّمَّا اقْتَرَحُوا: وہ ذات نہایت بابرکت ہے جو اگر چاہے تو اپنے نبی ﷺ کو ان کے مطالبات سے کہیں بڑھ کر دنیا میں ہی عطا فرمادے، یعنی ایسے باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہوں اور ایسے عالی شان محلات جن میں آپ ﷺ نہایت آسودگی کے ساتھ رہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کو آزمائش کی جگہ بنایا جائے، نہ کہ ہر مطالبہ فوراً پورا کر دیا جائے، اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کا منصب دنیاوی جاہ و حشمت حاصل کرنا نہیں بلکہ ہدایت پہنچانا ہے۔

بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ: حقیقت یہ ہے کہ کفار کے یہ اعتراضات اور مطالبات طلبِ حق کے لیے نہیں تھے بلکہ ان کے دلوں میں آخرت کا انکار بیٹھ چکا تھا، اگر وہ قیامت پر ایمان رکھتے تو اس قسم کی ہٹ دھرمی اختیار نہ کرتے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اصل سبب یہ ہے کہ انہوں نے قیامت کو جھٹلا دیا ہے، اور جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے ہم نے ایک بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عقیدۂ آخرت ہی انسان کے اعمال کو درست رخ دیتا ہے اور جب یہی عقیدہ ختم ہو جائے تو انسان ہر قسم کی گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

إِذَا رَأَتْهُم مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيرًا: دوزخ کی آگ کافروں اور نبی کریم ﷺ کو جھٹلانے والوں کو دور سے دیکھے گی، اس سے مراد کیا ہے؟ علامہ کلبی اور سدی کی تفسیر کے مطابق دوزخ کا یہ دیکھنا ایک سال کی مسافت سے ہوگا، دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ دیکھنا سو سال کی مسافت سے ہوگا، تیسری تفسیر کے مطابق یہ دیکھنا پانچ سو سال کی مسافت سے ہوگا۔

حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ بَيْنَ عَيْنَيْ جَهَنَّمَ مَقْعَدًا (طبری، بغوی) مجھ پر کوئی شخص جھوٹ کی بات کی نسبت نہ کرے اور جو ایسا کرے گا تو اس کو اپنی جگہ آگ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بنا لینی چاہیے۔

اس پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کیا اس کی دو آنکھیں ہوں گی؟ تو آپ نے فرمایا نَعَمْ أَلَمْ تسمعوا قَوْلَ اللهِ تَعَالَى: إِذَا رَأَتْهُمْ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ، ہاں! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ جب جہنم انہیں دور سے دیکھے گی۔ ایک تفسیر میں اس طرح ہے کہ جب جہنم کے فرشتے زبانیہ انہیں دیکھیں گے تو وہ غصیلے آدمی کی آواز کی طرح اس کی آواز ہو گی۔ یہ اس طرح غصے میں ہو گی کہ جس طرح غصے والے آدمی کے سینے سے غصہ کی آواز نکلتی ہے۔

عبید بن عمیر کا قول ہے کہ جب بروز محشر دوزخ کو بھڑکایا جائے گا، دھکایا جائے گا تو کوئی نبی، کوئی مقرب فرشتہ ایسا نہیں رہے گا جو اللہ کے حضور میں سجدہ ریز نہ ہو جائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ يَضِيقُ عَلَيهِم الزُّجُّ فِي الرُّمْحِ، مُقَرَّنِينَ، مُصَفَّدِينَ قَدْ قُرِنَتْ أَيْدِيهِمْ إِلَى أَعْنَاقِهِمْ فِي الْأَغْلَالِ ان کو تنگ مقام میں جکڑ کر ڈالا جائے گا، اور نیزوں سے مارا جائے گا، مقرنین، گردن سے ہاتھ بندھے ہوئے زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہوں گے۔

بعض حضرات نے کہا کہ مُقَرَّنِينَ مَعَ الشَّيَاطِينِ فِي السَّلَاسِلِ، دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوراً، شیطانوں کے ساتھ ساتھ باندھے گئے، شیطانوں کی جٹ میں بندھے ہوئے، ہلاکت و بربادی کو آواز دیں گے۔ ابن عباس کا قول ہے کہ ثُبُوراً سے مراد تباہی اور بربادی ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہلاکت ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ إِنَّ أَوَّلَ مَنْ يُكْسَى حُلَّةً مِنَ النَّارِ إِبْلِيسُ، فَيَضَعُهَا عَلَى حَاجِبَيْهِ وَيَسْحَبُهَا مِنْ خَلْفِهِ وَذُرِّيَّتُهُ مِنْ خَلْفِهِ وَهُوَ يَقُولُ: يَا ثُبُورَاهُ، قیامت کے دن آگ کا لباس سب سے پہلے جس کو پہنایا جائے گا وہ ابلیس ہے۔ وہ اس لباس کو اپنی دونوں بھنوؤں پر رکھ کر اپنے پیچھے سے کھینچے گا، اور یا ثبوراہ پکارے گا، اس کی اولاد اس کے پیچھے یا ثبور پکارتی ہو گی، آخر سب دوزخ میں جا کر ٹھہریں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ تم آج ایک بربادی کو آواز نہ دو بلکہ بہت سی بربادیوں اور ہلاکتوں کو آواز دو۔ پھر بھی تمہیں یہاں سے خلاصی اور چھٹکارہ نہیں ملے گا۔

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَّاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا: اس آیتِ مبارکہ میں قیامت کے دن کا نہایت ہولناک منظر بیان کیا گیا ہے کہ جب کفار جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ آج ایک ہلاکت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی ہلاکتوں کو پکارو، ثُبُور سے مراد ہلاکت اور بربادی ہے، یعنی تمہارا عذاب اس قدر شدید، طویل اور مسلسل ہو گا کہ ایک بار مرنے کی تمنا تمہیں نجات نہیں دے سکتی، بلکہ تم بار بار ہلاکت کی فریاد کرو گے، مگر کوئی فائدہ نہ ہو گا، یہ تعبیر دراصل ان کی شدید حسرت، بے بسی اور دائمی عذاب کی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے۔

قُلْ أَذٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَمَصِيرًا: اے نبی کریم ﷺ! آپ ان سے پوچھئے کہ یہ عذاب بہتر ہے یا وہ ہمیشہ رہنے والی جنت جس کا وعدہ متقین سے کیا گیا ہے؟ یہ سوال دراصل تنبیہ اور تقابل کے لیے ہے، کیونکہ حقیقت واضح ہے کہ جہنم میں کوئی خیر نہیں، جنتِ خلد وہ مقام ہے جو اہلِ تقویٰ کے لیے ان کے نیک اعمال کا بدلہ اور ان کا دائمی ٹھکانا ہے، جہاں وہ ہمیشہ کے لیے راحت و سکون میں رہیں گے، اس اندازِ بیان سے انسان کو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ اپنے انجام کو سامنے رکھ کر صحیح راستہ اختیار کرے۔

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاؤُونَ خَالِدِينَ كَانَ عَلَى رَبِّكَ وَعْدًا مَسْئُولًا: اس جنت میں اہلِ ایمان کے لیے ہر وہ نعمت موجود ہو گی جس کی وہ خواہش کریں گے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، نہ وہاں موت آئے گی اور نہ زوال، یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا پختہ وعدہ ہے جس کا پورا ہونا یقینی ہے، وَعْدًا مَسْئُولًا کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ نعمت ہے جسے اہلِ ایمان دنیا میں اپنے رب سے مانگتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کی یہ دعا قبول فرما کر انہیں جنت عطا کر دی، بعض کے نزدیک اس سے مراد یہ بھی ہے کہ فرشتے بھی اہلِ ایمان کے لیے اس جنت کی دعا کرتے ہیں، بہر حال یہ وعدہ ایسا ہے جو کبھی خلاف نہیں ہو سکتا۔

معبودانِ باطلہ کی مشرکین سے برأت

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ {۱۷} قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا {۱۸} فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا {۱۹} الفرقان

جواب ترجمہ: اور یاد کرو جس دن اللہ تعالیٰ انہیں جمع فرمائے گا اور ان کو بھی جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا سوال ہو گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا۔ یا وہ خود ہی گمراہ ہو گئے۔ وہ کہیں گے کہ آپ کی ذات پاک ہے ہمارے لیے یہ درست نہیں ہے کہ ہم آپ کے علاوہ دوسروں کو اولیاء بنالیں لیکن بات یہ ہے کہ آپ نے ان کے باپ دادوں کو نعمتیں دیدیں یہاں تک کہ وہ ذکر کو بھول گئے، اور وہ لوگ ہلاک ہونے والے تھے۔ سو انہوں نے تمہاری بات کو جھٹلا دیا سو تم کسی بھی طرح عذاب دفع نہیں کر سکتے اور نہ کسی طرح کی مدد پا سکتے ہو اور تم میں سے جو شخص ظلم کرے گا ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے۔

تفسیر: بروز محشر رب العالمین مشرکوں کو اور ان کو جن کی وہ پوجا کرتے تھے جمع کرے گا، پھر ان معبودان باطلہ سے پوچھے گا کہ کیا تم نے میرے بندوں کو راہ حق سے گمراہ کیا تھا اور انہیں اپنی عبادت اور پوجا کا حکم دیا تھا؟ یا کہ وہ خود ہی راہ حق سے ہٹ گئے تھے، یا انہوں نے اپنی طرف سے تمہاری پوجا کی تھی؟

اس پر معبودان باطلہ کہیں گے اے اللہ! جو کچھ ان لوگوں نے کیا تھا تو تو ان چیزوں سے پاک تھا، ہمارے لیے یہ بات کیونکر درست ہو سکتی تھی کہ ہم تجھے چھوڑ کر کسی اور کو اپنا ولی اور دوست بناتے، بات صرف اس قدر ہے کہ اے پروردگار! تو نے ان مشرکوں اور ان کے آباؤ اجداد کو طرح طرح کی نعمتوں، مال و دولت سے نوازا، دنیا میں بھلائیاں ان کو عطا کیں، انہی عطاؤں اور نوازشوں کی بدولت یہ تجھے بھول گئے، تیری یاد سے غافل ہو گئے، جس کے باعث انہوں نے تیرے ساتھ شرک کیا، پھر یہ ہلاکت و بربادی کے گھڑے میں گرنے والے لوگ تھے، ان پر رسوائی اور بدبختی غالب آگئی۔

اس کے بعد مشرکین کو کہا جائے گا کہ جنہیں تم پوجتے تھے انہوں نے تو تمہیں جھٹلا دیا ہے، اب تم کسی طرح اپنی جانوں سے عذاب کو ٹال نہیں سکتے، نہ ہی مدد حاصل کر سکتے ہو، جو شخص شرک کرے گا وہ اپنی جان پر ظلم کرے گا، اسی طرح غیر اللہ کی پرستش اور پوجا کرنے والا بھی اپنے اوپر ظلم کرے گا، اگر یہ لوگ اسی حال میں موت کے منہ میں چلے گئے تو انہیں سخت عذاب ہو گا۔

رسول کریم ﷺ کا کھانا پینا اور بازار جانا

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ و تفسیر کریں، نیز یہ بتائیں کہ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ کا کیا مطلب ہے؟

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا {۲۰} الفرقان

جواب ترجمہ: اور بات یہی ہے کہ آپ سے پہلے جو پیغمبر ہم نے بھیجے وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے امتحان بنایا ہے کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور آپ کا رب دیکھنے والا ہے۔

شان نزول: اس آیت کے شان نزول کے بارے میں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ لَمَّا عَيَّرَ الْمُشْرِكُونَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالُوا مَا لِهٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ، أَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ هٰذِهِ الْآيَةَ. جب مشرکین نے حضرت نبی کریم ﷺ کو عار دلائی اور یوں کہا کہ اس رسول کو کیا ہو گیا کہ یہ کھانا بھی کھاتا ہے، بازاروں میں بھی جاتا ہے، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے انسانوں ہی میں سے نبیوں اور رسولوں کا انتخاب کرتے ہیں، جو دوسرے انسانوں کے لیے عملی نمونہ پیش کرتے ہیں، وہ کھانا کھاتے ہیں، اپنی ضرورت کی اشیاء خریدنے بازاروں کا بھی رخ کرتے ہیں، وہ انسانی آبادی اور بستی سے ہٹ کٹ کر کسی جنگل اور کسی ویرانے میں ڈیرے نہیں لگاتے، بلکہ ان کی زندگی انسانوں کے سامنے گزرتی ہے۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُوْنَ ؟ اس میں فرمایا کہ اے لوگو! ہم نے تمہارے بعض کو بعض کے لیے آزمائش اور امتحان بنایا، ہدایت اور گمراہی، مالداری اور فقر وفاقہ، صحت اور بیماری، ایسی چیزیں ہیں جن میں ایک دوسرے کے لیے امتحان رکھ دیا ہے، کوئی راہ راست پر ہے اور کوئی راہ حق سے ہٹا ہوا ہے، کوئی مالدار ہے تو کوئی فقر وفاقے کا شکار ہے، کوئی صحت مند ہے تو کوئی بیمار و مریض۔ تو کیا تم صبر کرتے ہو؟ جو ذمہ داری اللہ نے تم پر ڈالی ہے کیا تم اس کی ادائیگی کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہو، اس کا شکر ادا کرتے ہو؟ تاکہ تمہارا پروردگار تمہیں اس پر اجر وثواب عطا کرے، یا بے صبری کرتے ہو جس کے باعث تم مستحق عذاب ہوتے ہو۔

تفسیر بغوی میں ہے کہ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً مالدار کو نادار کے لیے مصیبت بنادیا۔ فقیر کہتا ہے کہ میں اس مالدار کی طرح کیوں نہیں ہوا، تندرست بیمار کے لیے مصیبت ہے اور شریف رذیل کے لیے۔

ابن عباس کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنادیا ہے تاکہ جو لوگ تمہارے مخالف ہیں اور تمہاری مخالفت میں باتیں کرتے ہیں اور تم ان کی باتوں کو سنتے اور ان کی مخالفتوں کو دیکھتے ہو تو تم ان کی اس اذیت رسانی پر صبر کرو اور اپنے سیدھے راستے پر چلتے رہو۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس آیت کا نزول ابتلاء ہے کہ شریف، رذیل کو دیکھ کر شکر ادا کرتا ہے اور بسا اوقات اگر شریف آدمی اور اعلیٰ طبقہ کا شخص اسلام لانا چاہتا اور اس سے پہلے کوئی زیریں طبقے کا شخص مسلمان ہو جاتا تو اس اونچے طبقے والے کو خیال ہوتا کہ اب اگر میں مسلمان ہوا تو اس رذیل شخص کو مجھ پر برتری حاصل ہو گی اور مجھے اس کے پیچھے رہنا پڑے گا، یہ سوچ کر وہ اپنا ارادہ بدل دیتا، اور کفر پر ہی ڈٹا رہتا، بعض کے بعض کے لیے آزمائش ہونے کا یہی مطلب ہے۔

کافروں کے خیالات واشکالات

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا {۲۱} يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا {۲۲} وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا {۲۳} الفرقان.

جواب ترجمہ: اور ان لوگوں نے کہا جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہ ہمارے اوپر فرشتے کیوں نہ نازل کیے گئے یا یہ کیوں نہ ہوا کہ ہم اپنے رب کو دیکھ لیتے، بلاشبہ انہوں نے اپنے کو بڑا سمجھا اور انہوں نے بڑی سرکشی اختیار کی۔ جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن مجرمین کے لیے کوئی بشارت کی چیز نہیں ہوگی، اور وہ کہیں گے ہٹاؤ اور بچاؤ۔ اور انہوں نے جو بھی عمل کیے تھے ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر فضاء میں نظر آنے والے مٹی کے باریک ذرات بنا دیں گے۔

تفسیر: جو لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کی امید نہیں رکھتے تھے، مرنے کے بعد ان کے لیے جب سب کچھ واضح اور عیاں ہو جائے گا تو وہ اللہ کا انکار کرنے پر کہیں گے کہ ہمارے اوپر کوئی فرشتہ کیوں نہ اترا جو ہمیں اطلاع دیتا کہ حضرت محمد ﷺ سچے رسول ہیں، یا ہم اپنے پروردگار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے، پھر وہ ہمیں خبر دیتا کہ حضرت محمد ﷺ سچے رسول ہیں، یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں ان کی جانوں نے تکبر میں ڈالا، خوش فہمی میں مبتلا کیا، ان کے دماغوں پر بھوت سوار ہوا جس کی وجہ سے انہوں نے اس طرح کی باتیں کیں۔

پھر یہ لوگ سرکشی اور کفر کی حدود پھلانگ گئے، جس دن یہ لوگ جان کنی کے عالم میں فرشتوں کو دیکھ لیں گے، قبر میں دیکھ لیں گے، قیامت کے دن دیکھ لیں گے، تو ان کی وہ شکل وصورت نہیں ہوگی جو ان کے خیالات میں تھی، بلکہ وہ اس سے مختلف ہوگی، وہ انہیں جنت کی خوشخبری نہیں سنائیں گے بلکہ انہیں کہیں گے کہ جنت کو اللہ تعالیٰ نے ایسی جگہ بنایا ہے جو تم پر حرام کر دی گئی ہے۔

یہ لوگ جب فرشتوں کو عذاب کا سامان لاتے دیکھیں گے تو پکار اٹھیں گے کہ پناہ پناہ، یہ فرشتوں سے جنت میں جانے کی اور دوزخ سے بچ جانے کی التجا کریں گے تو وہ انہیں کہیں گے کہ جنت تم پر حرام کر دی گئی ہے۔

کافروں نے دنیا میں جو نیک اور اچھے کام کیے ہوں گے انہیں قیامت کے دن ضائع کر دیا جائے گا، وہ اڑتے ہوئے ان ذرات کی مانند ہوں گے جو سورج کی شعاعوں کے دوران دکھائی دیتے ہیں، یہ اس لیے کہ کافروں کے دنیا میں کیے جانے والے نیک اعمال انہیں فائدہ نہیں دیں گے، نیک اعمال انہی لوگوں کو فائدہ دیں گے جو دنیا کی زندگی میں اللہ پر ایمان لائے، اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور ان کی اتباع اور پیروی کرتے رہے۔

اہل جنت کا بہترین ٹھکانہ اور کامل راحت

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّأَحْسَنُ مَقِيْلًا {۲۴} الفرقان

جواب ترجمہ: اس دن جنت والے بہتر ہوں گے ٹھہرنے کی جگہ کے اعتبار سے اور آرام کی جگہ کے اعتبار سے۔

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا: اس آیتِ مبارکہ میں قیامت کے دن اہلِ ایمان اور اہلِ کفر کے انجام کا بلیغ تقابل بیان کیا گیا ہے، أَصْحَابُ الْجَنَّةِ سے مراد وہ متقین ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے جنت کا مستحق قرار دیا، اور انہیں أَصْحَاب اس لیے فرمایا کہ وہ جنت کے ساتھ خاص تعلق رکھنے والے اور ہمیشہ اس میں رہنے والے ہیں، گویا جنت ان کا دائمی ٹھکانا اور وہ اس کے مستقل مکین ہیں۔

خَيْرٌ مُسْتَقَرًّا کے الفاظ سے ظاہر کیا گیا کہ ان کا ٹھکانا نہایت اعلیٰ اور بہترین ہے۔ یہاں "اَفعل التفضیل" (خیر) اپنے حقیقی تقابلی معنی میں نہیں، کیونکہ اہلِ جہنم کے لیے کسی خیر کا وجود ہی نہیں کہ اس سے موازنہ کیا جائے، بلکہ مراد یہ ہے کہ اہلِ جنت کو ایسا کامل اور بے مثال استقرار حاصل ہو گا جس کی کوئی نظیر نہیں۔ اسی طرح أَحْسَنُ مَقِيلًا میں "مقیل" سے مراد آرام کی جگہ ہے، یعنی وہ مقام جہاں انسان دوپہر کے وقت (قیلولہ) میں راحت حاصل کرتا ہے۔ عربی اسلوب میں جنت کی

راحت کو قیلولہ کے آرام سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ دنیا میں یہ وقت سکون اور لذتِ راحت کا خاص وقت سمجھا جاتا ہے، اس مثال کے ذریعے یہ سمجھایا گیا کہ جنت کی راحت ایسی کامل، خوشگوار اور بے مثال ہوگی کہ اس کے مقابلے میں دنیا کی ہر راحت ہیچ ہے۔

نکتہ: مزید برآں، اس تعبیر میں ایک لطیف اشارہ بھی ہے کہ جب اہلِ جنت کامل راحت اور نعمت میں ہوں گے، اسی وقت اہلِ جہنم شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے، گویا ایک ہی وقت میں دو متضاد حالتیں ہوں گی: ایک طرف سکون وراحت کی انتہا اور دوسری طرف عذاب واذیت کی انتہا۔

قیامت کی ہولناکی

سوال اس آیت میں کیا منظر کشی کی گئی ہے؟ ترجمہ و تفسیر کے ساتھ وضاحت کیجیے۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا {۲۵} الفرقان.

جواب ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو جب آسمان بادلوں سے پھٹ جائے گا اور بکثرت فرشتے نازل کیے جائیں گے۔

تفسیر: قیامت کے دن جو ہولناک امور ہوں گے ان میں سے ایک آسمان کا پھٹ جانا اور نورانی بادل کا نمودار ہونا بھی ہے جس کی روشنی سے آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گی پھر فرشتے اتریں گے اور میدان محشر میں تمام انسانوں کو گھیر لیں گے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں میں فیصلے کے لئے تشریف لائے گا۔

اللہ تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ (النحل: ۳۳) کیا انہیں اس بات کا انتظار ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بادلوں میں آئیں؟

ابن عباس فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کو سب انسانوں اور کل جنات کو ایک میدان میں جمع کرے گا۔ تمام جانور چوپائے درندے پرندے اور کل مخلوق وہاں ہوگی پھر آسمان اول پھٹے گا اور اس کے فرشتے اتریں گے جو تمام مخلوق کو دو طرف سے گھیر لیں گے اور وہ جنوں، انسانوں اور مخلوقات سے بہت زیادہ ہوں گے، وہ جنوں، انسانوں اور تمام مخلوقات کو گھیر لیں گے۔

پھر دوسرا آسمان پھٹے گا اس کے فرشتے بھی آئیں گے جو زمین کی اور آسمان اول کی تمام مخلوق کی گنتی سے بھی زیادہ ہوں گے، یہ ان فرشتوں کو جو ان سے پہلے اترے تھے انہیں اور جنوں وانسانوں بلکہ تمام مخلوق کو گھیر لیں گے۔

پھر تیسرا آسمان پھٹے گا اس کے فرشتے اتریں گے، وہ پہلے آسمان، دوسرے آسمان سے اترنے والے فرشتوں سے زیادہ ہوں گے، بلکہ تمام مخلوق سے زیادہ ہوں گے، پھر یہ ان فرشتوں کو گھیر لیں گے جو ان سے پہلے اترے تھے، انسانوں، جنوں بلکہ تمام مخلوق کو گھیر لیں گے۔

پھر اسی طرح چوتھا پانچواں پھر چھٹا پھر ساتواں پھٹے گا، پھر ہمارا رب بادل کے سائے میں تشریف لائے گا اس کے ارد گرد بزرگ تر پاک فرشتے (کروبیون) ہوں گے، جو ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کی کل مخلوق سے بھی زیادہ ہوں گے، ان پر سینگوں جیسے بانس کی گانٹھیں، وہ اللہ کے عرش کے نیچے اللہ کی تسبیح و تہلیل و تقدیس بیان کریں گے، ان کے تلوے سے لے کر ٹخنے تک کا فاصلہ پانچ سو سال کا راستہ ہو گا اور ٹخنے سے گھٹنے تک کا بھی اتنا ہی۔ اور گھٹنے سے ناف تک کا بھی اتنا ہی فاصلہ ہو گا اور ناف سے گردن کا فاصلہ بھی اتنا ہو گا اور گردن سے کان کی لو تک بھی اتنا فاصلہ ہو گا اور اس کے اوپر سے سر تک کا بھی اتنا فاصلہ ہو گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

ابن عباس کا فرمان ہے کہ قیامت کا نام یوم التلاق اسی لئے ہے کہ اس میں زمین اور آسمان والے ملیں گے انہیں دیکھ کر پہلے تو محشر والے سمجھ لیں گے کہ ہمارا اللہ آیا لیکن فرشتے سمجھا دیں گے کہ وہ آنے والا ہے ابھی تک نازل نہیں ہوا۔ پھر جب کہ ساتوں آسمانوں کے فرشتے آجائیں گے اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر تشریف لائے گا جسے آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے جن کے ٹخنے سے گھٹنے تک ستر سال کا راستہ ہے اور ران اور مونڈھے کے درمیان بھی ستر سال کا راستہ ہے ہر فرشتہ دوسرے سے علیحدہ اور جداگانہ ہے ہر ایک کی ٹھوڑی سینے سے لگی ہوئی ہے اور زبان پر سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ کا وظیفہ ہے۔ ان کے سروں پر ایک پھیلی ہوئی چیز ہو گی جیسے گدی ہوتی ہے، اس کے اوپر عرش ہو گا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں یہ منظر کشی کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس میں راوی علی بن

زید بن جدعان ہیں جو ضعیف ہیں۔

دوسرے مقام پر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں {فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ وَالْمَلَكُ عَلَى أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ} [الْحَاقَّةِ: ١٥ -١٧] اس دن ہو پڑنے والی ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ کر روئی کی طرح ہو جائے گا۔ اور اس کے کناروں پر فرشتے ہوں گے اور اس دن تیرے رب کا عرش آٹھ فرشتے لئے ہوں گے۔

شہر بن حوشب کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عرش کو اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہوں گے ان میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہو گی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، لَكَ الْحَمْدُ عَلَى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ اے اللہ! تو پاک ہے تو قابل ستائش و تعریف ہے باوجود علم کے پھر بھی بردباری برتنا تیرا وصف ہے جس پر ہم تیری تعریف بیان کرتے ہیں۔

اور چار کی تسبیح یہ ہو گی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، لَكَ الْحَمْدُ عَلَى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ اے اللہ! تو پاک ہے اور اپنی تعریفوں کے ساتھ ہے تیرے ہی لئے سب تعریف ہے کہ تو باوجود قدرت کے معاف فرماتا رہتا ہے۔

ابو بکر بن عبد اللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ إِذَا نَظَرَ أَهْلُ الْأَرْضِ إِلَى الْعَرْشِ يَهْبِطُ عَلَيْهِمْ مِنْ فَوْقِهِمْ، شَخَصَتْ إِلَيْهِ أَبْصَارُهُمْ، وَرَجَفَتْ كُلاهم فِي أَجْوَافِهِمْ، وَطَارَتْ قُلُوبُهُمْ مِنْ مَقَرِّهَا مِنْ صُدُورِهِمْ إِلَى حَنَاجِرِهِمْ، جب زمین (محشر) والے اوپر کی طرف سے عرش کو اپنی طرف اترتے دیکھیں گے تو ان کی آنکھیں پھٹ جائیں گی، جسم کانپ اٹھیں گے، ان کے دل اپنی جگہ چھوڑ کر ان کی ہنسلی تک چلے جائیں گے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو کی ایک موقوف روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ يَهْبِطُ اللهُ حِينَ يَهْبِطُ وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ خَلْقِهِ سَبْعُونَ أَلْفَ حِجَابٍ، مِنْهَا النُّورُ وَالظُّلْمَةُ، فَيُصَوِّتُ الْمَاءُ فِي تِلْكَ الظُّلْمَةِ صَوْتًا تَنْخَلِعُ مِنْهُ الْقُلُوبُ، جس وقت اللہ عزوجل مخلوق کی طرف اترے گا تو درمیان

میں ستر ہزار پردے ہوں گے بعض نور کے بعض ظلمت کے۔ اس ظلمت میں سے پانی ایک ایسی آواز کے ساتھ نکلے گا جس سے دل پاش پاش ہو جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

روز محشر کے بارے میں قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر مزید آیات بھی ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ {اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا} اس دن سچی بادشاہی رحمان ہی کی ہو گی، وہ دن کافروں پر بہت مشکل ہو گا۔

سورۃ الغافر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا {لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ} [غَافِرٍ: ١٦] آج کس کی بادشاہی ہے؟ آج اکیلے زبردست اللہ کی بادشاہی ہے۔

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے جس میں قیامت کے دن کی یوں منظر کشی کی گئی ہے، ارشاد فرمایا إِنَّ اللهَ يَطْوِي السَّمٰوٰاتِ بِيَمِينِهِ، وَيَأْخُذُ الْأَرَضِينَ بِيَدِهِ الْأُخْرَى، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، أَنَا الدَّيَّانُ، أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ؟ أَيْنَ الْجَبَّارُونَ؟ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُونَ؟ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ سے لپیٹ لے گا اور زمینوں کو اپنے دوسرے ہاتھ میں لے لے گا پھر فرمائے گا میں مالک ہوں، میں فیصلہ کرنے والا ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ تکبر کرنے والے کہاں ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے اس دن کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ دن کفار پر بڑا بھاری پڑا ہو گا، اس لیے کہ یہ عدل وانصاف کا دن ہو گا، یہ فیصلے کا دن ہو گا، اہل ایمان کے لیے اس دن کوئی گھبراہٹ اور کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔

حضرت نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ! قیامت کا ایک دن پچاس ہزار سال کی مقدار میں ہو گا، تو اس دن کی لمبائی کتنی ہو گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّهُ لَيُخَفَّفُ عَلَى الْمُؤْمِنِ حتى يكون أَخَفَّ عَلَيْهِ مِنْ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ يُصَلِّيهَا فِي الدُّنْيَا (مسند احمد) اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مومن پر تو وہ ایک وقت کی فرض نماز سے بھی ہلکا اور آسان ہو گا۔

قیامت کی ہولناکی کا ایک اور نقشہ بھی اللہ تعالیٰ نے کھینچا ہے کہ اس دن ظالم لوگ اپنے ہاتھ چبائیں گے، جنہوں نے رسول کریم ﷺ کے طریقے اور راستے کو چھوڑ رکھا تھا، یہ ظالم بروز محشر ندامت اور شرمساری کا اظہار کریں گے مگر اس دن ان کی شرمندگی اور ندامت انہیں کسی طور پر بھی کام نہیں آئے گی۔

قیامت کی ہولناکی، کافر کی حالت زار

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا {۲۶} وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰي يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا {۲۷} يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا {۲۸} لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَاۗءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا {۲۹} وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا {۳۰} وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا {۳۱} الفرقان

جواب ترجمہ: آج ملک رحمان ہی کے لیے ہے، اور یہ دن کافروں پر سخت ہو گا۔ اور اس دن کو یاد کرو جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو اپنے دانتوں سے کاٹے گا اور یوں کہے گا کاش میں رسول کے ساتھ راستہ بنالیتا۔ ہائے میری بربادی کاش میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔ البتہ اس نے مجھے اس کے بعد ذکر سے ہٹا دیا جب کہ میرے پاس ذکر آگیا تھا اور شیطان انسان کو بے یار و مددگار چھوڑنے والا ہے۔ اور رسول کا کہنا ہو گا کہ اے رب میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر رکھا تھا۔ اور اسی طرح ہم نے مجرمین لوگوں میں سے ہر نبی کے لیے دشمن بنائے ہیں اور ہدایت دینے اور مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ: قیامت کے دن حقیقی، دائمی اور کامل بادشاہی صرف رحمٰن ہی کے لیے ہو گی، اس دن تمام ظاہری اقتدار، جھوٹی حکمرانی اور دنیاوی جاہ و حشمت ختم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی بادشاہی پوری شان کے ساتھ ظاہر ہو گی، یہ دن کافروں پر نہایت سخت اور ہولناک ہو گا، کیونکہ انہیں اپنے انکار اور سرکشی کا انجام بھگتنا ہو گا، جبکہ اہل ایمان کے لیے یہی دن آسان اور راحت کا باعث ہو گا۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ: اور اس دن کو یاد کیجیے جب ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا، شدید ندامت اور حسرت کے باعث پچھتائے گا اور کہے گا: کاش! میں نے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کو اختیار کیا ہوتا اور ان کی پیروی میں نجات کا راستہ اپنایا ہوتا، یہ وہ حسرت ہے جو آخرت میں کسی فائدے کی نہ ہوگی، بلکہ عذاب کو مزید بڑھانے کا سبب بنے گی۔

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا: وہ ظالم مزید افسوس کرتے ہوئے کہے گا: ہائے میری ہلاکت! کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بری صحبت انسان کو ہدایت سے دور کر دیتی ہے اور قیامت کے دن یہی دوستیاں حسرت وندامت کا باعث بنیں گی۔

لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ: وہ کہے گا: یقیناً اس دوست نے مجھے نصیحت (قرآن) سے گمراہ کر دیا، جبکہ وہ میرے پاس آچکی تھی، حقیقت یہ ہے کہ شیطان انسان کو مشکل وقت میں دھوکہ دیتا ہے اور مصیبت آنے پر اس سے بیزاری اختیار کر لیتا ہے، دنیا میں جسے دوست سمجھا جاتا تھا، وہ آخرت میں دشمن بن جاتا ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا: اور رسول ﷺ اس دن بارگاہِ الٰہی میں شکایت کریں گے: اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا، یعنی انہوں نے نہ اس کی تلاوت کی، نہ اس پر عمل کیا، نہ اس کی ہدایت کو قبول کیا، یہ آیت قرآن سے اعراض کی سنگینی کو واضح کرتی ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے اس کی قوم کے مجرموں میں سے دشمن بنائے، اے نبی ﷺ! آپ کو جو تکلیفیں پہنچ رہی ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ تمام انبیاء کو اپنی قوموں کی طرف سے مخالفت اور اذیت کا سامنا رہا ہے، مگر اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دینے والا ہے اور وہی اپنے نبی کی مدد کرنے والا ہے، لہٰذا اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے، کیونکہ وہی دشمنوں پر غلبہ عطا فرماتا ہے۔

قرآن کریم ایک ہی بار کیوں نازل نہیں کیا گیا؟

سوال اللہ تعالیٰ نے تورات، انجیل اور زبور کو یکبارگی نازل فرمایا، جب کہ قرآن کریم کو متفرق

اوقات میں، متفرق مجالس میں نازل فرمایا، اس میں کیا حکمت کار فرما تھی؟ قرآنی فرمان کی تفسیر کیجیے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا {۳۲} الفرقان.

جواب ترجمہ: اور کافروں نے کہا کہ ان پر قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہ کر دیا گیا؟ ہم نے اسی طرح نازل کیا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ ہم آپ کے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے۔

استاذ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے کے متعلق کفار کا ایک شبہ یہ تھا کہ توریت اور انجیل کی طرح ایک ہی مرتبہ کیوں نہ نازل کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس سے مقصود اپنے رسول کے قلب کی تقویت ہے اور اس کے علاوہ اور بھی فوائد ہیں جو دوسری آیتوں میں مذکور ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور کافروں نے کہا کہ اس شخص پر یہ قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نہ نازل کیا گیا؟ اگر یہ قرآن اللہ کا کلام ہوتا تو تدریجاً نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس تدریج سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے سوچ سوچ کر تھوڑا تھوڑا بنا لیتے ہیں جیسا کہ طریقہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ ہم نے اس قرآن کو اسی طرح تھوڑا تھوڑا متفرق طور پر آیت آیت کر کے اس لئے اتارا تاکہ اس کے ذریعہ تیرے دل کو قوت دیں اور اس کو ثابت اور مضبوط کر دیں اس لیے کہ قرآن اللہ کا کلام اور پیغام ہے اور تقویت قلب کا سامان ہے۔

اور روح القدس کی بار بار آمد یہ بھی تائید اور تقویت کا سامان ہے اور یہ قرآن آپ کے قلب مبارک پر نازل ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قرآن آپ کے قلب پر نازل کیا تاکہ اس تدریجی نزول سے بتدریج قلب مبارک اس درجہ قوی اور مضبوط ہو جائے کہ جس کلام الٰہی کی تجلی کو پہاڑ برداشت نہ کر سکے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک بسہولت برداشت کر سکے، چنانچہ جب کبھی کوئی وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت اور قوت قلب میں اور زیادتی ہو جاتی، باران رحمت کا آسمان سے تھوڑا تھوڑا نازل ہونا کھیتی کی درستگی اور پختگی کا سامان ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی جدید

آیت نازل ہوتی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان میں اور زیادتی ہو جاتی۔ ② نیز وقتاً فوقتاً آیات کا حسب موقع اور حسب واقعہ اور حسب ضرورت نازل ہونا مزید بصیرت کا سبب ہے جس سے یقین اور معرفت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور مراد کے سمجھنے میں سہولت ہو جاتی ہے۔ ③ نیز وقتاً فوقتاً جبریل امین علیہ السلام کا آنا فقط آپ کے قلب مبارک کی تسلی اور تسکین کا باعث نہ تھا بلکہ سب کے لئے موجب صد خیر و برکت تھا۔ ④ کفار دشمنی اور عداوت پر تلے ہوئے تھے جب کوئی نیا عناد دیکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے کوئی آیت نازل ہو جاتی جو آپ کی تقویت قلب کا باعث ہوتی۔ (معارف القرآن للکاندھلوی)

بعض اہل تفسیر نے مزید توجیہات پیش کی ہیں ⑤ انبیاء سابقین لکھنے اور لکھے ہوئے کو پڑھنے والے تھے اس لئے ان پر مکمل کتابیں نازل کر دی گئیں کہ وہ اس میں سے حسب ضرورت آیات نکال کر پڑھتے رہیں گے اس کے برخلاف آپ امی تھے آپ نے کسی سے لکھنا اور لکھے ہوئے کو پڑھنا نہیں سیکھا تھا، آپ کے لئے اس قرآن کو محفوظ رکھنے کی صرف یہ صورت تھی کہ آپ اس کو زبانی یاد کر لیں اس لئے قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا تاکہ آپ کے لئے اس کو یاد کرنا آسان ہو۔ واضح رہے کہ ابتدا میں آپ لکھتے پڑھتے نہیں تھے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنا اور پڑھنا سکھا دیا اور متعدد احادیث صحیحہ میں ہے کہ آپ نے بعد میں لکھا بھی اور پڑھا بھی۔

⑥ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ناسخ اور منسوخ آیتیں ہیں مثلاً پہلے بیوہ کی عدت ایک سال مقرر فرمائی، پھر یہ عدت چار ماہ دس دن قرار دی، پہلے کفار کی زیادتیوں کو درگزر کرنے کا حکم دیا، پھر ان سے قتال اور جہاد کرنے کا حکم دیا، پہلے ایک مسلمان کو دس کافروں سے لڑنے کا حکم دیا پھر تخفیف کر دی اور ایک مسلمان کو دو کافروں سے لڑنے کا مکلف فرمایا۔ بعض احکام پہلے مشکل تھے، پھر آسان کر دیئے جیسے یہ مثالیں ہیں، اور بعض احکام پہلے آسان تھے پھر ان کو بہ تدریج سخت کیا گیا جیسے شراب نوشی کو بہ تدریج حرام فرمایا اور یہ تمام امور اسی وقت ہو سکتے تھے جب قرآن مجید کو بہ تدریج نازل کیا جاتا۔

⑦ بعض آیتیں مسلمانوں کے سوالات کے جواب میں نازل کی گئیں مثلاً مسلمانوں نے عورت کے

حیض کے ایام میں اس سے جماع کرنے کے متعلق سوال کیا تو فرمایا حیض ایک نجس چیز ہے، ان ایام میں عورتوں سے دور رہو۔ اسی طرح مسلمانوں نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کے متعلق سوال کیا تو فرمایا اس میں لوگوں کے لئے اوقات اور حج کے وقت کی علامات اور تعینات ہیں اور اس کی مثل اور بہت آیات ہیں۔

⑧ اسی طرح مشرکین کے سوالات اور ان کے اعتراضات کے جوابات ہیں مثلاً وہ قیامت کے وقت کے متعلق سوال کرتے تھے، مردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں سوالات کرتے تھے، دوزخ میں درخت زقوم پر اعتراض کرتے تھے، مکھی اور مکڑی کے ذکر پر اعتراض کرتے تھے۔

⑨ اسی طرح یہودیوں کے سوالات کے جوابات میں آیات نازل ہوئیں۔ انہوں نے اصحاب کہف کی تعداد روح کی ماہیت اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا تو اس کے جواب میں آیات نازل ہوئیں۔

⑩ بعض اوقات خبیث اور ملعون کفار آپ کی شان میں اہانت آمیز باتیں کرتے تو ان کے رد میں آیات نازل ہوتیں مثلاً ولید بن مغیرہ نے آپ کو مجنون کہا، عاص بن وائل نے آپ کو ابتر کہا، کسی نے آپ کو شاعر کہا، کسی نے آپ کو ساحر کہا، کسی نے آپ کو سحر زدہ کہا تو ان کے رد اور ان کی مذمت میں آیات نازل ہوئیں۔ ⑪ آپ کے اصحاب کی شان میں منافقین نے بدگوئی کی اور ان کو سفیہ اور بیوقوف کہا تو ان کے رد میں آیات نازل ہوئیں۔ ⑫ کسی نے آپ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے متعلق سوال کیا تو اس کے جواب میں پوری سورۃ یوسف نازل ہوگئی۔ ⑬ بعض اوقات صحابہ کرام کو کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آتا تو اس کی وضاحت کے لئے آیات نازل ہو جاتیں۔ مثلاً صحابہ نے پوچھا ہم اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں؟ بعض دفعہ پوچھا کس پر خرچ کریں تو اس کے بیان کے لئے آیات نازل ہوئیں۔

⑭ بعض اوقات جزوی واقعات کے سلسلہ میں آیات نازل ہوئیں۔ مثلاً یہود نے کہا آپ پر جبریل وحی لاتا ہے وہ تو ہمارا دشمن ہے اور جب حضرت ابو بکر نے ان سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کہا تو انہوں نے کہا پھر تو اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں اور کہا اللہ کے ہاتھ تو بندھے ہوئے ہیں تو ان کے رد اور ان کی مذمت میں آیات نازل ہوئیں، اسی طرح جب ایک منافق نے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ نہیں مانا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید میں آیات نازل ہوئیں۔

اسی طرح اور بہت جزوی واقعات ہیں جن کی وجہ سے آیات نازل ہوئیں۔ یہ جزوی واقعات اور کفار، یہود اور منافقین کے سوالات اور ان کے اعتراضات اسی طرح مسلمانوں کے سوالات بہ تدریج پیش آتے رہتے تھے اسی لئے ضروری تھا کہ ان کے حل اور ان کے جوابات کے سلسلہ میں آیات بھی بہ تدریج نازل ہوتی رہیں اور بیک وقت کئی کئی سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ مثلاً حضرت یوسف کے قصہ کے متعلق یاجوج ماجوج کے متعلق ایک سورت یا وقت کئی کئی سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں۔

⑮ وجہ یہ ہے کہ جب قرآن مجید ۲۳ (تئیس) سال تک لگاتار نبی ﷺ پر نازل ہوتا رہا تو حضرت جبریل علیہ السلام کو بار بار نبی ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا موقع ملتا رہا۔

⑯ وجہ یہ ہے کہ جس نبی پر جس جگہ اللہ کی کتاب نازل ہوئی اس جگہ کو مہبط وحی الٰہی بننے کا شرف حاصل ہوا، دوسرے نبیوں کی وجہ سے کسی ایک جگہ کو یہ شرف حاصل ہوا اور ہمارے نبی ﷺ کی وجہ سے سرزمین عرب کے بہ کثرت مقامات کو یہ شرف حاصل ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے جو مرتبہ کوہ طور کو حاصل ہوا تھا وہ مکہ اور مدینہ کے ریگ زاروں، پہاڑوں، میدانوں، سواریوں حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے بستر کو بھی وہ مرتبہ اور مقام حاصل ہوا کیونکہ کئی مرتبہ حضرت عائشہ کے بستر پر بھی رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر میں چند وجوہات ذکر فرمائی ہیں ⑰ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ پڑھنے اور لکھنے والوں میں سے نہیں تھے، اگر قرآن کریم ایک ہی مرتبہ سارے کا سارا نازل کر دیا جاتا تو پھر آپ ﷺ اسے ضبط نہیں کر سکتے تھے، آپ ﷺ سے اسے یاد کرنے میں غلطی بھی ہو سکتی تھی اور بھول بھی سکتے تھے، رہی بات تورات کی تو وہ ایک ہی بار اس لیے نازل کی گئی کہ وہ لکھی ہوئی تھی، جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پڑھتے تھے۔

⑱ جس شخص کے پاس کتاب ہوتی ہے وہ بہت دفعہ کتاب پر اعتماد کر لیتا ہے، اس لیے اسے یاد کرنے میں اس سے سستی ہو جاتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یکبارگی کتاب عنایت نہیں کی بلکہ اس کو اتارنے میں آپ ﷺ کے لیے ایسا وظیفہ مقرر فرما دیا جس کو کامل ترین طریقے سے آپ ﷺ یاد

کرلیں، یہ طریقہ سستی سے دور ہے اور تھوڑا حاصل کرنے سے بھی دور ہے۔

⑲ اگر اللہ تعالیٰ ایک ہی بار اسے مخلوق پر اتار دیتے تو پھر مخلوق کے لیے سارے کے سارے احکامات شریعت بھی یکبارگی نازل کرنے پڑتے، پھر یہ بات مخلوق کے لیے بار گراں بن جاتی، جب اللہ تعالیٰ نے اسے بتدریج نازل کیا تو یقیناً مخلوق پر تکالیف کا نزول بھی تھوڑا تھوڑا ہوا، جس کا برداشت کرنا بہت آسان تھا۔

⑳ جب نبی کریم ﷺ حضرت جبریل علیہ السلام کو ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں دیکھتے تو ان کے دیدار کے باعث آپ ﷺ کا دل مضبوط ہو جاتا تھا، تو یہ طریقہ نزول اس ذمہ داری کے اٹھانے کے لیے بہت زیادہ مضبوط تھا جو آپ ﷺ کو دی گئی تھی، اسی طرح یہ طریقہ نبوت کو پیش آنے والی مشکلات پر صبر کرنے کے لیے زیادہ بہتر تھا، اسی طرح اپنی قوم کی طرف سے پیش آنے والی اذیتوں اور جہاد کے لیے بھی زیادہ بہتر تھا۔

㉑ باوجودیکہ یہ کتاب تدریجاً اتاری گئی، پھر بھی اس میں اعجاز کی مکمل شرطیں پائی جاتی ہیں، معلوم ہوا کہ یہ کتاب ایک معجزہ ہے، اگر یہ کسی انسان کے بس میں ہوتا تو پھر وہ تدریجی طور پر، متفرق انداز میں ہی اس جیسی کتاب لے آتا۔

㉒ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کرام کے درمیان تبلیغ احکام کے لیے عظیم منصب سفارت قائم ہے، جس کے ذریعے اس کی مخلوق تک اس کے احکامات کو پہنچایا جاتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ پر قرآن کریم ایک ہی بار نازل فرما دیتے تو پھر یہ منصب جلیل و عظیم جس پر جبریل فائز تھے وہ ختم ہو جاتا، جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو متفرق طور پر تدریجاً نازل فرمایا ہے تو یہ منصب عظیم و جلیل باقی رہ گیا، یہی وجہ تھی کہ اللہ نے قرآن کریم تدریجاً اور متفرق طور پر نازل فرمایا۔ (مفاتیح الغیب)

بعض اہل تفسیر نے ایک اور رنگ میں اس کی توجیہات پیش کی ہیں ㉓ اگر یہ کتاب محض کسی مقابلے میں پیش کرنے کے لیے تیار کی جاتی یا محض اس سے اظہارِ علم مقصود ہوتا تو یقیناً اسے ایک ہی بار مکمل شکل میں نازل ہونا چاہیے تھا لیکن اس کا نزول انسانوں کی اصلاح کی غرض سے ہوا ہے۔ اور جو

لوگ اس کے اولین ہدف اور سب سے پہلے حاملین ہیں سب جانتے ہیں کہ وہ امی محض ہیں۔ ان کی غالب اکثریت کسی کتاب کو پڑھ نہیں سکتی۔ اور جس عظیم پیغمبر کو ان کی طرف بھیجا گیا ہے وہ بھی امی ہیں۔ وہ انھیں پڑھ کے سنا نہیں سکتے۔ تو ایک مکمل کتاب ان کے لیے پریشانی کا باعث تو ہو سکتی تھی، ہدایت کا نہیں۔

㉔ یہ کتاب چونکہ کتاب زندگی ہے جو انسانی زندگی کے ایک ایک باب کو زیر بحث لاتی اور اس کی اصلاح کرتی ہے۔ اصلاح کا عمل ایک ترتیب اور تدریج چاہتا ہے۔ اس میں سب سے پہلے خیالات اور اعتقادات کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور جب تک یہ اصلاح ایک خاص حد تک نہیں پہنچ جاتی اس پر احکام کی عمارت کا اٹھانا بے نتیجہ مشق کے سوا کچھ نہیں۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ لوگوں کے دل و دماغ میں صالح تبدیلی پیدا کیے بغیر ان پر احکام کا بوجھ لاد دیا جاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ عرب کے بدو جو کسی منضبط زندگی کے عادی نہ تھے، احکام کی پابندیوں کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوتے اور اصلاح کا یہ عمل آغاز ہی میں رک کر رہ جاتا۔

㉕ احکام میں اخلاق کے علاوہ معاشرت، معاملات، سیاست، حکومت، تعلیم اور باہمی روابط جیسے بیشمار ابواب ہیں جن میں ایک ایسی سوسائٹی جو تمدن کے معمولی تقاضوں سے واقف نہ ہو۔ اس میں عقائد کے ساتھ ساتھ اخلاق کی اصلاح کا عمل تو ممکن ہو سکتا ہے لیکن باقی تمام ابواب اس وقت تک نہیں کھولے جاسکتے جب تک ان میں جماعتی تشخص اور حیات ملی کا شعور پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ ایسے حالات میں کسی حد تک بھی ممکن نہیں ہوتا جہاں چھپ کر نمازیں پڑھنے پر مجبور ہونا پڑے اور جہاں کوئی بھی معاملہ اپنی مرضی سے کرنا ممکن دکھائی نہ دے۔ یہی وجہ ہے کہ مکی زندگی میں عقائد اور اخلاق کے علاوہ کم سے کم احکام نازل ہوئے۔

㉖ ہجرت کا معنی سب کچھ چھوڑ کر ایک نئی دنیا تعمیر کرنا ہے۔ اس میں تعلقات کا نیا تصور، نیا سماج، نئی شیرازہ بندی اور تحفظ کے نئے احساسات کی ضروریات وجود میں آتی ہیں۔ اور سب سے پہلے انھیں کی فکر کرنا پڑتی ہے اور مزید یہ کہ جب تک کسی شہر پر مکمل کنٹرول نہیں ہوتا تو مخلوط معاشرے میں زندگی

گزارنا پڑتی ہے۔ ان حالات میں ایک کتاب قانون مکمل شکل میں اور کتاب زندگی مکمل تفصیلات کے ساتھ ہاتھوں میں تھمادی جائیں تو تصور کیجیے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔

(27) ایک ایسا معاشرہ جو زندگی کے نئے ضوابط کے ساتھ اپنی تعمیر کر رہا ہے اس پر اگر دنیا بھر کے دشمن حملہ آور ہو جائیں جو انھیں ختم کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہوں تو ایسی صورت میں زندگی کا وہ حصہ جو جنگی حکمت عملی سے تعلق رکھتا ہو وہی زندگی کا اصل ہدف بن جاتا ہے۔ اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کے آداب اسی کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ اگر ایک ایسی کتاب جو زندگی کی تمام جہتوں سے متعلق احکام دیتی ہے اس کا اچانک بوجھ اگر ایسی ہنگامی صورت میں اجتماعی زندگی پر ڈال دیا جائے تو کبھی بھی اس کے نتائج وہ نہیں ہو سکتے جن کا حاصل کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ (تفسیر روح القرآن)

یہ لوگ کتنے پوچ اور سطحی ذہن کے ہیں یہ ایسا کیوں نہیں کرتے جتنی خوراک ان کو ایک سال میں کھانی چاہیئے وہ ایک روز کیوں نہیں کھا لیتے تاکہ ایک سال تو اس جھنجھٹ سے نجات ہو جائے یہ ہر صبح و شام تھوڑی تھوڑی غذا کیوں کھاتے ہیں؟ جس طرح غذا کی جسم کو ضرورت ہے اسی طرح کسی جماعتی زندگی کی اصل روح کے لئے بھی غذا کا دیا جانا ضروری ہے آپ اکیلے نہیں بلکہ ان ہی لوگوں میں سے آپ کو ایک جماعت تیار کرنا ہے اور وہ جماعت بھی ایسی ہو گی جس کو رہتی دنیا تک کام جاری رکھنا ہے کیونکہ نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم کیا جا رہا ہے لہذا ضروری ہے کہ جماعتی تکمیل کے لئے اس کی غذا کا صحیح بندوبست بھی کیا جائے اور وہ کیا جا رہا ہے اور جماعت کی تکمیل اس طرح کر دی گئی ہے کہ اب کسی نئی جماعت بندی کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ یہی کتاب زمانہ کے سارے حالات کا ساتھ دیتی چلی جائے گی گویا اس کی ہدایت ایسی ہدایت نہیں جو صرف ایک زمانہ کے لوگوں کے لئے ہو بلکہ یہ رہتی دنیا تک باقی رکھی جائے گی اور قرآن کریم ہر زمانہ کے حالات کے ساتھ خود بخود فٹ ہوتا چلا جائے گا جس چیز کا نام ہدایت ہے وہ اس سے باہر یقیناً نہیں ہو گی۔ (تفسیر عروۃ الوثقیٰ)

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد اس مقام پر لکھتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ اگر یہ خدا کی نازل کردہ کتاب ہے تو یہ پوری کی پوری بیک مرتبہ ہی کیوں نہ نازل کی گئی، معلوم ہوتا ہے کہ محمد دوسرے

لوگوں سے مدد لے کر کچھ نہ کچھ بنالاتا ہے اور اسے وحی الٰہی کے طور پر پیش کرتا ہے قرآن نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ کتاب بیک مرتبہ بھی نازل کر سکتا ہے مگر تدریجی نزول سے مقصد یہ ہے کہ آپ کو ثبات قلب حاصل ہو اور اس کو اچھی طرح یاد کرلیں اور مخالفین کی طرف سے جو اعتراض ہو اس کا بر موقع صحیح اور مسکت جواب مل سکے۔

ہمارے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں یعنی تورات، انجیل اور زبور یا دیگر صحیفے وہ سب بیک مرتبہ نازل ہوتے تھے اور قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو بتدریج نازل ہوئی مگر یہ ایک تاریخی غلطی ہے کتب سابقہ میں سے کسی کتاب کے متعلق ہم یہ دعوی نہیں کرسکتے کہ وہ بیک وقت نازل ہوئی، موسیٰ علیہ السلام کو جو الواح دی گئی تھیں وہ کل تورات نہ تھیں بلکہ تورات کا ایک حصہ تھیں اور ان میں صرف احکام عشرہ درج تھے قرآن کریم میں حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کی جو تاریخ مذکور ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ پر بتدریج احکام نازل ہوتے رہے یہی حال دوسری سماوی کتابوں کا ہے۔ واللہ اعلم۔ (ترجمان القرآن)

مولانا عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یعنی ایک بڑی مصلحت اس تدریجی نزول قرآن میں تو رسول کی تقویت قلب ہے۔ مشائخ نے کہا ہے کہ ثمرات و مقامات میں جو تاخیر و تدریج ہوتی ہے اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ ثبات ورسوخ حاصل ہوتا جائے، جو چیز جلدی آتی ہے، وہ جلدی نکل بھی جاتی ہے۔ سالک کو دیر ہونے سے تنگ نہ ہونا چاہیے بلکہ صبر کرنا چاہیے۔ علماء کے ہاں تعلیم کا سبقاً سبقاً ہونا اور مشائخ کے ہاں افادہ وافاضہ میں تدریج اسی آیت سراپا حکمت کی ماتحتی میں ہے۔ نیت کا مستحکم ہونا، قلب کا تحمل پر قادر ہونا، ملکہ علمی کا راسخ ہونا، سب اسی کے برکات ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

کفار کے اعتراضات کا جواب، مکذبین کا عبرتناک انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا {۳۳} اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا {۳۴} وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا {۳۵} فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا {۳۶} وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا {۳۷} وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا {۳۸} وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۖ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا {۳۹} الفرقان

جواب ترجمہ: اور یہ لوگ آپ کے سامنے کیسا ہی عجیب سوال کریں، ہم ضرور اس کا ٹھیک جواب خوب وضاحت میں بڑھا ہوا آپ کو عطا کر دیں گے۔ جو لوگ اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے یہ لوگ جگہ کے اعتبار سے بھی بدترین ہیں اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں۔ اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی کو وزیر بنا دیا۔ پھر ہم نے دونوں کو حکم دیا کہ اس قوم کی طرف چلے جاؤ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، پھر ہم نے اس قوم کو بالکل ہی ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے قوم نوح کو ہلاک کیا جبکہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا ہم نے انہیں غرق کر دیا اور ان کو لوگوں کے لیے عبرت بنا دیا، اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔ اور ہم نے عاد اور ثمود کو اور اصحاب الرس کو اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو ہلاک کیا۔ اور ان میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے امثال بیان کیں، اور ہر ایک کو ہم نے پوری طرح ہلاک کر دیا۔

وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ: کفار جب بھی کوئی مثال، اعتراض یا شبہ پیش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں حق اور نہایت عمدہ وضاحت نازل فرما دیتا ہے، ان کے اعتراضات کمزور اور بے بنیاد ہوتے ہیں، جبکہ قرآن ان کا ایسا مدلل اور واضح جواب دیتا ہے جو ہر شبہ کو ختم کر دیتا ہے، اس میں رسول اکرم ﷺ کے لیے تسلی ہے کہ مخالفین کی باتوں سے دل تنگ نہ کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ خود آپ کی تائید فرما رہا ہے اور ہر اعتراض کا بہترین جواب عطا کر رہا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ: جو لوگ حق کو جھٹلاتے اور رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں، قیامت کے دن انہیں نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ منہ کے بل جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا، یہی لوگ بدترین ٹھکانے والے اور راہِ راست سے سب سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں، دنیا میں

انہوں نے حق کو ٹھکرایا، اس لیے آخرت میں انتہائی ذلت ان کا مقدر ہو گی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ: ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (تورات) عطا فرمائی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو مددگار اور وزیر بنایا، تاکہ وہ مل کر فرعون اور اس کی قوم کو حق کی دعوت دیں، لیکن جب اس قوم نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور سرکشی پر قائم رہی تو ہم نے انہیں سخت عذاب کے ذریعے مکمل طور پر تباہ کر دیا، اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے کہ تکذیب کا سامنا انبیاء علیہم السلام کی سنت رہی ہے اور آخر کار حق ہی غالب آتا ہے۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ: اسی طرح نوح علیہ السلام کی قوم نے جب رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں طوفان کے ذریعے غرق کر دیا اور انہیں لوگوں کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا، یہ واقعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ جو قوم اللہ کے پیغام کو جھٹلاتی ہے، اس کا انجام ہلاکت ہوتا ہے اور ہم نے ہر ظالم کے لیے آخرت میں بھی دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ: اور ہم نے قومِ عاد، قومِ ثمود، اصحابِ الرس اور ان کے درمیان آنے والی بے شمار قوموں کو بھی ہلاک کیا، یہ سب وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی، سرکشی اختیار کی اور اللہ کے احکام کو نظر انداز کیا، تاریخ گواہ ہے کہ کوئی بھی متکبر اور نافرمان قوم عذابِ الٰہی سے بچ نہ سکی۔

وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا: ہم نے ہر قوم کو سمجھانے کے لیے طرح طرح کی مثالیں اور واضح دلائل پیش کیے، لیکن جب انہوں نے انکار کیا تو ہم نے انہیں پوری طرح تباہ و برباد کر دیا۔ **تَتْبِيْرًا** کا معنی ہے جڑ سے اکھاڑ دینا اور مکمل ہلاکت سے دوچار کرنا، اس میں کفارِ مکہ کے لیے سخت تنبیہ ہے کہ وہ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں، ورنہ ان کا انجام بھی مختلف نہ ہو گا۔

جس بستی پر پتھروں کی بارش کی گئی

سوال اس آیت مبارکہ میں جس بستی کی تباہی اور بربادی کا ذکر کیا گیا ہے، اس کا کیا نام تھا؟

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا بَلْ كَانُوْا لَا

يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا {۴۰} الفرقان

جواب ترجمہ: اور یہ (کفار مکہ) اس بستی سے ہو کر گزرتے رہے ہیں جس پر بری طرح (پتھروں کی) بارش برسائی گئی تھی بھلا کیا یہ اس بستی کو دیکھتے نہیں رہے؟ (پھر بھی انہیں عبرت نہیں ہوئی) بلکہ ان کے دل میں دوسری زندگی کا اندیشہ تک پیدا نہیں ہوا۔

تفسیر: اس آیت کریمہ میں معذب قوموں کی تاریخ کے سلسلے میں قوم لوط کی بستی کی طرف اشارہ کیا گیا، اور ایک مشاہداتی دلیل قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ بستی ان کے لیے اجنبی نہیں، اپنے تجارتی اسفار میں یہ بارہا اس بستی کے کھنڈرات سے گزرتے ہیں۔ ملک شام یا فلسطین کو جاتے ہوئے یہ ان کی گزرگاہ ہے چونکہ اس بستی کی تباہی غیر معمولی نوعیت کی ہے اور آس پاس کے رہنے والے بھی قوم لوط کی عبرتناک داستانیں پوچھنے والوں کو سناتے رہتے ہیں۔

اس لیے اس بستی سے متعلق کوئی بات قریش سے مخفی نہیں۔ اور جو عظیم تباہی اس بستی پر آئی، اس سے بھی عرب کا بچہ بچہ واقف ہے، اس قوم کی تباہی صرف زلزلے یا کسی طوفانِ بادوباراں سے نہیں ہوئی بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ تباہی اور ہلاکت کی بیشتر قوتوں نے ان پر حملہ کر دیا، دھرتی الٹ ڈالی گئی، پھر پتھروں کی بارش کی گئی۔

آج ڈیڈ سی کے قرب وجوار میں ان کے کھنڈرات بکھرے ہوئے ہیں۔ قریش سے کہا جارہا ہے کہ اولاً تو قوم عاد و ثمود کی بستیاں بھی تمہاری آگاہی سے دور نہیں۔ لیکن قوم لوط کی بستیاں تو بالکل تمہارے راستے میں ہیں۔ تو کیا اس کی تباہی کو دیکھ کر بھی تمہیں خیال نہیں ہوتا کہ کہیں تم بھی اس انجام سے دوچار نہ کر دیئے جاؤ۔ کیونکہ جس جرم میں وہ پکڑے گئے تھے اسی جرم کا ارتکاب تم بھی شب و روز کر رہے ہو۔ (روح القرآن)

آیت کے آخر میں قریش کا ان تمام آثار و مشاہدات سے متاثر نہ ہونے کا سبب بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ ان بستیوں سے گزرنے کے باوجود بھی متاثر اس لیے نہیں ہوتے کہ یہ لوگ قیامت کے آنے، از سر نو زندہ ہونے اور اللہ تعالیٰ کی عدالت میں جوابدہی کا یقین نہیں رکھتے۔ کسی کام کے نتائج اور کسی

عمل کے اثرات کی پرواہ اس شخص کو ہوتی ہے جسے اپنے اعمال اور اپنے کاموں کے بارے میں کہیں جوابدہی کا اندیشہ ہو، وہ ہر کام کرنے سے پہلے سو دفعہ سوچتا ہے کہ جب مجھے اس کام سے متعلق پوچھا جائے گا تو اگر میں نے اسے صحیح انجام نہیں دیا تو میں کیسے جوابدہی کر سکوں گا۔ لیکن اگر اسے اس بات پر یقین ہو کہ مجھے کہیں جوابدہی کے لیے کھڑا نہیں کیا جائے گا، کوئی عدالت مجھے طلب نہیں کر سکتی، میری زندگی کا چراغ گل ہو جانے کے بعد دوبارہ کبھی نہیں جلے گا، میں مرنے کے بعد فنا ہو جاؤں گا۔ تو اسے اس بات کی فکر کیسے ہو سکتی ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ فرمایا گیا ہے کہ قریش کا اصل مسئلہ صرف یہ ہے وہ دوبارہ جی اٹھنے پر یقین نہیں رکھتے، تو اس لیے جو جی میں آتا ہے کر رہے ہیں۔ (روح القرآن)

اس تباہ و برباد ہونے والی بستی کا نام سدوم تھا، جسے آسمان پر اٹھایا گیا پھر اوپر سے پتھروں کی بارش کی گئی، جن پر مجرمین کے نام لکھے ہوئے تھے۔ تفسیر بغوی میں ہے کہ قوم لوط کی پانچ بستیاں تھیں، ان میں سے چار کو اللہ نے تباہ و برباد کیا، ایک بچ گئی تھی۔ کتب تاریخ میں ان پانچ بستیوں کے نام بھی لکھے ہوئے ہیں، سدوم، صبعہ، عمرہ، دوما، صعوہ، سدوم بڑی بستی تھی۔ (الکامل فی التاریخ)

اِستہزاءِ رسالت، ہوا پرستی اور کفار کی فکری گمراہی

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا {۴۱} اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا {۴۲} اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا {۴۳} اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ ۚ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا {۴۴} الفرقان

جواب ترجمہ: اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کا مذاق ہی اڑاتے ہیں کیا یہی شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے تو ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر جمے ہوئے نہ رہتے، اور جس وقت یہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے اس بات کو جان لیں گے کہ کون شخص راہ

سے ہٹا ہوا تھا۔ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنالیا، سو کیا آپ اس کے وکیل ہیں۔ آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں، یہ لوگ محض چوپایوں کی طرح سے ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا: جب کفّارِ مکہ آپ ﷺ کو دیکھتے تو آپ کا مذاق اڑاتے، آپ کی شانِ رسالت کا انکار کرتے اور حقارت آمیز انداز میں کہتے: کیا یہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ درحقیقت یہ ان کے دلوں کی کجی اور حق سے عناد کا اظہار تھا، وہ آپ ﷺ کی عظمت کو پہچاننے کے بجائے استہزاء اور تمسخر کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھے، حالانکہ یہی رویہ ان کی ہلاکت کا سبب بننے والا تھا۔

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا: وہ مزید کہتے تھے کہ یہ شخص تو قریب تھا کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا دیتا، اگر ہم اپنے عقیدے پر جمے نہ رہتے، حقیقت یہ ہے کہ وہ توحید کو گمراہی اور اپنے شرک کو ہدایت سمجھتے تھے، ان کی یہ بات محض ضد اور ہٹ دھرمی پر مبنی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ جب یہ لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت میں گمراہ کون تھا۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جو عقل و فہم کو چھوڑ کر صرف اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں، جس چیز کو دل چاہا اختیار کر لیا اور جسے چاہا چھوڑ دیا، گویا ان کا اصل معبود اللہ نہیں بلکہ ان کی خواہشات ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ کیا آپ ان کے نگہبان بن سکتے ہیں؟ یعنی جب کوئی خود ہدایت سے منہ موڑ لے تو اسے زبردستی راہِ راست پر لانا ممکن نہیں۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ کیا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نہ تو حق کو سننے کے لیے تیار ہیں اور نہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی مثال چوپایوں جیسی ہے، بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، کیونکہ جانور تو کم از کم

اپنے نفع و نقصان کو پہچان لیتے ہیں، جبکہ یہ لوگ واضح دلائل اور روشن حقائق کے باوجود ہدایت قبول نہیں کرتے۔

سائے کا پھیلنا اور سمٹنا

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا {۴۶} ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا {۴۶} الفرقان

جواب ترجمہ: اے مخاطب کیا تو نے اپنے رب کی طرف نظر نہیں کی کہ اس نے سایہ کو کیسے پھیلایا ہے، اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ٹھہرا ہوا رکھتا، پھر ہم نے آفتاب کو اس پر علامت مقرر کیا۔ پھر ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیا۔

تفسیر: اس سے مراد طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک کا وقت ہے اس وقت ایسا سایہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پھیلایا ہوا ہوتا ہے کیونکہ اس وقت دھوپ نہیں ہوتی، ایک وہ وقت ہے جب مکمل تاریکی ہوتی ہے یہ رات کا وقت ہے اور ایک وہ وقت ہے جب مکمل روشنی اور دھوپ ہوتی ہے یہ دن کا وقت ہے، اور ایک سائے کا وقت ہے جس میں سورج کی دھوپ اور رات کے اندھیرے کی درمیانی کیفیت ہوتی ہے اور یہ سائے کا وقت ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سائے کو دائمی کر دیتا اور سورج کبھی طلوع نہ ہوتا اور دن کی روشنی حاصل نہ ہوتی اور لوگ تلاش روزگار کے لئے کوئی کام نہ کر سکتے۔

پھر آہستہ آہستہ سائے کو بتدریج اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، یعنی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے تمام روئے زمین پر سایہ پھیلا ہوا ہوتا ہے، پھر جب سورج طلوع ہو جاتا ہے تو سایہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگتا ہے اور جب سورج بالکل سروں پر پہنچ جاتا ہے اور مکمل دھوپ پھیل جاتی ہے تو سایہ نہ ہونے کے برابر ہو جاتا ہے، پھر جب سورج مغرب کی طرف جھکنے لگتا ہے تو پھر سائے نمودار ہونے

شروع ہو جاتے ہیں اور سائے کی نمود اور اس کے گھٹنے، بڑھنے اور ختم ہونے پر اللہ تعالیٰ نے سورج کو علامت اور دلیل بنادیا ہے۔ (معالم التنزیل)

بارش برسانے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز بتایئے بارش برسانے میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت ہے؟

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا {۴۷} وَهُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا {۴۸} لِّنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا {۴۹} وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا {۵۰} الفرقان.

جواب ترجمہ: اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لیے رات کو لباس اور نیند کو آرام کی چیز بنایا، اور دن کو پھیل جانے کا وقت بنایا، اور وہ ایسا ہے جس نے اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیج دیں، اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا۔ تاکہ ہم اس کے ذریعے مردہ زمین میں جان ڈال دیں، اور تاکہ یہ پانی ہم اپنی مخلوق میں سے چارپایوں کو اور بہت سے انسانوں کو پلا دیں۔ اور ہم اسے ان کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، لیکن اکثر لوگ ناشکری کے بغیر نہیں رہتے۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا: وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لیے رات کو لباس بنایا، نیند کو سکون و تعطّل کا ذریعہ قرار دیا اور دن کو اٹھنے اور پھیلنے (یعنی حرکت و عمل) کا وقت بنایا۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کی حکمتوں اور ان کی مخصوص خصوصیات کو نہایت بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے۔ رات کو "لباس" سے تشبیہ دی گئی، اس لیے کہ جیسے لباس انسان کی پردہ پوشی کرتا اور اسے ڈھانپ لیتا ہے، اسی طرح رات اپنی تاریکی کے ساتھ انسان کو گھیر لیتی ہے،

اسے آرام اور سکون فراہم کرتی ہے اور اسے ظاہری مصروفیات سے چھپالیتی ہے، یہ تشبیہ اس پہلو سے نہایت لطیف ہے کہ رات انسان کے لیے پردہ، سکون اور راحت کا سامان ہے۔ اسی طرح فرمایا :

وَالنَّوْمَ سُبَاتًا: یعنی ہم نے نیند کو "سبات" بنایا۔ "سبات" کے معنی ہیں کاٹ دینا اور منقطع کر دینا؛ یعنی نیند انسان کو اس کی روزمرہ مشقت، حرکت اور تھکاوٹ سے کاٹ دیتی ہے، یہ روزانہ کی ایک ایسی راحت ہے جس کے ذریعے انسان کی قوتیں بحال ہوتی ہیں اور وہ دوبارہ عمل کے لیے تیار ہوتا ہے، اسی مناسبت سے "سبت" (ہفتے کا دن) کو بھی سبت کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ کام کاٹ دینے اور آرام اختیار کرنے کا دن تھا، نیند اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک طرح کی بے حسی اور حرکت سے توقف ہے، اسی لیے اسے موت سے بھی تشبیہ دی گئی ہے۔ پھر فرمایا :

وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا: یعنی دن کو ہم نے "نشور" بنایا۔ "نشور" کے معنی ہیں اٹھ کھڑا ہونا اور پھیل جانا، اس میں تین اہم اشارے پائے جاتے ہیں، اوّل یہ کہ دن رات کے سکون اور نیند کے بعد بیداری اور حرکت کا آغاز ہے، دوم یہ کہ اسی میں انسان اپنے کاموں اور مشاغل میں سرگرم ہوتا ہے اور کائنات کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیتا ہے، سوم یہ کہ یہی وقت کسبِ معاش اور اعمال کے ظہور کا ہے، جس میں انسان اپنے اچھے یا برے اعمال انجام دیتا ہے۔ یہاں "نشور" کا لفظ نہایت بامعنی ہے، کیونکہ اس میں قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جانے کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ پایا جاتا ہے، گویا ہر دن انسان کے لیے ایک نئی زندگی اور نئے عمل کا آغاز ہے۔

ربط و تعلق ما قبل: یہ آیت سابقہ آیات کے ساتھ مربوط ہے، جہاں دن اور رات کی تخلیق کے عجائب اور سایہ کے پھیلنے اور سکڑنے کا ذکر تھا، یہاں ان دونوں کی حکمت کو واضح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو سکون و آرام کے لیے اور دن کو جدوجہد و عمل کے لیے بنایا ہے، تاکہ انسانی زندگی میں توازن قائم رہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ: اللہ تعالیٰ اپنی ایک اور قدرت کا بیان فرما رہا ہے کہ وہ بارش سے پہلے بارش کی خوشخبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے، ان ہواؤں میں رب نے بہت سے خواص رکھے ہیں، بعض بادلوں کو پراگندہ کر دیتی ہیں، بعض انہیں اٹھاتی ہیں، بعض انہیں لے چلتی ہیں

بعض خنک اور بھیگی ہوئی چل کر لوگوں کو باران رحمت کی طرف متوجہ کر دیتی ہیں بعض اس سے پہلے زمین کو تیار کر دیتی ہیں بعض بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں اور انہیں بوجھل کر دیتی ہیں، آسمان سے ہم پاک صاف پانی برساتے ہیں کہ وہ پاکیزگی کا آلہ بنے۔

حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ کے ساتھ بارش کے زمانہ میں نکلا، بصرے کے راستے اس وقت بڑے گندے ہو رہے تھے، آپ نے ایسے راستہ پر نماز ادا کی، میں نے آپ کو توجہ دلائی تو آپ نے فرمایا اسے آسمان کے پاک پانی نے پاک کر دیا، اللہ فرماتا ہے کہ ہم آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اسے پاک اتارا ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ بیر بضاعہ سے وضو کر لیں؟ یہ ایک کنواں ہے جس میں گندگی اور کتوں کے گوشت پھینکے جاتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ، پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

عبد الملک بن مروان کے دربار میں ایک مرتبہ پانی کا ذکر چھڑا تو خالد بن یزید نے کہا بعض پانی آسمان کے ہوتے ہیں، بعض پانی وہ ہوتے ہیں جسے بادل سمندر سے پیتا ہے اور اسے گرج کڑک اور بجلی میٹھا کر دیتی ہے لیکن اس سے زمین میں پیداوار نہیں ہوتی، ہاں آسمانی پانی سے پیداوار اگتی ہے۔

عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ السَّمَاءِ قَطْرَةً إِلَّا أَنْبَتَ بِهَا فِي الْأَرْضِ عُشْبَةً أَوْ فِي الْبَحْرِ لُؤْلُؤَةً، آسمان کے پانی کے ہر قطرہ سے چارہ گھاس وغیرہ پیدا ہوتا ہے یا سمندر میں لؤ لؤ اور موتی پیدا ہوتے ہیں۔

بعض حضرات نے کہا کہ فِي الْبَرِّ بُر، وَفِي الْبَحْرِ دُرّ، زمین میں گیہوں اور سمندر میں موتی پیدا ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ

لِّنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا: اسی سے ہم غیر آباد بنجر خشک زمین کو زندہ کر دیتے ہیں وہ لہلہانے لگتی ہے اور تروتازہ ہو جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ

وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ} (الحج: ۵) اور اے مخاطب تو زمین کو بھی سوکھی پڑی ہوئی دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو وہ لہلہانے لگتی ہے اور وہ بڑھ جاتی ہے اور ہر طرح کے خوش نما جوڑے اگا دیتی ہے۔

علاوہ مردہ زمین کے زندہ ہو جانے کے یہ پانی حیوانوں اور انسانوں کے پینے میں آتا ہے ان کے کھیتوں اور باغات کو پلایا جاتا ہے۔

جیسے فرمان ہے کہ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ (الشُّورَى: ۲۸) وہ اللہ وہی ہے جو لوگوں کی کامل ناامیدی کے بعد ان پر بارشیں برساتا ہے، اور اپنی رحمت کو بکھیرتا ہے، وہی ولی اور تعریفوں والا ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ {فَانْظُرْ إِلَى آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذَلِكَ لَمُحْيِي الْمَوْتَى وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ} [الرُّومِ: ۵۰] اللہ کے آثار رحمت کو دیکھو کہ کس طرح مردہ زمین کو اس کے بے آباد ہونے کے بعد زندہ کر دیتا ہے، بے شک وہ ذات مردوں کو زندہ کرتی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پھر فرماتا ہے ساتھ ہی میری قدرت کا ایک نظارہ یہ بھی دیکھو کہ ابر اٹھتا ہے گرجتا ہے لیکن جہاں میں چاہتا ہوں وہ وہاں برستا ہے، اس میں بھی حکمت و حجت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ سالوں میں سے کوئی سال کم و بیش بارش کا نہیں لیکن اللہ جہاں چاہے برسائے جہاں سے چاہے پھیرے، پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت کی {وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا} اور ہم اسے ان کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، لیکن اکثر لوگ ناشکری کے بغیر نہیں رہتے۔

پس چاہئے تھا کہ ان نشانات کو دیکھ کر اللہ کی ان زبردست حکمتوں کو اور قدرتوں کو سامنے رکھ کر اس بات کو بھی مان لیتے کہ بیشک ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور یہ بھی جان لیتے کہ بارشیں ہمارے گناہوں کی شامت سے بند کر دی جاتی ہیں تو ہم گناہ چھوڑ دیں لیکن ان لوگوں نے ایسا نہ کیا بلکہ ہماری

نعمتوں پر اور ناشکری کی۔

ایک مرسل حدیث ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا کہ بادل کی نسبت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا بادلوں پر جو فرشتہ مقرر ہے وہ یہ ہے آپ ان سے جو چاہیں دریافت فرمالیں اس نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے پاس تو اللہ کا حکم آتا ہے کہ فلاں فلاں شہر میں اتنے اتنے قطرے برساؤ ہم تعمیل ارشاد کرتے ہیں۔

بارش جیسی نعمت کے وقت اکثر لوگوں کے کفر کا طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے یہ بارش برسائے گئے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ بارش برس چکنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو! جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ انہوں نے کہا اللہ اور رسول اللہ ﷺ خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ فَذَاكَ مُؤْمِنٌ بِي كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ. وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذَاكَ كَافِرٌ بِي، مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ (مسلم) میرے بندوں میں سے بہت سے میرے ساتھ مومن ہو گئے اور بہت سے کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ بارش ہم پر برسی ہے وہ تو میرے ساتھ ایمان رکھنے والے اور ستاروں سے کفر کرنے والے ہوئے اور جنہوں نے کہا کہ فلاں فلاں تارے کے اثر سے پانی برسایا گیا، انہوں نے میرے ساتھ کفر کیا اور تاروں پر ایمان لائے۔

عظمت رسالت محمدی ﷺ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا {۵۱} فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا {۵۲} الفرقان

جواب ترجمہ: اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔ سو کافروں کی بات نہ مانئے، اور اس کے ذریعہ ان سے خوب بڑا مقابلہ کیجیے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا: اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا (نذیر) بھیج دیتے، اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کو بیان فرماتے ہیں کہ اگر وہ چاہتے تو ہر شہر، ہر قبیلہ اور ہر بستی کے لیے الگ الگ نذیر مقرر فرما دیتے، جو انہیں حق کی طرف بلاتا اور باطل سے ڈراتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت ایسا نہیں کیا، بلکہ ایک ہی عظیم رسول، حضرت محمد ﷺ کو تمام انسانیت کے لیے بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا، تاکہ آپ کی دعوت عام ہو اور پوری دنیا تک پہنچے۔

شیخ ابو حفص نعمانی لکھتے ہیں "اس آیتِ کریمہ میں رسول اکرم ﷺ کی عظمت اور آپ کی رسالت کی خصوصیت کو نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے کہ ہر بستی، ہر شہر اور ہر قوم کے لیے الگ الگ نذیر اور رسول مبعوث فرما دے، جو انہیں عذابِ الٰہی سے ڈرائے اور ہدایت کی طرف بلائے، لیکن اس نے اپنی حکمت کے تحت ایسا نہیں کیا، بلکہ تمام جہانوں کے لیے ایک ہی رسول، حضرت محمد ﷺ کو منتخب فرمایا اور آپ کو اس عظیم منصب سے سرفراز کیا۔ (اللباب فی علوم الکتاب)

اس میں رسول اکرم ﷺ کی فضیلت کئی پہلوؤں سے ظاہر ہوتی ہے: ① اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے باوجود ہر بستی میں الگ رسول بھیجنے کے بجائے آپ ﷺ کو تمام انسانیت کے لیے منتخب فرمایا، جو آپ کی برتری اور امتیازی شان کی دلیل ہے۔ اسی مناسبت سے فرمایا

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ: یعنی کفار کی باتوں کو ہرگز قبول نہ کریں اور ان کے مطالبات کے آگے نہ جھکیں۔

② دوم یہ کہ اگر اللہ چاہتا تو آپ ﷺ پر سے یہ بوجھ ہلکا کر دیتا اور ہر قوم کے لیے الگ نذیر مقرر فرما دیتا، لیکن اس نے پوری دنیا کی ذمہ داری آپ کے سپرد کر کے آپ کو عظمت اور رفعت عطا فرمائی، لہٰذا اس عظیم منصب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ دین کے معاملے میں ثابت قدم رہیں اور پوری قوت کے ساتھ حق کا ابلاغ فرمائیں۔

③ سوم یہ کہ اس آیت میں لطف اور جلال دونوں پہلو جمع ہیں، ایک طرف یہ اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ

کسی ایک رسول کا محتاج نہیں، وہ چاہے تو ہر جگہ رسول بھیج سکتا ہے اور دوسری طرف یہ شرف ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے منتخب فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور انتخاب ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ: پس آپ کفار کی باتوں کا اتباع نہ کریں، اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ کفار مختلف طریقوں سے آپ کو اپنے موقف کی طرف مائل کرنا چاہتے تھے، مگر آپ کو حکم دیا گیا کہ ان کے دباؤ میں نہ آئیں اور حق پر ثابت قدم رہیں۔

وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا: اور آپ ان کے ساتھ اس (قرآن) کے ذریعے بڑا جہاد کریں، یعنی قرآنِ مجید کے دلائل، براہین اور تعلیمات کے ذریعے ان کے شبہات کا رد کریں اور حق کو واضح کریں، بعض مفسرین نے اس سے مراد کفار کی اطاعت سے اجتناب اور حق پر استقامت بھی لیا ہے، جبکہ ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا کہ ضرورت پڑنے پر جہاد بالسّیف بھی اس میں داخل ہے۔

بحرین کا نظام، قدرت الٰہی کی حکمت

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا {۵۳} الفرقان

جواب ترجمہ: اور وہ ایسا ہے جس نے دو دریاؤں کو ملایا جن میں یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا ہے، اور یہ شور ہے کڑوا ہے، ان کے درمیان میں ایک حجاب بنا دیا۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ: اور وہی اللہ ہے جس نے دو دریاؤں (یا سمندروں) کو ملا رکھا ہے، ایک نہایت شیریں اور خوشگوار ہے اور دوسرا سخت کھارا اور کڑوا اور ان دونوں کے درمیان ایک پردہ اور مضبوط رکاوٹ قائم کر دی ہے، اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا ایک عظیم الشان مظہر بیان فرمایا ہے۔ لفظ مَرَجَ کے معنی میں مفسرین نے دو پہلو بیان کیے ہیں: ایک یہ کہ اس کا معنی "ملا دینا اور چھوڑ دینا" ہے، اور دوسرا یہ کہ "جاری کر دینا اور بہنے دینا"۔ گویا اللہ تعالیٰ

نے ان دونوں پانیوں کو اپنی اپنی جگہ بہنے کے لیے چھوڑ دیا اور ان کے درمیان ایسا نظام قائم کر دیا کہ وہ بظاہر قریب ہونے کے باوجود ایک دوسرے میں مدغم نہیں ہوتے۔ پھر فرمایا :

هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ: یعنی ایک پانی نہایت میٹھا، خوشگوار اور پیاس بجھانے والا ہے، جبکہ دوسرا نہایت کھارا اور کڑوا ہے۔ "فرات" اس پانی کو کہتے ہیں جو انتہائی شیریں ہو اور پیاس کو مکمل طور پر ختم کر دے، جبکہ "اُجاج" اس پانی کو کہا جاتا ہے جو شدتِ ملوحت یا کڑواہٹ میں انتہا کو پہنچا ہوا ہو، یہ تعبیر نہایت بلیغ ہے، جس میں دو متضاد صفات کو بہترین انداز میں ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا :

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا: یعنی اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان ایک "برزخ" یعنی آڑ اور پردہ قائم کر دیا ہے، جو انہیں ایک دوسرے سے جدا رکھتا ہے، یہ برزخ اللہ کی قدرت کا ایسا راز ہے کہ میٹھا اور کھارا پانی ایک دوسرے کے قریب ہونے کے باوجود اپنی اپنی خصوصیات برقرار رکھتے ہیں۔ مزید فرمایا

وَحِجْرًا مَّحْجُورًا: یعنی ایک ایسی مضبوط اور ممنوع رکاوٹ قائم کر دی گئی ہے جس کی وجہ سے ایک پانی دوسرے پر غالب نہیں آ سکتا۔ بعض مفسرین نے اسے ایک بلیغ استعارہ قرار دیا ہے، گویا ہر ایک دوسرے سے کہہ رہا ہو: "تجھے میرے قریب آنے کی اجازت نہیں"۔

نکتہ: یہاں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ "دو سمندر" سے مراد ایک طرف میٹھے پانی کے دریا اور نہریں ہیں اور دوسری طرف کھارے پانی کے بڑے سمندر، ان دونوں کے درمیان فاصلہ اور امتیاز قائم رکھنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کا روشن ثبوت ہے، اگر پانی کی مٹھاس اور کھاراپن محض طبعی اثرات کا نتیجہ ہوتا تو ان میں امتیاز باقی نہ رہتا، مگر ان کا الگ الگ رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایک قادر و حکیم ذات نے ہر ایک کو مخصوص صفت عطا کی ہے۔

جدید سائنسی تحقیق کے مطابق یہ کسی ایک مخصوص دریا یا مقام کی طرف اشارہ نہیں بلکہ ایک عمومی قدرتی نظام ہے، جسے مصبِ دریا (Estuary) کہا جاتا ہے، جہاں میٹھا اور کھارا پانی آپس میں ملتے ہیں، مگر دونوں فوراً مکمل طور پر یکجان نہیں ہوتے، بلکہ ان کے درمیان کثافت (density)

کے فرق کی وجہ سے ایک درمیانی حد یا پرت قائم رہتی ہے، جسے سائنسی اصطلاح میں Halocline کہا جاتا ہے، اس میں میٹھا پانی عموماً اوپر اور کھارا پانی نیچے رہتا ہے اور اختلاط تدریجی اور محدود انداز میں ہوتا ہے، یہی کیفیت قرآنِ کریم کے لفظ "برزخ" سے ہم آہنگ نظر آتی ہے، یعنی ایک ایسا حائل نظام جو دونوں کو یکدم باہم مدغم ہونے سے روکے رکھتا ہے، اگرچہ وہ ایک ہی مقام پر موجود ہوں۔

پانی سے انسان کی پیدائش

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی سے انسان کو کیسے پیدا کیا؟

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾ الفرقان

جواب ترجمہ: اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا فرمایا پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنادیا اور تیرا پروردگار بڑی قدرت والا ہے۔

ڈاکٹر اسلم صدیقی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں "بلاشبہ انسان اس کائنات کا گل سرسبد ہے اور اس زمین پر انسان کے وجود اور اس کے عقل و خرد کے معرکوں سے زمین کی سرسبزی و شادابی و درخشندگی و جہاں تابی ہے۔ اس نے اگر ایک طرف سیرت و کردار اور روحانی بالیدگی کی حیرت انگیز مثالیں قائم کی ہیں تو دوسری طرف اس سرزمین کو حیرت انگیز ایجادات سے مالامال کر دیا ہے لیکن ان تمام کمالات کے پیچھے اپنی کوئی ذاتی صلاحیت کارفرما نہیں، سب اللہ تعالیٰ کی دین اور اس کی قدرت کا ظہور ہے۔ اسے روحانی احساسات اور سوز و گداز کی دولت اللہ تعالیٰ ہی نے عطا کی ہے۔ اور اس کی حیرت انگیز ایجادات اس عقل کی فتوحات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف انسانوں کو عطا ہوئی ہے۔ ورنہ انسان کی اپنی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ پانی کی ایک حقیر بوند سے پیدا ہوا۔ اور ماں کے پیٹ میں خون اس کی غذا بنتا رہا۔

لیکن پانی کی بوند سے بننے والا وجود اور لہو سے پلنے والی ذات جب دنیا میں آتی ہے تو اس کی طلعت زیبا اور گلگوں رخسار کو دیکھ کر ماں باپ نہال ہوتے جاتے ہیں۔ جو من موہنے چہرے کو دیکھتا ہے، دل تھام کے رہ جاتا ہے اور پھر یہ جیسے جیسے زندگی کی منزلیں طے کرتا جاتا ہے اس کے حسن و رعنائی میں

بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے اور اس کی انسانیت بھی درجہ کمال کی طرف بڑھتی جاتی ہے۔

لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس میں سے ہر خوبی اور ہر تغیر کے پیچھے صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت جھلکتی دکھائی دیتی ہے اور پھر اسی پر بس نہیں اللہ تعالیٰ نے پانی کی بوند سے جس بشر کو پیدا کیا ہے وہ کبھی مرد کی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور کبھی عورت کی شکل میں، حیران کن بات یہ ہے کہ دونوں کی تخلیق ایک پانی سے ہے، لیکن دونوں کے ظاہری اعضاء میں بھی اختلاف ہے اور ذہنی رجحانات اور قلبی احساسات اور جذبات میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دونوں کے فطری داعیات ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، لیکن مزید حیران کن بات یہ ہے کہ اس بین تفاوت کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔

مرد اپنی ساری قوتوں کے باوجود نامکمل ہے، عورت اپنی تمام تر لطافتوں کے باوجود ادھوری ہے، دونوں مل کر ایک مکمل وحدت بنتے ہیں اور پھر عقل کی حیرانی کا سفر ابھی ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے کہ یہ وحدت جو مرد و عورت کی ترکیب سے وجود میں آتی ہے کثیر التعداد وحدتوں کا سرچشمہ بنتی ہے، ان کے یہاں بچیاں بھی پیدا ہوتی ہیں اور بچے بھی، کسی کے یہ سسرال بنیں گے اور کوئی ان کے بچوں کے سسرال ہوں گے، باہمی رشتے ہوں گے، قرابتیں بڑھیں گی، اس طرح ایک انسانی معاشرہ معرض وجود میں آئے گا جس میں نسبی اور سسرالی رشتے دو خاندانوں کی صورت میں جب باہمی رشتوں کی لڑی میں پروئے جائیں گے تو خاندان، خاندان سے جڑ کر ایک ملک، ایک نسل اور ایک تمدن سے وابستہ ہو جائیں گے۔

اس پروردگارِ عالم کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا کون اندازہ کر سکتا ہے کہ جو پانی کی ایک بوند سے مرد اور عورت کو پیدا کرتا ہے اور پھر محض اپنی قدرت کے اظہار سے ایک مرد اور ایک عورت کو درجہ بدرجہ آگے بڑھاتا ہے حتیٰ کہ اس سے خاندان وجود میں آتے ہیں اور پھر خاندان آپس میں ملتے ہیں، ایک نسل اور ایک تمدن کی تعمیر ہوتی ہے، آج یہ تجربہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے تو ہمیں اس پر تعجب نہیں ہوتا، لیکن اگر صرف اس کی روایت پہنچتی تو شاید اس پر یقین کرنا آسان نہ ہوتا۔ (روح القرآن)

حضرت مولانا عاشق الٰہی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں "قدرت کاملہ کا ایک بہت بڑا مظاہرہ یہ ہے کہ اس نے نطفہ منی سے انسان کی تخلیق فرمائی، انسان میں شہوت رکھ دی اس شہوت کی وجہ سے بیاہ شادی کی ضرورت پیش آئی جب نکاح ہوتے ہیں تو میاں بیوی کا اختلاط ہوتا ہے اس سے اولاد ہوتی ہے اور اس طرح سے خاندان بڑھتا چلا جاتا ہے اور آپس میں سلسلہ نسب چلتا ہے، ہر پیدا ہونے والے کے دو خاندان ہوتے ہیں ایک باپ کی طرف کا خاندان دوسرا اماں کی طرف سے، پھر شادیاں ایک خاندان کی دوسرے خاندان میں ہوتی ہیں اور غیر خاندانوں میں بھی ہوتی ہیں یہ سسرالی رشتے بھی نعمت عظیمہ ہیں ان کے ذریعہ مختلف خاندانوں میں محبتیں پیدا ہو جاتی ہیں وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا اور تیرا پروردگار بڑی قدرت والا ہے، اس نے جو کچھ پیدا فرمایا اپنی قدرت سے پیدا فرمایا اور اس کے علاوہ بھی جو چاہے گا پیدا فرمائے گا۔

غیر اللہ کے پجاری

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيرًا {۵۵} الفرقان

جواب ترجمہ: اور اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ کچھ نفع پہنچا سکیں اور نہ انہیں کچھ ضرر دے سکیں، اور کافر اپنے رب کا مخالف ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ: اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں کوئی نفع دے سکتی ہیں اور نہ نقصان، اور کافر اپنے رب کے مقابلے میں (شیطان کا) مددگار بنا ہوا ہے، اس آیتِ کریمہ میں کفّار کی انتہائی گمراہی اور ان کے عقیدے کی بے بنیاد حیثیت کو واضح کیا گیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے روشن دلائل اور کائنات کی واضح نشانیاں ان کے سامنے موجود ہیں، اس کے باوجود وہ ایسے معبودوں کی پرستش میں مبتلا ہیں جو بے جان ہیں، نہ ان میں نفع پہنچانے کی طاقت ہے اور نہ نقصان دینے کی، نہ وہ کسی امید کے قابل ہیں اور نہ کسی

خوف کے، بلکہ خود اپنے وجود میں انسان سے کمتر اور بے اختیار ہیں، مگر وہم اور اندھی تقلید نے انہیں اس حد تک گمراہ کر دیا کہ وہ انہی کو معبود سمجھ بیٹھے۔ پھر فرمایا :

وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا: یعنی کافر اپنے رب کے مقابلے میں شیطان کا ساتھی اور مددگار بن جاتا ہے، وہ شیطان کے وسوسوں میں آکر اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کے احکام سے روگردانی اختیار کرتا ہے، گویا وہ حق کے مقابلے میں باطل کی صف میں کھڑا ہے، یہ طرزِ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ کفر انسان کی بصیرت کو مٹا دیتا ہے اور اسے اپنے محسنِ حقیقی کے خلاف کھڑا کر دیتا ہے۔

بعض مفسرین نے ظَهِيْرًا کے معنی یہ بھی بیان کیے ہیں کہ کافر اللہ کے نزدیک حقیر اور بے وقعت ہے، یعنی اس کا کفر اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا، بلکہ وہ خود اپنی ہلاکت کا سامان کرتا ہے، گویا وہ اللہ کی نگاہ میں ایسا ہے جیسے کسی چیز کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا جائے اور اس کی کوئی پروانہ کی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ دونوں مفہوم ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، کافر ایک طرف شیطان کا حلیف بن کر اللہ کی مخالفت کرتا ہے اور دوسری طرف اللہ کے ہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی، بلکہ وہ ذلت اور رسوائی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

بشیر اور نذیر

سوال حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ آیت کی روشنی میں بتائیے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا {٥٦} قُلْ مَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَآءَ أَنْ يَّتَّخِذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا {٥٧} الفرقان.

جواب ترجمہ: اور ہم نے آپ کو صرف خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا ہاں جو شخص یہ چاہے کہ اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کر لے۔

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو انسانوں کی طرف اس لیے مبعوث فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے اہل ایمان کو جنت کی خوشخبری سنائیں اور دوزخ کی ہولناک اور دھکتی آگ سے

کافروں، مشرکوں اور نافرمانوں کو ڈرائیں۔

رسول کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ لوگوں کو نیک انجام کی خوشخبری سنائے اور سرکشی و بد عملی کے نتائج سے خبر دار کرے، اس طرح کے اشارات جہاں کہیں بھی قرآن میں آئے ہیں ان کا اصل روئے سخن کفار کی طرف ہے اور مقصد یہ بتانا ہے کہ پیغمبر پر تبلیغ حق سے بڑھ کر کوئی ذمہ داری نہیں۔ وہ لوگوں کو پیغامِ حق قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کے معاملے میں بھی پیغمبر کا کام بس اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے، قرآن میں کئی جگہ نہایت صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ پیغمبر کا کام مسلمانوں کو صرف اللہ کا پیغام سنانا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ان کو کتاب الٰہی کی تعلیم دینا، حکمت و دانائی کی باتیں بتانا اور ان کا تزکیہ نفس کرنا بھی ہے۔ (الکتاب)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کے خاص نمائندے ہوتے تھے، جو اللہ کی مخلوق تک ان کے پیدا کرنے والے کا پیغام پہنچاتے تھے، بگڑی ہوئی انسانیت کو درست ڈگر پر گامزن کرتے تھے، حضرت نبی کریم ﷺ کے بارے میں تو قرآن میں واضح پیغام موجود ہے کہ آپ ﷺ آیات کی تلاوت کے ساتھ اس کی وضاحت بھی فرماتے تھے۔

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا: اس آیتِ کریمہ میں رسول اکرم ﷺ کی دعوت کے خلوص اور بے لوثی کو نہایت واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے، آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ لوگوں سے صاف طور پر اعلان کر دیں کہ آپ اپنی دعوت اور تبلیغ دین کے بدلے میں کوئی دنیاوی اجر یا مالی فائدہ طلب نہیں کرتے، آپ کی تمام تر جدوجہد محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے، نہ کہ کسی ذاتی مفاد کے لیے۔ البتہ یہاں جو استثناء بیان کیا گیا ہے

إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے نیکی، انفاق اور بھلائی کا راستہ اختیار کرنا چاہے تو یہ اس کے اپنے فائدے کے لیے ہے، گویا اس سے مراد کوئی ذاتی معاوضہ نہیں، بلکہ لوگوں کو ترغیب دینا ہے کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں اور اس کی رضا کے حصول کے لیے عملی قدم اٹھائیں۔

یہ اسلوب دراصل دعوتِ نبوی ﷺ کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی محنت کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگ ہدایت پا جائیں اور اللہ کے قریب ہو جائیں، اس میں داعیانِ حق کے لیے بھی ایک عظیم اصول مضمر ہے کہ دعوتِ دین کو خلوص، بے غرضی اور للّٰہیت کے ساتھ انجام دیا جائے، نہ کہ کسی دنیاوی منفعت کے لیے۔

توکل علی اللہ اور عظمت تخلیق

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۚ {۵۸} الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۛ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا {۵۹} وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا {۶۰} ۩ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا {۶۱} وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا {۶۲} الفرقان

جواب ترجمہ: اور آپ اسی ذات پر بھروسہ کیجیے جو زندہ ہے جسے موت نہیں آئیگی، اور اس کی تسبیح و تحمید میں لگے رہئے اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خبر دار ہونے کے لیے کافی ہے۔ جس نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، وہ بڑا مہربان ہے سو اس کی شان کسی جاننے والے سے دریافت کرلو۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمن کیا ہے کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کو سجدہ کرنے کا تو ہمیں حکم دیتا ہے، اور ان کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے۔ وہ ذات عالی شان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور ان میں ایک چراغ بنایا روشن کرنے والا چاند بنایا۔ اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے جانے والا بنایا اس شخص کے لیے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ: (اے میرے حبیب ﷺ!) آپ اپنے تمام معاملات میں اس

زندہ ذات پر بھروسہ کیجیے جو کبھی نہیں مرے گی اور اس کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کیجیے، وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب باخبر ہے، اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، اور وہی ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا دے گا۔

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ: وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر عرش پر اس طرح مستوی ہوا جو اس کی شان کے لائق ہے، وہی رحمان ہے، لہٰذا اس کے بارے میں کسی باخبر ہستی (یعنی خود اللہ) سے پوچھ لیجیے، کیونکہ وہ ہر چیز کا مکمل علم رکھتا ہے اور اس پر کچھ بھی مخفی نہیں۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ: اور جب ان کفار سے کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں: رحمان کیا ہے؟ ہم نہ اسے جانتے ہیں اور نہ مانتے ہیں، کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کا تم ہمیں حکم دیتے ہو حالانکہ ہم اسے پہچانتے ہی نہیں؟ اس طرح سجدے کا حکم ان کی ہدایت کا سبب بننے کے بجائے ان کی دوری اور انکار میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا: بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں ستاروں اور سیاروں کے لیے منزلیں مقرر کیں، اور اس میں ایک روشن سورج بنایا جو نور پھیلاتا ہے اور ایک چمکتا ہوا چاند رکھا جو سورج کی روشنی کو منعکس کر کے زمین کو روشن کرتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً: اور وہی اللہ ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا، تاکہ جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہے وہ ان نشانیوں میں غور کرے اور ہدایت پائے، یا جو شکر کرنا چاہے وہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے۔

خلفۃ کا ایک معنی بدل بھی ہے یعنی رات اور دن میں سے ہر ایک کو دوسرے کا بدل بنایا ہے، یعنی رات کو وہ جو عبادت کرتا ہے اگر وہ کسی وجہ سے رہ گئی اس کو دن میں ادا کرے اور دن میں جو عبادت کرتا ہے وہ کسی وجہ سے رہ گئی تو اس کو رات میں ادا کرے۔

عباد الرحمٰن کی صفات

سوال قرآن کریم کی ان آیات کی روشنی میں عباد الرحمان کی صفات کی وضاحت کی جائے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا {٦٣}وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا {٦٤}وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا {٦٥}اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا {٦٦}وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا {٦٧}وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا {٦٨}يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا {٦٩}اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا {٧٠}وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا {٧١}وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا {٧٢}وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا {٧٣}وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا {٧٤}اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا {٧٥}خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا {٧٦}قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا {٧٧}الفرقان

جواب ترجمہ: اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو عاجزی کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے بات کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا سلام ہے، اور وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے لیے اس طرح رات گزارتے ہیں کہ سجدوں میں اور قیام میں مشغول رہتے ہیں، اور وہ لوگ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہم سے جہنم کا عذاب دور رکھیے بلاشبہ اس کا عذاب بالکل ہی تباہ کرنے والا ہے۔ بیشک وہ برا ٹھکانہ ہے اور برا مقام ہے۔ اور جب وہ لوگ خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال والا ہوتا ہے، اور جب وہ لوگ

خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال والا ہوتا ہے، اس کے لیے قیامت کے دن عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور وہ اس میں ذلیل ہو کر ہمیشہ رہے گا، سوائے اس کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دیگا، اور اللہ بخشنے والا، مہربان ہے، اور جو شخص توبہ کرے اور نیک کام کرے سو وہ اللہ کی طرف خاص طور پر رجوع ہوتا ہے، اور وہ لوگ ہیں جو جھوٹ کے کاموں میں حاضر نہیں ہوتے، اور جب بے ہودہ کاموں کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ اور وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات کے ذریعہ سمجھایا جاتا ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے، اور وہ لوگ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہم کو متقیوں کا امام بنا دیجیے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ثابت قدم رہنے کی وجہ سے بالا خانے ملیں گے اور اس میں ان کو بقاء کی دعا اور سلام ملے گا۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، وہ ٹھہرنے کی اچھی جگہ ہے اور اچھا مقام ہے، آپ فرما دیجیے کہ میرا رب پرواہ نہ کرتا اگر تمہارا پکارنا نہ ہوتا، سو تم نے جھٹلایا سو عنقریب وبال ہو کر رہے گا۔

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ یہ ہیں، ① وہ زمین میں سکون کے ساتھ اور عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔ ② جب جاہل لوگ انہیں تکلیف دہ باتوں کے ساتھ مخاطب کرتے ہیں تو وہ اچھے طریقے سے انہیں جواب دیتے ہیں، وہ ان سے اس انداز میں مخاطب ہوتے ہیں جس میں وہ گناہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ ③ وہ لوگ راتوں میں کثرت سے اللہ کے حضور سجدہ ریزی کرتے ہیں، اپنے رب کی بارگاہ میں مخلصانہ انداز میں پیش ہوتے ہیں، سجود اور قیام کی حالت میں تذلل اختیار کرتے ہیں۔ ④ وہ لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں، وہ اس سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ذات عالی انہیں جہنم کے عذاب سے نجات عطا کرے، اس لیے کہ اس کا عذاب تباہ کن ہو گا۔

⑤ وہ لوگ جب اپنے مالوں سے خرچ کرتے ہیں تو درمیانے انداز میں خرچ کرتے ہیں۔ ⑥ وہ لوگ توحید پرست ہوتے ہیں، غیر اللہ کو پکارتے ہیں اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی معبود کی عبادت کرتے ہیں۔

⑦ وہ لوگ کسی ایسی جان کو قتل نہیں کرتے جسے قتل کرنا اللہ نے حرام کر رکھا ہے، ہاں جو شخص کفر اختیار کرے، جو زنا کرے یا کسی کو قتل کرے تو اس کے بدلے میں قتل کرنا حرام نہیں ہے۔ ⑧ وہ لوگ زنا نہیں کرتے بلکہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، وہ اپنی خواہش اپنی بیویوں اور اپنی لونڈیوں سے پوری کرتے ہیں۔ ⑨ وہ لوگ جھوٹی گواہی دیتے ہیں اور نہ ہی ایسی مجالس میں حاضر ہوتے ہیں جہاں جھوٹی گواہی دی جارہی ہو۔

⑩ جب یہ لوگ اہل باطل کے پاس سے گزرتے ہیں اور بے ہودہ لوگوں کے پاس سے بغیر ارادے وقصد کے گزرتے ہیں تو ان سے منہ پھیرتے ہوئے، ان کا انکار کرتے ہوئے، ان سے بچتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ ⑪ جب ان کے سامنے قرآنی آیات کے ذریعے وعظ کیا جاتا ہے، اللہ کی وحدانیت کے دلائل بیان کیے جاتے ہیں تو ان سے غافل نہیں ہوتے۔ ⑫ وہ اپنے اللہ سے سوال کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں ایسی بیویاں اور ایسی اولاد عطا فرما جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بن جائے۔ ہماری محبت اور الفت کا سامان بن جائے، ہماری خوشی اور مسرت کا سامان بن جائے، ہمیں لوگوں کا پیشوا اور مقتدیٰ بنادے۔

الحمدللہ آج سورۃ الفرقان میں اضافات وترمیمات کی تکمیل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اپنی عظیم بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے، لکھنے والے اور اس کے سارے متعلقین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، ذریعہ نجات بنائے، اللہ تعالیٰ اپنی رضا کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

۲ مئی ۲۰۲۶ء بمطابق ۱۴ ذیقعدہ ۱۴۴۷ھ، بروز ہفتہ چھے بجے شام

سورۃ الشعراء (تعارف)

سوال سورۃ الشعراء کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ الشعراء ایک مکی سورت ہے جو ۲۲۷ آیات پر مشتمل ہے، اس سورت کا مرکزی مضمون دعوتِ توحید، انبیاءِ کرام علیہم السلام کی جدوجہد اور ان کی قوموں کی طرف سے مسلسل انکار و تکذیب کا بیان ہے، اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کی قوم کا انکار کوئی نئی بات نہیں، بلکہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کو بھی اسی طرح کی مخالفت اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

ربط ماقبل سورت الفرقان: یہ سورت اپنے ماقبل سورۃ الفرقان کے ساتھ گہرا ربط رکھتی ہے، دونوں میں قرآنِ مجید کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کو کفار کے رویّوں پر تسلی دی گئی ہے، ابتداء ہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید غم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے پر گویا اپنی جان ہلاک کیے دیتے ہیں، جو آپ کی امت کے لیے بے پناہ شفقت اور دردِ دل کی علامت ہے۔

وجہ تسمیہ: اس سورت کا نام "الشعراء" اس کے آخری رکوع سے ماخوذ ہے، جہاں شاعروں کا ذکر کیا گیا ہے: وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ. اسی مناسبت سے پوری سورت کو "الشعراء" کہا گیا، اس میں یہ نکتہ بھی مضمر ہے کہ شعراء معاشرے میں ایک مؤثر طبقہ ہوتے ہیں، اگر وہ حق پر ہوں تو ہدایت کے علمبردار بن جاتے ہیں اور اگر گمراہی پر ہوں تو باطل کے پھیلانے کا ذریعہ بنتے ہیں، اس طرح سورت کا نام اپنے اندر ایک فکری اور دعوتی پہلو بھی سموئے ہوئے ہے۔

اہم واقعاتِ سورت: اس سورت میں متعدد انبیاءِ کرام علیہم السلام کے واقعات نہایت مؤثر اور تکراری اسلوب میں بیان کیے گئے ہیں، جن کا مقصد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا اور کفارِ مکہ کو عبرت دلانا ہے، ان میں نمایاں طور پر درج ذیل انبیاء کے حالات ذکر ہوئے ہیں ①: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون، یہ سب سے مفصل واقعہ ہے، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت حق، فرعون کی سرکشی، جادوگروں کے ساتھ مقابلہ اور بالآخر بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون کی ہلاکت بیان کی گئی ہے۔

② حضرت ابراہیم علیہ السلام، آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کے شرک کو باطل ثابت کیا، بتوں کی بے بسی کو واضح کیا اور خالص توحید کا پیغام پیش کیا۔ ③ حضرت نوح علیہ السلام، طویل عرصے تک دعوت دینے کے باوجود قوم نے انکار کیا، جس کے نتیجے میں طوفان کے ذریعے انہیں ہلاک کر دیا گیا اور اہلِ ایمان کو نجات دی گئی۔ ④ حضرت ہود علیہ السلام اور قومِ عاد، طاقتور اور متکبر قوم نے حق کو ٹھکرایا، جس کے نتیجے میں وہ شدید آندھی کے عذاب سے تباہ کر دی گئی۔

⑤ حضرت صالح علیہ السلام اور قومِ ثمود، اللہ کی نشانی (اونٹنی) کے باوجود قوم نے سرکشی کی اور اسے قتل کر دیا، جس پر انہیں ہولناک عذاب نے آ لیا۔ ⑥ حضرت لوط علیہ السلام، قوم کی بے حیائی اور فطرت کے خلاف اعمال پر سخت تنبیہ کی گئی، مگر انکار کے سبب وہ عذابِ الٰہی کا شکار ہوئی۔ ⑦ حضرت شعیب علیہ السلام اور اصحابِ اَیکہ، ناپ تول میں کمی اور معاشی بددیانتی کے باعث قوم کو عذاب میں مبتلا کیا گیا۔

ان تمام واقعات میں ایک مشترک جملہ بار بار آتا ہے إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ سب واقعات عبرت کے لیے ہیں، مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

خلاصہ یہ کہ سورۃ الشعراء میں دعوتِ توحید، انبیاء علیہم السلام کی مسلسل جدوجہد اور منکرین کے انجام کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے، اس کا نام "الشعراء" سورت کے آخر میں مذکور شعراء کے ذکر کی وجہ سے رکھا گیا، اس میں بیان کردہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ حق کا راستہ صبر اور استقامت کا تقاضا کرتا ہے، جبکہ تکبر اور انکار کا انجام ہمیشہ ہلاکت اور خسارہ ہوتا ہے۔

طٰسٓمٓ

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے۔

طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ الشعراء

جواب ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس حرف کی مراد بہتر جانتے ہیں۔

تفسیر: طٰسٓمٓ: یہ وہ حروف ہیں جن کے ساتھ اس سورت کا آغاز کیا گیا ہے، ان کے حقیقی اور قطعی

معانی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، کیونکہ یہ ان امور میں سے ہیں جن کا کامل علم اسی کے پاس ہے، اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

البتہ اہلِ علم نے اپنی فہم کے مطابق ان کی حکمتوں کی طرف اشارہ کیا ہے، ان میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید انہی حروف سے مرکب ہے جنہیں عرب اپنی روزمرہ گفتگو میں استعمال کرتے ہیں، مگر اس کے باوجود وہ اس جیسی ایک سورت بھی پیش کرنے سے عاجز ہیں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کلام انسانی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ معجزہ ہے۔

مزید یہ کہ رسول اکرم ﷺ اُمّی تھے، آپ ﷺ نے کسی انسان سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا تھا، لہٰذا حروف کی اس ترتیب اور اسلوب کا قرآن میں آنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہ کلام کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں، بلکہ اس ذات کا کلام ہے جو آسمان و زمین کی ہر چیز کا علم رکھنے والی ہے اور جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

ایک اور حکمت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جب کفّارِ مکہ نے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ قرآن کو نہ سنیں اور اس کے دوران شور مچائیں تاکہ لوگ اس سے متاثر نہ ہوں، تو سورتوں کے آغاز میں اس طرح کے منفرد اور غیر معمولی حروف سن کر ان کی توجہ بے اختیار اس طرف مبذول ہو جاتی تھی، وہ حیرت اور اشتیاق کے ساتھ سننے پر مجبور ہو جاتے، اور یوں ان کا بنایا ہوا منصوبہ خود بخود ناکام ہو جاتا۔

نحوی اعتبار سے ان کے متعدد احتمالات بیان کیے گئے ہیں: اگر اسے سورت کا نام قرار دیا جائے، جیسا کہ اکثر مفسرین کا رجحان ہے، تو یہ مبتدا کے طور پر مرفوع ہو گا، یا خبر کے مقام میں سمجھا جائے گا اور اگر اسے فعلِ محذوف پر محمول کیا جائے تو اس کا محل نصب ہو گا، یعنی تقدیر یوں ہو گی: ”پڑھیے“ یا ”یاد کیجیے“، البتہ اگر یہ حروف محض تعداد و تسرید (الف، لام، میم وغیرہ کی طرح) کے طور پر آئے ہوں تو ان کا کوئی محلِ اعراب نہیں بنتا۔

تفسیری لحاظ سے بھی ان کے بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں: بعض نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک نام ہے، بعض نے اسے قرآن کے ناموں میں شمار کیا، بعض کے نزدیک یہ اسی

سورت کا نام ہے اور بعض نے کہا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی عظمت، روشنی اور ملکیت کی قسم کھائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ طٰسٓمٓ کے حقیقی معنی تک علماء کی رسائی نہیں ہو سکی اور یہی اس مقام پر حق کے زیادہ قریب ہے، اسی لیے جمہور اہلِ علم نے یہی موقف اختیار کیا کہ ان حروف کے مرادِ حقیقی کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، چنانچہ کہا گیا : اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان سے اس کی کیا مراد ہے۔

کتاب مبین

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ {۲} الشعراء

جواب ترجمہ: یہ کھلی کتاب کی آیتیں ہیں۔

تفسیر: اس آیتِ مبارکہ میں قرآنِ کریم کی عظمت، اس کے اعجاز اور اس کی واضح ہدایت ہونے کو نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے، لفظ تِلْكَ اشارہ بعید کے لیے آتا ہے، حالانکہ آیات سامنے موجود ہیں، مگر یہاں دوری کا صیغہ اس لیے اختیار کیا گیا کہ ان آیات کا مقام بہت بلند، مرتبہ نہایت عظیم اور شان انتہائی اعلیٰ ہے، گویا یہ بتایا جارہا ہے کہ یہ معمولی کلام نہیں بلکہ بلند مرتبہ الٰہی کلام ہے۔

اٰيٰتُ الْكِتٰبِ سے مراد قرآنِ کریم کی آیات ہیں۔ یہاں آیات کو "کتاب" کی طرف مضاف کیا گیا ہے، اور یہ اضافت دراصل مِنْ کے معنی میں ہے، یعنی یہ آیات اس عظیم کتاب کا حصہ ہیں، مزید یہ کہ ہر آیت میں پورے قرآن کی خصوصیات پائی جاتی ہیں، جیسے اعجاز، بلاغت، تاثیر اور ہدایت، اس لیے گویا ہر آیت خود ایک مکمل کتاب کی شان رکھتی ہے۔

الْمُبِيْنِ کا معنی ہے: خود بھی بالکل واضح اور روشن، اور دوسروں کو بھی واضح کرنے والا، یعنی قرآنِ کریم اپنی ذات میں بھی روشن ہے اور حقائق کو بھی پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ یہ کتاب، توحید کو واضح کرتی ہے، شریعت کے احکام کو کھول کر بیان کرتی ہے، انسانوں کو ہدایت کا راستہ دکھاتی ہے، ایمان اور دین سے متعلق کوئی چھوٹی یا بڑی بات ایسی نہیں جسے قرآن نے بیان نہ کیا ہو،

اس کی ہر آیت اس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کلام ہے، کیونکہ اس کا اسلوب، اس کا اعجاز اور اس کی تاثیر انسانی کلام سے بالکل مختلف ہے۔

مزید برآں، اس آیت میں بالواسطہ طور پر نبی کریم ﷺ کی صداقت کی طرف بھی اشارہ ہے، کہ آپ پوری زندگی سچے اور امین رہے، آپ کی زبان سے کبھی جھوٹ نہیں نکلا اور آپ اپنی قوم کے لیے بے حد خیر خواہ تھے، آپ کی شدید خواہش تھی کہ لوگ ایمان لے آئیں تاکہ وہ ہدایت اور کامیابی سے محروم نہ رہ جائیں۔

نبی ﷺ کا غم اور حزن

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتایئے کہ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ کا کیا مطلب ہے؟

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ {۳} الشعراء

جواب ترجمہ: اے میرے حبیب! کیا آپ اپنی جان پر کھیل جائیں گے، اس وجہ سے کہ وہ ایمان کیوں نہیں لاتے۔

تفسیر: حضرت نبی کریم ﷺ کی تمنا اور خواہش تھی کہ کفار مکہ مسلمان ہوجائیں، انہیں دولت ایمان نصیب ہو جائے، اسی لیے آپ ﷺ اپنی دعاؤں میں بھی ان کے لیے ہدایت کی دعا کیا کرتے تھے، سخت اذیت اور تکلیف اٹھا کر بھی جب لب ہلائے تو یہی فرمایا کہ اے اللہ! میری قوم کو دولت ایمان سے سرشار و مالا مال فرمادے، یہ انجان ہیں، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی کیونکہ کفار مکہ کے ایمان نہ لانے سے نبی کریم ﷺ رنجیدہ خاطر اور غمگین تھے، اللہ تعالیٰ تسلی دے رہے ہیں، جیسے قرآن کریم کے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں {فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ} [فَاطِرٍ: ۸] تو ان کے ایمان نہ لانے پر حسرت و افسوس نہ کر۔

سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا {فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا} (الْكَهْفِ: ۶) کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ان کے پیچھے اپنی جان گنوا دیں۔ چونکہ ہماری یہ چاہت ہی نہیں کہ لوگوں کو ایمان پر زبردستی کریں اگر یہ چاہتے تو کوئی ایسی چیز

آسمان سے اتارتے کہ یہ ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے مگر ہم تو ان کا اختیاری ایمان طلب کرتے ہیں۔

سورۃ یونس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا {وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ} (یُونُس:۹۹) اگر آپ کا رب چاہے تو روئے زمین کے تمام لوگ مومن ہو جائیں کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے؟ جب تک کہ وہ مومن نہ ہو جائیں۔

سورۃ ھود میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا {وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ. إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ} (هُودٍ: ۱۱۸، ۱۱۹) اگر تیرا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ یہ ہمیشہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر آپ کا پروردگار رحم کرے، اور اسی لیے تو اس نے انہیں پیدا کیا ہے۔

یہ اختلاف دین و مذہب بھی اس کا مقرر کیا ہوا ہے اور اس کی حکمت کو ظاہر کرنے والا ہے اس نے رسول بھیج دیئے، کتابیں اتار دیں اپنی دلیل و حجت قائم کر دی انسان کو ایمان لانے نہ لانے میں مختار کر دیا۔ اب جس راہ پر وہ چاہے لگ جائے جب کبھی کوئی آسمانی کتاب نازل ہوئی بہت سے لوگوں نے اس سے منہ موڑ لیا۔ تیری پوری آرزو کے باوجود اکثر لوگ بے ایمان ہی رہیں گے۔

سورۃ یاسین میں فرمایا {يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ} (یس:۳۰) بندوں پر افسوس ہے ان کے پاس جو بھی رسول آیا انہوں نے اس کا مذاق اڑایا۔ سورۃ المؤمنون میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا {ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَى كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةً رَسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ فَبُعْدًا لِقَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ} (الْمُؤْمِنُونَ: ۴۴) اور آیت میں ہے ہم نے پے در پے پیغمبر بھیجے لیکن جس امت کے پاس ان کا رسول آیا اس نے اپنے رسول کو جھٹلانے میں کمی نہ کی۔ اسی لیے یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ہی فرمایا کہ نبی آخر الزمان کی قوم نے بھی انہیں جھٹلایا ہے انہیں بھی اس کا بدلہ عنقریب مل جائے گا ان ظالموں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ یہ کس راہ ڈالے گئے ہیں؟

پھر اپنی شان و شوکت قدرت و عظمت عزت و رفعت بیان فرماتا ہے کہ جس کے پیغام اور جس

کے قاصد کو تم جھوٹا کہہ رہے ہو وہ اتنا بڑا قادر قیوم ہے کہ اسی ایک نے ساری زمین بنائی ہے اور اس میں جاندار اور بے جان چیزیں پیدا کی ہیں، کھیت پھل باغ و بہار سب اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ (ابن کثیر)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ امام شعبی رحمہ اللہ کا ایک ارشاد نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں النَّاسُ مِنْ نَبَاتِ الْأَرْضِ، فَمَنْ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَهُوَ كَرِيمٌ، وَمَنْ دَخَلَ النَّارَ فَهُوَ لَئِيمٌ، لوگ زمین کی پیداوار ہیں، ان میں جو جنت میں داخل ہوا وہ شریف ہے اور دوزخ میں داخل ہوا وہ کمینہ ہے۔

بَاخِعٌ: بَخَعَ سے مشتق ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ذبح کرتے کرتے بخاع تک پہنچ جائے جو گردن کی ایک رگ ہے اور اس جگہ باخع سے مراد اپنے آپ کو تکلیف اور مشقت میں ڈالنا ہے۔ باخع کا مطلب ہے ہلاک کرنے والا۔ (القاموس المحیط) بخع النفس کا مطلب ہے کسی غم و غصہ کی وجہ سے اپنی جان کو قتل کرنا، اپنے کو مار ڈالنا۔ (المعجم الوسیط) بخع بالشاۃ اس وقت بولا جاتا ہے جب بکری کو اس طرح ذبح کیا جائے کہ چھری گردن کے پچھلے حصے تک چلی جائے، پھر ہر مبالغے کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جانے لگا۔ (تاج العروس) فراء کہتے ہیں کہ باخع النفس کا مطلب اپنے آپ کو قتل کرنا ہے۔ (لسان العرب)

علامہ عسکری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس جیسے مقامات میں اگرچہ صورت جملہ خبریہ کی ہے مگر حقیقۃً اس سے مراد نہی اور ممانعت کرنا ہے، مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر، اپنی قوم کے کفر اور اسلام سے انحراف کے سبب اتنا رنج نہ کیجئے کہ جان گھلنے لگے۔

دلائل قدرت، اعراض کفار اور انجام تکذیب

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

إِنْ نَّشَأْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ {۴} وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ {۵} فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ {۶} اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ {۷} اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ {۸} وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ {۹} الشعراء

جواب ترجمہ: اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے بڑی نشانی نازل کر دیں، پھر ان کی گردنیں اس نشانی کی وجہ سے جھک جائیں۔ اور ان کے پاس رحمن کی طرف سے جو بھی کوئی نصیحت آجاتی ہے تو اس سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں۔ سو انہوں نے جھٹلا دیا سو آجائینگی ان کے پاس اس چیز کی خبریں جس کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے۔ کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا اس میں ہم نے کتنی قسم کی اچھی اچھی بُوٹیاں اگائی ہیں۔ بلاشبہ اس میں بڑی نشانیاں ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور بلاشبہ آپ کا رب زبردست ہے رحمت والا ہے۔

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ چاہتا تو ایسی زبردست اور ناقابلِ انکار نشانی نازل فرما دیتا جسے دیکھ کر کفار مجبوراً ایمان لے آتے اور عاجزی کے ساتھ سر جھکا دیتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ دنیا دارالامتحان ہے، یہاں ایمان کا اصل معیار یہ ہے کہ انسان بغیر جبر کے، محض دلائل اور غور و فکر کی بنیاد پر غیب پر ایمان لائے، اگر ایمان جبر سے ہو تو اس کا کوئی اجر و ثواب باقی نہیں رہتا۔

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب بھی ان کے پاس رحمان کی طرف سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں، یہ مشرکین کی ہٹ دھرمی کا بیان ہے کہ قرآن کی ہر نئی آیت، جو اللہ کی طرف سے نصیحت اور ہدایت لے کر آتی ہے، وہ اسے سننے اور ماننے کے بجائے اس سے اعراض کرتے ہیں، حالانکہ یہ آیات توحید، رسالت اور آخرت کے واضح دلائل پر مشتمل ہوتی ہیں، لیکن ان کے دلوں پر عناد اور ضد کا پردہ پڑا ہوا ہے۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جو ان کے پاس آئی، تو عنقریب انہیں ان باتوں کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جن کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ جب انہوں نے رسولِ کریم ﷺ کی لائی ہوئی حق بات کو جھٹلا دیا اور اس کا مذاق اڑایا، تو اللہ تعالیٰ نے وعید سنائی کہ جلد ہی انہیں اپنے اس رویے کا انجام معلوم ہو جائے گا، یہ انجام دنیا میں عذاب کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے اور آخرت میں تو یقینی اور شدید سزا ان کی منتظر ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ: اللہ فرماتے ہیں کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنی قسم کے عمدہ اور فائدہ مند پودے اگائے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ان کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے کہ وہ زمین کی طرف دیکھیں، جہاں بے شمار اقسام کے خوبصورت اور نفع بخش نباتات اگتے ہیں، ہر قسم کا پودا اپنی ساخت، رنگ، ذائقہ اور فائدے کے اعتبار سے منفرد ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی واضح نشانیاں ہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ: بے شک اس میں بڑی نشانی ہے، لیکن ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔ زمین میں مختلف قسم کے پودوں کا اگنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ جس اللہ نے مردہ زمین کو زندہ کیا، وہی مردوں کو بھی دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، لیکن افسوس کہ واضح دلائل کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، کیونکہ وہ حق کو قبول کرنے کے بجائے ضد اور غفلت میں مبتلا ہیں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ: اور بے شک آپ کا رب ہی غالب اور بڑا مہربان ہے، آخر میں اللہ تعالیٰ اپنی دو صفات بیان فرماتا ہے: العزیز (غالب) وہ ہر چیز پر قادر ہے، کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا، اور وہ منکرین کو سزا دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ الرحیم (مہربان) اس کے باوجود وہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے، فوراً عذاب نہیں دیتا بلکہ مہلت دیتا ہے تاکہ وہ توبہ کرکے راہِ راست اختیار کرلیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر پیش کیجیے۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ {۱۰} قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا يَتَّقُوْنَ {۱۱} قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ {۱۲} وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ {۱۳} وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ {۱۴} قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ {۱۵} الشعراء

جواب ترجمہ: اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ ظالم قوم۔ یعنی قوم فرعون کے پاس چلے

جاؤ کیا یہ لوگ ڈرتے نہیں ہیں۔ موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں۔ اور میرا سینہ تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی لہٰذا ہارون کو بھی پیغمبر بنا دیجیے۔ اور مجھ پر ان لوگوں کا جرم ہے لہٰذا میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا سو تم دونوں ہماری آیات لے کر جاؤ، بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

خلاصہ تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے آغاز اور ان کو فرعون کی ظالم قوم کی طرف مبعوث کیے جانے کا واقعہ نہایت جامع انداز میں بیان ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے طور پر موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جائیں جو کفر اور ظلم میں مبتلا ہیں، مگر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ انہیں جھٹلائے جانے، دل کے تنگ ہونے اور زبان میں روانی نہ ہونے کا اندیشہ ہے، نیز ایک سابقہ واقعہ (قبطی کے قتل) کی وجہ سے انہیں اپنی جان کا خطرہ بھی محسوس ہوتا ہے، اس لیے انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو معاون بنانے کی درخواست کی، اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام خدشات کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ ہرگز خوف نہ کریں، ہم تمہارے ساتھ ہیں، تمہیں اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیج رہے ہیں اور تمہاری ہر بات کو سننے والے ہیں، اس طرح یہ آیات ایک طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوتی ذمہ داری کے آغاز کو واضح کرتی ہیں اور دوسری طرف یہ سبق دیتی ہیں کہ اللہ کے کام میں اخلاص کے ساتھ قدم بڑھانے والوں کو اللہ کی نصرت اور معیت حاصل ہوتی ہے۔

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجنے کا مقصد

سوال ان آیات میں مقصد بعثت بیان کیا گیا ہے، ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ {۱۶} أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَآءِيلَ {۱۷}

جواب ترجمہ: سو تم فرعون کے پاس جاؤ اور یوں کہو کہ بلاشبہ ہم رب العالمین کے پیغمبر ہیں، یہ کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ (الشعراء)

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ فرعون کے دربار میں جا کر نہایت حکمت اور نرمی کے ساتھ اپنا تعارف کرائیں کہ ہم دونوں ربّ

العالمین کے بھیجے ہوئے رسول ہیں اور اس اعلان کے ذریعے فرعون کے باطل دعویِ خدائی کی نفی کریں، ساتھ ہی انہیں یہ واضح پیغام پہنچائیں کہ بنی اسرائیل کو ظلم، قید اور غلامی سے آزاد کر کے ہمارے ساتھ جانے دیا جائے، گویا یہ دعوت توحید کی طرف بلانے، فرعون کی سرکشی کو چیلنج کرنے، اور ایک مظلوم قوم کو رہائی دلانے کا جامع پیغام تھا، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت کو مکمل فرمایا اور حق و باطل کے درمیان واضح حد قائم کر دی۔

فرعون کا طعنہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ {۱۸} وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ {۱۹} قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ {۲۰} فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ {۲۱} الشعراء

جواب ترجمہ: فرعون نے کہا کیا ہم نے تجھے اپنے پاس رکھ کر اس وقت نہیں پالا جب تو نومولود تھا اور تو ہمارے اندر اپنی عمر کے برسہابرس رہا ہے اور تو نے وہ کام کیا جو تو نے کیا اور تو ناشکروں میں سے ہے۔ موسیٰ نے جواب دیا یہ فعل میں نے اس وقت کیا تھا جبکہ میں چوک جانے والوں میں سے تھا۔ سو میں تمہارے یہاں سے فرار ہو گیا جب مجھے تمہاری طرف سے ڈر لگا سو میرے رب نے مجھے دانشمندی عطا فرمائی اور مجھے پیغمبروں میں شامل فرما دیا۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہونے والا مکالمہ بیان ہوا ہے، جس میں فرعون نے احسان جتاتے ہوئے کہا کہ ہم نے تمہیں بچپن میں پالا اور تم ہماری نگرانی میں برسوں رہے، پھر اس نے قبطی کے قتل کے واقعے کو بطورِ طعنہ پیش کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت وضاحت سے جواب دیا کہ وہ واقعہ ان سے غیر ارادی طور پر سرزد ہوا، کیونکہ انہیں اس کے انجام کا علم نہ تھا اور اسی خوف کی بنا پر وہ وہاں سے نکل کر مدین چلے گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت و نبوت عطا فرمائی اور منصبِ رسالت سے سرفراز کیا، اس طرح ان آیات میں واضح کیا گیا کہ

فرعون کے دنیاوی احسانات رسالت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے، کیونکہ نبوت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، جو وہ اپنے منتخب بندوں کو مرحمت فرماتا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب: اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، جب کہ یہاں موسیٰ علیہ السلام کا اپنا قول ہے کہ میں نے یہ قتل اس وقت کیا تھا جب میں ضالین (گمراہ) میں سے تھا، یہ تو عصمت انبیاء علیہم السلام کے خلاف ہے، اس اشکال کا جواب یہ ہے اہلِ سنت کے عقیدے کے مطابق انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، یعنی وہ کفر، شرک اور صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں اور اگر کوئی غیر ارادی خطا یا سہو ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فوراً اس کی اصلاح فرما دیتا ہے۔

اسی اصول کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ کا مطلب ہرگز "گمراہ" ہونا نہیں، بلکہ اس سے مراد "ناواقف، بے خبر یا غیر ارادی خطا کرنے والا" ہے، جیسا کہ مفسرین نے واضح کیا کہ قبطی کا قتل عمداً نہیں بلکہ دفاع کے دوران ایک غیر ارادی فعل (قتلِ خطا) تھا، اور موسیٰ علیہ السلام کو اس کے نتیجے کا علم نہ تھا۔

مزید یہ کہ یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے اور آپ کا یہ جملہ اسی وقت کی کیفیت کو بیان کرتا ہے، نہ کہ کسی دینی گمراہی کو، لہٰذا یہ بات عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے خلاف نہیں، کیونکہ عصمت کا تعلق جان بوجھ کر گناہ کرنے سے بچائے جانے سے ہے، نہ کہ کسی حکم کے نازل ہونے سے پہلے اس کے تفصیلی علم سے، چنانچہ اس آیت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عصمت پوری طرح برقرار اور ثابت رہتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جرأتِ گفتار

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ {۲۲} الشعراء

جواب ترجمہ: اور وہ جو تو مجھ پر اپنا احسان جتلا رہا ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا۔

تفسیر: مفسرین نے اس آیت کا مطلب مختلف طور پر لکھا ہے، ① حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف

سے یہ اقرار احسان ہے کہ تو نے مجھے زندہ چھوڑ دیا اور پالا اور دوسرے اسرائیلی بچوں کی طرح قتل نہیں کرایا۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بیشک یہ تیرا احسان ہے جو تو مجھے جتلا رہا ہے کہ بنی اسرائیل کو تو نے غلام بنائے رکھا اور مجھے چھوڑ دیا غلام نہیں بنایا۔

② بظاہر یہ اقرار نعمت ہے اور حقیقت میں انکار ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اوّل فرعون کی تردید و توبیخ کی اور پھر اس نعمت تربیت کی طرف کلام کا رخ کیا جس کا فرعون نے ذکر کیا تھا لیکن اس کا صراحۃً انکار نہیں کیا۔ کیونکہ فرعون نے واقع میں پالا ہی تھا بلکہ اس بات پر تنبیہ کی کہ یہ نعمت حقیقت میں احسان نہ تھی لیکن ظلم کے مقابلے میں یا ظلم کے نتیجہ میں یہ نعمت تھی مجھ پر تیرا احسان نتیجہ تھا اس بات کا کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا ان کے لڑکوں کو تو قتل کراتا تھا اسی وجہ سے میں تیرے ہاتھ لگا اور تیرے پاس مجھے پہنچا دیا گیا اور تو نے میری پرورش و کفالت کی، اگر تو بنی اسرائیل کو حد سے زیادہ ذلیل نہ کرتا اور ان کے لڑکوں کو قتل نہ کراتا تو میرے گھر والے میری پرورش کرتے اور دریا میں مجھے نہ پھینکتے اور میں تیرے مکان میں نہ لایا جاتا۔ (تفسیر مظہری)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر میں تیرے گھر پلا ہوں تو تیرا کوئی احسان نہیں اس لئے کہ میں نے جو تیرے گھر میں پرورش پائی یہ بھی تیرے ظلم کا نتیجہ تھا تو اگر بچوں کو نہ قتل کراتا تو میری ماں کیوں پھینکتی میں تیرے گھر کیوں آتا یہ بھی تیرے ظلم کا نتیجہ ہے کوئی مجھ پر احسان نہیں کیا۔ (عثمانی)

مکالمہ موسیٰ علیہ السلام و فرعون

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ{۲۳}قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ{۲۴}قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ{۲۵}قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ{۲۶}قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ{۲۷}قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ{۲۸}قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ

مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ {۲۹}الشعراء

جواب ترجمہ: فرعون نے کہا اور رب العالمین کون ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا کہ رب العالمین وہی ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ فرعون اپنے آس پاس کے بیٹھنے والوں سے کہنے لگا کیا تم نہیں سنتے؟ موسیٰ نے کہا کہ وہ تمہارا رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی رب ہے۔ فرعون نے کہا بلاشبہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ وہ مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے اگر تم سمجھتے ہو۔ فرعون نے کہا اگر تو نے میرے علاوہ کوئی معبود بنایا تو میں ضرور ضرور تجھے قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان پہلا عقلی و توحیدی مکالمہ بیان ہوا ہے، جس میں فرعون نے تکبر اور استہزاء کے ساتھ پوچھا کہ ربّ العالمین کیا ہے؟ حالانکہ وہ خود جھوٹا دعویٰ خدائی رکھتا تھا، اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت حکمت کے ساتھ تین مضبوط دلائل پیش کیے، پہلے آفاق کی دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ رب وہ ہے جو آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان ہر چیز کا خالق ہے، پھر انفس کی دلیل پیش کی کہ وہ تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا رب ہے اور آخر میں نظامِ کائنات (مشرق و مغرب) کی دلیل دے کر اس کی کامل قدرت کو واضح کیا، فرعون ان واضح دلائل کا سامنا نہ کر سکا تو اس نے پہلے تمسخر کیا، پھر آپ کو مجنون کہا اور آخر کار اپنی کمزوری چھپانے کے لیے دھمکی دی کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود مانا تو میں تمہیں قید کر دوں گا، اس طرح یہ آیات حق کے واضح دلائل اور باطل کے بے بسی پر مبنی رویّے کو نمایاں کرتی ہیں۔

معجزات موسوی اور فرعون کی سیاسی چال

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ {۳۰}قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ {۳۱}فَاَلْقٰى

عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ {۳۲} وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ {۳۳} قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ {۳۴} يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُم بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ {۳۵} قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ {۳۶} يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ {۳۷} الشعراء

جواب ترجمہ: موسیٰ بولے: اور اگر میں تمہیں کوئی ایسی چیز لا دکھاؤں جو حق کو واضح کر دے، پھر؟ فرعون نے کہا اگر تو سچوں میں سے ہے تو دلیل پیش کر دے۔ اس پر موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا سو وہ اچانک واضح طور پر اژدھا بن گیا۔ اور اپنا ہاتھ نکالا سو وہ اچانک دیکھنے والوں کے لیے سفید ہو گیا تھا۔ قوم کے سردار جو فرعون کے آس پاس موجود تھے ان سے فرعون نے کہا کہ بلاشبہ یہ شخص بڑا ماہر جادو گر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم لوگوں کو تمہاری سرزمین سے نکال دے۔ سو بتاؤ تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ اس شخص کو اور اس کے بھائی کو مہلت دو اور شہروں میں اپنے کارندوں کو بھیج دو جن کا یہ کام ہو کہ لوگوں کو جمع کریں۔ تمہارے پاس ہر بڑے ماہر جادوگر کو لے آئیں۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی دھمکی کے جواب میں فرمایا کہ اگر وہ کوئی واضح نشانی پیش کریں تو کیا پھر بھی وہ انکار کرے گا، جس پر فرعون نے چیلنج دیا کہ اگر سچے ہو تو معجزہ دکھاؤ، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا جو ایک حقیقی اژدہا بن گیا اور اپنا ہاتھ نکالا تو وہ نور سے چمکتا سفید ہو گیا، جو دونوں کھلے اور غیر معمولی معجزات تھے، لیکن فرعون نے حق کو تسلیم کرنے کے بجائے اپنی شکست چھپانے کے لیے انہیں جادو قرار دیا اور درباریوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ موسیٰ اپنی جادوگری سے تمہیں تمہاری سرزمین سے نکالنا چاہتے ہیں، پھر اس نے سیاسی چال کے طور پر مشورہ طلب کیا، جس پر سرداروں نے کہا کہ فوری اقدام کے بجائے مہلت دی جائے اور پورے ملک سے ماہر جادوگروں کو جمع کیا جائے تاکہ مقابلہ کر کے موسیٰ علیہ السلام کو زیر کیا جا سکے، اس طرح ان آیات میں حق کے واضح معجزات کے مقابلے میں باطل کی فریب کاری اور طاقت کے سہارے مقابلہ کرنے کی حکمتِ عملی کو نمایاں کیا گیا ہے۔

مقابلے کے میدان میں جادوگروں کی شکست

سوال اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بتایئے کہ یہاں یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ سے کیا مراد ہے؟

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيۡقَاتِ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ {۳۸} الشعراء

جواب ترجمہ: سو ایک مقررہ دن کے خاص وقت پر جادوگر جمع کیے گئے۔

خلاصہ تفسیر: علامہ ابن کثیر علیہ السلام لکھتے ہیں "مناظرہ زبانی ہو چکا، اب مناظرہ عملاً ہو رہا ہے اس مناظرہ کا ذکر سورۃ اعراف سورۃ طٰہٰ اور اس سورت میں ہے، قبطیوں کا ارادہ اللہ کے نور کے بجھانے کا تھا اور اللہ کا ارادہ اس کی نورانیت کے پھیلانے کا تھا۔ پس اللہ کا ارادہ غالب رہا، ایمان و کفر کا مقابلہ جب کبھی ہوا ایمان کفر پر غالب رہا، اللہ تعالیٰ حق کو غالب کرتا ہے باطل کا سر پھٹ جاتا ہے اور لوگوں کے باطل ارادے ہوا میں اڑ جاتے ہیں۔ حق آجاتا ہے باطل بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

یہاں بھی یہ ہوا ہر ایک شہر میں سپاہی بھیجے گئے۔ چاروں طرف سے بڑے بڑے نامی گرامی جادوگر جمع کئے گئے جو اپنے فن میں کامل اور استاد زمانہ تھے کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد بعض کہتے ہیں کہ بارہ ہزار تھی، بعض کہتے ہیں کہ پندرہ ہزار تھی، بعض کہتے ہیں کہ سترہ ہزار تھی، بعض کہتے ہیں کہ انیس ہزار تھی، بعض کہتے ہیں کہ کچھ اوپر تیس ہزار تھی بعض کہتے ہیں کہ اسی ہزار تھی یا اس سے کم وبیش تھی، صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے ان تمام کے استاد اور سردار چار شخص تھے۔ ساتور، عازور، حطحط اور یصقی۔

چونکہ سارے ملک میں شور مچ چکا تھا چاروں طرف سے لوگوں کے غول کے غول وقت مقررہ سے پہلے مصر میں جمع ہو گئے۔ چونکہ یہ کلیہ قاعدہ ہے کہ رعیت اپنے بادشاہ کے مذہب پر ہوتی ہے۔ سب کی زبان سے یہی نکلتا تھا کہ جادوگروں کے غلبہ کے بعد ہم تو ان کی راہ لگ جائیں گے۔ یہ کسی زبان سے نہ نکلا کہ جس طرف حق ہو گا ہم اسی طرف ہو جائیں گے اب موقع پر فرعون مع اپنے جاہ حشم کے نکلا، تمام امراء ورؤسا ساتھ تھے لشکر فوج پلٹن ہمراہ تھی ، جادوگروں کو اپنے دربار میں اپنے سامنے بلوایا۔

جادوگروں نے بادشاہ سے عہد لینا چاہا اس لئے کہا کہ جب ہم غالب آجائیں تو بادشاہ ہمیں انعامات سے محروم نہیں رکھیں گے ؟ فرعون نے جواب دیا واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے نہ صرف انعام بلکہ میں تو تمہیں اپنے خاص رؤسا میں شامل کروں گا اور تم ہمیشہ میرے پاس اور میرے ساتھ ہی رہا کروگے۔ تم میرے مقرب بن جاؤ گے میری تمام تر توجہ تمہاری ہی طرف ہو گی۔

وہ خوشی خوشی میدان کی طرف چل دیئے۔ وہاں جا کر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے۔ بولو تم پہلے اپنی استادی دکھاتے ہو ؟ یا ہم دکھائیں ؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نہیں تم ہی پہلے اپنی بھڑاس نکال لو تاکہ تمہارے دل میں کوئی ارمان نہ رہ جائے یہ جواب پاتے ہی انہوں نے اپنی چھڑیاں اور رسیاں میدان میں ڈال دیں اور کہنے لگے فرعون کی عزت سے ہمارا غلبہ رہے گا۔

سورۃ اعراف میں ہے جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ انہیں ہیبت میں ڈال دیا اور بڑا بھاری جادو ظاہر کیا۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ ان کی لاٹھیاں اور رسیاں ان کے جادو سے ہلتی جلتی معلوم ہونے لگیں۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ میں جو لکڑی تھی اسے میدان میں ڈال دیا جس نے سارے میدان میں ان کی جو کچھ نظر بندیوں کی چیزیں تھیں، سب کو ہضم کر لیا، پس حق ظاہر ہو گیا اور باطل دب گیا اور ان کا کیا کرایا سب غارت ہو گیا، یہ کوئی ہلکی سی بات اور تھوڑی سی دلیل نہ تھی جادوگر تو اسے دیکھتے ہی مسلمان ہو گئے کہ ایک شخص اپنے استاد فن کے مقابلے میں آتا ہے اس کا حال جادوگروں کا سا نہیں، وہ کوئی بات نہیں کرتا یقیناً ہمارا جادو صرف نگاہوں کا فریب ہے اور اس کے پاس اللہ کا دیا ہوا معجزہ ہے وہ تو اسی وقت وہیں کے وہیں اللہ کے سامنے سجدے میں گر گئے۔

اور اسی مجمع میں سب کے سامنے اپنے ایمان لانے کا اعلان کیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لا چکے، پھر اپنا قول اور واضح کرنے کے لئے یہ بھی ساتھ ہی کہہ دیا کہ رب العالمین سے ہماری مراد وہ رب ہے جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اپنا رب کہتے ہیں، اتنا بڑا معجزہ اس قدر انقلاب فرعون نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن ملعون کی قسمت میں ایمان نہ تھا۔ پھر بھی آنکھیں نہ کھلیں اور دشمن جاں

ہو گیا اور اپنی طاقت سے حق کو کچلنے لگا اور کہنے لگا کہ ہاں میں جان گیا موسیٰ تم سب کے استاد تھے اسے تم نے پہلے سے بھیج دیا پھر تم بظاہر مقابلہ کرنے کے لئے آئے اور باطنی مشورے کے مطابق میدان ہار گئے اور اس کی بات مان گئے پس تمہارا یہ مکر کھل گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فرعون کے اہل دربار نے اس مقابلہ کو مؤخر کرنے کا مشورہ دیا تھا تاکہ تمام جادوگر جمع ہو جائیں اور سب لوگوں کے سامنے یہ مقابلہ ہو، فرعون نے ان کے اس مشورہ کو مان لیا اس کا خیال تھا کہ سب جادوگر مل کر اکیلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آجائیں گے اور سب کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شکست ہو جائے گی اور اس کی خدائی برقرار رہے گی اور وہ یہ بھول گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر اس پر کیسی ہیبت طاری ہوئی تھی اور اس کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے کیونکہ اپنی خدائی کو ثابت کرنے کی محبت نے اس کو ہر خطرہ سے غافل کر دیا تھا۔

مقرر دن سے مراد ہے ان کی زینت (جشن) کا دن، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ سال کی پہلی تاریخ تھی اور وہ ان کی عید کا دن تھا اور وہی یوم نیروز ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۶۶) اور مقابلہ کا وقت دن روشن ہونے کے بعد طے ہوا تھا۔

معرکہ حق و باطل اور جادوگروں کا ایمان

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

وَقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ {۳۹} لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ {۴۰} فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ {۴۱} قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ {۴۲} قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ {۴۳} فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ {۴۴} فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ {۴۵} فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ {۴۶} قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ {۴۷} رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ {۴۸} قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۭ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ

خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ {۴۹} الشعراء

جواب ترجمہ: اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم جمع ہونے والے ہو؟ شاید ہم جادوگروں کی راہ کو قبول کرلیں اگر وہ غالب ہو جائینگے۔ جب جادوگر آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب ہو گئے تو کیا یقینی طور پر ہمیں کوئی بڑا انعام ملے گا؟ فرعون نے کہا ہاں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس صورت میں تم مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے۔ موسیٰ نے کہا کہ تم ڈال دو جو کچھ ڈالنے والے ہو۔ سو ان لوگوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور فرعون کی عزت کی قسم کھا کر بولے کہ بلاشبہ ہم ہی غالب ہوں گے۔ سو موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا۔ سو اچانک وہ ان لوگوں کے بنائے ہوئے دھندے کو نگلنے لگا۔ پھر جادوگر سجدے میں ڈال دیئے گئے۔ کہنے لگے ہم رب العالمین پر ایمان لائے۔ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون نے کہا کیا تم اس پر اس سے پہلے ایمان لے آئے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ بیشک بات یہ ہے کہ یہ تم سب کا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے، سو یہ ضروری بات ہے کہ تم عنقریب جان لوگے کہ میں ضرور ضرور تمہارے ہاتھوں کو اور پاؤں کو مخالف جانب سے کاٹ دوں گا اور ضرور ضرور تمہیں سولی پر لٹکا دوں گا۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اس عظیم مقابلے کا منظر پیش کیا گیا ہے جس کے لیے لوگوں کو جمع کیا گیا تاکہ سب اس فیصلہ کن مرحلے کو دیکھیں اور عام لوگ بھی یہی کہتے تھے کہ جو غالب آئے گا ہم اسی کی پیروی کریں گے، جادوگر فرعون کے پاس آئے تو انہوں نے کامیابی کی صورت میں انعام اور قربت کی شرط رکھی، جسے فرعون نے قبول کر لیا، مقابلہ شروع ہوا تو جادوگروں نے اپنے رسّے اور لاٹھیاں ڈال کر فرعون کی عزت کی قسم کھائی کہ وہی غالب رہیں گے، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنا عصا ڈالا تو اس نے ان کے تمام جادو کو نگل لیا، یہ واضح معجزہ دیکھ کر جادوگر فوراً سجدے میں گر گئے اور کھلم کھلا اعلان کر دیا کہ ہم ربّ العالمین، یعنی موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لے آئے، اس پر فرعون سخت غضب ناک ہوا اور اپنی شکست چھپانے کے لیے انہیں دھمکی دی کہ تم نے میری اجازت کے بغیر ایمان قبول کیا اور اب میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ کر تم سب کو سولی

چڑھادوں گا، اس طرح یہ آیات حق کے غالب آنے، اہلِ باطل کے ایمان لانے اور طاغوتی طاقت کے ظلم وجبر کو نمایاں کرتی ہیں۔

ساحران مصر کی بے خوفی

سوال جادو گر جب ایمان لے آئے تو فرعون نے انہیں سزا دینے کا اعلان کیا، اس پر قرآنی آیات کی روشنی میں وضاحت فرمایئے۔

قَالُوْا لَا ضَيْرَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ {۵۰} اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ {۵۱} الشعراء.

جواب ترجمہ: انہوں نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں۔ بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو اس وجہ سے بخش دے گا کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہمیں دنیا میں کوئی سزا ملتی ہے تو ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے، ہم اپنے رب کی طرف لوٹ جانے والے ہیں، جو ہمیں ہمیشہ کی نعمتوں سے مالا مال اور سرفراز کرے گا، ہمیں اپنے پروردگار سے امید ہے کہ وہ ہمیں معاف کردے گا، ہماری خطاؤں سے درگزر کردے گا، قرآن کریم نے یہاں ان کے ردعمل کو بیان کیا ہے۔

لاضیر ضیر کے معنی حرج اور ضرر کے ہیں اور ان کنا اصل میں لِاَن کنّا ہے۔ زبان کے معروف قاعدے کے مطابق ل یہاں حذف ہو گیا ہے۔

فرعون نے دھمکی تو بہت بڑی دے دی لیکن اس کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ اب یہ ساحر وہ ساحر نہیں ہیں جنہوں نے بڑی لجاجت سے اس سے انعام کی درخواست کی تھی بلکہ نور ایمان کی ایک ہی جھلک نے ان کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے جہاں پہنچ کر فرعون اور اس کی ساری سلطنت کی ان کی نگاہوں میں بال مگس کے برابر بھی وقعت باقی نہیں رہی ہے۔ انہوں نے بڑی بے خوفی کے ساتھ جواب دیا کہ اگر ہم کو یہ سزا ملی جس کی دھمکی دی گئی ہے تو اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہے، ہم بہر حال اپنے رب ہی

کے پاس جائیں گے اور اگر ہم تیرے نزدیک اس بنا پر سازش کی سزا کے مستحق ہیں کہ تیری اجازت کے بدون ہم نے موسیٰ پر ایمان لانے میں سبقت کی ہے تو ہم اس سزا کا خیر مقدم کرتے ہیں اس لئے کہ اول المومنین ہونے کے صلے میں ہمیں توقع ہے کہ ہمارا رب ہماری تمام غلطیاں معاف فرمادے گا۔

اگرچہ ہماشما کے لئے یہ بات نہایت حیرت انگیز ہے کہ ساحر ایک ہی جست میں معرفت کے اس مرتبہ بلند پر پہنچ گئے لیکن یہ بات تعجب کی نہیں ہے۔ سیدنا مسیح نے بھی اپنے ان پڑھ شاگردوں سے فرمایا تھا کہ جب میرے نام پر تم کو لوگ عدالتوں میں پکڑوائیں گے تو پہلے سے نہ سوچنا کہ کیا جواب دو گے۔ وقت پر روح القدس خود تمہارے دل میں بات ڈالے گا۔ (تفسیر تدبر قرآن)

ہجرت بنی اسرائیل وتعاقب فرعون

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ {۵۲} فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآىِٕنِ حٰشِرِيْنَ {۵۳} اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ {۵۴} وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآىِٕظُوْنَ {۵۵} وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ {۵۶} فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ {۵۷} وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ {۵۸} كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ {۵۹} فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ {۶۰} فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ {۶۱} قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ {۶۲} الشعراء.

جواب ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو ساتھ لے کر راتوں رات چلے جاؤ بلاشبہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ پھر فرعون نے شہروں میں اہل کار بھیج دیئے۔ بلاشبہ یہ تھوڑی سی جماعت ہے۔ اور انھوں نے ہم کو غصہ دلایا ہے۔ اور بلاشبہ ہم سب خطرہ رکھنے والے ہیں۔ سو ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے نکال دیا۔ اور خزانوں سے اور عمدہ جائے قیام سے۔ یہ بات اسی طرح سے ہے، اور یہ چیزیں ہم نے بنی اسرائیل کو دے دیں۔ سو سورج نکلنے کے وقت ان کے پیچھے جا پہنچے۔ پھر جب دونوں جماعتوں نے آپس میں ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا یہ یقینی بات ہے کہ ہم پکڑ لیے گئے۔ موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں بلاشبہ میرے ساتھ رب ہے، وہ مجھے ابھی راہ بتادے گا۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو راتوں رات مصر سے لے نکلیں، ساتھ ہی یہ خبر بھی دی کہ فرعون ان کا تعاقب کرے گا، چنانچہ فرعون نے فوراً اپنی فوجیں جمع کیں، لوگوں کو اُبھارا اور بنی اسرائیل کو حقیر اور مشتعل کرنے والی جماعت قرار دے کر اپنی طاقت کا اظہار کیا، لیکن اللہ کے فیصلے کے مطابق انجام یہ ہوا کہ فرعونی اپنی نعمتوں، باغات، نہریں، خزانے اور عالی شان محلات سے محروم کر دیے گئے اور یہ سب بنی اسرائیل کو عطا ہوا، ادھر فرعون اپنی فوج کے ساتھ صبح کے وقت ان کے پیچھے نکلا، یہاں تک کہ دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے، تو بنی اسرائیل گھبرا کر کہنے لگے کہ اب ہم ضرور پکڑے جائیں گے، اس طرح ان آیات میں ایک طرف اللہ کی خفیہ تدبیر اور نصرت کا آغاز دکھایا گیا ہے اور دوسری طرف ظاہری حالات کے دباؤ میں انسان کی کمزوری اور خوف کی کیفیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔

قَالَ كَلَّآ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ: محققین کا کہنا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کلام میں معیت، یعنی اپنے ساتھ ہونے کو مقدم کیا اور رب کا نام بعد میں لیا۔ اور ہمارے رسول نے اپنے قول میں کہ ان اللہ معنا فرمایا، معیت کو مؤخر کیا اور اللہ کا نام پہلے لیا، تاکہ عارفوں کے دلوں پر ظاہر ہو جائے کہ حضرت کلیم علیہ السلام نے اپنے حق کی طرف دیکھا اور یہ مرتبہ مرید یعنی ارادہ کرنے کا ہے۔

اور جناب حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے حق سے اپنی طرف دیکھا، اور یہ مرتبہ مراد یعنی ارادہ کئے ہوئے کا ہے۔ مرید کو جو کچھ کہیں وہ کرتا ہے اور مراد جو کچھ کہے ویسا ہی کرتے ہیں، اس مقام پر یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کلا ان معی ربی۔ یعنی جھڑکی دے کر فرمایا، کہ میرے ساتھ میرا رب ہے۔

اور شب ہجرت حبیب نے اپنے رفیق سے شفقت کے ساتھ فرمایا کہ، لا تحزن ان اللہ معنا، یعنی نہ ڈرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت کلیم نے کہا میرے ساتھ، اور حبیب نے کہا ہم سب کے ساتھ، حضرت کلیم علیہ السلام نے معیت خداوندی کو اپنی ذات کے ساتھ خاص فرمایا ہے، اور حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ ہمارے ساتھ ہے، اپنی ذات کو خاص نہیں کیا، بیشک کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو،

تم ایسے رحمۃ للعالمین ہو۔

روایت ہے کہ جب فرعون کا لشکر بنی اسرائیل کے قریب پہنچا، تو حق تعالیٰ نے ایک ایسا پردہ بخارات کا دونوں فریق میں پیدا کر دیا کہ ایک دوسرے کو نہ دیکھتے تھے، فرعون نے اپنی قوم کو کہا کہ اتر پڑو جب تک آفتاب اونچا ہو کر بخارات درمیان سے جاتے رہیں اور ہم ان کے سر پر جا پڑیں، اس واسطے کہ بچنے کی راہ ان پر بند ہے، کہ آگے دریا ہے اور پیچھے ہمارا لشکر ہے، اب یہ کہاں جاسکتے ہیں، مگر بنی اسرائیل اس قدر مضطرب ہوئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آبدیدہ ہوگئے اور پھر وحی آئی، کہ اے موسیٰ ہم نے دریا کو تیرے حکم میں کر دیا ہے، اسے کنیت سے پکارا اور اس پر حکم کر، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ (تفسیر اشرفی)

یہ فرمان موسیٰ علیہ السلام کا ہے، آپ نے یہ فرمان اس وقت جاری فرمایا جب بنی اسرائیل نے دیکھا کہ آگے دریا کی موجیں ہیں اور تعاقب میں فرعونی فوجیں ہیں تو انہوں نے کہا کہ موسیٰ ہم تو پکڑے گئے، ہم تو دھر لیے گئے، اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا پروردگار میرے ساتھ ہے۔

فرعون کی غرقابی کا عبرتناک منظر

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے صحابہ نے فرعون سے کیسے نجات پائی؟

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ {٦٣}وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ {٦٤}وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ {٦٥}ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ {٦٦}اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ {٦٧}وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ {٦٨}الشعراء.

جواب ترجمہ: سو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر اپنی لاٹھی مار دو، سو وہ پھٹ گیا ہر حصہ اتنا بڑا تھا جیسے بڑا پہاڑ۔ اور ہم نے اس موقع پر دوسروں کو قریب کر دیا۔ اور ہم نے موسیٰ کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے سب کو نجات دی۔ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔ بلاشبہ اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے۔ بلاشبہ آپ کا رب زبردست ہے، رحمت والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ وہ اپنا عصا دریا میں ماریں، چنانچہ انہوں نے اپنا عصا دریا کے پانی پر مارا تو دریا میں بارہ راستے بن گئے، اور ان کے ہمراہ بنی اسرائیل کے بارہ ہی قبیلے تھے، دریا میں سے ہر ٹکڑا بڑے پہاڑ جتنا بن گیا، اللہ نے فرعون اور اس کے پیروکاروں کو دریا کے قریب کر دیا، پھر وہ اس میں ترگئے، حضرت موسیٰ اور ان کے صحابہ کو نجات عطا فرمائی، دریا کے اندر راستہ اس وقت تک رہا جب تک وہ دریا عبور نہیں کر گئے، پھر اللہ نے فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کر دیا، اللہ تعالیٰ نے دونوں طرف کے پانی کو ملا کر اپنی عظیم قدرت کو ظاہر کیا۔

قبر پرستوں کے کرتوت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ {٦٩} اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ {٧٠} قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ {٧١} قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ {٧٢} اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ {٧٣} قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ {٧٤} قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ {٧٥} اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ {٧٦} فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ {٧٧} الشعراء

جواب ترجمہ: اور آپ ان کے سامنے ابراہیم کا قصہ بیان کیجیے۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور قوم سے کہا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ اور ابراہیم نے کہا کہ کیا یہ تمہاری بات سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو۔ یا یہ تمہیں نفع دیتے ہیں یا ضرر دیتے ہیں؟ وہ لوگ کہنے لگے بلکہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے، ابراہیم نے کہا کیا تم نے ان کو دیکھا کہ جن چیزوں کی عبادت کرتے ہو۔ تم اور تمہارے باپ دادے۔ سو بیشک وہ میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی قوم کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کریں، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم سے سوال کیا کہ تم کن چیزوں کی عبادت کرتے ہو، تو انہوں نے اعتراف کیا کہ ہم بتوں کی پوجا کرتے اور ان کے سامنے جمے

رہتے ہیں, اس پر ابراہیم علیہ السلام نے نہایت حکیمانہ انداز میں ان سے پوچھا کہ کیا یہ تمہاری پکار سنتے ہیں یا تمہیں نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں؟ جب وہ کوئی معقول جواب نہ دے سکے تو محض تقلیدِ آباء کا سہارا لیا، تب ابراہیم علیہ السلام نے ان کی گمراہی واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اور تمہارے قدیم باپ دادا جن کی عبادت کرتے رہے ہو وہ سب میرے دشمن ہیں، سوائے ربّ العالمین کے، کیونکہ وہی حقیقی معبود ہے، اس طرح ان آیات میں نہایت مضبوط عقلی دلائل کے ذریعے شرک کی بے بسی اور توحید کی حقانیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔

مسلمانوں میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو قبروں سے تبرک حاصل کرتے ہیں اور ان کے ارد گرد طواف کرتے ہیں، قبر والوں سے مدد مانگتے ہیں، ان کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں، ان کے نام کی نذریں اور نیازیں دیتے ہیں، ان کے نام پر نذرانے پیش کرتے ہیں، اس طرح کے بڑے بڑے شرکیہ افعال کرتے ہیں، ایسا کرنے میں وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد ایسا ہی کیا کرتے تھے، اس لیے وہ ایسا کرتے ہیں، ان کی مثال حضرت ابراہیم کی قوم کی طرح ہے، اس پر کوئی آیات پیش کی جائیں۔

آج بھی قبر پرست مختلف بزرگوں کی قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں، قبروں کے پھیرے لگاتے ہیں، قبروں پر شرکیہ افعال کرتے ہیں، یہ لوگ ان قبروں میں آسودہ خاک بزرگوں سے نفع اور نقصان کی امیدیں رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تعریف وثناء

سوال اس آیت کریمہ میں جو باتیں کی گئی ہیں یہ کس نے کہی تھیں؟

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ{۷۸}وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ{۷۹}وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ{۸۰}وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ{۸۱}وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ {۸۲}الشعراء.

جواب ترجمہ: جس نے مجھے پیدا کیا سو وہ مجھے ہدایت دیتا ہے۔ اور مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور جب

بیمار ہو جاؤں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔ اور جو مجھے موت دے گا پھر زندہ فرمائے گا۔ اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرا قصور معاف فرمادے گا۔

خلاصہ تفسیر: شرک وکفر کی بنیادوں کو ہلانے والی یہ باتیں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہی تھیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی صبح تک محفوظ فرمادیا ہے۔

ان ارشادات میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بنیادی عقائد بیان کر دیے کہ پیدا کرنے والی ذات صرف اللہ پاک کی ہے، ہدایت اسی کے ہاتھ میں ہے، کھانا وہی کھلاتا ہے، پانی وہی پلاتا ہے، بیماری اللہ کی طرف سے ہے، صحت بھی اللہ کی طرف سے ہے، زندگی اور موت بھی اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے، اللہ ہی کی ذات ایسی ہے جو انسانوں کی خطاؤں پر خط نسخ پھیر دے، ان کو معاف کر دے، انہیں قیامت کے دن کی رسوائی سے محفوظ رکھے۔

ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان ایمان افروز باتوں کو حرز جان بنائے، اور یہ ایمان اور عقیدہ رکھے کہ سب کچھ کرنے والا اکیلا اللہ ہی ہے، اللہ کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا، وہ ساری کائنات کا مختار کل ہے، اس کے اختیار میں سب کچھ ہے، وہ جو چاہے کرے، وہ کرنے پہ آئے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا اور روکنے پر آئے تو اسے دینے پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔

دعائے خلیل بارگاہ رب جلیل

سوال یہ دعا کس نے مانگی؟ قرآنی آیات کی روشنی میں فرمائیے۔

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ {۸۳} وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ {۸۴} وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ {۸۵} وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ {۸۶} وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ {۸۷} يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ {۸۸} اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ {۸۹} الشعراء

جواب ترجمہ: اے میرے رب مجھے حکم عطا فرمائیے اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرمائیے۔ اور بعد میں آنے والے لوگوں میں اچھائی کے ساتھ میرا ذکر باقی رکھئے۔ اور مجھے جنت النعیم کے وارثوں

میں بنا دیجیے۔ اور میرے باپ کی مغفرت فرمایئے بلاشبہ وہ گمراہوں میں سے ہے اور مجھے اس دن رسوا نہ کیجیے گا جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے، سوائے اس شخص کے جو قلب سلیم کے ساتھ اللہ کے پاس آئے۔

خلاصہ تفسیر: حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کی بارگاہ میں دعا مانگتے ہوئے عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھے علم و فہم عطا فرمایئے، مجھے نیک لوگوں میں شامل فرما دیجیے، مجھے اور انہیں جنت میں جمع کر دیجیے، میرے بعد قیامت تک جو لوگ آئیں گے ان میں میرا اچھا ذکر پھیلا دیجیے، مجھے اپنے ان بندوں میں کر دیجیے جنہیں تو جنت کی نعمتوں کا وارث بنائے گا۔ (سورۃ الشعراء)

یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے والدین کو گمراہی سے بچا کر ہدایت کی طرف لے آئے، اور انہیں معاف کر دے، انہیں درگزر کر دے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے دعا کرنے کا وعدہ کیا تھا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پتا چل گیا کہ یہ مسلسل کفر و شرک پر ہیں تو پھر ان سے برأت کا اعلان کر دیا، یہ بھی دعا کی کہ جس دن لوگ قبروں سے حساب کتاب اور جزا کے لیے اٹھائے جائیں تو مجھے رسوا نہ کیا جائے، یہ ایسا دن ہو گا جس دن میں مال نفع دے گا نہ اولاد میں سے بندوں کو کوئی کام آئے گا، ہاں جو شخص کفر، نفاق اور رذائل سے پاک اور سالم دل لے کر آئے گا وہی رسوائی سے بچ پائے گا۔

قرب جنت، ظہور جہنم

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ {۹۰} وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ {۹۱} وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ {۹۲} مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ {۹۳} الشعراء

جواب ترجمہ: اور جنت متقی لوگوں کے لیے قریب کر دی جائے گی۔ اور گمراہوں کے لیے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی۔ اور ان سے کہا جائے گا تم جن کی عبادت کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ اللہ کو چھوڑ کر کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں قیامت کے نہایت عبرت انگیز مناظر بیان کیے گئے ہیں کہ اس دن اہلِ تقویٰ کے لیے جنت کو قریب کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے، جبکہ گمراہوں کے سامنے جہنم کو ظاہر کر دیا جائے گا تاکہ وہ اس کے ہولناک انجام کو دیکھ کر خوف اور حسرت میں مبتلا ہوں۔ پھر مشرکین کو سخت توبیخ کے ساتھ کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ معبود جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے تھے؟ کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا خود اپنی مدد کے قابل ہیں؟ اس طرح ان آیات میں واضح کر دیا گیا کہ باطل معبود قیامت کے دن کسی کام نہ آئیں گے، اور صرف اللہ تعالیٰ ہی حقیقی مددگار اور نجات دینے والا ہے۔

گمراہوں کا آخری ٹھکانہ

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُنَ {۹۴} وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ {۹۵} الشعراء.

جواب ترجمہ: پھر وہ لوگ اور گمراہ لوگ اس میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے، اور ابلیس کے لشکر سب۔

خلاصہ تفسیر: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ کیا، دوزخ میں ان کو جمع کیا جائے گا، مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ان کو اوندھے منہ گرا دیا جائے گا، مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ پھینک دیا جائے گا، زجاج نے کہا کہ ایک کو دوسرے پر ڈال دیا جائے گا، قتیبی نے کہا کہ سر کے بل ڈال دیے جائیں گے، هُمْ وَالْغَاوُنَ اس سے مراد شیاطین ہیں۔ قتادہ مقاتل کلبی کا بیان ہے کہ اس سے مراد جن کا کفر ہے۔

وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ: شیطان کے چیلے اور وہ لوگ جو اس کی اتباع کریں گے خواہ وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے بعض نے کہا کہ شیطان کی ذریت مراد ہے۔

اعترافِ گمراہی اور حسرتِ آخرت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ {۹۶} تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ {۹۷} اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ {۹۸} وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ {۹۹} فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ {۱۰۰} وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ {۱۰۱} فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ {۱۰۲} اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ {۱۰۳} وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ {۱۰۴} الشعراء

جواب ترجمہ: وہ لوگ دوزخ میں ہوتے ہوئے آپس میں جھگڑیں گے۔ اللہ کی قسم اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم صریح گمراہی میں تھے۔ جبکہ ہم تمہیں رب العالمین کے برابر مانتے تھے۔ اور ہمیں گمراہ نہیں کیا مگر مجرموں نے۔ سو ہمارے لیے نہ سفارش کرنے والے ہیں۔ اور نہ کوئی مخلص دوست ہے۔ سو کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو پھر واپس ہونا نصیب ہو جاتا، سو ہم اہل ایمان میں سے ہوتے۔ بلاشبہ اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور بلاشبہ آپ کا رب عزت والا ہے رحم والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ کریمہ میں دوزخ میں پڑے ہوئے مشرکین کی دردناک کیفیت بیان کی گئی ہے کہ وہ آپس میں جھگڑتے ہوئے اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے اور قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم کھلی گمراہی میں تھے جب ہم نے اپنے باطل معبودوں کو ربّ العالمین کے برابر ٹھہرایا اور اب یہ تسلیم کریں گے کہ ہمیں دراصل مجرم پیشواؤں اور شیطانوں نے گمراہ کیا تھا۔

پھر وہ شدید حسرت کے ساتھ کہیں گے کہ آج نہ کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی مخلص دوست جو ہماری مدد کر سکے، اس لیے وہ آرزو کریں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں واپس جانے کا ایک موقع مل جائے تو ہم سچے ایمان والے بن جائیں، مگر اب یہ تمنا بے سود ہو گی۔

آخر میں اللہ تعالیٰ واضح فرماتا ہے کہ ان واقعات میں بڑی عبرت ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور حقیقت یہ ہے کہ وہی زبردست اور رحم فرمانے والا ہے، جو اپنی قدرت کے باوجود بندوں کو مہلت دیتا ہے تاکہ وہ سنبھل جائیں۔

دعوت نوح علیہ السلام، تکبر قوم

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ الْمُرْسَلِينَ {۱۰۵} إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ {۱۰۶} إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ {۱۰۷} فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ {۱۰۸} وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ {۱۰۹} فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ {۱۱۰} قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ {۱۱۱} قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ {۱۱۲} إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ {۱۱۳} وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ {۱۱۴} إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ {۱۱۵} قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ {۱۱۶} قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ {۱۱۷} فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ {۱۱۸} الشعراء

جواب ترجمہ: نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے۔ بلاشبہ میں تمہارے لیے امانت والا پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمان برداری کرو۔ اور میں اس پر تم سے کسی عوض کا سوال نہیں کرتا، میرا ثواب سو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمان برداری کرو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم تجھ پر ایمان لائیں حالانکہ تیرے پیچھے رذیل ترین لوگ لگے ہوئے ہیں۔ نوح نے کہا کہ مجھے ان کے کاموں کے جاننے کی کیا ضرورت ہے۔ ان سے حساب لینا تو میرے رب ہی کا کام ہے، کاش تم سمجھ رکھتے۔ اور میں اللہ والوں کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔ میں تو بس واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے نوح اگر تو باز نہ آیا تو ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جنہیں سنگسار کر دیا جاتا ہے۔ نوح نے عرض کیا کہ اے میرے رب بلاشبہ میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا۔ سو آپ میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجیے اور مجھے اور جو ایمان والے میرے ساتھ ہیں ان کو نجات دے دیجیے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں حضرت نوح علیہ السلام کی مسلسل دعوتِ توحید، ان کی قوم کی ہٹ دھرمی اور انجام کی تمہید نہایت واضح انداز میں بیان ہوئی ہے، نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ سے

ڈرنے، اپنی اطاعت کرنے اور خالص توحید اختیار کرنے کی دعوت دی، ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا کہ وہ اس دعوت پر کوئی دنیاوی اجر نہیں چاہتے بلکہ محض اللہ کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔

مگر ان کی قوم نے تکبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم کیسے ایمان لائیں جبکہ تمہارے پیروکار تو غریب اور کمزور لوگ ہیں، جس پر نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے لوگوں کے باطن کا علم نہیں، ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے اور میں مومنوں کو ہرگز اپنی مجلس سے نہیں نکال سکتا کیونکہ میرا کام صرف واضح طور پر حق پہنچانا ہے۔

اس کے باوجود قوم نے دھمکی دی کہ اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے، جس پر نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کی کہ میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے، پس تو ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما اور مجھے اور اہلِ ایمان کو نجات عطا کر، اس طرح ان آیات میں ایک طرف انبیاء علیہم السلام کی اخلاص بھری دعوت اور صبر نمایاں ہے اور دوسری طرف منکرین کا تکبر، تعصب اور انجام کی تمہید واضح کی گئی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور اہل ایمان کی نجات

سوال اس آیت کا ترجمہ کیجیے، نیز بتایئے کہ یہاں فلک مشحون سے کیا مراد ہے؟

فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ {۱۱۹} الشعراء۔

جواب ترجمہ: سو ہم نے نوح کو اور اس کے ساتھیوں کو جو بھری ہوئی کشتی میں تھے نجات دیدی۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو واضح طور پر بتلا دیا کہ اے نوح علیہ السلام! تیری قوم سے جن لوگوں نے ایمان لانا تھا لا چکا، اب کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا لہٰذا ہمارے حکم کے مطابق ہمارے سامنے ایک کشتی تیار کیجیے اور اب میرے حضور ظالموں کے حق میں فریاد نہ کرنا کیونکہ یہ غرق ہو کر رہیں گے۔ (ہود: ۳۶۔۳۷)

نوح نے کشتی بنانی شروع کر دی اور جب ان کی قوم کے سردار ان کے قریب سے گزرتے تو ان سے تمسخر کرتے نوح جواب دیتے کہ جس طرح تم ہم سے تمسخر کرتے ہو اسی طرح ایک وقت ہم بھی

تم سے تمسخر کریں گے اور تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا، یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے نوح کو حکم دیا کہ ہر قسم کے جانداروں میں سے جوڑا جوڑا یعنی دو دو جانور ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ لے لو اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے کہ ہلاک ہو جائے گا اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہو اس کو کشتی میں سوار کر لو اور ان کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے تھے۔

(نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر سوار ہو جاؤ۔ اللہ کے ہاتھ میں ہے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے بیشک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔ کشتی ان کو لے کر طوفان کی لہروں میں چلنے لگی لہریں کیا تھیں گویا پہاڑ تھے اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو کہا جو کشتی سے الگ تھا۔ بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ ہو۔ اس نے کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا اور وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔ نوح نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں مگر جس پر اللہ رحم کرے اتنے میں دونوں کے درمیان لہر آحائل ہوئی اور وہ ڈوب گیا۔ (ھود:۳۸تا۴۳)

(نوح علیہ السلام نے) اپنے پروردگار سے دعا کی کہ بار الٰہا! میں ان کے مقابلے میں کمزور ہوں تو میری مدد فرما، تو ہم نے ان پر موسلا دھار بارش کے آسمان سے دروازے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے۔ سارا پانی مل گیا ایسے کام کے لیے جس کا فیصلہ ہو چکا تھا، اور ہم نے نوح علیہ السلام کو ایک کشتی پر جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی سوار کر لیا۔ وہ ہماری نگرانی میں چلتی تھی یہ سب کچھ اس شخص کے انتقام کے لیے کیا گیا جس کو کافر مانتے نہ تھے اور ہم نے اس کو ایک عبرت بنا چھوڑا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے۔ سو دیکھ لو کہ میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟۔ (القمر:۱۰تا۱۶) (فہم القرآن)

شَحنٌ کے معنیٰ کسی چیز کو پر کرنے کے ہیں۔ یہاں کشتی کے لئے اس صفت کے ذکر سے مقصود بالا جمال ان چیزوں کی طرف اشارہ کرنا ہے جن کو کشتی میں رکھنے کی حضرت نوح کو ہدایت ہوئی تھی اور جن کی تفصیل دوسرے مقامات میں گزر چکی ہے، یہ کشتی خاص اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ان ساری چیزوں کو سامنے رکھ کر بنائی گئی تھی جن کو طوفان سے بچانا مقصود تھا، چنانچہ وہ چیزیں اس میں

بھر لی گئیں، باقی ساری چیزیں غرق ہونے کے لئے چھوڑ دی گئیں۔ (تدبر قرآن)

انجام قوم نوح، درس عبرت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا بَعۡدُ الۡبٰقِیۡنَ {۱۲۰} اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ {۱۲۱} وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ {۱۲۲} الشعراء

جواب ترجمہ: پھر ہم نے اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور بلاشبہ تیرا رب عزیز ہے رحیم ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں ایک ہولناک انجام اور ایک روشن حقیقت نہایت بلیغ انداز میں سامنے آتی ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام اور اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نجات عطا فرمادی، تو باقی تمام منکرین کو طوفان میں غرق کر کے نیست و نابود کر دیا گیا۔

اس واقعہ میں آنے والی نسلوں کے لیے ایک عظیم نشانِ عبرت ہے کہ حق کا انکار اور رسول کی تکذیب بالآخر ہلاکت پر منتج ہوتی ہے، اگرچہ اکثر لوگ اس سے سبق حاصل نہیں کرتے اور اپنے انکار پر قائم رہتے ہیں۔ پھر اختتام پر اللہ تعالیٰ اپنی دو جلیل القدر صفات کو بیان فرما کر حقیقت کو مزید واضح کرتا ہے کہ وہ "العزیز" ہے، اپنی قدرت و غلبہ میں بے مثال، جو مجرموں کو گرفت میں لینے پر کامل اختیار رکھتا ہے، اور وہی "الرحیم" ہے، جو اپنے وفادار بندوں پر کرم فرماتا اور انہیں ہر مصیبت سے نجات عطا کرتا ہے۔ یوں یہ آیات ایک طرف خوفِ انجام کی تصویر پیش کرتی ہیں اور دوسری طرف اہلِ ایمان کے لیے امید و رحمت کا پیغام بھی سناتی ہیں۔

دعوت ھود اور تکذیب قوم عاد

سوال ان آیات کا ترجمہ و خلاصہ تفسیر کیجیے۔

كَذَّبَتۡ عَادُ ِۨ الۡمُرۡسَلِیۡنَ {۱۲۳} اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ هُوۡدٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ {۱۲۴} اِنِّیۡ لَكُمۡ

رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ {۱۲۵} فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ {۱۲۶} وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ {۱۲۷} الشعراء

جواب ترجمہ: عاد کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان کے بھائی ہود نے ان سے کہا کہ: کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ یقین جانو کہ میں تمہارے لیے ایک امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمان برداری کرو۔ اور میں تم سے اس کام پر کسی قسم کی کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف اس ذات نے اپنے ذمے لے رکھا ہے جو سارے دنیا جہان کی پرورش کرتی ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں قومِ عاد کی سرکشی اور ان کے نبی حضرت ہود علیہ السلام کی مخلصانہ دعوت کو نہایت جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے، قومِ عاد نے اپنے رسول کی تکذیب کر کے درحقیقت تمام رسولوں کے مشترکہ پیغامِ توحید کو جھٹلا دیا، جس پر ہود علیہ السلام نے انہیں نہایت دردمندی کے ساتھ متنبہ کیا کہ کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے؟

پھر اپنی حیثیت واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں، جو اللہ کا پیغام بلاکم وکاست پہنچاتا ہے، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت اختیار کرو۔

مزید اپنی صداقت کی دلیل یہ دی کہ میں اس دعوت پر تم سے کسی قسم کا دنیاوی اجر طلب نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف ربّ العالمین کے ذمہ ہے۔ اس طرح ان آیات میں انبیائے کرام علیہم السلام کی خلوص بھری دعوت، ان کی امانت و صداقت اور منکرین کی ہٹ دھرمی کو نہایت بلیغ اسلوب میں واضح کیا گیا ہے۔

ہود علیہ السلام کے ناصحانہ جملے، قوم عاد کی سرکشی، انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے، نیز بتائیے کہ یہاں ان ارشادات کا مخاطب کون لوگ ہیں؟ اور انہیں خطاب کرنے والا کون ہے؟

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ {۱۲۸} وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ {۱۲۹} وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ {۱۳۰} فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ {۱۳۱} وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّكُمْ

بِمَا تَعْلَمُوْنَ{۱۳۲}اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ{۱۳۳}وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ{۱۳۴}اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ{۱۳۵}قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ{۱۳۶}اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ{۱۳۷}وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ{۱۳۸}فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ{۱۳۹}وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ{۱۴۰}الشعراء

جواب ترجمہ: کیا تم ہر اونچی جگہ پر کوئی یادگار بنا کر فضول حرکتیں کرتے ہو؟ اور تم نے بڑی کاریگری سے بنائی ہوئی عمارتیں اس طرح رکھ چھوڑی ہیں جیسے تمہیں ہمیشہ زندہ رہنا ہے؟ اور جب کسی کی پکڑ کرتے ہو تو پکے ظالم و جابر بن کر پکڑ کرتے ہو۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمان برداری کرو۔ اور اس ذات سے ڈرو جس نے ان چیزوں کے ذریعہ تمہاری امداد فرمائی جنہیں تم جانتے ہو۔ اس نے چوپائے اور بیٹے کے ذریعہ تمہاری مدد فرمائی۔ اور باغات اور چشموں کے ذریعے۔ بیشک میں تم پر ایک برے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے نزدیک تو دونوں باتیں برابر ہیں تم نصیحت کرو یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ بنو۔ اس کے سوا کوئی بات نہیں ہے کہ یہ پہلے لوگوں کی عادت ہے۔ اور ہم عذاب میں مبتلا ہونے والے نہیں ہیں۔ سو ان لوگوں نے ھود کو جھٹلایا سو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور بیشک آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے۔

خلاصہ تفسیر: فضول حرکتوں کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ ہر بلند جگہ پر کوئی یادگار تعمیر کرنے کو ہی فضول حرکت کہا گیا ہے، کیونکہ اس کا کوئی صحیح مقصد نہیں تھا، بلکہ محض دکھاوے اور بڑائی کے اظہار کے لیے یہ کام کیا جاتا تھا۔ (آسان ترجمہ عثمانی)

دوسری تشریح بعض مفسرین، مثلاً حضرت ضحاک رحمہ اللہ نے یہ کی ہے کہ وہ لوگ ان اونچی تعمیروں پر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر نیچے سے گذرنے والوں کے ساتھ طرح طرح کی ناشائستہ حرکتیں کیا کرتے تھے۔ اس کو فضول حرکت سے تعبیر کیا گیا ہے (روح المعانی)۔

قرآن کریم میں یہاں مصانع کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے اصل معنیٰ ہیں وہ چیزیں جو کاریگری کا مظاہرہ کر کے بنائی گئی ہوں، اس میں ہر طرح کی وہ تعمیرات داخل ہیں جو نام و نمود کی خاطر بڑی شان و شوکت سے بنائی گئی ہوں، چاہے وہ زرق برق محل ہوں، یا پر شکوہ قلعے یا نہریں اور راستے۔

یہاں حضرت ہود علیہ السلام نے اس طرز عمل پر جو اعتراض فرمایا ہے، دراصل اس کا منشا یہ ہے کہ تم نے اپنی ساری دوڑ دھوپ کا مرکز اس نام و نمود اور شان و شوکت کو بنایا ہوا ہے، اور اسی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ بیٹھے ہو، جیسے تمہیں ہمیشہ اسی دنیا میں رہنا ہے، اور کبھی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش نہیں ہونا، ایک طرف تو تمہارا حال یہ ہے کہ ان نام و نمود کی عمارتوں پر پانی کی طرح پیسہ بہاتے ہو، اور دوسری طرف غریبوں کے ساتھ تمہارا رویہ انتہائی ظالمانہ ہے کہ ذرا سی بات پر کسی کی پکڑ کر لی تو اس کی جان عذاب میں آ گئی۔

حضرت ہود علیہ السلام کی یہ باتیں نقل کر کے قرآن کریم نے ہم سب کو توجہ دلائی ہے کہ کہیں ہمارا طرز عمل بھی اس زمرے میں تو نہیں آتا کہ بس دنیا کی شان و شوکت ہی کو سب کچھ سمجھ کر آخرت سے غافل ہوں، اور دولت مندی کے نشے میں غریبوں کو اپنے ظلم و ستم کی چکی میں پیس رکھا ہو۔ (توضیح القرآن لشیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی) ان آیات کے مخاطب قبیلہ عاد کے لوگ ہیں، خطاب کرنے والے حضرت ہود ہیں۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے جب اس امت کے لوگوں کے حالات دیکھے تو دمشق کی جامع مسجد میں انہیں جمع کیا، جب ان کی آواز پر لوگ جمع ہوئے تو انہوں نے ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ يَا أَهْلَ دِمَشْقَ، فَاجْتَمَعُوا إِلَيْهِ، فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا تَسْتَحْيُونَ! أَلَا تَسْتَحْيُونَ! تَجْمَعُونَ مَالَا تَأْكُلُونَ، وَتَبْنُونَ مَالَا تَسْكُنُونَ، وَتَأْمُلُونَ مَالَا تُدْرِكُونَ، إِنَّهُ كَانَتْ قَبْلَكُمْ قُرُونٌ، يَجْمَعُونَ فَيُرْعُونَ، وَيَبْنُونَ فَيُوثِقُونَ، وَيَأْمُلُونَ فَيُطِيلُونَ، فَأَصْبَحَ أَمَلُهُمْ غُرُورًا، وَأَصْبَحَ جَمْعُهُمْ بُورًا، وَ أَصْبَحَتْ مَسَاكِنُهُمْ قُبُورًا، أَلَا إِنَّ عَادًا مَلَكَتْ مَا بَيْنَ عَدَنَ وَعُمَانَ خَيْلًا وَرِكَابًا، فَمَنْ يَشْتَرِي

مِنِّي مِيرَاثَ عَادٍ بِدِرْهَمَيْنِ؟

اے دمشق کے رہنے والو سنو! لوگ سب جمع ہو گئے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی تم خیال نہیں کرتے کہ تم نے وہ جمع کرنا شروع کر دیا جسے تم کھا نہیں سکتے۔ تم نے وہ مکانات بنانے شروع کر دیئے جو تمہارے رہنے سہنے کے کام نہیں آتے، تم نے وہ دور دراز کی آرزوئیں کرنی شروع کر دیں جو پوری ہونی محال ہیں۔ کیا تم بھول گئے تم سے اگلے لوگوں نے بھی جمع جتھا کر کے سنبھال سنبھال کر رکھا تھا۔ بڑے اونچے اونچے پختہ اور مضبوط محلات تعمیر کئے تھے، بڑی بڑی آرزوئیں باندھی تھیں لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دھوکے میں رہ گئے، ان کی پونجی برباد ہو گئی، ان کے مکانات اور بستیاں اجڑ گئیں۔ عادیوں کو دیکھو کہ عدن سے لے کر عمان تک ان کے گھوڑے اور اونٹ تھے لیکن آج وہ کہاں ہیں؟ ہے کوئی ہے ایسا بیوقوف کہ قوم عاد کی میراث کو دو درہموں کے بدلے بھی خریدے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ: حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کو بار بار نصیحت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت اختیار کرو اور اس رب کو پہچانو جس نے تمہیں بے شمار نعمتوں سے نوازا، مویشی، اولاد، باغات اور چشمے عطا کیے، لہٰذا اسی کی ناشکری اور نافرمانی سے بچو، کیونکہ مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔

مگر قومِ عاد نے تکبر اور بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے لیے تمہاری نصیحت اور عدمِ نصیحت برابر ہے، یہ سب تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں اور ہم پر کوئی عذاب آنے والا نہیں، چنانچہ انہوں نے مسلسل تکذیب کی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا، بے شک اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے، مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، اور یقیناً آپ کا رب ہی زبردست اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا ایمان افروز خطاب

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ {۱۴۱} اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ {۱۴۲} اِنِّيْ لَكُمْ

رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ {۱۴۳} فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ {۱۴۴} وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ {۱۴۵} اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ {۱۴۶} فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ {۱۴۷} وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ {۱۴۸} وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ {۱۴۹} فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ {۱۵۰} وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ {۱۵۱} الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ {۱۵۲} قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ {۱۵۳} مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ {۱۵۴} الشعراء

جواب ترجمہ: قوم ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے۔ بلاشبہ میں تمہارے لیے اللہ کا رسول ہوں امانت دار ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمان برداری کرو۔ میں تم سے اس پر کسی عوض کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔ یہاں جو کچھ ہے کیا تمہیں اس میں امن وامان کے ساتھ چھوڑے رکھا جائے گا۔ باغیچوں میں اور چشموں میں۔ اور کھیتیوں میں اور کھجوروں میں جو کہ گچھے گوندھے ہوئے ہیں۔ اور تم پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے ہو اتراتے ہوئے۔ سو تم اللہ سے ڈرو میری فرمان برداری کرو۔ اور ان لوگوں کی بات نہ مانو جو حد سے آگے بڑھ جانے والے ہیں۔ جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ بس تو ان لوگوں میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہو۔ تو ہمارے ہی جیسا ایک آدمی ہے سو تو کوئی نشانی لے آ اگر تو سچوں میں سے ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں حضرت صالح علیہ السلام اور قومِ ثمود کا واقعہ نہایت بلیغ انداز میں سامنے آتا ہے، جہاں ثمود نے اپنے نبی کی تکذیب کر کے درحقیقت تمام رسولوں کے مشترکہ پیغامِ توحید کا انکار کیا، صالح علیہ السلام نے اخلاص کے ساتھ انہیں تقویٰ، اطاعتِ الٰہی اور اپنی امانت دارانہ رسالت کی دعوت دی اور واضح کیا کہ وہ اس تبلیغ پر کسی دنیاوی اجر کے طالب نہیں، بلکہ ان کا صلہ صرف ربّ العالمین کے پاس ہے۔

پھر انہوں نے قوم کو اللہ کی عظیم نعمتیں، باغات، چشمے، کھیتیاں اور پہاڑوں کو تراش کر بنائے گئے

مضبوط مکانات، یاد دلا کر متنبہ کیا کہ یہ دائمی نہیں بلکہ آزمائش ہیں اور انہیں سرکشی چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، نیز متکبر اور فساد پھیلانے والے سرداروں کی اندھی پیروی سے بچنے کی تلقین کی۔

اس کے باوجود قوم نے استہزاء کرتے ہوئے انہیں "مسحور" کہا، اپنی بشریت کا طعنہ دیا اور صداقت کے لیے معجزہ طلب کیا، جو دراصل ان کے عناد، تکبر اور حق سے روگردانی کی واضح علامت تھا، یوں یہ آیات دعوتِ حق کے مقابل ہٹ دھرمی، نعمتوں پر غرور اور گمراہ قیادت کی پیروی کے انجام کو نمایاں کرتی ہیں۔

چٹان سے اونٹنی نکالی گئی

سوال اس آیت میں کیا بیان کیا گیا؟

قَالَ هَٰذِهِ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ {۱۵۵} الشعراء

سوال ترجمہ: صالح علیہ السلام نے کہا کہ یہ اونٹنی ہے پانی پینے کے لیے ایک دن اس کی باری ہے اور ایک مقررہ دن میں پینے کی تمہاری باری ہے۔

خلاصہ تفسیر: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے لیے ایک عجیب معجزہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ایک چٹان کے اندر سے اونٹنی نکالی، اس کے لیے پانی پینے کا دن مقرر تھا، قوم ثمود کے لیے ایک دن مقرر تھا، جس دن پینے کی باری اس اونٹنی کی ہوتی تھی اس دن یہ لوگ پانی نہیں پی سکتے تھے، اسی طرح جس دن کو ان کا پانی پینا طے تھا اس دن یہ اونٹنی پانی نہیں پی سکتی تھی۔

روایت ہے کہ انہوں نے کہا ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس چٹان سے ایک دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکلے اور وہ فوراً ایک بچہ جن دے۔ حضرت صالح علیہ السلام بیٹھ کر ان کے اس مطالبہ پر غور کرنے لگے۔ تب ان سے حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر کہا: آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ اس پتھر سے اونٹنی نکال دے تو اس چٹان سے ایک اونٹنی نکلی اور ان کے سامنے آکر بیٹھ گئی اور فوراً اس سے ایک بچہ پیدا ہو گیا۔ (کبیر)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے ہوئے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حجر میں پہنچ کر فرمایا، اے لوگو! اپنے نبی سے دلائل اور معجزات کا مطالبہ نہ کیا کرو۔ یہ قوم صالح ہے جس نے اپنے نبی سے یہ سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی نشانی بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اونٹنی بھیج دی۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا: اگر تم سچوں میں سے ہو تو (اپنی نبوت پر) کوئی نشانی لاؤ۔ تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم اس پہاڑ کی طرف جاؤ، تو وہ پہاڑ اچانک حاملہ عورت کی طرح پھول گیا، پھر وہ پہاڑ پھٹ گیا اور اس کے وسط سے اونٹنی نکلی، حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا یہ اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے، اس کو اللہ کی زمین میں چرنے چگنے کے لئے چھوڑ دو۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اونٹنی بھیجی، وہ اپنی باری پر ان کے راستے سے اپنا پانی پیتی تھی اور جتنا وہ لوگ اس کے ناغہ کے دن پانی پیتے تھے اس سے اس دن اتنا دودھ دوہ لیتے تھے، پھر وہ لوٹ جاتی تھی۔ (ابن ابی حاتم)

امام محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو اونٹنی بطور نشانی نکالی تھی، وہ قوم ثمود کی زمین میں درختوں کو چرتی تھی اور پانی پیتی تھی، حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے کہا یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے نشانی ہے، اس کو اللہ کی زمین میں چرنے دو اور اس کو کوئی نقصان نہ پہنچانا ورنہ تم پر بڑے دن کا عذاب آئے گا۔

اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں

سوال قوم ثمود نے چٹان سے نکالی گئی اس اونٹنی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ اس پر ان لوگوں کو کیا سزا دی گئی تھی؟ قرآن کریم کیا کہتا ہے؟

وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ {۱۵۶} فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ {۱۵۷} فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ {۱۵۸} الشعراء

جواب ترجمہ: (صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ) اور اسے برائی کے ساتھ ہاتھ مت لگاؤ ورنہ تمہیں بڑے دن کا عذاب پکڑ لے گا۔ پھر ہوا یہ کہ انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور آخر کار پشیمان ہوئے، چنانچہ عذاب نے انہیں آپکڑا، یقیناً اس سارے واقعے میں عبرت کا بڑا سامان ہے، پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

خلاصہ تفسیر: جب قوم نے معجزے کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا منہ مانگا معجزہ انہیں عطا کیا، یہ معجزے کا مطالبہ نہیں تھا بلکہ انہوں نے اپنے منہ سے اپنی ہلاکت طلب کی تھی، پیغمبر کو معجزہ دے دیا گیا کہ لیکن ساتھ کچھ شرائط بھی رکھی گئیں، ان میں سے ایک بڑی شرط یہ تھی کہ تم لوگوں نے اسے برائی سے ہاتھ نہیں لگانا، مگر لوگوں نے کسی شرط کی پاسداری نہیں کی، ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نشانی اس اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالی تھیں، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیجا اور انہیں ہلاک کر دیا تھا۔

ان میں سے ایک ملعون نے اونٹنی کے مار ڈالنے کا ارادہ کیا اور کل اہل شہر اس کے موافق ہو گئے چنانچہ اس کی کونچیں کاٹ کر اسے مار ڈالا۔ جس کے نتیجے میں انہیں سخت ندامت اور پیشمانی اٹھانی پڑی اللہ کے عذاب نے انہیں اچانک آدبوچا، ان کی زمین ہلا دی گئی اور ایک چیخ سے سب کے سب ہلاک کر دیئے گئے، دل اڑ گئے کلیجے پاش پاش ہو گئے اور وہم گمان بھی جس چیز کا نہ تھا وہ آن پڑا، اور تا آخر سب غارت ہو گئے اور دنیا جہاں کے لئے یہ خوفناک واقعہ عبرت افزا ہو گیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی خیر خواہانہ دعوت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ الْمُرْسَلِيْنَ {۱۶۰} اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ {۱۶۱} اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ {۱۶۲} فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ {۱۶۳} وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ {۱۶۴} الشعراء

جواب ترجمہ: لوط کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے۔ میں بلاشبہ تمہارے لیے اللہ کا رسول ہوں امانت دار ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمان

برداری کرو۔ اور میں تم سے اس پر کسی عوض کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا ابتدائی مکالمہ نہایت مؤثر انداز میں بیان ہوا ہے، جہاں قومِ لوط اپنے نبی کی تکذیب کرکے درحقیقت تمام رسولوں کے مشترکہ پیغامِ حق کا انکار کرتی ہے، اس کے مقابل حضرت لوط علیہ السلام نہایت خیر خواہی اور درد مندی کے ساتھ انہیں تقویٰ کی دعوت دیتے ہیں کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے۔

پھر اپنی رسالت کی صداقت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں جو اللہ کا پیغام پوری دیانت سے پہنچا رہا ہے اور بار بار تاکید کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

ساتھ ہی اپنی بے لوثی کا اعلان کرتے ہیں کہ میں اس دعوت پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں، میرا اجر تو صرف ربّ العالمین کے ذمہ ہے، یوں یہ آیات انبیاءِ کرام علیہم السلام کی سچی دعوت، اخلاص اور قوم کی ہٹ دھرمی کے درمیان واضح تضاد کو نمایاں کرتی ہیں۔

قوم لوط کا فطرت سے انحراف

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ {۱۶۵} وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ {۱۶۶} الشعراء

جواب ترجمہ: کیا دنیا کے سارے لوگوں میں تم ہو جو مردوں کے پاس جاتے ہو۔ اور تمہاری بیویاں جو تمہارے رب نے تمہارے لیے پیدا کی ہیں، ان کو چھوڑے بیٹھے ہو؟ حقیقت تو یہ ہے کہ تم حد سے بالکل گزرے ہوئے لوگ ہو۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کی نہایت قبیح اور خلافِ فطرت روش پر سخت نکیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کیا تم لوگوں میں سے مردوں کے پاس شہوت پوری کرنے کے لیے آتے ہو؟ اور اس پاکیزہ اور فطری طریقے کو چھوڑ دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے

لیے تمہاری بیویوں کی صورت میں مقرر فرمایا ہے تاکہ تم اپنی خواہش کو جائز اور پاکیزہ انداز میں پورا کرو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم اپنی اس بد عملی کے باعث حدِ اعتدال سے گزر چکے ہو اور اللہ کی مقرر کردہ حدود کو توڑ کر ایک ایسے منکر اور شاذ رویّے میں مبتلا ہو گئے ہو جو انسانی فطرت، عقلِ سلیم اور شریعتِ الٰہی، سب کے خلاف ہے، اس اندازِ بیان میں نہ صرف ان کی گمراہی کی شدت کو واضح کیا گیا ہے بلکہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اصل راستہ وہی ہے جو اللہ نے نکاح کی صورت میں مشروع فرمایا ہے۔

قوم لوط کی تباہی

سوال قوم لوط کو کس چیز کے ساتھ ہلاک کیا گیا؟

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ {۱۶۷} قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ {۱۶۸} رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ {۱۶۹} فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ {۱۷۰} اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ {۱۷۱} ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ {۱۷۲} وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ {۱۷۳} اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۚ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ {۱۷۴} وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ {۱۷۵} الشعراء

جواب ترجمہ: ان لوگوں نے کہا کہ اے لوط اگر تم باز نہ آئے تو تم ضرور نکال دیئے جانے والے لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ لوط نے کہا کہ میں تمہارے کام سے بغض رکھنے والوں میں سے ہوں۔ اے میرے رب مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے کاموں سے نجات دیجیے۔ سو ہم نے لوط کو اور اس کے گھر والوں کو نجات دیدی۔ سوائے ایک بڑھیا کے، وہ باقی رہ جانے والوں میں سے تھی۔ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے ان پر خاص قسم کی بارش برسا دی سو کیا ہی بری بارش تھی جو ان لوگوں پر برسائی گئی جن کو ڈرایا گیا۔ بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور بیشک آپ کا رب غالب ہے رحم کرنے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی سرکش قوم کا انجام نہایت عبرت انگیز انداز میں بیان ہوا ہے، قوم نے ضد اور ہٹ دھرمی میں آکر انہیں دھمکی دی کہ اگر وہ نصیحت

سے باز نہ آئے تو شہر سے نکال دیے جائیں گے، جس پر حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی بداعمالیوں سے اپنی شدید بیزاری ظاہر کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انہیں اور ان کے اہلِ ایمان کو اس فاسد قوم کے عمل سے نجات عطا فرمائے۔

اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انہیں اور ان کے ماننے والوں کو بچالیا، سوائے ان کی بیوی کے جو بدکاروں کی ہم نوا ہونے کے باعث عذاب میں رہ گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو سخت عذاب سے ہلاک کر دیا اور ان پر پتھروں کی بارش برسائی، جو تنبیہ کیے جانے کے باوجود باز نہ آنے والوں کے لیے نہایت برا انجام تھا۔

آخر میں اس واقعے کو ایک بڑی نشانی قرار دے کر واضح کیا گیا کہ اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ زبردست قدرت والا بھی ہے اور اپنے ماننے والوں پر نہایت رحم فرمانے والا بھی۔

دعوت شعیب علیہ السلام اور اصحاب الایکہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ {١٧٦} إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ {١٧٧} إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ {١٧٨} فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ {١٧٩} وَمَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ {١٨٠} أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ {١٨١} وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ {١٨٢} وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ {١٨٣} وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِيْنَ {١٨٤} قَالُوْٓا إِنَّمَآ أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ {١٨٥} وَمَآ أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ {١٨٦} فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ {١٨٧} قَالَ رَبِّيْٓ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ {١٨٨} فَكَذَّبُوْهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ إِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ {١٨٩} إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ {١٩٠} وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ {١٩١}

الشعراء

جواب ترجمہ: ایکہ والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان سے شعیب نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے۔ بیشک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمان برداری کرو۔ اور تم سے اس پر کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا میرا ثواب تو بس رب العالمین ہی کے ذمہ ہے۔ تم پورا ناپا کرو، اور نقصان میں ڈالنے والے مت بنو۔ اور ٹھیک طرح سے وزن کیا کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دیا کرو، اور زمین میں فساد کرنے والے نہ بنو۔ اور اس ذات سے ڈرو جس نے تم کو اور تمام اگلی مخلوقات کو پیدا فرمایا۔ ان لوگوں نے کہا کہ بات یہی ہے کہ تو ان لوگوں میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہو۔ اور تو ہمارے ہی جیسا ایک آدمی ہے اور بیشک ہم تجھے جھوٹوں ہی میں سے خیال کرتے ہیں۔ سو اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا دے۔ شعیب نے کہا کہ تم جو کام کرتے ہو انہیں میرا رب خوب جانتا ہے۔ سو ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا لہٰذا ان لوگوں کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا، بیشک وہ بڑے دن کا عذاب تھا۔ بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے، اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور بیشک آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اصحابِ الایکہ، جو مدین کے قریب گھنے درختوں والے علاقے کے باشندے تھے، کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلا کر دراصل تمام رسولوں کی تکذیب کی، حضرت شعیب علیہ السلام نے نہایت خیر خواہی کے ساتھ انہیں توحید، تقویٰ اور اللہ کے عذاب سے ڈرنے کی دعوت دی، اپنی امانت دار رسالت واضح کی اور تاکید فرمائی کہ اللہ کے احکام کی پیروی اور ان کی اطاعت اختیار کریں، نیز یہ بھی واضح کیا کہ وہ اپنی دعوت پر کوئی دنیاوی اجر نہیں چاہتے بلکہ ان کا اجر صرف ربّ العالمین کے ذمہ ہے۔ آپ نے انہیں خاص طور پر ناپ تول میں انصاف کرنے، لوگوں کے حقوق پورے دینے اور زمین میں فساد نہ پھیلانے کی نصیحت کی اور اس اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا جس نے انہیں اور پہلی قوموں کو پیدا کیا۔

مگر قوم نے تکبر اور عناد میں آکر آپ کو "مسحور" اور اپنے جیسا بشر کہہ کر جھٹلایا اور صداقت کے ثبوت کے طور پر آسمان کے ٹکڑے گرانے کا مطالبہ کیا، حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب دیا کہ میرا

رب تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے، مگر وہ اپنی سرکشی پر قائم رہے۔

تو بالآخر ان پر "عذابِ یوم الظلّۃ" نازل ہوا، شدید گرمی کے بعد ایک بادل کے سائے میں جمع ہوئے تو اس نے آگ برسا کر انہیں ہلاک کر دیا، یہ نہایت ہولناک دن تھا، آخر میں فرمایا گیا کہ اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے، مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بے شک آپ کا رب زبردست قدرت والا اور اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے۔ الظلۃ سایہ کرنے والے بادل کو کہتے ہیں اور سائبان کو بھی کہتے ہیں، انہوں نے یہی کہا تھا کہ ان کے اوپر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا دیا جائے، گویا وہ آسمان کی جانب سے کسی عذاب کے نازل ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے تو ان پر آسمان کی طرف سے ہی عذاب نازل کر دیا گیا۔

قرآن کریم کا تذکرہ کتب سابقہ میں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ {۱۹۲}نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ {۱۹۳}عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ {۱۹۴}بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ {۱۹۵}وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ {۱۹۶}اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ {۱۹۷}وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ {۱۹۸}فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ {۱۹۹}كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ {۲۰۰}لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ {۲۰۱}الشعراء

جواب ترجمہ: بیشک یہ قرآن رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ اس کو آپ کے قلب پر امانت دار فرشتہ لے کر نازل ہوا، تاکہ آپ واضح طور پر ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں، ایسی عربی زبان میں اترا ہے جو پیغام کو واضح کر دینے والی ہے۔ اور اس (قرآن) کا تذکرہ پچھلی (آسمانی) کتابوں میں بھی موجود ہے۔ کیا ان لوگوں کے لیے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اسے علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔ اور اگر ہم یہ کتاب عجمی لوگوں میں سے کسی پر نازل کر دیتے۔ پھر وہ ان کو ان کے سامنے پڑھ کر سنا دیتا تب بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے۔ ہم نے اسی طرح اس ایمان نہ لانے کو مجرمین کے دلوں میں ڈال رکھا ہے۔ یہ لوگ اس پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

خلاصہ تفسیر: اللہ کی اگلی کتابوں میں بھی اس پاک اور اللہ کی آخری کلام کی پیشن گوئی اور اس کی تصدیق وصفت موجود ہے، اگلے نبیوں نے بھی اس کی بشارت دی یہاں تک کہ ان تمام نبیوں کے آخری نبی جن کے بعد حضور ﷺ تک اور کوئی نبی نہ تھا، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو جمع کر کے جو خطبہ دیتے ہیں اس میں فرماتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری جانب اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جو اگلی کتابوں کو سچانے کے ساتھ ہی آنے والے حضرت محمد ﷺ کی بشارت تمہیں سناتا ہوں۔

وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ: بیشک یہ قرآن رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے، رب العالمین نے ہی پہلی آسمانی کتابیں پیغمبروں کے سپرد کی تھیں، یہ قرآن کریم بھی اسی ذات عالی شان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ: اس قرآن کریم کو آپ کے قلب پر امانت دار فرشتہ لے کر نازل ہوا، تاکہ آپ واضح طور پر ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں، روح الامین سے مراد جبریل امین ہیں۔

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ: یہ قرآن کریم ایسی عربی زبان میں اترا ہے جو پیغام کو واضح کر دینے والی ہے۔ اور اس (قرآن) کا تذکرہ پچھلی (آسمانی) کتابوں میں بھی موجود ہے۔

وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ: زبور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کا نام ہے یہاں زبر کا لفظ کتابوں کے معنی میں ہے جیسے فرمان ہے، **وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ (القمر: ۵۲)** جو کچھ یہ کر رہے ہیں سب کتابوں میں تحریر ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ سمجھیں اور ضد اور تعصب نہ کریں تو قرآن کی حقانیت پر یہی دلیل کیا کم ہے کہ خود بنی اسرائیل کے علماء اسے مانتے ہیں۔ ان میں سے جو حق گو اور بے تعصب ہیں وہ توراۃ کی ان آیتوں کا لوگوں پر کھلے عام ذکر کر رہے ہیں جن میں حضور ﷺ کی بعثت قرآن کا ذکر اور آپ کی حقانیت کی خبر ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ان جیسے حق گو حضرات نے دنیا کے سامنے توراۃ وانجیل کی وہ آیتیں رکھ دیں جو حضور ﷺ کی شان والا شان کو ظاہر کرنے والی تھیں۔

اس کے بعد کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس فصیح و بلیغ جامع بالغ حق کلام کو ہم کسی عجمی پر نازل فرماتے پھر بھی کوئی شک ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ ہمارا کلام ہے۔ مگر مشرکین قریش اپنے کفر اور اپنی سرکشی میں اتنے بڑھ گئے ہیں کہ اس وقت بھی وہ ایمان نہ لاتے۔ جیسے فرمان ہے کہ اگر آسمان کا دروازہ بھی ان کے لئے کھول دیا جاتا اور یہ خود چڑھ کر جاتے تب بھی یہی کہتے ہمیں نشہ پلا دیا گیا ہے۔ ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے۔

منکرین پر اچانک عذاب

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ {۲۰۲} فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ {۲۰۳} اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ {۲۰۴} اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ {۲۰۵} ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ {۲۰۶} مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ {۲۰۷} وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ {۲۰۸} ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ {۲۰۹} الشعراء

جواب ترجمہ: سو وہ ان کے پاس اچانک آجائے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہو گی۔ پھر کہیں گے کیا ہمیں مہلت مل سکتی ہے۔ کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کو جلدی چاہتے ہیں۔ اے مخاطب ذرا یہ بتا کہ اگر ہم انہیں چند سال عیش میں رہنے دیں۔ پھر جس کا ان سے وعدہ ہے وہ ان کے سر پر آپڑے۔ تو ان کا وہ عیش ان کو کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ اور ہم نے جتنی بھی بستیاں ہلاک کی ہیں ان سب میں ڈرانے والے تھے۔ نصیحت کے طور پر اور ہم ظلم کرنے والے نہیں ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں منکرین کے انجام کو نہایت بلیغ انداز میں واضح کیا گیا ہے کہ جب عذاب آتا ہے تو اچانک آدھمکتا ہے اور وہ اس کے آنے سے بے خبر ہوتے ہیں، پھر اس گھڑی شدید حسرت میں مبتلا ہو کر مہلت کی تمنا کرتے ہیں کہ کاش انہیں توبہ کا موقع مل جائے، حالانکہ دنیا میں وہی لوگ عذاب کو جلدی لانے کا مطالبہ کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو متنبہ فرماتا ہے کہ اگر ان کافروں کو کچھ عرصہ دنیا کی نعمتوں سے فائدہ

اٹھانے دیا بھی جائے، تو جب وعدۂ عذاب آ پہنچے گا تو وہ ساری نعمتیں ان کے کسی کام نہ آئیں گی۔

مزید یہ اصول بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک ان پر حجت قائم نہ کر دے، یعنی رسولوں کی بعثت اور کتابوں کے نزول کے ذریعے انہیں خبردار نہ کر دے، لہٰذا ان کی ہلاکت سراسر عدل پر مبنی ہوتی ہے، اس میں کسی قسم کا ظلم نہیں، بلکہ یہ محض نصیحت، تنبیہ اور انکارِ حق کے انجام کا واضح مظہر ہے۔

شیاطین کو قرآن سے کیا غرض؟

سوال مندرجہ ذیل آیات کریمات کی تفسیر کیجیے

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ{۲۱۰}وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ{۲۱۱}اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ {۲۱۲}الشعراء.

جواب ترجمہ: اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اترے۔ نہ یہ قرآن ان کے مطلب کا ہے اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ انہیں تو (وحی کے) سننے سے بھی روک دیا گیا ہے۔

خلاصہ تفسیر: یہ کتاب عزیز جس کے آس پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا جو حکیم وحمید اللہ کی طرف سے اتری ہے جس کو روح الامین جو قوت وطاقت والے ہیں لے کر آئے ہیں اسے شیاطین نہیں لائے پھر ان کے نہ لانے پر تین وجوہات بیان کی گئیں۔

ایک تو یہ کہ وہ اس کے لائق نہیں، ان کا کام مخلوق کو بہکانا ہے نہ کہ راہ راست پر لانا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو اس کتاب کی شان ہے اس کے سراسر خلاف ہے، یہ نور ہے، یہ ہدایت ہے، یہ برہان ہے اور شیاطین ان تینوں چیزوں سے چڑتے ہیں وہ ظلمت کے دلدادہ اور ضلالت کے پیرو کار ہیں، وہ جہالت کے شیدا ہیں پس اس کتاب میں اور ان میں تو تباین اور اختلاف ہے۔ کہاں وہ کہاں یہ؟

دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ جہاں اس کے اہل نہیں وہاں ان میں اس کو اٹھانے اور لانے کی طاقت بھی نہیں۔ یہ تو وہ عزت والا کام ہے کہ اگر کسی بڑے سے بڑے پہاڑ پر بھی اترے تو اس کو بھی چکنا چور کر دے۔ پھر تیسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ تو اس کے نزول کے وقت ہٹا دیئے گئے تھے انہیں تو سننا

بھی نہیں ملا۔ تمام آسمان پر سخت پہرہ چوکی تھی یہ سننے کے لئے چڑھتے تھے تو ان پر آگ برسائی جاتی تھیں، اس کا ایک حرف سن لینا بھی ان کی طاقت سے باہر تھا، تاکہ اللہ کا کلام محفوظ طریقے پر اس کے نبی ﷺ کو پہنچے اور آپ کی وساطت سے مخلوق الٰہی کو پہنچے۔ جیسے سورۃ جن میں خود جنات کا مقولہ بیان ہوا ہے کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہرچوکی سے بھرپور پایا اور جگہ جگہ شعلے متعین پائے پہلے تو ہم بیٹھ کر اکا دکا بات اڑالایا کرتے تھے لیکن اب تو کان لگاتے ہی شعلہ لپکتا ہے اور جلا کر بھسم کر دیتا ہے۔

دعوت نبوی ﷺ کے اصول

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر بیان کیجیے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ {۲۱۳} وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ {۲۱۴} وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ {۲۱۵} فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ {۲۱۶} وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ {۲۱۷} الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ {۲۱۸} وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ {۲۱۹} اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ {۲۲۰} الشعراء

جواب ترجمہ: سو آپ اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہ پکاریے ورنہ سزا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرایئے۔ اور ان لوگوں کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آیئے جو اہل ایمان آپ کا اتباع کرنے والے ہیں۔ سو اگر یہ لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ میں تمہارے اعمال سے بری ہوں۔ اور آپ عزت والے رحم والے پر توکل کیجیے۔ جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور سجدہ کرنے والوں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو دعوتِ دین کے چند بنیادی اور ہمہ گیر اصول عطا فرمائے ہیں، سب سے پہلے توحید پر کامل استقامت کا حکم دیا کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارا جائے، ورنہ انجام عذاب ہے، پھر قریب ترین رشتہ داروں کو انذار کرنے کا حکم دیا تاکہ واضح ہو جائے کہ نجات کا مدار نسب نہیں بلکہ ایمان ہے، اس کے ساتھ اہلِ ایمان کے ساتھ نرمی، شفقت

اور تواضع اختیار کرنے کی تلقین کی گئی، جبکہ نافرمانوں کے بارے میں واضح اعلانِ براءت کا حکم دیا گیا کہ میں تمہارے اعمال سے بری ہوں۔

مزید یہ کہ تمام حالات میں اللہِ عزیز ورحیم پر توکل رکھنے کی ہدایت دی گئی، جو اپنے نبی کو ہر حال میں دیکھتا ہے، چاہے قیام کی حالت ہو یا سجدہ گزاروں میں آمد ورفت اور وہی ہر بات کو سننے والا اور دلوں کے احوال کو جاننے والا ہے، یوں یہ آیات ایک داعی کے لیے عقیدہ، اخلاق، طرزِ دعوت اور اللہ پر اعتماد کا مکمل منشور پیش کرتی ہیں۔

شیاطین کن پر اترتے ہیں؟

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ {۲۲۱} تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ {۲۲۲} يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ {۲۲۳} الشعراء.

جواب ترجمہ: کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کن لوگوں پر اترتے ہیں؟ وہ ہر ایسے شخص پر اترتے ہیں جو پرلے درجے کا جھوٹا گنہ گار ہو۔ وہ سنی سنائی بات لا ڈالتے ہیں، اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں "یعنی شیاطین کی باتوں پر بھروسہ کرنے والے کوئی نیک لوگ نہیں، گنہ گار لوگ ہوتے ہیں اور ان شیاطین کا یہ دعوی بھی بالکل لغو ہے کہ انہیں غیب کی خبریں معلوم ہیں، ہوتا یہ ہے کہ کبھی فرشتوں کی کوئی بات ان کے کانوں میں پڑ جاتی ہے تو وہ اس میں بہت سے جھوٹ شامل کر کے اپنے معتقدین کو آکر بتا دیتے ہیں۔ (توضیح القرآن)

شیاطین اپنے جیسے انسانی شیطانوں کے پاس آتے ہیں جو پیٹ بھر کر جھوٹ بولنے والے ہوں، بد کردار اور گناہگار ہوں، ایسے کاہنوں اور بد کرداروں اور جھوٹے لوگوں کے پاس جنات اور شیاطین پہنچتے ہیں کیونکہ وہ بھی جھوٹے اور بد اعمال ہیں، اچٹتی ہوئی کوئی ایک آدھ بات سنی سنائی پہنچاتے ہیں اور وہ ایک جو آسمان سے چھپے چھپائے سن لی تو سو جھوٹ اس میں ملا کر کاہنوں کے کان میں ڈالدی،

انہوں نے اپنی طرف سے پھر بہت سی باتیں شامل کر کے لوگوں میں ڈینگیں ماردیں، اب ایک آدھ بات تو سچی نکلی لیکن لوگوں نے ان کی اور سو جھوٹی باتیں بھی سچی مان لیں اور تباہ ہوئے۔

بخاری شریف میں ہے کہ سَأَلَ نَاسٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكُهَّانِ، فَقَالَ: إِنَّهُمْ لَيْسُوا بِشَيْءٍ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، فَإِنَّهُمْ يُحَدِّثُونَ بِالشَّيْءِ يَكُونُ حَقًّا؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطِفُهَا الْجِنِّيُّ، فَيَقُرُّهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ كَقَرْقَرَةِ الدَّجَاجَةِ، فَيَخْلِطُونَ مَعَهَا أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ كَذِبَةٍ (بخاری)

لوگوں نے کاہنوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا وہ کوئی چیز نہیں ہیں۔ لوگوں نے کہا حضور کبھی کبھی تو ان کی کوئی بات کھری بھی نکل آتی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ وہی بات ہوتی ہے جو جنات آسمان سے اڑالاتے ہیں اور ان کے کان میں کہہ کر جاتے ہیں پھر اس کے ساتھ جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر کہہ دیتے ہیں۔

صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ إِذَا قَضَى اللهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ، ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ، كَأَنَّهَا سِلْسِلَةٌ عَلَى صَفْوَانٍ، حَتَّى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا: مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا لِلَّذِي قَالَ: الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ. فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُو السَّمْعِ، وَمُسْتَرِقُو السَّمْعِ، هَكَذَا بَعْضُهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ (بخاری)

جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ آسمان پر کرتا ہے تو فرشتے باادب اپنے پر جھکا دیتے ہیں۔ ایسی آواز آتی ہے جیسے کسی چٹان پر زنجیر بجائی جاتی ہو جب وہ گھبراہٹ ان کے دلوں سے دور ہوتی ہے تو آپس میں دریافت کرتے ہیں کہ رب کا کیا حکم صادر ہوا ہے؟ دوسرے جواب دیتے ہیں کہ رب نے یہ فرمایا اور وہ عالی شان اور بہت بڑی کبریائی والا ہے، کبھی کبھی امر الٰہی سے چوری چھپے سننے والے کسی جن کے کان میں بھنک پڑ جاتی ہے جو اس طرح ایک پر ایک ہو کر وہاں تک پہنچ جاتے ہیں۔

راوی حدیث حضرت سفیان نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں پھیلا کر اس پر دوسرا ہاتھ اس طرح رکھ کر انہیں ہلا کر بتایا کہ اس طرح، اب اوپر والا نیچے والے کو اور وہ اپنے سے نیچے والے کو وہ بات بتلا دیتا

ہے یہاں تک کہ جادو گر اور کاہن کو وہ پہنچا دیتے ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بات پہنچاتے اس سے پہلے شعلہ پہنچ جاتا ہے اور کبھی اس کے پہلے ہی وہ پہنچا دیتے ہیں اس میں کاہن و جادو گر اپنے سو جھوٹ شامل کر کے مشہور کرتا ہے چونکہ وہ ایک بات سچی نکلتی ہے لوگ سب باتوں کو ہی سچا سمجھنے لگتے ہیں۔ (ابن کثیر)

شعر و شاعری

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ{۲۲۴}اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ{۲۲۵}وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ{۲۲۶}اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ {۲۲۷} الشعراء.

جواب ترجمہ: اور شاعروں کے پیچھے گمراہ لوگ چلا کرتے ہیں، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں؟ اور وہ لوگ وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا، اور مظلوم ہونے کے بعد انہوں نے بدلہ لیا، اور جن لوگوں نے ظلم کیا وہ عنقریب جان لیں گے کہ وہ کیسی جگہ لوٹ کر جائیں گے۔

ان آیات کے ذیل میں حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے بہت خوبصورت مضمون تحریر کیا ہے، ہم اس مقام پر اسے من و عن نقل کر رہے ہیں،

شعر کی تعریف: وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ، اصل لغت میں شعر ہر اس کلام کو کہا جاتا ہے جس میں محض خیالی اور غیر تحقیقی مضامین بیان کئے گئے ہوں جس میں کوئی بحر، وزن، ردیف اور قافیہ کچھ شرط نہیں، فن منطق میں بھی ایسے ہی مضامین کو ادلہ شعریہ اور قضایا شعریہ کہا جاتا ہے۔

اصطلاحی شعر و غزل میں بھی چونکہ عموماً خیالات کا ہی غلبہ ہوتا ہے اس لئے اصطلاح شعراء میں کلام موزوں مقفّٰی کو شعر کہنے لگے۔ بعض مفسرین نے آیات قرآن بَلْ هُوَ شَاعِرٌ، شَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ، شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ وغیرہ میں شعر اصطلاحی کے معنی میں مراد لے کر کہا کہ کفار مکہ حضور ﷺ کو

وزن دار، قافیہ دار کلام لانے والے کہتے تھے لیکن بعض نے کہا کہ کفار کا مقصد یہ نہ تھا، اس لئے کہ وہ شعر کے طرز و طریق سے واقف تھے اور ظاہر ہے کہ قرآن اشعار کا مجموعہ نہیں اس کا قائل تو ایک عجمی بھی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ فصیح و بلیغ عرب، بلکہ کفار آپ کو شاعر شعر کے اصلی معنیٰ یعنی خیالی مضامین کے لحاظ سے کہتے تھے۔ مقصد ان کا دراصل آپ کو نعوذ باللہ جھوٹا کہنا تھا کیونکہ شعر بمعنیٰ کذب بھی استعمال ہوتا ہے اور شاعر کاذب کو کہا جاتا ہے۔ اس لئے ادلہ کاذبہ کو ادلہ شعریہ کہا جاتا ہے خلاصہ یہ کہ جیسے موزوں اور مقفّٰی کلام کو شعر کہتے ہیں اسی طرح ظنی اور تخمینی کلام کو بھی شعر کہتے ہیں جو اہل منطق کی اصطلاح ہے۔

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ: اس آیت میں شعر کے اصطلاحی اور معروف معنیٰ ہی مراد ہیں۔ یعنی موزوں و مقفّٰی کلام کہنے والے، اس کی تائید فتح الباری کی روایت سے ہوتی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ، حسان بن ثابت اور کعب بن مالک جو شعراء صحابہ میں مشہور ہیں روتے ہوئے سرکار دو عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ خدائے ذوالجلال نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور ہم بھی شعر کہتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ آیت کے آخری حصہ کو پڑھو۔ مقصد یہ تھا کہ تمہارے اشعار بیہودہ اور غلط مقصد کے لئے نہیں ہوتے اس لئے تم اس استثناء میں داخل ہو جو آخر آیت میں مذکور ہے اس لئے مفسرین نے فرمایا کہ ابتدائی آیت میں مشرکین شعراء مراد ہیں کیونکہ گمراہ لوگ سرکش شیطان اور نافرمان جن ان ہی کے اشعار کی اتباع کرتے تھے اور روایت کرتے تھے (کمافی فتح الباری)

شریعت اسلام میں شعر و شاعری کا درجہ: آیات مذکورہ کے شروع سے شعر و شاعری کی سخت مذمت اور اس کا عنداللہ مبغوض ہونا معلوم ہوتا ہے مگر آخر سورت میں جو استثناء مذکور ہے اس سے ثابت ہوا کہ شعر مطلقاً برا نہیں بلکہ جب جس شعر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یا اللہ کے ذکر سے روکنا یا جھوٹ ناحق کسی انسان کی مذمت اور توہین ہو یا فحش کلام اور فواحش کے لئے محرک ہو وہ مذموم و مکروہ ہے اور جو اشعار ان معاصی اور مکروہات سے پاک ہوں ان کو اللہ تعالیٰ نے اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الآیہ کے ذریعہ مستثنیٰ فرمادیا ہے اور بعض اشعار تو حکیمانہ مضامین اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اطاعت و ثواب میں داخل ہیں جیسا کہ حضرت ابی بن کعب کی روایت ہے کہ اِنَّ مِنَ الشِّعرِ حِکمَۃٌ، یعنی بعض شعر حکمت ہوتے ہیں (رواہ البخاری)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حکمت سے مراد سچی بات ہے جو حق کے مطابق ہو۔ ابن بطال رحمہ اللہ نے فرمایا جس شعر میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اس کا ذکر، اسلام سے الفت کا بیان ہو وہ شعر مرغوب و محمود ہے اور حدیث مذکور میں ایسا ہی شعر مراد ہے اور جس شعر میں جھوٹ اور فحش بیان ہو وہ مذموم ہے۔

اس کی مزید تائید مندرجہ ذیل روایات سے ہوتی ہے ① عمر بن الشرید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے امیہ بن ابی الصلت کے سو قافیہ تک اشعار سنے۔ ② مطرف فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ سے بصرہ تک حضرت عمران بن حصین کے ساتھ سفر کیا اور ہر منزل پر وہ شعر سناتے تھے۔ ③ طبری نے کبار صحابہ اور کبار تابعین کے متعلق کہا کہ وہ شعر کہتے تھے سنتے تھے اور سناتے تھے۔ ④ امام بخاری فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ شعر کہا کرتی تھیں۔ ⑤ ابو یعلیٰ نے ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ شعر ایک کلام ہے اگر اس کا مضمون اچھا اور مفید ہے تو شعر اچھا ہے اور مضمون برا یا گناہ کا ہے تو شعر برا ہے۔ (فتح الباری)

تفسیر قرطبی میں ہے کہ مدینہ منورہ کے فقہاء عشرہ جو اپنے علم و فضل میں معروف ہیں ان میں سے عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود، مشہور قادر کلام شاعر تھے اور قاضی زبیر بن بکار کے اشعار ایک مستقل کتاب میں جمع تھے۔ پھر قرطبی نے لکھا کہ ابو عمرو نے فرمایا ہے کہ اچھے مضامین پر مشتمل اشعار کو اہل علم اور اہل عقل میں سے کوئی برا نہیں کہہ سکتا، کیونکہ اکابر صحابہ جو دین کے مقتدا ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جس نے خود شعر نہ کہے ہوں یا دوسروں کے اشعار نہ پڑھے یا سنے ہوں اور پسند کیا ہو۔

جن روایات میں شعر شاعری کی مذمت مذکور ہے ان سے مقصود یہ ہے کہ شعر میں اتنا مصروف اور منہمک ہو جائے کہ ذکر اللہ عبادت اور قرآن سے غافل ہو جائے۔

امام بخاری نے اس کو ایک مستقل باب میں بیان فرمایا ہے اور اس باب میں حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ لَأَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا، یعنی کوئی آدمی پیپ سے اپنا پیٹ بھرے یہ اس سے بہتر ہے کہ اشعار سے پیٹ بھرے۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کے معنٰی یہ ہیں کہ شعر جب ذکر اللہ اور قرآن اور علم کے اشتغال پر غالب آجائے اور اگر شعر مغلوب ہے تو پھر برا نہیں ہے اسی طرح وہ اشعار جو فحش مضامین یا لوگوں پر طعن و تشنیع یا دوسرے خلاف شرع مضامین پر مشتمل ہوں وہ باجماع امت حرام و ناجائز ہیں اور یہ کچھ شعر کے ساتھ مخصوص نہیں جو نثر کلام ایسا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (قرطبی)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر عدی بن نضلہ کو ان کے عہدہ سے اس لئے برخاست کر دیا کہ وہ فحش اشعار کہتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے عمرو بن ربیعہ اور ابو الاحوص کو اسی جرم میں جلاوطن کرنے کا حکم دیا، عمرو بن ربیعہ نے توبہ کرلی وہ قبول کی گئی۔ (قرطبی)

خدا و آخرت سے غافل کر دینے والا ہر علم اور فن مذموم ہے: ابن ابی جمرہ نے فرمایا کہ بہت قافیہ بازی اور ہر ایسا علم و فن جو دلوں کو سخت کر دے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انحراف و اعراض کا سبب بنے اور اعتقادات میں شکوک و شبہات اور روحانی بیماریاں پیدا کرے اس کا بھی وہی حکم ہے جو مذموم اشعار کا حکم ہے۔

اکثر اتباع کرنے والوں کی گمراہی متبوع کی گمراہی کی علامت ہوتی ہے، وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ، اس آیت میں شعراء پر یہ عیب لگایا گیا ہے کہ ان کے متبعین گمراہ ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گمراہ تو ہوئے متبعین ان کے فعل کا الزام متبوعین یعنی شعراء پر کیسے عائد ہوا؟ وجہ یہ ہے کہ عموماً اتباع کرنے والوں کی گمراہی علامت اور نشانی ہوتی ہے متبوع کی گمراہی کی لیکن سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے جب تابع کی گمراہی میں اس متبوع کے اتباع کا دخل ہو مثلاً متبوع کو جھوٹ اور غیبت سے بچنے بچانے کا اہتمام نہیں ہے اس کی مجلس میں اس طرح کی باتیں ہوتی ہیں وہ روک ٹوک نہیں کرتا اس سے تابع کو بھی جھوٹ اور غیبت کی عادت

پڑگئی تو یہ تابع کا گناہ خود متبوع کے گناہ کی علامت قرار دیا جائے گا لیکن اگر گمراہی متبوع کی ایک وجہ سے اور اتباع کسی دوسری وجہ سے ہو تو یہ تابع کی گمراہی متبوع کی گمراہی کی علامت نہیں ہو گی۔ مثلاً ایک شخص عقائد و مسائل میں کسی عالم کا اتباع کرتا ہے اور ان میں کوئی گمراہی نہیں، اعمال و اخلاق میں اس عالم کا اتباع نہیں کرتا انہیں میں یہ گمراہ ہے تو اس کی عملی اور اخلاقی گمراہی اس عالم کی گمراہی پر دلیل نہیں ہو گی۔ واللہ سبحانہ، وتعالیٰ اعلم (معارف القرآن للمفتی رحمہ اللہ)

شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے یہاں تفسیر ابن کثیر اور اہل تاریخ کے حوالے سے ایک حکایت نقل فرمائی ہے محمد بن اسحاق رحمہ اللہ اور محمد بن سعد رحمہ اللہ نے کتاب الطبقات میں ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ کو صوبہ بصرہ کے ضلع میسان کا عامل مقرر کر کے بھیجا اتفاق سے نعمان رضی اللہ عنہ شاعر تھے شعر کہا کرتے تھے انہوں نے یہ شعر کہے۔

أَلَا هَلْ أَتَى الْحَسْنَاءَ أَنَّ حَلِيلَهَا ... بِمَيْسَانَ يُسْقَى فِي زُجَاجٍ وَحَنْتَمِ

کیا اس حسینہ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ اس کا دوست مقام میسان میں رہتا ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ اس کو شیشہ میں اور سبنہ کوزے میں شراب پلائی جاتی ہے۔

إِذَا شِئْتُ غَنَّتْنِي دَهَاقِينُ قَرْيَةٍ ... وَرَقَّاصَةٌ تَجْذُو عَلَى كُلِّ مَنْسِمِ

جب میں چاہتا ہوں تو بستی کی عورتیں مجھے گانا سناتی ہیں اور ایک رقاصہ رقص کرتی ہے اور اس رقاصہ کے ناچنے کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ہر ایک منہ پر خاک ڈالتی ہے۔

فَإِنْ كُنْتَ نَدْمَانِي فَبِالْأَكْبَرِ اسْقِنِي ... وَلَا تَسْقِنِي بِالْأَصْغَرِ الْمُتَثَلِّمِ

پس اگر تو میرا ندیم اور شراب میں ہم نشین بنتا ہے تو مجھ کو بڑے پیالہ سے شراب پلا اور چھوٹے پیالہ سے جس میں کوئی رخنہ پڑا ہوا ہو شراب نہ پلا۔

لَعَلَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ يَسُوءُهُ ... تَنَادُمُنَا بِالْجَوْسَقِ الْمُتَهَدِّمِ

مجھے ڈر ہے کہ شاید امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کو گری پڑی جھونپڑی میں ہماری یہ ہم نشینی ناگوار گذرے۔

اتفاق سے یہ شعر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پہنچ گئے سنتے ہی فرمایا

أَيْ وَاللهِ، إِنَّهُ لَيَسُوءُنِي ذَلِكَ، وَمَنْ لَقِيَهُ فَلْيُخْبِرْهُ أَنِّي قَدْ عَزَلْتُهُ. وَكَتَبَ إِلَيْهِ: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ {حم. تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ. غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ} [غَافِرٍ: ۱-۳] أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ بَلَغَنِي قَوْلُكَ:

لَعَلَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ يَسُوءُهُ... تَنَادُمُنَا بِالْجَوْسَقِ الْمُتَهَدِّمِ...

وَايْمُ اللهِ، إِنَّهُ لَيَسُوءُنِي وَقَدْ عَزَلْتُكَ. فَلَمَّا قَدِمَ عَلَى عُمَرَ بَكَّتَهُ بِهَذَا الشِّعْرِ، فَقَالَ: وَاللهِ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَا شَرِبْتُهَا قَطُّ، وَمَا ذَاكَ الشِّعْرُ إِلَّا شَيْءٌ طَفَحَ عَلَى لِسَانِي. فَقَالَ عُمَرُ: أَظُنُّ ذَلِكَ، وَلَكِنْ وَاللهِ لَا تَعْمَلُ لِي عَلَى عَمَلٍ أَبَدًا، وَقَدْ قُلْتَ مَا قُلْتَ

ہاں خدا کی قسم! یہ بات مجھے بری معلوم ہوئی اور جو شخص اس سے ملے تو اسے خبر کر دے کہ میں نے اس کو معزول کر دیا اور ایک فرمان اس کے نام جاری کیا وہ یہ تھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حم تنزیل الکتاب الخ ان آیات کے لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ مجھے تیرا یہ قول پہنچا لَعَلَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ يَسُوءُهُ خدا کی قسم! مجھے تیرا یہ قول ناگوار گزرا اور میں نے تجھے معزول کیا۔

بعد ازاں نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اس شعر پر سخت ملامت کی۔ نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ نے عذر کیا اور عرض کیا کہ قسم ہے خدا کی، میں نے کوئی قطرہ شراب کا نہیں پیا اور یہ شعر بطور لغو میری زبان سے نکل گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا گمان بھی یہی ہے لیکن واللہ! اس کے بعد میرا عامل اور حاکم نہیں بن سکتا جبکہ تو کہہ چکا۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۵۴ ج ۳، بحوالہ معارف القرآن للکاندھلوی رحمہ اللہ)

صاحب ضیاء القرآن پیر کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں "کفار کا ایک الزام یہ بھی تھا کہ آپ شاعر ہیں اس لیے ان کو نبی ماننا کسی طرح روا نہیں، ان آیات میں اس الزام کا ابطال کیا جا رہا ہے فرمایا کہ شاعروں کے پیروکار تو گمراہ اور عیاش قسم کے لوگ ہوتے ہیں نیز شاعر اپنی فصاحت و بلاغت کو کسی ایک مقصد کے حصول کے لیے وقف نہیں کیا کرتے بلکہ ہر گلی کوچہ میں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں

کہاں سے انعام کی توقع ہوئی اس کی مدح میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے جس سے برہم ہوئے اس کی مذمت کر ڈالی کبھی شراب کے گن گا رہے ہوتے ہیں اور کبھی قمار بازی کی ستائش ہو رہی ہوتی ہے۔ کبھی حسن کی عریانیوں اور عشق کی بدمستیوں کی منظر کشی کر رہے ہوتے ہیں۔ پھر ان شعراء کی ایک اور خصوصیت بھی ہے کہ ان کے قول و فعل میں کھلا تضاد پایا جاتا ہے۔ کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں۔ اے میرے محبوب پر شاعر ہونے کا بہتان لگانے والو! ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو کہ اس کے دامن کرم کو تھامنے والے کس قماش کے لوگ ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے ان کی کیا حالت تھی اور اب ان کا کیا حال ہے۔

کیا اس قسم کے فرشتہ سیرت اور سراپا خیر و تقویٰ لوگ کسی شاعر کے پیروکار ہو سکتے ہیں؟ پھر اس کلام پاک کی یک رنگی اور مقصدیت پر نظر ڈالو، اللہ کی توحید، اخلاق حسنہ کی ترغیب اور اعمال قبیحہ سے دور رہنے کی تلقین کے بغیر اس میں کسی اور چیز کی تم نشان دہی کر سکتے ہو؟ پھر یہ بتاؤ کہ کیا اس رسول مکرم کے قول و فعل میں تمہیں کوئی تفاوت نظر آتا ہے؟ بلکہ یہ جو فرماتا ہے پہلے خود کر کے دکھاتا ہے۔ پھر دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ کیا یہ صفات کسی شاعر میں پائی جاتی ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو تم انصاف سے کہو کہ تمہارا یہ الزام کیا سراسر لغو اور بیہودہ نہیں۔

یہاں ایک چیز غور طلب ہے کہ شعر کی تعریف تو یہ کی جاتی ہے الکلام المنظوم المقفی۔ یعنی منظوم اور مقفی کلام کو شعر کہا جاتا ہے، ایک بے علم عجمی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن پر یہ تعریف صادق نہیں آتی تو اہل عرب کے متعلق ہم یہ کیسے باور کر سکتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کو اس وجہ سے شعر اور حضور کو شاعر کہا کرتے تھے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں وَالظَّاهِرُ أَنَّهُم إِنَّمَا قَصَدُوا رميه صلّى الله تعالى عليه وسلّم بأنه وحاشاه ثم حاشاه يأتي بكلام مخيل لا حقيقة له، یعنی حضور ﷺ پر یہ الزام لگانے میں ان کا مقصد یہ ہوا کرتا تھا کہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ کہ آپ ایسا کلام سناتے ہیں جس میں محض خیال آرائی ہوا کرتی ہے اور جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔

علامہ راغب اصفہانی اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ شعر کو وہ جھوٹ کے معنیٰ میں استعمال کرتے تھے اور شاعر سے مراد ان کے نزدیک کاذب تھا۔ اسی لیے اہل عرب جھوٹی دلیلوں کو ادلہ شعریہ کہتے ہیں۔ اِنَّمَا رَمَوْهُ بِالْكِذْبِ فَاِنَّ الشِّعْرَ يُعَبَّرُ بِهٖ مِنَ الْكِذْبِ وَالشَّاعِرُ الْكَاذِبُ حَتّٰى سَمَّى قَوْمُ اَلَادِلَّةَ الْكَاذِبَة الشعريةولكون الشعرمقرالكذب قِيلَ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَلْكِذْبَه (مفردات) یعنی جھوٹ کو شعر اور جھوٹے کو شاعر بھی کہا جاتا ہے اسی لیے جھوٹی دلیلوں کو ادلہ شعر کہتے ہیں۔ نیز وہ شعر جس میں جھوٹ کی حد تک مبالغہ ہو بہترین شعر شمار ہوتا ہے۔

بخاری میں ہے کہ مسجد نبوی میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے منبر بچھایا جاتا تھا وہ کھڑے ہو کر رسول اللہ کے مفاخر پڑھتے تھے اور کفار کی بد گوئیوں کا جواب دیتے تھے رسول اللہ ان کے لیے دعا فرماتے تھے خلاصہ یہ ہے کہ خدا اور سول کی مدح میں قوم وملک کی اصلاح واتفاق میں پڑھے تو اچھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ نعت وشاعری مطلقاً منع نہیں ہے بلکہ جس میں مدح وغیرہ کا ذکر ہو وہ عمدہ ہے اور قریب جان لیں گے کہ وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہے یعنی مشرکین، جنہوں نے جناب رسالت مآب کی ہجو کی اور ایسے لوگ دنیا میں اگر اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو قیامت کے دن ان کو معلوم ہو جائے گا کہ دوزخ کی سیاہ آگ کے اوپر تلے کے ساتھ اندھیرے درجوں میں سے کون سی اندھیری کوٹھڑی اور کیا کیا عذاب ان کے نصیب میں ہے ان کی موت کا انتظار ہے مرتے ہی وہاں پہنچیں گے۔ (تفسیر حقانی)

☆☆☆☆

الحمدللہ آج سورۃ الشعراء کے اضافات وترمیمات کی تکمیل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ اس متواضع کاوش وکوشش کو قبول ومنظور فرمائے، اسے ہماری نجات وفلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

۴ مئی ۲۰۲۶ء بمطابق ۱۶ ذیقعدہ ۱۴۴۷ھ، بروز پیر چار بجے قبل صلاۃ الفجر

سورۃ النمل (تعارف)

سوال سورۃ النمل کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ النمل ایک مکی سورت ہے جو اپنے جامع مضامین، بلیغ اسلوب اور دعوتی حکمت کے اعتبار سے نہایت اہمیت کی حامل ہے، مفسرینِ کرام کی تصریحات کے مطابق یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور تقریباً ترانوے (۹۳) آیات پر مشتمل ہے، نیز اس کا نزول سورۃ الشعراء کے بعد ہوا، اس سورت میں قرآنِ مجید کی ہدایت، انبیاءِ کرام علیہم السلام کی دعوتی جدوجہد، کفار کے شبہات کا رد اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمایاں مظاہر نہایت مؤثر انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔

وجہِ تسمیہ: اس سورت کا نام "النمل" اس لیے رکھا گیا کہ اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ وادیِ نمل (چیونٹیوں کی بستی) کا ایمان افروز واقعہ مذکور ہے، جہاں ایک چیونٹی نے اپنی قوم کو خبردار کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی بات کو سمجھ کر مسکرا دیا، اسی نمایاں واقعے کی مناسبت سے اس سورت کو "النمل" کہا گیا، جبکہ بعض اہلِ علم نے اسے "سورۃ سلیمان" بھی قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات اور حکمتوں کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔

اہم مضامین و واقعات: سورۃ النمل میں متعدد عظیم الشان واقعات اور بنیادی دینی حقائق بیان ہوئے ہیں، ان میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور وادیِ نمل کا واقعہ، ہدہد کے ذریعے ملکہ سبا تک پیغام پہنچنا اور اس کا ایمان لانا نہایت نمایاں ہے، جو توحید کی حقانیت کو واضح کرتا ہے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ابتدائی واقعہ، آگ کا مشاہدہ اور ندائے الٰہی، اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جبکہ حضرت صالح اور حضرت لوط علیہما السلام کے واقعات بھی عبرت انگیز انداز میں پیش کیے گئے ہیں، مزید برآں، اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل، نظامِ کائنات کی نشانیاں، قیامت کی یاد دہانی، اور منکرین کے انجام کی تنبیہ بار بار بیان ہوئی ہے، آغاز و اختتام میں قرآنِ مجید کی عظمت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی بھی خاص طور پر نمایاں ہے۔

ہدایت قرآن، صفات مومنین، انجام منکرین

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍۙ {۱} هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ {۲} الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ {۳} اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ {۴} اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ {۵} وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ {۶} النمل

جواب ترجمہ: طس۔ یہ قرآن کی اور ایک ایسی کتاب کی آیتیں جو حقیقت کھول دینے والی ہے۔ ہدایت اور بشارت ہے اہل ایمان کے لیے۔ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں، اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا، سو یہ لوگ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے، اور یہ لوگ آخرت میں بہت زیادہ خسارہ میں ہوں گے۔ اور بالیقین آپ کو حکمت والے علم والے کی طرف سے قرآن دیا جارہا ہے۔

خلاصہ تفسیر: سورۃ النمل کی ابتدا حروفِ مقطعات طٰسٓ سے ہوئی ہے، جن کے معانی متعین طور پر معلوم نہیں، تاہم مفسرین کے نزدیک ان میں عظیم حکمتیں پوشیدہ ہیں، ان حروف کا ایک اہم مقصد اعجازِ قرآن کو ظاہر کرنا ہے، یعنی یہ بتانا کہ یہ عظیم کتاب انہی حروف سے مرکب ہے جن سے عرب اپنے اشعار، خطبات اور کلام بناتے ہیں، مگر اس کے باوجود وہ اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

نیز ایک حکمت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ کفارِ مکہ نے باہم طے کر رکھا تھا کہ قرآن کو نہ سنیں اور اس میں شور مچائیں، تو جب اس قسم کے منفرد اور جداگانہ حروف سے تلاوت کا آغاز ہوتا تو وہ بے اختیار متوجہ ہو جاتے، پھر قرآن اپنے بلیغ معانی اور فصیح اسلوب کے ساتھ ان کے دل و دماغ پر اثر انداز ہوتا اور انہیں حیرت میں ڈال دیتا۔

مزید برآں یہ پہلو بھی قابلِ غور ہے کہ نبی اکرم ﷺ امّی تھے، نہ پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے، نہ ہی

انسانوں میں آپ ﷺ کا کوئی معلم، اتالیق یا استاذ تھا، جس سے سیکھتے، اس کے باوجود ایسا فصیح و بلیغ کلام پیش کرنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ معجزہ ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ: یہ اشارہ ان آیاتِ مبارکہ کی طرف ہے جو اس سورت میں تلاوت کی جارہی ہیں اور اس میں اس امر کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے کہ ابتدائی حروف (طس) دراصل اسی سورت کا نام بھی ہو سکتے ہیں، قرآنِ کریم کے یہاں دو عظیم اوصاف بیان کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ یہ "کتاب" ہے، یعنی ایسا کلام جو پڑھا اور تلاوت کیا جاتا ہے اور اس کی تلاوت بذاتِ خود عبادت ہے، جس کا طریقہ خود اللہ تعالیٰ نے سکھایا اور اپنے نبی ﷺ کو تعلیم دیا، لہٰذا یہ لفظاً اور اداءً متواتر ہے اور دوسرا وصف یہ کہ یہ "مبین" ہے، یعنی اپنے وجود میں بھی روشن اور اپنے مضامین میں بھی واضح، جو توحید، رسالت، احکامِ شریعت اور ہدایتِ عامہ کے دلائل کو کھول کر بیان کرتا ہے۔

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ: یہ قرآن اپنی حقیقت میں سراسر ہدایت ہے، اپنے اعجاز، بلاغت اور محکم اسلوب کے ذریعے حق کے متلاشی دلوں کو راہِ راست دکھاتا ہے اور ساتھ ہی ایمان والوں کے لیے خوشخبری ہے، یہ نور بھی ہے مگر اسے وہی دیکھتا ہے جس کی بصیرت زندہ ہو، یہ روحوں کی غذا بھی ہے مگر وہی اس سے فائدہ اٹھاتا ہے جو باطنی صحت رکھتا ہو اور یہ شفا بھی ہے مگر اسی کے لیے جو قبولیت کی صلاحیت رکھتا ہو، اسی لیے اس کی بشارت خاص طور پر اہلِ ایمان کے لیے بیان کی گئی۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ: یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کے ظاہری و باطنی تقاضوں کے ساتھ قائم کرتے ہیں، اس میں خشوع و خضوع اور اللہ کی عظمت کا استحضار رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو روحانی و معاشرتی پاکیزگی اور باہمی تعاون کی بنیاد ہے، مزید برآں وہ آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں، ایسا یقین جو دل میں راسخ ہو کر انسان کو نیکی پر اُبھارتا اور مشقت کے باوجود عملِ صالح پر ثابت قدم رکھتا ہے، اسی یقین کی قوت کو متعدد اسالیبِ تاکید کے ذریعے بیان کیا گیا ہے، کیونکہ یہی ایمان کی اصل روح ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ: جو لوگ آخرت پر ایمان

نہیں رکھتے، ان کے اعمال ان کی نگاہ میں آراستہ کر دیے جاتے ہیں، چنانچہ وہ انہیں ہی خیر سمجھ بیٹھتے ہیں اور حق سے غافل ہو کر سرگرداں رہتے ہیں، یہ کیفیت اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ ان کی فطرت ایک طرف حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نفس و شیطان دوسری طرف باطل کو مزین کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ حیرت و تردد میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ہدایت کی روشنی سے محروم رہتے ہیں۔

اشکال اور جواب: یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے کفار کے اعمال کو مزین کیا، جب کہ دوسرے مقامات پر ہے کہ شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کیا، یہ تو تعارض و تضاد ہے؟

جواب ① سورۃ النمل میں زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ اور دیگر مقامات پر وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ کے درمیان کوئی حقیقی تضاد نہیں، بلکہ یہ ایک ہی حقیقت کے دو مختلف پہلو ہیں جنہیں مفسرین نے نہایت دقت سے واضح کیا ہے، جب تزیین کی نسبت شیطان کی طرف کی جاتی ہے تو وہ حقیقی معنی میں ہوتی ہے، کیونکہ وہ وسوسہ اندازی اور دھوکے کے ذریعے برے اعمال کو خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت اس اعتبار سے ہوتی ہے کہ جب انسان ضد، انکار اور گمراہی پر اصرار کرتا ہے تو اللہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے، اسے مہلت، نعمتیں اور اختیار دیتا ہے، جن کے غلط استعمال کے نتیجے میں اس کے اپنے اعمال ہی اسے اچھے محسوس ہونے لگتے ہیں، گویا اللہ نے انہیں مزین کر دیا۔

② بعض مفسرین کے مطابق یہ تزیین دراصل ان کے کفر کی سزا (جزاء) کے طور پر ہوتا ہے۔

③ اور بعض نے یہ بھی کہا کہ اللہ نے اصل میں حق کا راستہ واضح اور مزین کیا تھا، مگر انہوں نے خود اس سے اعراض کیا تو باطل ان کے لیے دلکش بن گیا۔ اس طرح حقیقت میں براہِ راست تزیین کا عمل شیطان کرتا ہے، لیکن وہ بھی اللہ کے قانونِ تکوین اور عدل کے تحت ہوتا ہے، لہٰذا دونوں نسبتیں اپنی اپنی جہت سے درست ہیں اور ان میں کوئی تعارض نہیں بلکہ باہمی تکمیل پائی جاتی ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ: یہی لوگ ہیں جن کے لیے نہایت سخت عذاب ہے، کیونکہ ان کی یہی صفات ان کے عذاب کا سبب بنیں، آخرت میں وہ سب

سے زیادہ خسارہ اٹھانے والے ہوں گے، ایسا خسارہ جس کے بعد کوئی اور خسارہ نہیں اور اس حقیقت کو تاکید کے مختلف اسالیب سے واضح کیا گیا ہے کہ حقیقی ناکامی انہی کا مقدر ہے۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ : اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ کو یہ قرآن ایک ایسے ربّ کی طرف سے عطا کیا جارہا ہے جو حکیم بھی ہے اور علیم بھی، تُلَقَّى سے مراد یہ ہے کہ آپ اس کلام کو پوری قوت، رضا اور ذمہ داری کے ساتھ قبول کرتے ہیں اور اس کے تقاضوں یعنی صبر، دعوت اور مجاہدہ، کو بھی برداشت کرتے ہیں، یہ قرآن چونکہ اللہ حکیم کی طرف سے ہے اس لیے اس میں کامل حکمت اور اصلاحِ معاش و معاد کی رہنمائی موجود ہے، اور چونکہ وہ علیم ہے اس لیے یہ انسانی نفوس کے امراض کا حقیقی علاج بھی فراہم کرتا ہے۔

موسیٰ! آگ لینے گئے پیغمبری مل گئی

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ {۷}النمل.

جواب ترجمہ: جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ بلاشبہ مجھے آگ نظر آئی ہے میں وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لاتا ہوں، تمہارے پاس آگ کا ایک شعلہ کسی لکڑی میں جلتا ہوا لاتا ہوں تاکہ تم تاپ لو۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ سیدنا محمد ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد دلا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو بزرگی دی اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ان کو اپنی ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا اور ان کو بڑے بڑے معجزے عطا فرمائے اور ان کو فرعون اور اس کی قوم کے پاس رسول بنا کر بھیجا لیکن انہوں نے تکبر کیا اور آپ پر ایمان نہیں لائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کی طرف روانہ ہوئے اور اپنی بیوی کو ساتھ لے گئے، یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھی، ان کا نام صفورا تھا، اس سفر میں آپ راستہ بھول گئے اور رات آگئی، یہ سردیوں

کا موسم تھا، آپ کو دور سے آگ کا شعلہ نظر آیا، آپ نے اپنے اہل سے فرمایا تم لوگ یہیں ٹھہرو میں نے آگ کا شعلہ دیکھا ہے، قرآن مجید میں اٰنَسْتُ کا لفظ ہے، اٰنست کا لفظ انس سے بنا ہے جس کا معنی ظہور ہے، انسان کو انسان اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ظاہر ہوتا ہے اور جنات اس کے مقابلہ میں مخفی اور چھپے ہوئے ہوتے ہیں جس طرح انس کا معنی ظہور ہے اسی طرح جن کا معنی مخفی ہونا ہے۔ انسان ظاہر ہے اور دکھائی دیتا ہے اور جن مخفی ہے اور دکھائی نہیں دیتا، حضرت موسیٰ کو آگ کا ایک شعلہ سا دکھائی دیا، انہوں نے کہا میں اس روشنی کے پاس جاتا ہوں، ممکن ہے اس روشنی سے راستہ کی سمت معلوم ہو جائے یا میں وہاں سے آگ کا کوئی سلگتا ہوا انگارہ لے آؤں جس سے تم لوگ سردی کی اس یخ بستہ رات میں حرارت حاصل کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت میں جو آگ دیکھی وہ اصل میں کیا چیز تھی النمل: ۸ میں فرمایا: ان کو ندا کی گئی جو آگ (کی تجلی) میں ہے اور اس کے پاس ہے وہ برکت والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد اللہ عزوجل کی ذات ہے۔ انہوں نے فرمایا رب العلمین کا نور درخت میں تھا۔ (جامع البیان بحوالہ تفسیر تبیان القرآن)

امام رازی رحمہ اللہ نے اس کے علاوہ اور بھی اقوال ذکر کیے ہیں وہ کہتے ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ جو آگ میں ہے اس سے مراد اللہ کا نور ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اس سے مراد فرشتے ہیں، یہ قتادہ اور زجاج کا قول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کلام سے ندا کی جس کو انہوں نے اس مبارک سرزمین میں ایک درخت سے سنا، پس وہ درخت آگ میں تھا اور اس کے آس پاس فرشتے تھے اس لیے فرمایا اس کو برکت دی گئی جو آگ میں تھا اور جو اس کے آس پاس تھے۔ یہ جبائی کا قول ہے ، چوتھا قول یہ ہے کہ جو آگ میں ہے اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ آگ کے قریب تھے اور جو اس کے پاس ہے اس سے مراد فرشتے ہیں اور یہ قول زیادہ قریب ہے کیونکہ جو شخص کسی چیز کے قریب ہو اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس میں ہے۔

پانچواں قول صاحب کشاف کا ہے کہ جس کو برکت دی گئی ہے یہ وہ مبارک سرزمین ہے جیسا کہ

قرآن مجید میں ہے :فَلَمَّا اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِیٔ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (القصص : ۳) پس جب موسیٰ وہاں پہنچے تو اس برکت والی زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت سے ان کو آواز دی گئی کہ اے موسیٰ ! بیشک میں اللہ رب العالمین ہوں۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۴۵ بحوالہ تبیان القرآن)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن بصری رحمہ اللہ اور محمد بن کعب رحمہ اللہ نے کہا وہ آگ اللہ عزوجل کا نور ہے، اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک عظیم نور کو دیکھا اور اس کو آگ گمان کیا اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اپنی آیات اور اپنے کلام کو آگ سے ظاہر فرمایا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت اور کسی سمت میں تھا جیسے قرآن مجید میں ہے، وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ (الزخرف:۸۴) وہ ذات جو آسمان میں عبادت کا مستحق ہے اور زمین میں عبادت کا مستحق ہے۔

اس آیت کا معنی نہیں ہے کہ آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ کے لیے ظرف اور محل ہیں، اسی طرح اس آگ میں اللہ تعالیٰ کے ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ آگ اللہ تعالیٰ کے لیے ظرف اور محل ہے، لیکن ہر فعل میں اللہ تعالیٰ کا ظہور ہوتا ہے جس سے فاعل کا علم ہوتا ہے اس آیت کا یہ معنی بھی ہے کہ جس کو آگ میں برکت دی گئی وہ اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور اس کی قدرت ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن)

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو یہ فرمایا ہے جو آگ میں ہے اس سے مراد اللہ عزوجل کی ذات ہے یعنی رب العالمین کا نور درخت میں تھا، اس کی تائید سب ذیل احادیث سے ہوتی ہے: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سوتا نہیں ہے اور نہ سونا اس کی شان کے لائق ہے وہ (اعمال کے) ترازو (کے پلڑے) کو جھکاتا ہے اور اوپر اٹھاتا ہے، اس کا حجاب نور ہے، اگر وہ اس نور کو منکشف کر دے تو اس کے چہرے کی تجلیات انتہاء بصر تک ہر چیز کو جلا دیں گی۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مجلس میں کھڑے ہوئے اور آپ نے پانچ باتیں بتائیں، آپ نے فرمایا اللہ عزوجل سوتا نہیں ہے اور نہ سونا اس کی شان کے لائق ہے، وہ

ترازو (کے پلڑے) کو جھکاتا ہے اور اس کو اوپر اٹھاتا ہے۔ دن کے اعمال سے پہلے اس کی طرف رات کے اعمال بلند کیے جاتے ہیں اور رات کے اعمال اس کی طرف دن کے اعمال سے پہلے بلند کیے جاتے ہیں۔ اس کا حجاب نور ہے اور ابو بکر کی روایت میں نار کا لفظ ہے، اگر وہ اپنے چہرے کی تجلیات کو منکشف کر دے تو وہ منتہاء بصر تک اس کی مخلوق کو جلا دیں گی۔ (صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ)

اس حدیث میں جو ترازو کے پلڑے کو جھکانے اور اوپر اٹھانے کا ذکر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن بندوں کے اعمال کو وزن کیا جائے گا۔ بعض بندوں کے نیک اعمال کا وزن کم ہو گا اور بعض بندوں کے نیک اعمال کا وزن زیادہ ہو گا اور اس حدیث میں سبحات وجھہ کا ذکر ہے۔ اس سے مراد ہے اس کے نور کا جلال اور اس حدیث میں ہے اس کا حجاب نور ہے۔ حقیقت میں حجاب اجسام محدودہ کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جسم اور حد سے منزہ اور پاک ہے۔

حجاب سے مراد یہاں پر وہ چیز ہے جو رویت سے مانع ہو اور اس مانع کو نور یا نار سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ نور کی شعاعیں عادۃً ادراک کرنے اور دیکھنے سے مانع ہوتی ہیں اور وجہ (چہرہ) سے مراد اس کی ذات ہے اور انتہاء بصر تک کی مخلوقات سے مراد تمام مخلوقات ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بصر تمام مخلوقات کو محیط ہے، اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی رویت اور اس کے دکھائی دینے سے مانع ہے اگر اللہ تعالیٰ اس مانع کو ہٹا دے اور اپنی مخلوق پر تجلی فرمائے تو اس کی ذات کا جلال تمام مخلوق کو جلا کر خاکستر کر دے گا۔

ابن جریج رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ نار اللہ تعالیٰ کے حجابات میں سے ایک حجاب ہے اور یہ سات حجابات ہیں: ① حجاب العزۃ ② حجاب الملک ③ حجاب السلطان ④ حجاب النار ⑤ حجاب النور ⑥ حجاب الغمام ⑦ حجاب الماء۔ حقیقت یہ ہے کہ مخلوق محجوب ہے اور کوئی چیز اللہ کے لیے حجاب نہیں بن سکتی۔ قرآن مجید کی اس آیت میں جس نار کا ذکر ہے اس سے مراد نور ہے اور اس کو نار سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس نور کو آگ گمان کیا تھا اور عرب نور اور نار میں سے ہر لفظ کو دوسرے کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ (تفسیر تبیان القرآن)

سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا یہ بعینہ آگ تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلام اس آگ کی ہر جانب سے سنایا اور اس کی ہر طرف سے اپنی ربوبیت کو ظاہر فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ نور میں ہے اور نور سے ندا کی گئی۔ (حاتم) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا درخت میں اور اس کے گرد رب العالمین کا نور تھا۔

ابو صخر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وادی کے کنارے اپنی بکریوں کو چرا رہے تھے، جب ان بکریوں نے اس آگ کو دیکھا تو وہ متوحش ہو کر بھا گیں۔ حضرت موسیٰ نے کھڑے ہو کر ان بکریوں کو آواز دی تو وہ جمع ہو گئیں۔ پھر دوبارہ بھاگیں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آواز دینے سے پھر جمع ہو گئیں، پھر سہ بارہ بھاگیں پھر حضرت موسیٰ نے کھڑے ہو کر اس آگ کو دیکھا۔ ابو صخر نے کہا یہ آگ نہیں تھی لیکن یہ اللہ عزوجل کا نور تھا اور وہی اس نور میں تھا اور یہ نور اسی سے تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے گرد تھے۔ (ابن ابی حاتم)

تجلی طور، خطاب الٰہی اور عصائے موسوی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ {۸} یٰمُوْسٰۤی اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ {۹} وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ ۫ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ {۱۰} اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ {۱۱} النمل

جواب ترجمہ: سو جب وہ وہاں آئے تو آواز دی گئی کہ وہ شخص مبارک ہے جو آگ میں ہے، اور وہ بھی مبارک ہیں جو اس کے ارد گرد ہیں، اور اللہ پاک ہے اور رب العالمین ہے۔ اے موسیٰ بیشک بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں عزیز ہوں حکیم ہوں۔ اور تم اپنی لاٹھی کو ڈال دو، سو جب اس لاٹھی کو دیکھا کہ وہ اس طرح حرکت کر رہی ہے جیسے سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر لوٹے اور مڑ کر بھی پیچھے نہ دیکھا، اے موسیٰ تم نہ ڈرو، بلاشبہ میرے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرتے۔ مگر جس نے ظلم کیا پھر اس نے گناہ کے بعد

اسے نیکی سے بدل دیا تو میں مغفرت کرنے والا ہوں رحمت والا ہوں۔

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ: جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس پہنچے جسے انہوں نے دور سے دیکھا تھا، تو انہیں ندا دی گئی کہ اس آگ کے مقام میں جو ہستیاں ہیں اور جو اس کے ارد گرد ہیں، سب بابرکت ہیں، مراد یہ ہے کہ یہ مقام تجلیاتِ الٰہی اور ملائکہ کی حاضری سے مشرف ہے، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی پاکی اور تنزیہ بیان کی گئی کہ وہ ربُّ العالمین ہر اس نقص سے منزہ ہے جو گمراہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

یٰمُوْسٰۤی اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ: اللہ تعالیٰ نے براہِ راست خطاب فرمایا: اے موسیٰ! میں ہی اللہ ہوں، جو غالب ہے، جس پر کوئی قابو نہیں پا سکتا اور حکمت والا ہے، جس کے تمام فیصلے، تخلیق اور شریعت حکمت سے بھرپور ہیں، اس اعلان میں توحیدِ خالص اور صفاتِ الٰہی کا جامع تعارف موجود ہے۔

وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ: پھر حکم ہوا کہ اپنی لاٹھی ڈال دو، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے جب اسے ڈالا تو وہ تیزی سے حرکت کرتی ہوئی سانپ کی مانند دکھائی دینے لگی، اس منظر سے وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا، تب اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دی کہ خوف نہ کرو، کیونکہ میرے حضور رسولوں کو کسی چیز کا خوف نہیں ہوتا، نہ سانپ کا اور نہ کسی اور چیز کا، اس لیے کہ وہ میری حفاظت اور تائید میں ہوتے ہیں۔

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ: البتہ جو شخص کسی لغزش یا گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کر کے اپنی حالت سنوار لے اور نیکی اختیار کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

اس آیت میں اِلَّا استثناء منقطع ہے، کیونکہ اس سے پہلے کسی برائی کے ارتکاب کا ایسا صریح ذکر نہیں جس سے یہ استثناء متصل ہو، لہٰذا اس کا مفہوم "لیکن جو شخص ظلم کر بیٹھے" کے معنی میں ہے، اس سے مراد وہ انسان ہے جو گناہ، حتیٰ کہ کسی بڑے جرم کا ارتکاب کر لے، مگر بعد ازاں خلوصِ دل سے توبہ کرے اور محض ندامت پر اکتفا نہ کرے بلکہ اپنی عملی زندگی کو بدل دے، یعنی برائی کی جگہ نیکی

اختیار کرلے، اپنے اعمال کی اصلاح کرے اور سیدھی راہ پر گامزن ہو جائے، ایسے شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اسے بخش دینے والا اور اس پر رحم فرمانے والا ہوں، کیونکہ اس کی صفتِ مغفرت دائمی ہے اور اس کی رحمت اپنے بندوں کو گناہوں کے اندھیروں سے نکال کر نیکی کے نور کی طرف لے آتی ہے۔ آیت میں

فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ: کی فاء جوابِ شرط کے طور پر آئی ہے، جبکہ ثُمَّ تراخی پر دلالت کرتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ اور توبہ کے درمیان وقفہ ہو سکتا ہے، لیکن جب بندہ سچی رجوع الی اللہ اختیار کر لے تو اس کے لیے مغفرت و رحمت کے دروازے کھلے رہتے ہیں۔ اس آیت میں امید اور رحمت کا دروازہ کھولا گیا ہے کہ خطا کے بعد رجوع کرنے والا محروم نہیں رہتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتایئے کہ یہاں جن نو معجزات کا ذکر کیا گیا ہے وہ کون کون سے ہیں؟

وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ؕ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ{۱۲} النمل

جواب ترجمہ: اور اے موسیٰ تم اپنا ہاتھ گریبان میں داخل کرو وہ بلا کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا، یہ دونوں چیزیں ان نو معجزات میں سے ہیں جنہیں لے کر تمہیں فرعون کی طرف جانا ہے بلاشبہ وہ لوگ نافرمان ہیں۔

خلاصہ تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نو معجزات عطا فرمائے تھے، جن کا ذکر سورۃ الاعراف اور دوسرے مقامات پر ہو چکا ہے، یہاں اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔ ① قحط ② میووں کا نقصان ③ طوفان ④ ٹڈی دل ⑤ چیچڑ ⑥ مینڈک ⑦ لہو ⑧ ہاتھ کا سفید ہونا ⑨ عصا۔

برص کے داغ بھی بہت زیادہ سفید ہوتے ہیں مگر ان کو عیب شمار کیا جاتا ہے، اس لیے واضح فرمایا کہ آپ کا ہاتھ بغل میں ڈالنے کے بعد ہر چند کہ بہت سفید ہو کر نکلے گا، مگر وہ برص کی طرح عیب دار

نہیں ہو گا، اس کے بعد بتایا کہ آپ کی لاٹھی کا ڈالنے کے بعد اژدھا بن جانا اور بغل میں ڈالنے کے بعد آپ کے ہاتھ کا روشن اور سفید ہو جانا، آپ کو دی جانے والی نو نشانیوں اور آپ کے نو معجزات میں سے ہے، باقی سات نشانیاں یہ ہیں، فرعونیوں پر قحط کے سالوں کا مسلط کیا جانا، پھلوں کا کم ہونا، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون اور طوفان۔

پھر بتایا کہ آپ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ فاسق تھے یعنی ایمان اور اعمال صالحہ کی حدود سے نکل کر کفر اور بدکاریوں میں داخل ہو چکے تھے، فسق کا معنی ہے خروج۔ پھر بتایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو کھلی کھلی نشانیاں دکھائیں تو انہوں نے نشانیوں کا انکار کیا اور کہا یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ پھر بتایا کہ انہوں نے اپنی زبانوں سے ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید کی نشانی قرار دینے سے انکار کیا، اگلی آیات میں ان کے جحود وانکار کا ذکر کیا گیا ہے جحود کا معنی ہے کسی چیز کو پہچاننے کے باوجود ہٹ دھرمی سے اس کا انکار کرنا حالانکہ ان کے دل یہ مانتے تھے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید کی پکی نشانی ہیں۔

ابو اللیث رحمہ اللہ نے کہا ان کے دلوں میں ان نشانیوں کے سچی ہونے کا اس لیے یقین تھا کہ جب بھی ان پر کوئی عذاب آتا مثلاً ان کا گھر خون سے بھر جاتا ان کے پانی کے برتنوں میں پانی کی جگہ خون ہوتا تو پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتے کہ اس عذاب کو ان سے دور کر دیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے تو وہ عذاب ان سے دور ہو جاتا، اس سے ان کے دلوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا یقین ہو جاتا، اس طرح جب ان پر قحط سالی آتی یا ان کے گھر مینڈکوں اور ٹڈیوں سے بھر جاتے تو اس عذاب سے نجات کے لیے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاتے تھے کیونکہ ان کو یقین تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور آپ کی دعا سے ہی ان سے یہ مصیبت ٹلے گی، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کو اس عذاب سے نجات مل جاتی لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور ان کے پیغام کا مسلسل انکار کیے جاتے تھے۔ (تبیان القرآن)

معجزات الٰہی کا انکار اور انجام مکذبین

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ{۱۳}وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ {۱۴}النمل

جواب ترجمہ: سو جب ان کے پاس ہمارے معجزات پہنچے جو واضح تھے تو کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے۔ اور انہوں نے ظلم اور تکبر کی راہ سے ان کا انکار کیا حالانکہ ان کے نفسوں نے یقین کر لیا تھا، سو دیکھو فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ: اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ جب ان لوگوں کے پاس ہماری روشن اور واضح نشانیاں آئیں تو انہوں نے ماننے اور ایمان لانے کی بجائے انہیں کھلا جادو قرار دیا، اس آیت میں لفظِ فَلَمَّا ان کے سابقہ حالات کو واضح کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ نمایاں اور روشن معجزات، جو اپنی وضاحت میں گویا آنکھوں کی طرح بینا تھے، ان کے سامنے آئے تو انہوں نے حق کو ماننے کے بجائے اسے جادو قرار دے دیا۔

یہ دراصل ان کی کم فہمی، ضد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ تھا، حالانکہ بار بار مختلف معجزات جیسے عصا، یدِ بیضاء، اور دیگر نشانیاں ظاہر ہوئیں، جو کسی بھی انصاف پسند ذہن کے لیے حق کی واضح دلیل تھیں، لیکن چونکہ وہ پہلے ہی سحر کے وہم میں مبتلا تھے اور سحری کرتبوں کو علم سمجھتے تھے، اس لیے ہر واضح حقیقت کو بھی اسی زمرے میں ڈال دیا۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ان کا انکار کیا حالانکہ ان کے دل ان کی سچائی کا یقین کر چکے تھے، ظلم اور تکبر کی بنا پر، یہاں ان کے باطنی اور ظاہری تضاد کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ زبان سے انکار کرتے تھے مگر دل کی گہرائی میں حق کو پہچان چکے تھے۔

"جحود" کا معنی یہ ہے کہ انسان جانتے بوجھتے حق کا انکار کرے، چنانچہ ان کے اندر فطری طور پر حق کی تصدیق موجود تھی، مگر اجتماعی دباؤ، فرعونی نظام کی حمایت اور دنیاوی برتری کی خواہش نے انہیں اس

یقین کے خلاف کھڑا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس انکار کی دو بنیادی وجوہ بیان فرمائیں: ظُلْمًا وَّعُلُوًّا یعنی ظلم پر اصرار اور زمین میں ناحق بڑائی چاہنا، یہی دو خرابیاں معاشروں کو تباہ کرتی ہیں۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ : اور اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فساد میں مبتلا ہو کر بالآخر ہلاکت اور غرقابی کا شکار ہوئے، آیت کے اختتام میں عبرت دلائی گئی ہے کہ اہلِ فساد کا انجام ہمیشہ تباہی ہی ہوتا ہے، تاکہ سننے والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔

سلیمان علیہ السلام اور پرندوں کی بولیاں

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتائیے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام سے کس چیز کی وراثت پائی تھی؟

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ {۱۵} وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ {۱۶} النمل

جواب ترجمہ: اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا، اور ان دونوں نے کہا کہ اللہ کے لیے سب تعریف ہے جس نے ہمیں اپنے مومن بندوں میں سے بہت سوں پر فضیلت دی ہے۔ اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور کہنے لگے اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز سے عطا کیا گیا ہے اور بے شک یہی کھلا ہوا فضل ہے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا، اور انہوں نے کہا: سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی، یہ آیتِ مبارکہ دو عظیم انبیاء علیہم السلام، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے ایک نئے واقعے کا آغاز ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں ایسی سلطنت اور اقتدار عطا فرمایا جو ان سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو اس درجہ میں حاصل نہ تھا، جہاں دیگر انبیاء علیہم السلام کو ظالم بادشاہوں کے مقابلے میں جدوجہد کرنی پڑی، وہیں یہ دونوں ہستیاں خود ایسے حکمران بنائے گئے جو وحیِ الٰہی کی رہنمائی میں عدل و حق کے ساتھ حکومت

کرتے تھے، جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو خلافت عطا کر کے حکم دیا گیا کہ لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں اور خواہشات کی پیروی سے بچیں۔

اللہ تعالیٰ نے وَلَقَدْ آتَيْنَا کے ذریعے اس عطا کو مؤکد فرمایا، اور عِلْمًا کو نکرہ لا کر اس کی عظمت و وسعت کی طرف اشارہ کیا کہ یہ غیر معمولی علم تھا، حضرت داؤد علیہ السلام کو قیادت، حکمرانی اور صنعت (مثلاً زرہ سازی) کا علم عطا ہوا، جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولی سمجھنے اور کائنات کے بعض اسرار تک رسائی دی گئی، اس عظیم نعمت پر دونوں نے فوراً شکر ادا کیا اور اعتراف کیا کہ یہ سب اللہ کا فضل ہے، نہ کہ ان کی ذاتی برتری۔

آیت کے آخری حصے میں یہ حقیقت واضح کی گئی کہ علم اور اقتدار دراصل نعمت ہونے کے ساتھ ایک بڑی ذمہ داری بھی ہیں اور اہلِ ایمان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ انہیں تکبر اور ظلم کا ذریعہ نہیں بناتے بلکہ شکر، عدل اور خدمتِ خلق کا وسیلہ بناتے ہیں، یہی وہ اعلیٰ نمونہ ہے جو حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی زندگیوں میں نمایاں نظر آتا ہے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ: حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے، مگر ان میں حضرت سلیمان علیہ السلام ہی وہ واحد بیٹے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سلطنت اور نبوت سے سرفراز فرمایا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام ہی اپنے والد کی نبوت، ملک اور علم کے وارث ہوئے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ ایسی شان عطا فرماتا ہے کہ ان کی وراثت مال و دولت میں نہیں بلکہ علم میں چلتی ہے، یہاں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو وراثت پائی اس سے مراد نبوت ہے۔

وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ: اس آیت میں پرندوں کی بولیاں سکھائے جانے کا ذکر ہے، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر در منثور میں چند روایات ایسی ذکر فرمائی ہیں، جن میں چند پرندوں سے حضرت سلیمان کی گفتگو نقل کی گئی ہے، امام اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک الناس سے مراد ہے اہل علم (ابن ابی حاتم)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا ہم پر کعب الحبر

داخل ہوئے اور کہا اے امیر المومنین! کیا میں آپ کو بہت ہی عجیب چیز کے بارے میں بتاؤں جو میں نے کتاب الانبیاء میں پڑھی کہ ایک چھوٹا کیڑا سلیمان علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے نبی! آپ پر سلام ہو انہوں نے فرمایا اے ھام! (اے کیڑے) تجھ پر بھی سلام ہو مجھ کو بتا تو کھیتی کیوں نہیں کھاتا؟ اس نے کہا، اے اللہ کے نبی! کیونکہ آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی اس وجہ سے۔

انہوں نے کیڑے سے پوچھا کہ مجھے بتا تو پانی کیوں نہیں پیتا؟ اس نے کہا اے اللہ کے نبی! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو پانی میں غرق کر دیا اس وجہ سے میں نے اس کا پینا چھوڑ دیا۔

پھر پوچھا کہ تو نے آبادی کو کیوں چھوڑ دیا؟ اور ویران جگہ پر رہنے لگا تو اس نے کہا ویران جگہیں اللہ کی میراث ہیں اور میں اللہ کی میراث میں رہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی کتاب میں فرمایا (ابن ابی حاتم) سلیمان بن داؤد علیہما السلام لوگوں کے لیے بارش طلب کرنے باہر نکلے ایک چیونٹی کے پاس سے گزرے، جو اپنی گدی پر چت لیٹی ہوئی اپنی ٹانگوں کو آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے یہ کہہ رہی تھی، اَللّٰهُمَّ إِنَّا خَلْقٌ مِنْ خَلْقِكَ لَيْسَ بِنَا غِنًى عَنْ رِزْقِكَ فَإِمَّا أَنْ تَسْقِيَنَا وَإِمَّا أَنْ تُهْلِكَنَا، اے اللہ! میں تیری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہوں اور تیرے رزق کے بغیر ہم کو غنا نہیں (یعنی ہم کو کھانے پینے کی ضرورت ہے) یا تو ہم کو پانی پلا یا ہم کو ہلاک کر (یہ سن کر) سلیمان علیہ السلام نے لوگوں سے کہا واپس لوٹ جاؤ تم اپنے علاوہ دوسری مخلوق کی دعا کے بدلے میں پانی پلائے جاؤ گے۔ (ابن شیبہ، احمد)

داؤد علیہ السلام ایک دن جانوروں کے درمیان فیصلہ فرماتے تھے اور ایک دن لوگوں کے درمیان، ایک گائے آئی اور اس نے اپنا سینگ دروازے کے حلقے میں رکھ دیا پھر یوں لوریاں دینے لگی جیسے ماں اپنے بچے کو لوریاں دیتی ہے۔ اور کہنے لگی میں جوان تھی وہ مجھ سے بچے جنواتے اور مجھ سے کام لیتے تھے، پھر جب میں بوڑھی ہو گئی تو انہوں نے مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ داؤد علیہ السلام نے اس کے مالک سے فرمایا، اس سے اچھا برتاؤ کرو اور اس کو ذبح نہ کرو۔ (ابن ابی حاتم)

سلیمان علیہ السلام کو زمین کے مشارق اور اس کے مغارب کی بادشاہی دی گئی سلیمان علیہ السلام سات سو

سال اور چھ ماہ بادشاہ رہے آپ دنیا کی تمام چیزوں جنات، انسان، جانور، پرندے اور درندوں کے بادشاہ رہے، آپ کو ہر چیز اور شے کی زبان سکھائی گئی اور آپ کے زمانے میں عجیب و غریب کام کیے گئے، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دینے کا ارادہ فرمایا تو ان کی طرف وحی بھیجی کہ اللہ کا علم اور اس کی حکمت اپنے بھائی کو دے دو۔ (مستدرک حاکم)

سلیمان بن داؤد علیہما السلام اپنے ملک میں بنی اسرائیل میں سے ایک کاشتکار کے پاس سے گزرے جبکہ ہوا نے آپ کو اٹھا رکھا تھا، اس آدمی نے سلیمان کو دیکھ کر کہا سبحان اللہ آل داؤد کو بادشاہی عطا کی گئی ہے، اس کی آواز کو ہوا نے اٹھایا اور ان کے کانوں میں ڈال دیا، سلیمان علیہ السلام نے فرمایا، اس آدمی کو میرے پاس لے آؤ، اس کو لایا گیا، تو آپ نے اس سے پوچھا تو نے کیا کہا؟ اس نے ان کو بتایا، میں نے یوں کہا تھا، سلیمان نے فرمایا میں تجھ پر ایک فتنہ کا ڈر رکھتا ہوں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سبحان اللہ کا ثواب اس سے بڑھ کر ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا کیا گیا، کاشت کار نے عرض کیا اللہ تعالیٰ تیرے رنج اور غم کو دور فرمادے جیسے تو نے میرے رنج اور غم کو دور کر دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام سفید رنگت والے، بھاری بھر جسم والے، گہرے سرخ زرد رنگ والے، جہاد کرنے والے تھے، کسی بادشاہ کا سنتے تھے تو اس کے پاس آکر اس سے جنگ کرتے اور اپنے زیر نگیں کر لیتے تھے، آپ جنات کو حکم فرماتے تھے تو وہ آپ کے لیے شیشے کا گھر بناتے اور آپ جنگی آلات جو چاہتے اس میں رکھتے، پھر وہ تیز ہوا کو حکم فرماتے تو وہ اس مکان کو زمین سے اٹھا لیتی پھر آپ ہلکی ہوا کو حکم فرماتے تو وہ آگے آگے رہتی جہاں آپ جاتے۔ (در منثور)

سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کیا میں تم کو آج کے دن اپنے ملک کا بعض حصہ نہ دکھاؤں؟ بنی اسرائیل نے کہا کیوں نہیں۔ اے ہوا! ہم کو اوپر اٹھا، ان کو ہوا نے اوپر اٹھا لیا اور ان کو آسمان و زمین کے درمیان رکھ دیا، پھر فرمایا، اے پرندو! ہم کو سایہ کر دو، تو پرندوں نے ایسا اپنے پروں کے ساتھ سایہ کر دیا۔ کہ وہ سورج کو نہیں دیکھتے تھے فرمایا اے بنی اسرائیل! کونسا ملک تم نے دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے بڑا ملک دیکھا ہے فرمایا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ

الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٍ میرے اس ملک سے اور دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا یَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مَنْ خَشِيَ اللهَ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَقَصَدَ فِي الْغِنَىٰ وَالْفَقْرِ وَعَدَلَ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا وَذَكَرَ اللهَ عَلَى كُلِّ حَالٍ فَقَدْ أُعْطِيَ مِثْلَ مَا أُعْطِيتُ، اے بنی اسرائیل! جو شخص ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ اور علانیہ دونوں حالتوں میں، مالداری اور فقر دونوں حالتوں میں میانہ روی اختیار کرتا ہے، عدل کرتا ہے۔ ناراضگی اور رضامندی کی حالت میں اور ہر حال میں اللہ کو یاد کرتا ہے تو اس کو بھی ایسی بادشاہت عطا کی جائے گی جیسے مجھے بادشاہت عطا کی گئی۔

لشکر سلیمانی اور چیونٹی

سوال ان آیات کا ترجمہ کیجیے، نیز بتایئے کہ چیونٹی والا قصہ کیا تھا؟

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ {۱۷} حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ {۱۸} فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ {۱۹} النمل.

جواب ترجمہ: اور سلیمان کے لیے ان کے لشکر جمع کیے گئے جو جنات میں سے اور انسانوں میں سے اور پرندوں میں سے تھے، چنانچہ انہیں قابو میں رکھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن جب یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں پیس ڈالے، اور انہیں پتہ بھی نہ چلے۔ اس کی بات پر سلیمان مسکرا کر ہنسے، اور کہنے لگے: میرے پروردگار! مجھے اس بات کا پابند بنا دیجیے کہ میں ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں اور وہ نیک عمل کروں جو آپ کو پسند ہو اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرمالیجیے۔

خلاصہ تفسیر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنا تخت رکھتے تھے اور اس کی دائیں اور بائیں جانب کرسیاں رکھتے تھے۔ پہلے انسانوں کو بیٹھنے کی اجازت دیتے، پھر جنات کو بیٹھنے کی اجازت دیتے جو انسانوں کے پیچھے بیٹھتے تھے، پھر شیاطین کو بیٹھنے کی اجازت دیتے جو جنات کے پیچھے بیٹھتے تھے، پھر ہوا کو حکم دیتے وہ ان سب کو اٹھا کر لے جاتی اور پرندے ان کے اوپر سایہ کرتے اور ہوا ان کے تخت اور ان کی کرسیوں کو اڑا کر لے جاتی، وہ صبح کے وقت بھی ایک ماہ کی مسافت کی سیر کرتے اور شام کو بھی ایک ماہ کی مسافت کی سیر کرتے۔

وہب بن منبہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک کا وارث کیا اور ان کو نبوت عطا فرمائی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسا ملک عطا کرے جو ان کے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرلی، سو ان کے لیے انسانوں، جنوں، پرندوں اور ہواؤں کو مسخر کر دیا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھنے بال تھے، روشن چہرہ تھا اور وہ سفید کپڑے پہنتے تھے، جب وہ اپنے گھر سے اپنی مجلس کی طرف جاتے تو ان کے اوپر پرندے اڑتے تھے اور جب تک وہ اپنے تخت پر بیٹھ نہیں جاتے تو انسان اور جن ان کے لیے کھڑے رہتے تھے۔

وہ بہت جنگ جو شخص تھے بہت کم فارغ بیٹھتے تھے، روئے زمین میں ان کو جب بھی کسی کی سلطنت کا پتا چلتا، وہ اس پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیتے تھے، وہ جب کسی ملک پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتے تو لشکر کو اپنا تخت اٹھانے کا حکم دیتے ان کے لشکر میں انسان اور مویشی اور انواع و اقسام کے ہتھیار ہوتے تھے وہ ہوا کو حکم دیتے تو وہ ان کے تخت کو اس ملک میں پہنچا دیتی تھی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بیش بہا نعمتوں سے مالا مال کر رکھا تھا، ان کے لشکر کے بارے میں تفسیر بحر المحیط میں ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ

أَنَّ مُعَسْكَرَهُ كَانَ مِائَةَ فَرْسَخٍ فِي مِائَةِ خَمْسَةٌ وَعِشْرُونَ لِلْجِنِّ، وَمِثْلُهَا لِلْإِنْسِ، وَمِثْلُهَا لِلطَّيْرِ، وَمِثْلُهَا لِلْوَحْشِ، وَأَلْفُ بَيْتٍ مِنْ قَوَارِيرَ عَلَى الْخَشَبِ، فِيهَا ثَلَاثُمِائَةِ مَنْكُوحَةٍ، وَسَبْعُمِائَةِ سِرِّيَّةٍ، وَقَدْ نَسَجَتْ لَهُ الْجِنُّ بِسَاطًا مِنْ ذَهَبٍ وَإِبْرِيسَمَ فَرْسَخًا فِي فَرْسَخٍ،

وَمِنْبَرُهُ فِي وَسَطِهِ مِنْ ذَهَبٍ، فَيَصْعَدُ عَلَيْهِ وَحَوْلَهُ سِتُّمِائَةِ أَلْفِ كُرْسِيٍّ مِنْ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ، تَقْعُدُ الْأَنْبِيَاءُ عَلَى كَرَاسِيِّ الْفِضَّةِ، وَحَوْلَهُمُ النَّاسُ، وَحَوْلَ النَّاسِ الْجِنُّ وَالشَّيَاطِينُ، وَتُظِلُّهُ الطَّيْرُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتَّى لَا تَقَعَ عَلَيْهِ الشَّمْسُ، وَتَرْفَعُ رِيحُ الصَّبَا الْبِسَاطَ، فَتَسِيرُ بِهِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ (تفسیر بحر المحیط)

لشکر کی جگہ ایک سو فرسخ میں تھی، پچیس فرسخ جگہ انسانوں کے لیے تھی، پچیس فرسخ جگہ جنات کے لیے تھی، پچیس فرسخ جگہ پرندوں کے لیے تھی اور پچیس فرسخ جگہ وحشی جانوروں کے لیے تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تختوں پر ایک ہزار شیشہ کے گھر بنے ہوئے تھے، جن میں ان کی تین سو منکوحہ بیویاں تھیں اور سات سو باندیاں تھیں، جنات نے ان کے لیے سونے کے تاروں اور ریشم کے گدے بنائے ہوئے تھے، وہ ان گدوں کے وسط میں سونے کے منبر پر بیٹھتے تھے اور پرندے اپنے پروں سے ان پر سایہ کرتے تھے حتیٰ کہ ان پر بالکل دھوپ نہیں پڑتی تھے اور صبح کی ہوا ان گدوں کو اٹھا کر ایک ماہ کی مسافت پر لے جاتی تھی، ان کا ملک بہت بڑا تھا، جو تمام روئے زمین کو محیط تھا اور تمام آبادیاں ان کی مطیع تھیں، اگرچہ یہ تفصیل مستدرک حاکم میں بھی نقل کی گئی ہے، مگر بحر المحیط تفسیر کے مصنف علامہ ابو حیان اندلسی نے یہ تفصیل نقل کرنے کے بعد اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس تفصیل کی نقل صحت کی محتاج ہے۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ: نملۃ کا معنی ہے چیونٹی، پہلو میں چیونٹی کی شکل کے مشابہ ایک پھنسی ہو جاتی ہے اس کو بھی نملۃ کہتے ہیں، جس طرح چیونٹی آہستہ آہستہ جسم پر رینگتی ہے اور کاٹتی ہے اسی طرح چغلی کی تکلیف بھی انسان کو آہستہ آہستہ ڈنک مارتی رہتی ہے اور چغلی کرنے والے کو نمال اور نمام کہتے ہیں اور انملۃ انگلی کی پور کو کہتے ہیں اس کی جمع انامل ہے۔ (المفردات) امام محمد بن ابو بکر رازی نے لکھا ہے: نملۃ واحد ہے اور النمل جمع ہے۔ (مختار الصحاح)

علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، یہ چیونٹی لنگڑی تھی، اس کے دو بازو تھے، یہ چیونٹیوں کی ملکہ تھی، تورات میں لکھا ہے کہ اس کا نام منذرہ یا طاخیہ یا جرمی تھا اور بعض صحائف میں لکھا ہے کہ اس

کا نام اللہ تعالیٰ نے رکھا تھا، حضرت سلیمان رحمۃ اللہ سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام اس کو پہچانتے تھے، چونکہ یہ باتیں کرتی تھی اس لیے اس کا نام رکھا گیا ورنہ چیونٹیوں کے نام نہیں رکھے جاتے اور نملۃ مؤنث حقیقی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے قالت نملۃ اور فعل کے ساتھ تا اس وقت لائی جاتی ہے جب اس کا فاعل مؤنث حقیقی ہو، کیونکہ نملۃ کا مذکر اور مؤنث دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے ، پس جب اس کو ممیز اور ممتاز کرنے کا ارادہ کیا جائے گا تو کسی ممیز خارجی کی ضرورت ہو گی مثلاً کہا جائے گا مذکر نملۃ اور مؤنث نملۃ، اسی طرح حمامۃ اور یمامۃ کے الفاظ ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ قتادہ رحمۃ اللہ کوفہ میں گئے تو لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے۔ انہوں نے لوگوں سے کہا جو پوچھنا چاہو پوچھو، اس وقت امام ابو حنیفہ کم عمر لڑکے تھے، انہوں نے لوگوں سے کہا ان سے پوچھو کہ جس چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کلام کیا تھا وہ مذکر تھی یا مؤنث ؟ لوگوں نے سوال کیا تو قتادہ خاموش ہو گئے اور ان کو کوئی جواب نہ آیا۔

تب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے کہا وہ مؤنث تھی، ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے کہا قرآن سے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قالت نملۃ اگر وہ چیونٹی مذکر ہوتی تو اللہ تعالیٰ فرماتا قال نملۃ اس کی وجہ یہ ہے کہ حمامۃ (کبوتر) اور شاۃ (بکری) کی طرح نملۃ کا اطلاق بھی مذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے اور ان کو ممیز اور ممتاز کرنے کے لیے مذکر یا مؤنث کی ضمیریں لائی جاتی ہیں مثلاً کہا جاتا ہے ھو شاۃ (وہ بکرا ہے) یا ھی شاۃ (وہ بکری ہے) اور جو فی نفسہ مذکر ہو اور اس میں لفظی تانیث ہو اس کے لیے مؤنث فعل یا مؤنث ضمیر نہیں لائی جاتی، مثلاً یہ نہیں کہا جاتا کہ قالت طلحۃ یا قالت حمزۃ، سو اگر یہ چیونٹی مذکر ہوتی اور اس میں صرف لفظی تانیث ہوتی تو قال نملۃ کہا جاتا اور قالت نملۃ نہ فرمایا جاتا اور قالت نملۃ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ یہ چیونٹی مؤنث تھی۔ (روح البیان بحوالہ تفسیر تبیان القرآن)

امام الحسین بن مسعود البغوی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں، جب چیونٹیوں کی ملکہ نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند نہ ڈالے، تو حضرت

سلیمان علیہ السلام نے ان کی یہ بات سن لی اور اللہ کی مخلوق میں سے جو بھی کوئی بات کرتی تھی تو ہوا اس بات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے کانوں تک پہنچا دیتی تھی۔

مقاتل رحمہ اللہ نے کہا حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات کو تین میل کی مسافت سے سن لیا تھا، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تو تخت پر تھا اور ہوا ان کو اڑا کر لے جا رہی تھی اور جب وہ فضا میں تھے تو ان سے چیونٹیوں کو روندنا کس طرح متصور ہو سکتا تھا حتیٰ کہ چیونٹیوں کی ملکہ کو ان سے ڈرانے کی ضرورت پیش آتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر ہوا میں پرواز کر رہے تھے اور ان کا لشکر سواروں اور پیادوں پر مشتمل تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کے مسخر کرنے سے پہلے پیش آیا ہو، بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام وادی نمل میں پہنچے تو آپ نے اپنے لشکر کو روک لیا حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو گئیں۔ (معالم التنزیل، بحوالہ تفسیر تبیان القرآن)

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، اس چیونٹی کا کلام حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا، جیسے گوہ اور بکری کے گوشت کا کلام کرنا ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا، مقاتل نے کہا حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل کی مسافت سے چیونٹی کا کلام سن لیا تھا اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ چیونٹی کو بھی اتنے فاصلے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کے آنے کا پتا چل گیا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام کا اتنے فاصلہ سے چیونٹی کی بات کو سن لینا بعید نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ آثار میں ہے ہوا نے ان تک یہ بات پہنچا دی تھی یا اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی قوت قدسیہ عطا کی تھی جس سے انہوں نے یہ بات سن لی تھی، لیکن چیونٹی کا اتنی مسافت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو محسوس کر لینا بعید ہے اور عربوں میں مشہور ہے کہ چیڑی بھی دور دراز سے محسوس کر لیتی ہے اور تم کو معلوم ہے کہ اس خبر کی صحت کا انکار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کوئی آواز مطلقاً نہیں سنی تھی، چیونٹی کے دل میں جو بات تھی اللہ تعالیٰ نے اس کا ان کے دل میں الہام کر دیا تھا۔

ہدہد کا قصہ

سوال ہدہد کا قصہ بیان کیجیے نیز ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآىِٕبِيْنَ {۲۰} لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاْذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ {۲۱} فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ {۲۲} اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ {۲۳} وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ {۲۴} اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ {۲۵} اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ {۲۶} قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ {۲۷} اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ {۲۸} النمل

جواب ترجمہ: اور سلیمان نے پرندوں کی حاضری لی تو کہا کہ کیا بات ہے جو میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں، کیا وہ کہیں غائب ہے؟ میں اسے ضرور ضرور سخت سزا دوں گا یا ضرور ضرور اسے ذبح کر دوں گا، یا یہ بات ہو کہ وہ میرے سامنے کوئی صریح دلیل لے کر آئے۔ پھر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ہدہد نے کہا کہ میں ایسی چیز کی خبر لایا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں اور آپ کے پاس ملک سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ بیشک میں نے ایک عورت کو پایا جو ان پر بادشاہت کرتی ہے اور اسے ہر چیز دیدی گئی ہے، اور اس کے لیے ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے اسے اور اس کی قوم کو اس حالت پر پایا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا ہے سو اس نے انہیں راہ سے ہٹا دیا لہٰذا وہ ہدایت نہیں پاتے۔ وہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو نکالتا ہے اور وہ ان چیزوں کو جانتا ہے جنہیں تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو، اللہ ہے جس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں وہ عرش عظیم کا رب ہے، سلیمان نے کہا ہم عنقریب دیکھتے ہیں کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹوں میں

سے ہے، میرا یہ خط لیجا اور اسے ان کے پاس ڈال دے پھر ہٹ جانا، پھر دیکھنا کہ وہ کیا بات چیت کرتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ہدہد فوج سلیمان میں مہندس کا کام کرتا تھا وہ بتلاتا تھا کہ پانی کہاں ہے؟ زمین کے اندر کا پانی اس کو اسطرح نظر آتا تھا جیسے کہ زمین کے اوپر کی چیز لوگوں کو نظر آتی ہے، جب سلیمان علیہ السلام جنگل میں ہوتے اس سے دریافت فرماتے کہ پانی کہاں ہے؟ یہ بتادیتا کہ فلاں جگہ ہے۔ اتنا نیچا ہے اتنا اونچا ہے وغیرہ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اسی وقت جنات کو حکم دیتے اور کنواں کھود لیا جاتا پانی کی تلاش کا حکم دیا، اتفاق سے وہ موجود نہ تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا آج ہدہد نظر نہیں آتا کیا پرندوں میں کہیں وہ چھپ گیا جو مجھے نظر نہ آیا۔ یا واقع میں وہ حاضر نہیں؟

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر سن کر نافع بن ازرق خارجی نے اعتراض کیا تھا یہ بکواسی ہر وقت حضرت عبداللہ کی باتوں پر بے جا اعتراض کیا کرتا تھا کہنے لگا آج تو تم ہار گئے، حضرت عبداللہ نے فرمایا کیوں؟ اس نے کہا آپ جو یہ فرماتے ہو کہ ہدہد زمین کے تلے کا پانی دیکھ لیتا تھا یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے ایک بچہ جال بچھا کر اسے مٹی سے ڈھک کر دانہ ڈال کر ہدہد کا شکار کر لیتا ہے اگر وہ زمین کے اندر کا پانی دیکھتا ہے تو زمین کے اوپر کا جال اسے کیوں نظر نہیں آتا؟

آپ نے فرمایا اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تو یہ سمجھ جائے گا کہ ابن عباس لاجواب ہو گیا تو مجھے جواب کی ضرورت نہ تھی سن جس وقت قضا آجاتی ہے آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور عقل جاتی رہتی ہے۔ نافع لاجواب ہو گیا اور کہا واللہ اب میں آپ پر اعتراض نہ کروں گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس ہدہد کا نام عنبر تھا، آپ فرماتے ہیں اگر فی الواقع وہ غیر حاضر ہے تو میں اسے سخت سزا دوں گا اس کے پر نچوا دوں گا اور اس کو پھینک دوں گا کہ کیڑے مکوڑے کھا جائیں یا میں اسے حلال کر دوں گا، یا یہ کہ وہ اپنے غیر حاضر ہونے کی کوئی معقول وجہ پیش کر دے، اتنے میں ہدہد آگیا جانوروں نے اسے خبر دی کہ آج تیری خیر نہیں، بادشاہ سلامت عہد کر چکے ہیں کہ وہ تجھے مار ڈالیں گے، اس نے کہا یہ بیان کرو کہ آپ کے الفاظ کیا تھے؟ انہوں نے بیان کئے تو خوش ہو کر کہنے لگا

پھر تو میں بچ جاؤں گا، حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے بچاؤ کی وجہ اس کا اپنی ماں کے ساتھ سلوک تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی ہدہد حاضر ہو گیا، سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ تجھے کہاں دیر ہوئی تو اس نے عرض کیا کہ میں وہ بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں یعنی میری غیر حاضری کسی غفلت کی بنا پر نہیں بلکہ آپ ہی کی خدمت اور مصلحت کے لئے تھی اور میں اس وقت آپ کے پاس شہر سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں جس کا انتظام مقاصد نبوت سے اور لوازم سلطنت سے ہے۔

وہ خبر یہ ہے کہ تحقیق میں نے ملک سبا میں ایک عورت کو لوگوں پر سلطنت کرتے پایا کہ وہ لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس ملکہ کو سلطنت کے متعلق ہر چیز دی گئی ہے اور اس ملکہ کا تخت بڑا عظیم الشان ہے جو سونے کا ہے اور جواہرت اور موتیوں سے جڑا ہوا ہے یہ تو اس کی دنیاوی شان و شوکت کا حال ہے اور اس کے دین کا حال یہ ہے کہ میں نے اس ملکہ کو اور اس کی قوم کو اس حال میں پایا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔

بلقیس اور اس کی قوم مجوسی تھی جو سورج کو پوجتی تھی اور شیطان نے ان کے اعمال بد کو ان کی نظروں میں اچھا کر کے دکھلایا ہے پس اس طرح شیطان نے ان کو راہ حق سے روک دیا ہے پس وہ لوگ راہ یاب ہوتے نظر نہیں آتے، شیطان نے ان کے اعمال بد کو مزین کر دیا ہے کہ سارا عالم آفتاب سے روشن اور منور ہے لہٰذا وہ اس قابل ہے کہ اس کو سجدہ کیا جائے۔

آفتاب کے سجدہ کو ان کی نظروں میں خوب کر کے دکھایا ہے اور اس بات کو خوب کر کے دکھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کریں جو معبود حقیقی ہے جس کی شان یہ ہے کہ وہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین سے نباتات اگاتا ہے یہ تو اس کی قدرت کا حال ہے اور اس کے علم کا حال یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے کہ جن کو تم چھپاتے ہو اور جن کو ظاہر کرتے ہو۔

پس ایسی چیز کو پوجنا چاہیے جس کی قدرت اور اس کا علم کامل اور محیط ہو اور سورج کو پوجنا بیکار ہے جسے نہ علم ہے اور نہ قدرت ہے۔ اللہ کے سوا کوئی لائق الوہیت اور مستحق عبادت نہیں وہ مالک ہے

عرش عظیم کا۔ بلقیس کے تخت کو اس کے عرش عظیم سے کیا نسبت۔

ہدہد کا مطلب یہ تھا کہ یہ ملکہ اور اس کی قوم کفر اور شرک میں مبتلا ہے اور توحید سے منحرف ہے ایسی قوم سے جہاد اور قتال واجب ہے۔ حیوانات کو اور چرند اور پرند کو اللہ کی معرفت حاصل ہے وہ توحید اور شرک کو خوب سمجھتے ہیں، اس لئے ہدہد نے اللہ تعالیٰ کے اوصاف بیان کئے جن سے اللہ کے کمال قدرت اور کمال علم کو ثابت کیا۔ (تفسیر معارف القرآن کاندھلوی)

ملکہ سبا بلقیس کا تخت شاہی

سوال ملکہ سبا بلقیس کا واقعہ کیا ہے؟ ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ {۲۹} اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ {۳۰} اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ {۳۱} قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ {۳۲} قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ {۳۳} قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ {۳۴} وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ {۳۵} فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۭ فَمَآ اٰتٰىنِ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ {۳۶} اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ {۳۷} قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ {۳۸} قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ {۳۹} قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۤ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ {۴۰} قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ {۴۱} فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ

قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ {۴۲} وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ {۴۳} قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ {۴۴} النمل

جواب ترجمہ: کہنے لگی اے دربار والو! میرے پاس ایک خط ڈالا گیا ہے جو عزت والا خط ہے۔ بیشک وہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں یہ ہے کہ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحمن ہے رحیم ہے۔ تم لوگ میرے مقابلہ میں بڑائی نہ جتاؤ اور میرے پاس فرمانبردار ہو کر آجاؤ۔ کہنے لگی اے دربار والو! تم میرے معاملہ میں مجھے مشورہ دو میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم میرے پاس موجود نہ ہو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم طاقت والے ہیں اور سخت لڑائی والے ہیں اور تمہیں اختیار ہے سو تم دیکھ لو کیا حکم کرتی ہو۔ کہنے لگی کہ بلاشک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے خراب کر دیتے ہیں، اور جو اس کے رہنے والے باعزت ہوتے ہیں انہیں ذلیل بنا دیتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کرینگے۔ اور میں ان کی طرف ایک ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ بھیجے ہوئے لوگ کیا جواب لے کر واپس ہوتے ہیں۔

سو جب وہ قاصد سلیمان کے پاس پہنچا تو سلیمان نے کہا کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو سو اللہ نے جو کچھ مجھے دے رکھا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تم کو دیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ تم اپنے ہدیہ پر خوش ہوتے ہو۔ تو ان لوگوں کے پاس لوٹ جا ہم ان پر ایسے لشکر بھیجتے ہیں کہ وہ لوگ ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم انہیں وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے۔

سلیمان نے کہا کہ اے دربار والو! کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے کہ اس کا تخت اس سے پہلے میرے پاس لے کر آجائے کہ وہ میرے پاس فرمانبردار ہو کر آئیں۔ جنات میں سے ایک دیو نے کہا کہ اسے اس سے پہلے لے آؤں گا کہ آپ اپنے مقام سے کھڑے ہوں اور بلاشبہ میں اس پر قدرت رکھتا ہوں امانت دار ہوں۔

اس شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے لے آؤنگا کہ آپ کی آنکھ جھپکے، سو جب اسے اپنے پاس دھرا ہوا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ میرے رب کا ایک فضل ہے تاکہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری، اور جو شخص شکر کرتا ہے اپنی ہی جان کے لیے شکر کرتا ہے، اور جو شخص ناشکری کرے اس میں شک نہیں کہ میرا رب غنی ہے کریم ہے۔

سلیمان نے کہا کہ اس کے لیے اس کے تخت کو بدل دو تاکہ ہم دیکھیں کہ وہ ہدایت پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہو جاتی ہے جو ہدایت نہیں پاتے۔ سو جب وہ آگئی تو اس سے کہا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے کہنے لگی گویا یہ تو وہی ہے، اور ہمیں اس سے پہلے علم دیدیا گیا تھا اور ہم فرمانبردار ہو چکے ہیں۔ اور سلیمان نے اسے اس سے روک دیا جو وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتی تھی بلاشبہ وہ کافر قوم میں سے تھی۔ اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو جا سو جب اس نے اسے دیکھا تو خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے اور اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں سلیمان نے کہا بلاشبہ یہ ایسا ایک محل ہے جسے شیشوں سے جوڑ کر بنایا گیا ہے وہ کہنے لگی کہ اے میرے پروردگار! بلاشبہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں نے سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی فرمانبرداری قبول کرلی۔

خلاصہ تفسیر: ہدہد پرندہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط لے کر سبا کی طرف روانہ ہو گیا، جہاں اس نے وہ خط ملکہ سبا بلقیس کے سپرد کر دیا، اس نے خط کھول کر پڑھا، اس کے بعد اپنے خاص کارندوں کو جمع کیا، ہدہد نے ملکہ بلقیس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میری طرف ایک عظیم الشان انسان کا خط آیا ہے، پھر اس نے خط میں مندرج عبارت پڑھی، اور کہا کہ یہ خط سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے، اس کا افتتاحیہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے ہے اور اس میں یہ پیغام ہے کہ تم تکبر نہ کرو اور جس طرف ہم تمہیں بلا رہے ہیں اس سے اپنے کو بڑا مت سمجھو، اللہ کی توحید کا اقرار کرتے ہوئے، سر تسلیم خم کرتے ہوئے میری طرف متوجہ ہو جاؤ۔

ملکہ بلقیس نے کہا کہ اے میرے مشیران خاص! اس معاملے میں مجھے مشورہ دو، میں تمہارے مشورے اور رائے کے بغیر کسی بات کو ترجیح نہیں دوں گی، مشیران خاص نے اسے کہا کہ ہمیں اگر

مقابلہ کرنا پڑا تو مقابلہ کریں گے، لڑائی لڑنا پڑی تو لڑائی لڑیں گے، اس لیے کہ ہم طاقت و قوت والے لوگ ہیں، ہم جنگجو ہیں، مگر اس سب کے باوجود جیسا تمہارا حکم ہو گا، ہم آپ کے حکم کو سنیں گے، اس کی اتباع کریں گے۔

اس نے انہیں خبر دار کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح تو ہمیں سلیمان کی دشمنی کا سامنا کرنا پڑے گا، وہ بادشاہ ہیں اور بادشاہ جب کسی بستی پر حملہ آور ہوتے ہیں تو اسے تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں، اس کے عزت داروں کو ذلیل کر دیتے ہیں، لوگوں کو مار ڈالتے ہیں اور وہاں کے رہنے والوں کو اپنا قیدی بنا لیتے ہیں، اور یہ بادشاہوں کا پرانا طریقہ کار ہے کہ وہ لوگوں کو اس طرح کر دیتے ہیں کہ لوگ ان سے خوف زدہ رہیں۔

میں اس طرح کرتی ہوں کہ سلیمان اور ان کی قوم کی طرف قیمتی اموال پر مشتمل تحائف بھیجتی ہوں، پھر میں اس بات کا انتظار کرتی ہوں کہ وہ اس خیر سگالی کا کیا جواب دیتے ہیں، اگر تو ہمارے بھیجے ہوئے ہدایا اور تحائف قبول کر لیے تو میں سمجھوں گی کہ وہ نرے بادشاہ ہیں تو بادشاہوں کے ساتھ لڑائی لڑنے میں کیا حرج ہے، اگر وہ نبی ہیں تو پھر نبی کے ساتھ لڑائی نہیں لڑی جا سکتی۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "بلقیس نے بہت ہی گراں قدر تحفہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا، سونا موتی جواہر وغیرہ سونے کی کثیر مقدار اینٹیں سونے کے برتن وغیرہ۔ بعض کے مطابق کچھ بچے عورتوں کے لباس میں اور کچھ عورتیں لڑکوں کے لباس میں بھیجیں اور کہا کہ اگر وہ انہیں پہچان لیں تو اسے نبی مان لینا چاہیے، جب یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے سب کو وضو کرنے کا حکم دیا، لڑکیوں نے برتن سے پانی بہا کر اپنے ہاتھ دھوئے اور لڑکوں نے برتن میں ہی ہاتھ ڈال کر پانی لیا، اس سے آپ نے دونوں کو الگ الگ پہچان کر علیحدہ کر دیا کہ یہ لڑکیاں ہیں اور یہ لڑکے ہیں۔

بعض کہتے ہیں اس طرح پہچانا کہ لڑکیوں نے تو پہلے اپنے ہاتھ کے اندرونی حصہ کو دھویا اور لڑکوں نے ان کے برخلاف بیرونی حصے کو پہلے دھویا یہ بھی مروی ہے کہ ان میں سے ایک جماعت اس کے برخلاف ہاتھ کی انگلیوں سے شروع کر کے کہنی تک لے گئے۔ ان میں سے کسی میں نفی کا امکان نہیں، واللہ اعلم۔

یہ بھی مذکور ہے کہ بلقیس نے ایک برتن بھیجا تھا کہ اسے ایسے پانی سے بھر کر دو جو نہ زمین کا ہو نہ آسمان کا تو آپ نے گھوڑے دوڑائے اور ان کے پسینوں سے وہ برتن بھر دیا۔ اس نے کچھ خر مہرے اور ایک لڑی بھیجی تھی آپ نے انہیں لڑی میں پرو دیا۔

الفاظ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس کے تحفے کی طرف مطلقاً التفات ہی نہیں کیا۔ اور اسے دیکھتے ہی فرمایا کہ کیا تم مجھے مالی رشوت دے کر شرک پر باقی رہنا چاہتے ہو؟ یہ محض ناممکن ہے مجھے رب نے بہت کچھ دے رکھا ہے، ملک، مال، لاؤ، لشکر سب میرے پاس موجود ہے۔ تم سے ہر طرح بہتر حالت میں میں ہوں فالحمدللہ۔

تم ہی اپنے اس ہدیے سے خوش رہو یہ کام تم ہی کو سونپا کہ مال سے راضی ہو جاؤ اور تحفہ تمہیں جھکا دے یہاں تو دو ہی چیزیں ہیں یا شرک چھوڑو یا تلوار روکو۔ یہ بھی کہا گیا ہے اس سے پہلے کہ اس کے قاصد پہنچیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا اور انہوں نے سونے چاندی کے ایک ہزار محل تیار کر دیئے، جس وقت قاصد پائے تخت میں پہنچے ان محلات کو دیکھ کر ہوش جاتے رہے اور کہنے لگے یہ بادشاہ تو ہمارے اس تحفے کو اپنی حقارت سمجھے گا۔ یہاں تو سونا مٹی کی وقعت بھی نہیں رکھتا۔ (ابن کثیر)

اس سے یہ ثابت ہوا کہ بادشاہوں کو یہ جائز ہے کہ بیرونی لوگوں کے لیے کچھ تکلفات کریں اور قاصدوں کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کریں، پھر آپ نے قاصدوں سے فرمایا کہ یہ ہدیے انہیں کو واپس کر دو اور ان سے کہہ دو مقابلے کی تیاری کر لیں یاد رکھو میں وہ لشکر لے کر چڑھائی کروں گا کہ وہ سامنے آ ہی نہیں سکتے۔ انہیں ہم سے جنگ کرنے کی طاقت ہی نہیں۔ ہم انہیں ان کی سلطنت سے بیک بینی و دو گوش ذلت و حقارت کے ساتھ نکال دیں گے ان کے تخت و تاج کو روند دیں گے۔

جب قاصد اس تحفے کو واپس لے پہنچے اور شاہی پیغام بھی سنا دیا۔ بلقیس کو آپ کی نبوت کا یقین ہو گیا فوراً خود بھی اور تمام لشکر اور رعایا مسلمان ہو گئے اور اپنے لشکروں سمیت وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے، جب آپ نے اس کا قصد معلوم کیا تو بہت خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

جب قاصد پہنچتا ہے اور بلقیس کو دوبارہ پیغام نبوت پہنچاتا ہے تو وہ سمجھ لیتی ہے اور کہتی ہے واللہ یہ سچے پیغمبر ہیں ایک پیغمبر کا مقابلہ کر کے کوئی پنپ نہیں سکتا۔ اسی وقت دوبارہ قاصد بھیجا کہ میں اپنی قوم کے سرداروں سمیت حاضر خدمت ہوتی ہوں تاکہ خود آپ سے مل کر دینی معلومات حاصل کروں اور آپ سے اپنی تشفی کرلوں یہ کہلوا کر یہاں اپنا نائب ایک کو بنایا۔ سلطنت کے انتظامات اس کے سپرد کئے اپنا لاجواب بیش قیمت جڑاؤ تخت جو سونے کا تھا سات محلوں میں مقفل کیا اور اپنے نائب کو اس کی حفاظت کی خاص تاکید کی اور بارہ ہزار سردار جن میں سے ہر ایک کے تحت ہزاروں آدمی تھے۔ اپنے ساتھ لئے اور ملک سلیمان کی طرف چل دی۔

جنات قدم قدم اور دم دم کی خبریں آپ کو پہنچاتے رہتے تھے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ قریب پہنچ چکی ہے تو آپ نے اپنے دربار میں جس میں جن وانس سب موجود تھے فرمایا کوئی ہے جو اس کے تخت کو اس کے پہنچنے سے پہلے یہاں پہنچا دے؟ کیونکہ جب وہ یہاں آجائیں گی اور اسلام میں داخل ہو جائیں پھر اس کا مال ہم پر حرام ہو گا۔

یہ سن کر ایک طاقتور سرکش جن جس کا نام کوزن تھا اور جو مثل ایک بڑے پہاڑ کے تھا بول پڑا کہ اگر آپ مجھے حکم دیں تو آپ دربار برخواست کریں اس سے پہلے میں لا دیتا ہوں۔ آپ لوگوں کے فیصلے کرنے اور جھگڑے چکانے اور انصاف دینے کو صبح سے دوپہر تک دربار عام میں تشریف رکھا کرتے تھے۔ اس نے کہا میں اس تخت کے اٹھالانے کی طاقت رکھتا ہوں اور ہوں بھی امانت دار۔ اس میں کوئی چیز نہیں چراؤں گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں چاہتا ہوں اس سے بھی پہلے میرے پاس وہ پہنچ جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اللہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی تخت کے منگوانے سے عرض یہ تھی کہ اپنے ایک زبردست معجزے کا اور پوری طاقت کا ثبوت بلقیس کو دکھائیں کہ اس کا تخت جسے اس نے سات مقفل مکانوں میں رکھا تھا وہ اس کے آنے سے پہلے دربار سلیمانی میں موجود ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس جلدی کے تقاضے کو سن کر جس کے پاس کتابی علم تھا وہ بولا کہ آپ اپنی نگاہ دوڑایئے جہاں تک

پہنچے نظر کیجئے ابھی آپ دیکھ ہی رہے ہوں گے کہ میں اسے لادوں گا۔

(ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ آصف تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب تھے ان کے باپ کا نام برخیا تھا یہ ولی اللہ تھے اسم اعظم جانتے تھے، پکے مسلمان تھے بنو اسرائیل میں سے تھے مجاہد کہتے ہیں ان کا نام اسطوم تھا۔ بُلیخا بھی مروی ہے ان کا لقب ذوالنور تھا) حضرت سلیمان علیہ السلام نے یمن کی طرف جہاں اس کا تخت تھا نظر کی ادھر یہ کھڑے ہو کر وضو کر کے دعا میں مشغول ہوئے اور کہا يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ امام زہری کہتے ہیں کہ یہ دعا مانگی يَا إِلٰهَنَا وَإِلٰهَ كُلِّ شَيْءٍ، إِلٰهًا وَّاحِدًا، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، ائْتِنِي بِعَرْشِهَا. اسی وقت تخت بلقیس سامنے آگیا، اتنی ذرا سی دیر میں یمن سے بیت المقدس میں وہ تخت پہنچ گیا اور لشکر سلیمان کے دیکھتے ہوئے زمین میں سے نکل آیا، جب سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنے سامنے موجود دیکھ لیا تو فرمایا هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي یہ صرف میرے رب کا فضل ہے کہ وہ مجھے آزمالے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری؟ جو شکر کرے وہ اپنا ہی نفع کرتا ہے اور جو ناشکری کرے وہ اپنا نقصان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کی بندگی سے بے نیاز ہے اور خود بندوں سے بھی اس کی عظمت کسی کی محتاج نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس تخت کے آجانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس میں قدرے تغیر و تبدل کر ڈالو، پس کچھ ہیرے جواہر بدل دیئے گئے، رنگ وروغن میں بھی تبدیلی کر دی گئی نیچے اور اوپر سے بھی کچھ بدل دیا گیا، کچھ کمی زیادتی بھی کر دی گئی تاکہ بلقیس کی آزمائش کریں کہ وہ اپنے تخت کو پہچان لیتی ہے یا نہیں؟

جب وہ پہنچی تو اس سے کہا گیا کہ کیا تیرا تخت یہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہو بہو اسی جیسا ہے۔ اس جواب سے اس کی دور بینی عقلمندی زیرکی دانائی ظاہر ہے کہ دونوں پہلو سامنے رکھے، دیکھا کہ تخت بالکل میرے تخت جیسا ہے مگر بظاہر اس کا یہاں پہنچنا ناممکن ہے تو اس نے بیچ کی بات کہی حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اس سے پہلے ہی ہمیں علم دیا گیا تھا اور ہم مسلمان تھے، بلقیس کو اللہ کے سوا اوروں کی عبادت نے اور اس کے کفر نے اللہ کی توحید سے روک دیا تھا۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا اس سے پہلے کافروں میں سے تھے۔ لیکن پہلے قول کی تائید اس سے بھی ہو سکتی ہے کہ ملکہ نے قبول اسلام کا اعلان محل میں داخل ہونے کے بعد کیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کے ہاتھوں ایک محل بنوایا تھا جو صرف شیشے اور کانچ کا تھا اور اس کے نیچے پانی سے لبالب حوض تھا، شیشہ بہت ہی صاف شفاف تھا، آنے والا شیشے کا امتیاز نہیں کر سکتا تھا بلکہ اسے یہی معلوم ہوتا تھا کہ پانی ہی پانی ہے۔ حالانکہ اس کے اوپر شیشے کا فرش تھا۔

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس صنعت سے غرض حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ تھی کہ آپ اس سے نکاح کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یہ سنا تھا کہ اس کی پنڈلیاں بہت خراب ہیں اور اس کے ٹخنے چوپایوں کے کھروں جیسے ہیں اس کی تحقیق کے لئے آپ نے ایسا کیا تھا۔

جب وہ یہاں آنے لگی تو پانی کے حوض کو دیکھ کر اپنے پائنچے اٹھائے آپ نے دیکھ لیا کہ جو بات مجھے پہنچائی گئی ہے غلط ہے۔ اس کی پنڈلیاں اور پیر بالکل انسانوں جیسے ہی ہیں۔ کوئی نئی بات یا بد صورتی نہیں ہے چونکہ بے نکاح تھی پنڈلیوں پر بال بڑے بڑے تھے۔ آپ نے استرے سے منڈوا ڈالنے کا مشورہ دیا لیکن اس نے کہا اس کی برداشت مجھ سے نہ ہو سکے گی، آپ نے جنوں سے کہا کہ کوئی اور چیز بناؤ جس سے یہ بال جاتے رہیں۔ پس انہوں نے ہڑتال پیش کی یہ دواسب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ہی تلاش کی گئی۔

محل میں بلانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے ملک سے اپنے دربار سے اپنی رونق سے اپنے سازو سامان سے اپنے لطف و عیش سے خود اپنے سے بڑی ہستی دیکھ لے اور اپنا جاہ و حشم نظروں سے گر جائے، جس کے ساتھ ہی تکبر تجبر کا خاتمہ بھی یقینی تھا، یہ جب اندر آنے لگی اور حوض کی حد پر پہنچی تو اسے لہلاتا ہوا دریا سمجھ کر پائنچے اٹھائے۔ اس وقت کہا گیا کہ آپ کو غلطی لگی یہ تو شیشہ منڈھا ہوا ہے۔ آپ اسی کے اوپر سے بغیر قدم تر کئے آسکتی ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچتے ہی اس کے کان میں آپ نے صدائے توحید ڈالی اور سورج

پرستی کی مذمت سنائی، اس محل کو دیکھتے ہی اس حقیقت پر نظر ڈالتے ہی دربار کے ٹھاٹھ دیکھتے ہی اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ میرا ملک تو اس کے پاسنگ میں بھی نہیں۔ نیچے پانی ہے اور اوپر شیشہ ہے بیچ میں تخت سلیمانی ہے اور اوپر سے پرندوں کا سایہ ہے جن وانس سب حاضر ہیں اور تابع فرمان۔

جب اسے توحید کی دعوت دی گئی تو بے دینوں کی طرح اس نے بھی زندیقانہ جواب دیا جس سے اللہ کی جناب میں گستاخی لازم آتی تھی۔ اسے سنتے ہی سلیمان علیہ السلام اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور آپ کو دیکھ کر آپ کا سارا لشکر بھی۔ اب وہ بہت ہی نادم ہوگئی ادھر سے حضرت نے ڈانٹا کہ کیا کہہ دیا؟ اس نے کہا مجھ سے غلطی ہوئی۔ اور اسی وقت رب کی طرف جھک گئی اور کہنے لگی اے اللہ میں نے اپنے اوپر ظلم کیا اب میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئی۔ چنانچہ سچے دل سے مسلمان ہوگئی۔

دعوت صالح علیہ السلام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ {۴۵} قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ {۴۶} قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ {۴۷} النمل

جواب ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو سو اچانک ان میں دو جماعتیں ہو گئیں جو آپس میں جھگڑا کر رہے تھے۔ صالح نے کہا کہ اے میری قوم تم اچھی بات سے پہلے بری حالت کی کیوں جلدی کرتے ہو؟ تم کیوں اللہ سے مغفرت طلب نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ وہ کہنے لگے کہ تم اور تمہارے ساتھیوں کی وجہ سے ہم بدشگونی لے رہے ہیں، صالح نے کہا کہ تمہاری بدشگونی اللہ کے پاس ہے بلکہ تم ایسے لوگ ہو جو عذاب میں مبتلا ہونے والے ہو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ثمود کی طرف ان کے

بھائی صالح کو بھیجا تاکہ وہ لوگوں سے کہیں کہ اللہ کی عبادت کرو، تو اچانک وہ دو گروہوں میں بٹ کر آپس میں جھگڑنے لگے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نہایت تاکید کے ساتھ حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت کا ذکر فرمایا، کہ وہ اپنی ہی قوم کے ایک فرد تھے، جن کی صداقت، امانت اور خیر خواہی سے سب واقف تھے، ان کی دعوت کا خلاصہ توحید تھا، یعنی صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور شرک کو چھوڑ دیا جائے، لیکن اس واضح اور فطری دعوت کے باوجود قوم دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی، ایک گروہ ایمان لا کر حق کا حامی بن گیا اور دوسرا انکار پر جما رہا، حتیٰ کہ باہمی نزاع اور مجادلہ شروع ہو گیا۔

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ: حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی بعثت کے بعد لوگوں کو پیغام سنایا کہ اے میری قوم! تم بھلائی سے پہلے برائی (عذاب) کیوں جلدی مانگتے ہو؟ تم اللہ سے مغفرت کیوں نہیں طلب کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے، حضرت صالح علیہ السلام نے نہایت شفقت سے انہیں تنبیہ فرمائی کہ وہ عذاب کے مطالبے میں جلدی نہ کریں، بلکہ ایمان اور استغفار کی راہ اختیار کریں جو سراسر خیر اور رحمت کا ذریعہ ہے، یہاں استفہام ان کے طرزِ عمل پر تعجب اور ملامت کے لیے ہے کہ وہ اپنی فلاح کے بجائے اپنی ہلاکت کو کیوں طلب کر رہے ہیں۔

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ: حضرت صالح علیہ السلام کا شفقت سے بھرپور پیغام سن کر ان کی قوم نے ان سے کہا ہم نے تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے بدشگونی لی ہے، صالح نے فرمایا: تمہاری بدشگونی اللہ کے پاس ہے، بلکہ تم ایک آزمائش میں ڈالے گئے لوگ ہو۔ قوم نے اپنی بدبختی اور مصائب کا ذمہ دار حضرت صالح علیہ السلام اور اہلِ ایمان کو ٹھہرایا اور جاہلانہ طور پر بدشگونی اختیار کی، حضرت صالح علیہ السلام نے اس باطل عقیدے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ نفع و ضرر اور غیب کا علم صرف اللہ کے اختیار میں ہے، یہ تو تمہاری آزمائش ہے کہ تم وہم و گمان میں پڑ کر حق سے دور ہو رہے ہو، درحقیقت یہی فتنہ و آزمائش انہیں بالآخر عذاب کی طرف لے جانے والی تھی۔

ان آیات میں واضح ہوتا ہے کہ جب حق کی دعوت پیش کی جاتی ہے تو لوگ دو گروہوں میں بٹ

جاتے ہیں، ایک اسے قبول کرتا ہے اور دوسرا ضد، توہمات اور تکبر کی بنیاد پر انکار کرتا ہے، اور یہی انکار آخرکار ہلاکت کا سبب بنتا ہے، عصر حاضر میں بھی دنیا دو حصوں میں تقسیم ہے، ایک وہ جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہے اور دوسری وہ جو عملاً دینی پیغامات سے روگردانی کیے ہوئے ہے۔

نو فسادیوں کا عبرت ناک انجام

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ {۴۸} قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ {۴۹} وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ {۵۰} فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ {۵۱} فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوْا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ {۵۲} وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ {۵۳} النمل.

جواب ترجمہ: اور ان کے شہر میں نو اشخاص تھے جو زمین میں فساد کرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ تم سب مل کر اس بات پر اللہ کی قسم کھالو کہ ہم صالح کو اور اس کے گھر والوں کو راتوں رات ایسی حالت میں قتل کر دیں گے کہ انہیں اس کا دھیان بھی نہیں ہو گا، پھر ضرور ضرور ہم اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے گھر والوں کی ہلاکت کے موقع پر حاضر نہیں تھے اور بلاشبہ ہم سچ کہہ رہے ہیں۔ اور انہوں نے خاص قسم کا مکر کیا اور ہم نے اس حال میں خاص تدبیر کی اور انہیں پتہ بھی نہیں چلا۔ سو دیکھ لیجیے مکر کا کیا انجام ہوا؟ بلاشبہ ہم نے انہیں اور ان کی قوم کو سب کو ہلاک کر دیا۔ سو یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے ظلم کی وجہ سے خالی پڑے ہیں بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے عبرت ہے جو جانتے ہیں۔ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دیدی جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے۔

خلاصہ تفسیر: ثمود کے شہر میں نو فسادی شخص تھے جن کی طبعیت میں اصلاح تھی ہی نہیں یہی ان کے رؤسا اور سردار تھے انہی کے مشورے اور حکم سے اونٹنی کو مار ڈالا ان کے نام یہ ہیں دعمی، دعیم،

ھِرم، ھُریم، داب، صواب، ریاب، مسطع، قدار بن سالف یہ آخری شخص وہ ہے جس نے اپنے ہاتھ سے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔

یہی وہ لوگ تھے جو درہم کے سکے کو تھوڑا سا کتر لیتے تھے اور اسے چلاتے تھے، سکے کو کاٹنا بھی ایک طرح فساد ہے، حضرت امام مالک نے حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ قَطْعُ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ مِنَ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ، سونے اور چاندی کے سکے کو کترنا زمین میں فساد مچانا ہے۔

ابوداؤد شریف میں ارشاد نبوی ہے نَهَى عَنْ كَسْرِ سِكَّةِ الْمُسْلِمِينَ الْجَائِزَةِ بَيْنَهُمْ إِلَّا مِنْ بَأْسٍ، جس میں بلاضرورت سکے کو جو مسلمانوں میں رائج ہو کاٹنا حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

الغرض ان کا یہ فساد بھی تھا اور دیگر فساد بھی بہت سارے تھے، اس ناپاک گروہ نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آج رات کو صالح کو اور اس کے گھرانے کو قتل کر ڈالو اس پر سب نے حلف اٹھائے اور مضبوط عہد و پیمان کئے، لیکن یہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام تک پہنچیں اس سے پہلے عذاب الٰہی ان تک پہنچ گیا اور ان کا ستیاناس کر دیا۔

اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آئی اور ان سب سرداروں کے سر پھوٹ گئے، سارے ہی ایک ساتھ مر گئے، ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے، خصوصاً جب انہوں نے حضرت صالح کی اونٹنی کو قتل کیا اور دیکھا کہ کوئی عذاب نہیں آیا تو اب نبی اللہ علیہ السلام کے قتل پر آمادہ ہوئے، مشورے کئے کہ چپ چاپ اچانک اسے اور اس کے بال بچوں اور اس کے والی وارثوں کو ہلاک کر دو اور قوم سے کہہ دو کہ ہمیں کیا خبر؟ اگر صالح نبی ہے تو ہمارے ہاتھ لگنے کا نہیں ورنہ اسے بھی اس کی اونٹنی کے ساتھ سلا دو، اس ارادے سے چلے، راہ ہی میں تھے جو فرشتے نے پتھر سے ان سب کے دماغ پاش پاش کر دیئے۔

ان کے مشوروں میں جو اور جماعت شریک تھی انہوں نے جب دیکھا کہ انہیں گئے ہوئے عرصہ ہو گیا اور واپس نہیں آئے تو یہ خبر لینے چلے دیکھا کہ سب کے سر پھٹے ہوئے ہیں بھیجے نکلے پڑے ہیں اور سب مردہ ہیں، انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر ان کے قتل کی تہمت رکھی اور انہیں مار ڈالنے کے لئے نکلے لیکن ان کی قوم ہتھیار لگا کر آ گئی اور کہنے لگے دیکھو اس نے تم سے کہا کہ تین دن میں

عذاب اللہ تم پر آئے گا تم یہ تین دن گذرنے دو، اگر یہ سچا ہے تو اس کے قتل سے اللہ کو اور ناراض کروگے اور زیادہ سخت عذاب آئیں گے اور اگر یہ جھوٹا ہے تو پھر تمہارے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا؟

چنانچہ وہ لوگ چلے گئے، فی الواقع ان سے نبی اللہ حضرت صالح علیہ السلام نے صاف فرمادیا تھا کہ تم نے اللہ کی اونٹنی کو قتل کیا ہے تو تم اب تین دن تک مزے اڑالو پھر اللہ کا سچا وعدہ ہو کر رہے گا۔

یہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کی زبانی یہ سب سن کر کہنے لگے یہ تو اتنی مدت سے کہہ رہا ہے آؤ ہم آج ہی اس سے فارغ ہو جائیں جس پتھر سے اونٹنی نکلی تھی اسی پہاڑی پر حضرت صالح علیہ السلام کی ایک مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے انہوں نے مشورہ کیا کہ جب وہ نماز کو آئے اسی وقت راہ میں ہی اس کا کام تمام کردو۔

جب پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آرہی ہے اس سے بچنے کے لئے ایک غار میں گھس گئے، چٹان آکر غار کے منہ میں اس طرح ٹھہر گئی کہ غار کا منہ بالکل بند ہو گیا، سب کے سب ہلاک ہو گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے؟ انہیں یہاں عذاب آیا، باقی والے وہیں ہلاک کر دیئے گئے نہ ان کی خبر انہیں ہوئی اور نہ ان کی انہیں، حضرت صالح علیہ السلام اور باایمان لوگوں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور اپنی جانیں اللہ کے عذابوں میں گنوادیں، اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور اہل تقویٰ کو نجات عطا کی۔

قوم لوط کی بے راہ روی، انکار حق اور عبرتناک انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ{۵۴}اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ {۵۵}فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ{۵۶}فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ{۵۷}وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ{۵۸}

النمل

جواب ترجمہ: اور ہم نے لوط کو بھیجا جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی کے کام کرتے ہو حالانکہ تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو۔ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر شہوت پوری کرنے کے لیے مردوں کے پاس آتے ہو، بلکہ بات یہ ہے کہ تم جہالت کے کام کر رہے ہو۔ سو ان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ آل لوط کو اپنی بستی سے نکال دو بیشک بات یہ ہے کہ یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں۔ سو ہم نے لوط کو اور اس کے گھر والوں کو نجات دیدی سوائے اس کی بیوی کے، کہ ہم نے اسے ان لوگوں میں تجویز کر رکھا تھا جو عذاب میں رہ جانے والے تھے۔ اور ہم نے ان پر خاص قسم کی بارش برسادی سو ان لوگوں کی بری بارش تھی جو ڈرائے گئے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں حضرت لوط علیہ السلام کی اپنی قوم کو دی گئی نہایت واضح اور فطری دعوت اور اس کے مقابلے میں ان کی سرکشی و انجام کا جامع نقشہ پیش کیا گیا ہے، حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو نہایت سخت مگر حقیقت پر مبنی انداز میں متنبہ کیا کہ تم ایسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو حالانکہ تم اس کی قباحت کو خوب جانتے اور دیکھتے ہو، یہ فعل نہ صرف عقل و فطرت کے خلاف ہے بلکہ انسانی مقصدِ تخلیق کے بھی منافی ہے، کیونکہ تم شہوت کے تحت مردوں کے پاس جاتے ہو اور عورتوں کو چھوڑ دیتے ہو، جو صریح جہالت اور فطری نظام سے بغاوت ہے، مگر حق سے نفرت رکھنے والی اس قوم نے اصلاح قبول کرنے کے بجائے الٹا اہلِ طہارت کو نشانہ بنایا اور کہا کہ لوط اور ان کے ساتھیوں کو بستی سے نکال دو، کیونکہ یہ پاکیزگی اختیار کرتے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہوا، حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو نجات دی گئی، سوائے ان کی بیوی کے جو اپنے کفر اور قوم کی بداعمالیوں پر رضامندی کے باعث ہلاک ہونے والوں میں شامل رہی، پھر اس سرکش قوم پر عذاب نازل ہوا کہ ان کی بستی الٹ دی گئی اور ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی، جو نہایت ہولناک عذاب تھا، اس طرح یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ جب قومیں فطرت سے بغاوت، بے حیائی اور حق کے انکار پر اصرار کرتی ہیں تو بالآخر عذابِ الٰہی ان کا مقدر بن جاتا ہے اور یہی انجام ہر اس گروہ کا ہوتا ہے جو فساد اور سرکشی میں حد سے بڑھ جائے۔

توحید باری تعالیٰ کے دلائل وبراھین

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ آللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ {۵۹} اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَاۗىِٕقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ {۶۰} اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ {۶۱} اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْۗءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاۗءَ الْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ {۶۲} اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ {۶۳} اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ {۶۴} قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ {۶۵} النمل

جواب ترجمہ: (میرے حبیب ﷺ) آپ فرما دیجیے کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور سلام ہو اللہ کے ان بندوں پر جنہیں اس نے چن لیا کیا اللہ بہتر ہے یا وہ لوگ جنہیں وہ شریک بناتے ہیں؟ کیا وہ ذات جس نے آسمانوں کو اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ رونق والے باغیچے لگائے، تم یہ نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے درختوں کو اگاؤ، کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ کیا جس ذات نے زمین کو ٹھہرا ہوا بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے لیے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان آڑ بنا دی کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے۔ کیا وہ جو بے چین آدمی کی دعاء کو سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور بد حالی کو دور فرماتا ہے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ تم بہت کم دھیان

دیتے ہو۔ کیا وہ جو تمہیں خشکی میں اور دریا کے اندھیروں میں راہ بتاتا ہے اور جو ہواؤں کو بھیجتا ہے جو اس کی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوتی ہیں کیا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے ؟ اللہ اس سے برتر ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ کیا وہ جو مخلوق کو اول بار پیدا فرماتا ہے پھر اسے دوبارہ پیدا فرمائیگا اور جو تمہیں آسمان سے اور زمین سے رزق دیتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے ؟ آپ فرما دیجیے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ آپ فرما دیجیے کہ آسمانوں میں اور زمینوں میں جو بھی چیزیں موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے، اور یہ لوگ علم نہیں رکھتے کہ کب زندہ کیے جائیں گے۔

خلاصہ تفسیر: ان مبارک آیات میں نہایت بلیغ اور جامع اسلوب کے ساتھ توحیدِ الٰہی کو مختلف زاویوں سے واضح کیا گیا ہے۔ ابتدا اس اعلان سے ہوتی ہے :

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى: کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو، اس تمہید کے بعد ایک فیصلہ کن سوال اٹھایا گیا،

آللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ: کیا اللہ بہتر ہے یا وہ باطل معبود جنہیں یہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں؟ یہ سوال دراصل موازنہ نہیں بلکہ ابطالِ شرک کے لیے ایک قطعی دلیل ہے، کیونکہ خالق و مخلوق کا تقابل سرے سے ممکن ہی نہیں، پھر یکے بعد دیگرے کائنات کے عظیم حقائق کو بطور دلیل پیش کیا گیا،

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً: آسمانوں اور زمین کی تخلیق، بارش کا نزول اور اس سے سرسبز و شاداب باغات کا اگنا، جنہیں انسان خود پیدا کرنے پر قادر نہیں، زمین کا قرار گاہ بننا، اس میں دریا بہنا، پہاڑوں کا میخوں کی طرح جما دیا جانا اور کھارے و میٹھے پانی کے درمیان قدرتی پردہ، یہ سب اس بات کے واضح شواہد ہیں کہ نظامِ کائنات ایک ہی قادرِ مطلق کے قبضۂ قدرت میں ہے، ہر مقام پر سوال دہرایا گیا: أَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ: کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہو سکتا ہے؟ اور جواب خود واضح ہے کہ ہرگز نہیں۔ اسی طرح انسان کی زندگی کے حساس پہلوؤں کو بھی دلیل بنایا گیا،

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ: مصیبت زدہ کی پکار کا سننا اور اس کی تکلیف کو

دور کرنا، زمین میں خلافت عطا کرنا، اندھیروں میں راستہ دکھانا، ہواؤں کو بارش کی خوشخبری کے طور پر بھیجنا، یہ سب اللہ ہی کے افعال ہیں، پھر تخلیقِ انسان کے آغاز اور اس کی دوبارہ پیدائش (بعث بعد الموت) کا ذکر کر کے بتایا گیا کہ جس نے پہلی بار پیدا کیا، وہی دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے اور وہی آسمان وزمین سے رزق فراہم کرتا ہے۔ ان دلائل کے بعد مشرکین کو چیلنج دیا گیا :

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ: اگر تم اپنے موقف میں سچے ہو تو کوئی عقلی و نقلی دلیل پیش کرو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ شرک کے پاس کوئی برہان نہیں، یہ محض وہم و گمان اور اندھی تقلید کا نتیجہ ہے، آخر میں ایک نہایت اہم عقیدہ بیان کیا گیا کہ غیب کا علم صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے،

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ: نہ فرشتے، نہ انسان، نہ کوئی اور مخلوق، کوئی بھی غیب کا علم نہیں رکھتا، حتیٰ کہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ قیامت کب برپا ہو گی، اس سے واضح ہوا کہ علمِ غیب، الوہیت کی ایک خاص صفت ہے اور جو اس میں کسی کو شریک ٹھہرائے وہ حقیقت میں توحید کے منافی عقیدہ اختیار کرتا ہے۔

ان آیات میں توحید کو عقلی، فطری اور کائناتی دلائل کے ذریعے اس قدر واضح کر دیا گیا ہے کہ شرک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، خالقِ کائنات، حاجت روا، مشکل کشا، رازق، ہادی اور عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا عبادت، اطاعت اور استعانت بھی اسی کے ساتھ خاص ہونی چاہیے۔

آخرت کے بارے میں کافروں کا علم

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتایئے کہ **بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ** کا کیا مطلب ہے؟

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا ۚ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ {٦٦} النمل

جواب ترجمہ: بلکہ آخرت کے بارے میں ان (کافروں) کا علم بے بس ہو کر رہ گیا ہے، بلکہ وہ اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں، بلکہ اس سے اندھے ہو چکے ہیں۔

مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا یہ قول کتنا صحیح

کس قدر مفید اور معلومات سے پر ہے۔ فرماتا ہے بات یہ ہے کہ ان کے علم آخرت کے وقت کے جاننے سے قاصر ہیں، عاجز ہو گئے ہیں۔ ایک قرأت میں بل ادّرَك ہے یعنی سب کے علم آخرت کا صحیح وقت نہ جاننے میں برابر ہیں۔ جیسے کہ حضور ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ میرا اور تیرا دونوں کا علم اس کے جواب سے عاجز ہے۔

پس یہاں بھی فرمایا کہ آخرت سے ان کے علم غائب ہیں۔ چونکہ کفار اپنے رب سے جاہل ہیں اس لئے آخرت کے بھی منکر ہیں، وہاں تک ان کے علم پہنچتے ہی نہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ آخرت میں ان کو علم حاصل ہو گا لیکن بے سود۔ جیسے اور جگہ بھی ہے کہ جس دن یہ ہمارے پاس پہنچیں گے، بڑے ہی داناو بینا ہو جائیں گے۔ لیکن آج ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ بلکہ یہ تو شک ہی میں ہیں، اس سے مراد کافر ہے جیسے فرمان ہے وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا (الکھف :۴۸) یعنی یہ لوگ اپنے رب کے سامنے صف بستہ پیش کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہم نے جس طرح تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اب ہم تمہیں دوبارہ لے آئے ہیں لیکن تم تو یہ سمجھتے رہے کہ قیامت تو کوئی چیز ہی نہیں۔ مراد یہ ہے کہ تم میں سے کافر یہ سمجھتے رہے ہیں۔

گو مندرجہ بالا آیات بھی گو ضمیر جنس کی طرف لوٹتی ہے لیکن مراد کفار ہی ہیں اسی لیے آخر میں فرمایا کہ یہ تو اس سے اندھاپے میں ہیں، نابینا ہو رہے ہیں، آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ لفظ ادّٰرَكَ میں قرائتیں بھی مختلف ہیں اور اس کے معنیٰ میں بھی کئی قول ہیں، یہاں صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ ادّٰرَكَ کے معنیٰ بعض مفسرین نے تکامل کے کئے ہیں اور فِي الْاٰخِرَةِ کو ادّٰرَكَ سے متعلق کر کے معنیٰ یہ قرار دیئے ہیں کہ آخرت میں ان کا علم اس معاملہ میں مکمل ہو جائے گا کیونکہ اس وقت ہر چیز کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی مگر اس وقت علم ہونا ان کے کچھ کام نہ آئے گا کیونکہ دنیا میں وہ آخرت کی تکذیب کرتے رہے تھے۔ (معارف القرآن)

اور بعض مفسرین نے لفظ ادّٰرَكَ کے معنیٰ ضل وغاب کے لئے اور فی الآخِرَةِ کو عِلْمُهُمْ سے متعلق کیا کہ آخرت کے معاملہ میں ان کا علم غائب ہو گیا اس کو نہ سمجھ سکے، مجاہد کا قول ہے کہ ان کے

علم کا ادراک ہو جائے گا، فی الاخرۃ، اور اپنی آنکھوں سے معائنہ کرنے کے بعد پہچان لیں گے۔ جب اس وقت ان کا علم ان کو نفع نہیں دے گا، مقاتل کا بیان ہے بلکہ وہ قیامت کے دن آنکھوں سے دیکھ کر معائنہ کرلیں گے اور اس وقت دنیا میں کیے ہوئے اعمال پر شکوہ بھی نہیں کرپائیں گے۔ (بغوی)

تفسیر تدبر قرآن کے مصنف مولانا اصلاحی لکھتے ہیں مشرکین عرب کا موقف آخرت کے باب میں صریح انکار کا نہیں تھا بلکہ وہ ایک قسم کی ذہنی الجھن میں مبتلا تھے، اس کو ماننا چاہتے نہیں تھے او اس کے صریح انکار کی گنجائش پاتے نہیں تھے، اس وجہ سے وہ ایک قسم کی گومگو کی حالت میں مبتلا تھے، بعض منہ پھٹ اور بالکل لا اُبالی قسم کے لوگ اگرچہ ضد کے جوش میں اس کا انکار بھی کر بیٹھے تھے لیکن عام حالت یہ نہیں تھی بلکہ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا۔

ایک ذہنی الجھن ہی تھی، وہ اس کو نہ ماننے کی خواہش کے تحت ایک بہت ہی مستبعد بات قرار دیتے تھے کہ بھلا مر جانے اور سڑ گل جانے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اور ساری دنیا کا حساب کتاب اور ان کی جزا و سزا کس کے بس کی بات ہے! لیکن اس پر بھی ان کا ذہن پوری طرح مطمئن نہیں تھا اس وجہ سے اپنی تسلی کے لئے وہ یہ بھی کہتے تھے کہ بالفرض مرنے کے بعد اٹھنا ہی پڑا اور حساب کتاب کی نوبت آ ہی گئی تو ہمارے دیوی دیوتا اپنی سعی و سفارش سے ہمیں بچا ہی لیں گے، اس کے لئے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن نے ان کی اس ذہنی کشمکش کو اِدّٰرَكَ عِلمهم فی الاٰخِرَةِ سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ نہایت ہی حقیقت افروز تعبیر ہے۔

مولانا احمد سعید دھلوی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ قیامت کے بارے میں ان کا علم و فکر تھک کر رہ گیا بلکہ وہ آخرت کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ وہ آخرت سے اندھے بنے ہوئے ہیں یعنی قیامت کے وقت کے تعین کا تو ایک بہانہ ہے حالانکہ عدم علم عدم وقوع کو مستلزم نہیں اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت کا نہیں بتایا گیا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ قیامت کا وقوع بھی نہیں ہو گا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ان کا علم اور ان کا فکر اس بارے میں ہار گیا اور نیست و نابود ہو گیا اور ان کو اس کے وقوع کا یقین ہی نہیں بلکہ یہ آخرت کے بارے میں کوئی رائے نہیں قائم کرسکتے اور

شک میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ وہ اس آخرت سے اندھے بنے ہوئے ہیں جس طرح وہ اندھا جو بتانے والے کا یقین نہ کرے اس کو صحیح راستہ نہیں مل سکتا اسی طرح یہ بھی آخرت کے دلائل پر غور نہیں کرتے اور نہ تامل سے کام لیتے ہیں آخرت کو بتانے والوں کا یقین نہیں کرتے اسی لئے آخرت کی طرف سے اور اس کے یقین سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔ (تفسیر کشف الرحمٰن)

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اِدّٰرَكَ اصل میں تَدَارَكَ تھا اور تَدَارَكَ کا معنٰی ہے تکامل یعنی آخرت کے معاملہ میں ان کا علم تعلیم انبیاء (جتنا ہونا تھا) پورا ہو گیا (اس سے زیادہ ممکن نہیں) یا یہ مطلب ہے کہ آخرت میں جب قیامت کے معائنہ کرلیں گے اس وقت ان کا علم مکمل ہو جائے گا (یہاں تو تعیین وقت کا علم ممکن نہیں)۔

تَدَارَكَ الْفَاكِهَةُ پھل بالکل پک گیا، عرب کا محاورہ ہے یعنی پکنے کی انتہائی مدت کو پہنچ گیا۔ مؤمنوں کو دنیا میں وقوع قیامت کا علم تو حاصل ہو ہی چکا اور کافروں کے لئے بھی بایں معنی حصول علم قیامت ہو گیا کہ وقت قیامت کا قطعی دلائل سے ثبوت ہو گیا۔

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا: بلکہ یہ لوگ اس سے شک میں ہیں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کا قیامت کی خبر دینا علم قیامت کے وجود میں شک ہے، یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

مفسر قرآن علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ قیامت پر انہیں پختہ یقین ہے، دل ہی دل میں اس کے وقوع کو مانتے ہیں۔ لیکن ہٹ دھرمی اور تعصب کے باعث اقرار کی جرأت نہیں کرسکتے۔ (قرطبی)

ابوالبرکات محمود نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے وقوع پر مستحکم و مضبوط دلائل قائم ہو چکے اور ان کے سامنے آچکے اور ان کی پہچان بھی ان کو میسر آچکی ہے مگر ان کا حال یہ ہے کہ یہ اس سے جہالت کا اظہار کرتے اور اس میں شک کرنے والے ہیں اور اس کا تذکرہ اس ارشاد میں فرمایا۔ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ (بلکہ وہ اس کے متعلق شک میں مبتلا ہیں بلکہ وہ اس کے متعلق اندھے ہو چکے ہیں) تین مرتبہ بل لا کر اضراب و اعراض ان کے احوال کے مطابق علی سبیل الترقی اور ان کے جہل کو اور زیادہ پختہ کرنے کے لئے ہے اولاً فرمایا۔

نمبر ① کہ ان کو بعث کے وقت کا شعور نہیں۔ نمبر ② پھر فرمایا وہ نہیں جانتے کہ قیامت قائم ہونے والی ہے۔ نمبر ③ پھر فرمایا وہ شک وریب میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والے ہیں۔ مگر اس کو زائل نہیں کرتے حالانکہ ازالہ ان کی طاقت میں ہے۔ پھر جو اس سے بدتر حالت (عمیٰ) اندھاپن اس کو ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت کو ان کے اندھے پن کا مبدأ و منشأ قرار دیا، اسی لئے تو عن کی بجائے من سے متعدی بنایا کیونکہ تدبر و تفکر سے باز رہنے کا اصل سبب جزاء وانجام کا انکار ہے۔ (مدارک التنزیل)

علامہ عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منکرین آخرت کے کئی طبقے ہیں۔ قرآن نے ان کی نفسیات کی الگ الگ پوری تشریح کر دی، ایک طبقہ تو وہ ہے جس کا ظاہری، سطحی، مادی وحسی علم آخرت کے باب میں جواب دے جاتا ہے اور وہ طبقہ اپنے عدم علم پر قانع و مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ یہ لوگ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ کے مصداق ہیں۔ دوسرا طبقہ عدم علم سے آگے قدم بڑھا کر اس عقیدہ پر جرح وقدح شروع کرتا ہے اور اس باب میں تشکیک وارتیاب میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ گروہ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا کے تحت میں آیا۔ تیسرا طبقہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنی آنکھیں دلائل و شواہد کی طرف سے بند کر لیتا ہے اور اس کے بر سر راہ آنے کی طرف سے قطعی مایوس ہو جاتا ہے۔ ایسوں کے لئے کھلی ہوئی وعید بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ کی ہے۔ (تفسیر ماجدی)

انکار آخرت، عبرتِ تاریخ، تسلی نبوی ﷺ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ{٦٧}لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ{٦٨}قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ{٦٩}وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ {٧٠}وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ{٧١}النمل

جواب ترجمہ: اور کافروں نے کہا کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادے تو کیا ہم ضرور نکالے جائیں گے۔ بلاشبہ بات یہ ہے کہ اس سے پہلے ہم اور ہمارے باپ دادوں سے اس کا وعدہ

کیا گیا ہے یہ پرانے لوگوں کی نقل کی ہوئی باتیں ہیں۔ آپ فرما دیجیے تم زمین میں چلو پھرو سو دیکھ لو مجرموں کا کیا انجام ہوا۔ اور آپ ان پر رنج نہ کیجیے اور یہ جو مکر کرتے ہیں اس کی وجہ سے تنگ دل نہ ہو جایئے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں منکرینِ آخرت کے باطل شبہات، ان کے فکری انحراف، اور حضور نبی کریم ﷺ کو تسلی ورہنمائی نہایت بلیغ اور مؤثر اسلوب میں بیان کی گئی ہے، کفار نے تعجب اور استبعاد کے انداز میں کہا :

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ : کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ نکالے جائیں گے ؟ یہ قول دراصل ان کی مادہ پرستانہ سوچ کا آئینہ دار ہے، وہ صرف محسوسات پر ایمان رکھتے تھے اور دو بڑے شبہات کو بنیاد بناتے تھے ①: موت: ان کے نزدیک موت زندگی کا قطعی خاتمہ ہے، کیونکہ انہوں نے کبھی مردوں کو زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ ② مٹی میں تحلیل ہو جانا، ان کا گمان تھا کہ جب جسم کے اجزاء بکھر کر زمین کا حصہ بن جائیں تو دوبارہ امتیاز اور حیات کیسے ممکن ہے ؟ اسی لیے انہوں نے بعث بعد الموت کو نہایت تعجب سے دہرایا اور تاکید کے ساتھ کہا کہ کیا واقعی ہم قبروں سے نکالے جائیں گے ؟ یہ تکرار ان کے شدید انکار اور حیرتِ باطل کو ظاہر کرتی ہے۔

یہاں وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا میں ضمیر کے بجائے صفتِ کفر کو ظاہر کیا گیا تاکہ واضح ہو جائے کہ انکارِ آخرت کا اصل سبب ان کا کفر اور مادیت میں ڈوب جانا ہے، جس نے ان کے دل و دماغ کو غیب کی حقیقت سے محروم کر دیا۔ وہ مزید کہتے ہیں :

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ : ہمیں اور ہمارے باپ دادا کو پہلے بھی یہی وعدہ دیا گیا تھا، یہ تو محض پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے پاس سابقہ ادیان، خصوصاً ملتِ ابراہیمی کے کچھ آثار موجود تھے، مگر ان کی طبیعتیں انکار پر جم چکی تھیں، وہ صرف اسی بات کو مانتے تھے جو ان کی مادی سوچ سے ہم آہنگ ہو، چنانچہ انہوں نے نہ

صرف آخرت کے وعدے کا انکار کیا بلکہ اسے جھوٹ قرار دے کر اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ یعنی پرانی داستانیں کہہ دیا، یہ طرزِ فکر انہیں یہاں تک لے گیا کہ وہ اپنے ہی جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے آنے والی تعلیمات کو بھی قصے کہانیاں سمجھنے لگے، یہی فکری زوال کی انتہاء ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ ان سے کہیے:

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ: زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیا ہوا، یہ دعوت محض سیر و سیاحت کے لیے نہیں بلکہ تاریخی شعور بیدار کرنے کے لیے ہے، سابقہ اقوام (عاد، ثمود، قومِ لوط وغیرہ) کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کے لیے ہے۔

لفظ فَانْظُرُوْا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ دیکھنا سرسری نہ ہو بلکہ غور و فکر، تدبر اور نتیجہ اخذ کرنے کے ساتھ ہو، یہ ایک اٹل اصول کی طرف اشارہ ہے، جب اسباب یکساں ہوں تو نتائج بھی یکساں ہوتے ہیں، لہٰذا جو قومیں سرکشی، ظلم اور فساد میں ڈوب گئیں، ان کا انجام ہلاکت ہی ہوا۔ پھر حضور اکرم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا:

وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَکُنْ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ: آپ ان پر غم نہ کریں اور ان کی چالوں سے دل تنگ نہ ہوں، یہ اس لیے کہ آپ ﷺ اپنی قوم کی ہدایت کے لیے بے حد حریص تھے، ان کی گمراہی آپ کو شدید رنج پہنچاتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ ان کا انکار آپ کی ذمہ داری نہیں اور ان کی سازشیں (جیسے ایذاء رسانی، استہزاء، معاشرتی بائیکاٹ وغیرہ) آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں، یہ دراصل نبی ﷺ کے لیے حفاظتِ الٰہی اور اعتماد علی اللہ کا اعلان ہے۔ کفار نے طنزیہ انداز میں کہا:

وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ: اگر تم سچے ہو تو یہ وعدۂ عذاب کب پورا ہو گا؟ یہ سوال حقیقت میں طلبِ حق کے لیے نہیں بلکہ استہزاء، انکار، اور چیلنج کے طور پر تھا، انہوں نے "اِنْ" کے ساتھ شرط لگائی جو شک اور انکار کو ظاہر کرتی ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ نبی کی موجودگی میں عمومی ہلاکت کا عذاب نہیں آتا، بلکہ عذاب مختلف صورتوں میں تدریج

کے ساتھ آتا ہے۔ ان آیات میں کفار کی مادہ پرستی، انکارِ آخرت اور تاریخی حقائق سے بے اعتنائی کو بے نقاب کیا گیا ہے، جبکہ دوسری طرف عبرتِ ماضی کی دعوت، اور نبی کریم ﷺ کو تسلی و تقویت، نہایت جامع انداز میں پیش کی گئی ہے، یہ سبق دیا گیا کہ جو قومیں حق کو جھٹلاتی اور فساد میں ڈوب جاتی ہیں، ان کا انجام لازماً تباہی ہوتا ہے اور اہلِ حق کو چاہیے کہ وہ نتائج اللہ پر چھوڑ کر اپنا فریضہ ادا کرتے رہیں۔

عذاب جلدی آنے والا ہے

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتائیے کہ رَدِفَ لَكُم بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ کا کیا مطلب ہے؟

قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ رَدِفَ لَكُم بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ {۷۲} النمل

جواب ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ تم جس عذاب کی جلدی مچا رہے ہو عنقریب اس کا بعض حصہ تم سے آ ہی لگا ہے۔

خلاصہ تفسیر: مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "یعنی کفر کا اصل عذاب تو آخرت ہی میں ہو گا، لیکن اس کا کچھ حصہ دنیا میں بھی ظاہر ہو سکتا ہے، چنانچہ قریش کے بڑے بڑے سردار جنگ بدر میں مارے گئے، اور باقی لوگوں کو بری طرح شکست ہوئی۔ (توضیح القرآن لشیخ الاسلام تقی عثمانی)

کفار یہ کہتے تھے کہ تم نے جس عذاب کی وعید سنائی ہے وہ عذاب کب آئے گا؟ آپ فرما دیجیے کہ وہ عذاب تمہارے قریب آ پہنچا ہے اور عذاب تمہارے لیے بہ منزلہ ردیف ہے، ردیف اس شخص کو کہتے ہیں جو سواری پر سوار کے پیچھے بیٹھتا ہے، یعنی جس طرح ردیف سوار کے قریب ہوتا ہے وہ عذاب تمہارے قریب آ پہنچا ہے، پھر اس عذاب کی ایک قسط تو جنگ بدر میں شکست کی صورت میں ان کو ملے گی اور اس کی دوسری قسط ان کو موت کے بعد ملے گی۔ (تفسیر تبیان القرآن)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص مرتا ہے تو اسی وقت اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے، سو تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہو اور ہر وقت اس سے استغفار کرتے رہو۔ (الفردوس بماثور الخطاب) امام ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے کہ جو شخص مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۶۸، اتحاف ج ۹ ص ۱۱)

کیونکہ انسان جس وقت مرتا ہے وہ دنیا میں اس کا آخری اور آخرت میں اس کا پہلا زمانہ ہوتا ہے، اس لیے کفار مرتے ہی اس عذاب کا ایک حصہ پالیں گے جس کی ان کو وعید سنائی گئی تھی اور فرمایا آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور کفار پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ اس نے دنیا میں ان سے عذاب کو مؤخر کر دیا ہے اور قیامت کے منکرین جو عذاب کو جلد طلبِ کر رہے ہیں یہ ان کی پرلے درجہ کی جہالت ہے۔ (تبیان القرآن)

فضلِ الٰہی، علم محیط اور انجام تکذیب

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ {۷۳} وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ {۷۴} وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ {۷۵} النمل

جواب ترجمہ: اور بلاشبہ آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ شکر نہیں کرتے۔ اور بلاشبہ آپ کا رب ان باتوں کو ضرور جانتا ہے جنہیں ان کے سینے چھپاتے ہیں اور یہ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ اور آسمان اور زمین میں کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں ہے جو کتاب مبین میں نہ ہو۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کفارِ مکہ کے اعتراضات کے باوجود اپنی ربوبیت، علمِ کامل اور فضلِ عام کو نہایت جامع انداز میں واضح فرماتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کا بے پایاں فضل یہ ہے کہ وہ نافرمانوں کو فوراً عذاب میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ انہیں مہلت دیتا ہے اور دنیا کی نعمتوں سے نوازتا ہے، حالانکہ وہ اسی کے عطا کردہ رزق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھی اس کی ناشکری کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں، یعنی ان کے دلوں میں پوشیدہ دشمنی، عناد اور زبان سے ادا کی جانے والی تکذیب سب اس کے علم میں ہے اور وہ ہر چیز کا پورا حساب رکھتا ہے۔

مزید یہ کہ کائنات کی کوئی چھوٹی یا بڑی، پوشیدہ یا ظاہر حقیقت ایسی نہیں جو اس سے مخفی ہو، بلکہ سب کچھ ایک واضح کتاب (لوحِ محفوظ) میں درج ہے، اس طرح ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ حلم و فضل، اس کا علمِ محیط اور اس کی کامل قدرت کو بیان کر کے یہ حقیقت آشکار کی گئی ہے کہ انسان کا ہر قول و عمل اور ہر مخفی امر اس کے علم میں ہے، لہٰذا انکار و تکذیب کا انجام بھی اسی کے مطابق یقینی ہے۔

حقانیت قرآن، فیصلہ الٰہی اور حدود دعوت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ{٧٦}وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ{٧٧}اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ {٧٨} فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ{٧٩}اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ {٨٠}وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ {٨١}النمل

جواب ترجمہ: بلاشبہ یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان چیزوں کو بیان کرتا ہے جن چیزوں میں وہ جھگڑ رہے ہیں۔ اور بلاشبہ یہ قرآن مومنین کے لیے ہدایت ہے اور رحمت ہے۔ بیشک آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلے فرمائے گا اور وہ عزیز ہے علیم ہے۔ سو آپ اللہ پر بھروسہ کیجیے بلاشبہ آپ صریح حق پر ہیں۔ بلاشبہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے بچا کر راستہ دکھا سکتے، آپ تو انھیں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں سو وہ فرمان بردار ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم کی حقانیت، اہلِ کتاب کے باہمی

اختلافات کی حقیقت اور رسولِ اکرم ﷺ کی دعوتی ذمہ داری کو نہایت حکیمانہ اور مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ قرآن بنی اسرائیل کے ان بیشتر امور کو کھول کر بیان کرتا ہے جن میں وہ صدیوں سے اختلاف کرتے چلے آئے تھے، چنانچہ یہ ان کے باطل اقوال اور افراط و تفریط کے درمیان حق کا معتدل اور فیصلہ کن بیان پیش کرتا ہے، اسی لیے یہ کتاب اہلِ ایمان کے لیے سراسر ہدایت اور رحمت ہے، کیونکہ اس میں دلائل کی روشنی، شبہات کا ازالہ اور راہِ حق کی واضح نشاندہی موجود ہے۔ مزید فرمایا کہ بالآخر اللہ تعالیٰ ہی اپنے عدل و حکمت کے ساتھ اختلاف کرنے والوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا، کیونکہ وہی غالب اور ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے حکم دیا گیا کہ آپ اللہ پر کامل توکل رکھیں، یقیناً آپ ہی روشن اور واضح حق پر قائم ہیں، ساتھ ہی یہ حقیقت بھی واضح کر دی گئی کہ ہدایت دینا جبر کے ذریعے ممکن نہیں؛ جو لوگ عناد اور ضد میں اس حد تک آگے بڑھ جائیں کہ گویا روحانی طور پر مردہ اور بہرے ہو جائیں، انہیں سنانا اور راہ پر لانا آپ کے اختیار میں نہیں۔

اسی طرح جو لوگ گمراہی کی اندھی تقلید میں مبتلا ہوں، انہیں ہدایت دینا بھی آپ کی ذمہ داری نہیں، آپ کی دعوت صرف ان دلوں میں اثر کرتی ہے جو حق کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور اللہ کی آیات پر ایمان لا کر سر تسلیم خم کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔ یوں یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ دعوتِ حق کا کام پہنچانا ہے، جبکہ ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور انجامِ کار اسی کے عدل و علم کے مطابق طے ہو گا۔

جانور لوگوں سے باتیں کرے گا

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ{۸۲}النمل

جواب ترجمہ: اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت ان لوگوں پر آپہنچے گا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے بات کرے گا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

خلاصہ تفسیر: جب آخری زمانے میں زمین شریر لوگوں سے بھر جائے گی، لوگ اللہ کے احکامات سے روگردانی کریں گے، سرکشی اور گناہ عام ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ قیامت کی بڑی بڑی نشانیاں ظاہر کر دے گا، روایات میں ان نشانیوں کا تفصیل سے ذکر ہے، یہاں آیت میں ایک جانور کا ذکر کیا گیا ہے جو لوگوں سے باتیں کرے گا۔

حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ أَشْرَفَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غُرْفَةٍ وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ أَمْرَ السَّاعَةِ فَقَالَ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَرَوا عَشْرَ آيَاتٍ: طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَالدُّخَانُ، وَالدَّابَّةُ، وَخُرُوجُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ، وَخُرُوجُ عِيسىٰ بن مَرْيَمَ، وَالدَّجَّالُ، وَثَلَاثَةُ خُسُوفٍ: خَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ، وَخَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ، وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَنَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعر عَدَنٍ تَسُوقُ أَوْ: تَحْشُرُ النَّاسَ، تَبِيتُ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوا، وَتَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا (مسند امام احمد، ابن کثیر)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمرہ سے نکل کر ہماری طرف تشریف لائے، جب کہ ہم آپس میں قیامت کے بارے میں بات کر رہے تھے، ہمیں تذکرہ قیامت میں مشغول دیکھ کر فرمانے لگے کہ قیامت قائم نہ ہو گی کہ تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ سورج کا مغرب سے نکلنا، دھواں، دابۃ الارض، یاجوج ماجوج، عیسیٰ بن مریم کا ظہور، اور دجال کا نکلنا اور مغرب، مشرق اور جزیرہ عرب میں تین خسف ہونا، اور ایک آگ کا عدن سے نکلنا جو لوگوں کا حشر کرے گی۔ انہی کے ساتھ رات گزارے گی اور انہی کے ساتھ دوپہر کا سونا سوئے گی۔

صحیح مسلم شریف میں ہے آپ نے فرمایا بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ سِتًّا: طُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، أَوِ الدُّخَانَ، أَوِ الدَّجَّالَ، أَوِ الدَّابَّةَ، أَوْ خَاصَّةَ أَحَدِكُمْ، أَوْ أَمْرَ الْعَامَّةِ (مسلم) چھ چیزوں کی آمد سے پہلے نیک اعمال میں جلدی کر لو، سورج کا مغرب سے نکلنا، دھویں کا آنا، دجال کا آنا، اور دابۃ الارض کا آنا تم میں سے ہر ایک کا خاص امر اور عام امر۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تَخْرُجُ دَابَّةُ الْأَرْضِ، وَمَعَهَا عَصَا مُوسَى

وَخَاتَمُ سُلَيْمَانَ، عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَتَخْطِمُ أَنْفَ الْكَافِرِ بِالْعَصَا، وتُجلى وَجهَ الْمُؤمِنَ بِالْخَاتَمِ، حَتَّى يَجْتَمِعَ النَّاسُ عَلَى الْخُوَانِ يُعْرَفُ الْمُؤْمِنُ مِنَ الْكَافِرِ (ابوداؤد طیالسی)

دابۃ الارض کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لکڑی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہو گی، کافروں کی ناک پر لکڑی سے مہر لگائے گا اور مومنوں کے منہ انگوٹھی سے منور کر دے گا یہاں تک کہ ایک دستر خوان پر بیٹھے ہوئے مومن کافر سب پہچانے جائیں گے۔

مسند احمد میں حماد بن سلمہ سے روایت ہے فَتَخْطِمُ أَنْفَ الْكَافِرِ بِالْخَاتَمِ، وَتَجْلُو وَجْهَ الْمُؤْمِنِ بِالْعَصَا، حَتَّى إِنَّ أَهْلَ الْخُوَانِ الْوَاحِدِ لَيَجْتَمِعُونَ فَيَقُولُ هَذَا: يَا مُؤْمِنُ، وَيَقُولُ هَذَا: يَا كَافِرُ، کافروں کے ناک پر انگوٹھی سے مہر کرے گا اور مومنوں کے چہرے لکڑی سے چمکا دے گا، یہاں تک کہ لوگ ایک دستر خوان پر جمع ہوں گے، تو وہ جانوریوں کہے گا کہ اے یہ مؤمن ہے اور ایک کو کہے گا کہ یہ کافر ہے۔

ابن ماجہ میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر مکہ کے پاس ایک جنگل میں گئے، میں نے دیکھا کہ ایک خشک زمین ہے جس کے ارد گرد ریت ہے۔ فرمانے لگے کہ تَخْرُجُ الدَّابَّةُ مِنْ هَذَا الْمَوْضِعِ. فَإِذَا فِتْرٌ فِي شِبْرٍ، یہیں سے دابۃ الارض نکلے گا، وہ جگہ تقریباً ایک بالشت تھی۔

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کے کئی سال بعد میں نے حج کیا تو والد صاحب نے دابہ الارض کے عصا کے بارے میں بتایا (کہ ایسا ہو گا) میرے اس عصاء کے برابر (لمبا اور موٹا)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کے چار پیر ہوں گے، صفا کے کھڈ سے نکلے گا، بہت تیزی سے خروج کرے گا جیسے کہ کوئی تیز رفتار گھوڑا ہو لیکن تاہم تین دن میں اس کے جسم کا تیسرا حصہ بھی نہ نکلا ہو گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب اس کی بابت پوچھا گیا تو فرمانے لگے جیاد میں ایک چٹان ہے، اس کے نیچے سے نکلے گا، میں اگر وہاں ہوتا تو تمہیں وہ چٹان دکھا دیتا۔ یہ سیدھا مشرق کی طرف جائے گا اور اس شور سے جائے گا کہ ہر طرف اس کی آواز پہنچ جائے گی۔ پھر شام کی طرف

جائے گا وہاں بھی چیخ لگا کر، پھر یمن کی طرف متوجہ ہو گا یہاں بھی آواز لگا کر شام کے وقت مکہ سے چل کر صبح کو عسفان پہنچ جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا پھر کیا ہو گا؟ فرمایا پھر مجھے معلوم نہیں۔

دابۃ الارض کہاں سے نکلے گا؟ حضرت عزیر علیہ السلام کے ایک کلام کی حکایت ہے کہ وَتَخْرُجُ مِنْ تَحْتِ سَدُومَ دَابَّةٌ تُكَلِّمُ النَّاسَ كُلٌّ يَسْمَعُهَا، وَتَضَعُ الْحَبَالَى قَبْلَ التَّمَامِ، وَيَعُودُ الْمَاءُ الْعَذْبُ أُجَاجًا، وَيَتَعَادَى الْأَخِلَّاءُ، وتُحرَقُ الْحِكْمَةُ، ويُرفَعُ الْعِلْمُ، وَتُكَلِّمُ الْأَرْضُ الَّتِي تَلِيهَا. وَفِي ذَلِكَ الزَّمَانِ يَرْجُو النَّاسُ مَا لَا يَبْلُغُونَ، وَيَتْعَبُونَ فِيمَا لَا يَنَالُونَ، وَيَعْمَلُونَ فِيمَا لَا يَأْكُلُونَ (ابن ابی حاتم)

سدوم کے نیچے سے یہ نکلے گا، اس کے کلام کو سب سنیں گے حاملہ کے حمل وقت سے پہلے گر جائیں گے، میٹھا پانی کڑوا ہو جائے گا، دوست دشمن ہو جائیں گے، حکمت جل جائے گی، علم اٹھ جائے گا، نیچے کی زمین باتیں کرے گی، انسان کی وہ تمنائیں ہوں گی کہ جو کبھی پوری نہ ہوں، ان چیزوں کی کوشش ہو گی جو کبھی حاصل نہ ہوں، اس بارے میں کام کریں گے جسے کھائیں گے نہیں۔

ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے إِنَّ الدَّابَّةَ فِيهَا مِنْ كُلِّ لَوْنٍ، مَا بَيْنَ قَرْنَيْهَا فَرْسَخٌ لِلرَّاكِبِ (ابن ابی حاتم) اس کے جسم پر سب رنگ ہوں گے، اس کے دو سینگوں کے درمیان سوار کے لئے ایک فرسخ کی راہ ہو گی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ هِيَ مِثْلُ الْحَرْبَةِ الضَّخْمَةِ، یہ موٹے نیزے اور بھالے کی طرح کا ہو گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں إِنَّهَا دَابَّةٌ لَهَا رِيشٌ وَزَغَبٌ وَحَافِرٌ، وَمَا لَهَا ذَنَبٌ، وَلَهَا لِحْيَةٌ، وَإِنَّهَا لَتُخْرِجُ حُضْرَ الْفَرَسِ الْجَوَادِ ثَلَاثًا، وَمَا خَرَجَ ثُلُثُهَا، اس کے بال ہوں گے، کھر ہوں گے، ڈاڑھی ہو گی، دم نہ ہو گی، تین دن میں بمشکل ایک تہائی باہر آئے گا، حالانکہ تیز گھوڑے کی چال چلتا ہو گا۔

ابو زبیر کا قول ہے کہ رَأْسُهَا رَأْسُ ثَوْرٍ، وَعَيْنُهَا عَيْنُ خِنْزِيرٍ، وَأُذُنُهَا أُذُنُ فِيلٍ، وَقَرْنُهَا قَرْنُ أَيَّلٍ، وَعُنُقُهَا عُنُقُ نَعَامَةٍ، وَصَدْرُهَا صَدْرُ أَسَدٍ، وَلَوْنُهَا لَوْنُ نَمِرٍ، وَخَاصِرَتُهَا

خَاصِرَةُ هِرٍّ، وَذَنَبُهَا ذَنَبُ كَبْشٍ، وَقَوَائِمُهَا قَوَائِمُ بَعِيرٍ، بَيْنَ كُلِّ مَفْصَلَيْنِ اثْنَا [عَشَرَ] ذِرَاعًا، تَخْرُجُ مَعَهَا عَصَا مُوسَى، وَخَاتَمُ سُلَيْمَانَ، فَلَا يَبْقَى مُؤْمِنٌ إِلَّا نَكَتَتْ فِي وَجْهِهِ بِعَصَا مُوسَى نُكْتَةً بَيْضَاءَ، فَتَفْشُو تِلْكَ النُّكْتَةُ حَتَّى يَبْيَضَّ لَهَا وَجْهُهُ، وَلَا يَبْقَى كَافِرٌ إِلَّا نَكَتَتْ فِي وَجْهِهِ نُكْتَةً سَوْدَاءَ بِخَاتَمِ سُلَيْمَانَ، فَتَفْشُو تِلْكَ النُّكْتَةُ حَتَّى يَسْوَدَّ لَهَا وَجْهُهُ، حَتَّى إِنَّ النَّاسَ يَتَبَايَعُونَ فِي الْأَسْوَاقِ: بِكَمْ ذَا يَا مُؤْمِنُ، بِكَمْ ذَا يَا كَافِرُ؟ وَحَتَّى إِنَّ أَهْلَ الْبَيْتِ يَجْلِسُونَ عَلَى مَائِدَتِهِمْ، فَيَعْرِفُونَ مُؤْمِنَهُمْ مِنْ كَافِرِهِمْ، ثُمَّ تَقُولُ لَهُمُ الدَّابَّةُ: يَا فُلَانُ، أَبْشِرْ، أَنْتَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَيَا فُلَانُ، أَنْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ. فَذَلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالَى: {وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ} (تفسیر ابن کثیر)

اس کا سر بیل کے سر کے مشابہ ہو گا، آنکھیں خنزیر کی آنکھوں کے مشابہ ہوں گی، کان ہاتھی جیسے ہوں گے، سینگ کی جگہ اونٹ کی طرح ہو گی، شتر مرغ جیسی گردن ہو گی، شیر جیسا سینہ ہو گا، چیتے جیسا رنگ ہو گا بلی جیسی کمر ہو گی، مینڈھے جیسی دم ہو گی، اونٹ جیسے پاؤں ہونگے، ہر دو جوڑ کے درمیان بارہ گز کا فاصلہ ہو گا، حضرت موسیٰ کی لکڑی اور حضرت سلیمان کی انگوٹھی ساتھ ہو گی، ہر مومن کے چہرے پر عصائے موسوی سے نشان کرے گا، جو پھیل جائے گا اور چہرہ منور ہو جائے گا اور ہر کافر کے چہرے پر خاتم سلیمانی سے نشانی لگا دے گا، جو پھیل جائے گا اور اس کا سارا چہرہ سیاہ ہو جائے گا، اب تو اس طرح مومن کافر ظاہر ہو جائیں گے کہ خرید و فروخت کے وقت کھانے پینے کے وقت لوگ ایک دوسرے کو اے مومن اور اے کافر کہہ کر بلائیں گے۔ دابۃ الارض ایک ایک کا نام لے کر ان کو جنت کی خوشخبری یا جہنم کی بد خبری سنائے گا۔ یہی معنیٰ و مطلب اس آیت کا ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں بعض متاخرین مفسرین نے کہا ہے کہ دابۃ الارض انسان ہو گا وہ باتیں کرے گا اور کفار اور اہل بدعت سے مناظرہ اور مجادلہ کر کے ان کو خاموش کر دے گا، سو جس نے ہلاک ہونا ہو گا وہ دلائل سے آگاہ ہو کر ہلاک ہو گا اور جس نے حق پر قائم رہنا

ہو گا وہ دلائل سے آگاہ ہو کر حق پر قائم رہے گا، ہمارے استاذ امام ابو العباس احمد بن عمر القرطبی نے کہا ہے کہ دابۃ الارض کی صورت کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ جس نے کہا ہے کہ دابۃ الارض انسان ہو گا اس کا قول قرآن مجید کے ان الفاظ کے قریب ہے "وہ باتیں کرے گا" لیکن اس بناء پر اس دابۃ الارض میں کوئی خارق (خلاف) عادت چیز نہیں ہو گی اور نہ وہ اس دن نشانیوں میں سے ہو گا جن کا حدیث میں ذکر ہے کیونکہ کفار اور اہل بدعت سے مناظرہ کرنے والے اور ان کو خاموش کرنے والے انسان تو بہت ہیں سو وہ کوئی خاص چیز نہیں ہو گا اور اس کا قیامت کی دس نشانیوں میں ذکر کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہو گی، پھر ایسے فاضل، کاہل اور مناظر انسان کو دابۃ الارض کہنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہو گی اور ایسے فاضل مناظر کو دابۃ الارض (زمین کا جانور) کہنا فصحاء کی عادت کے خلاف ہے اور تعظیم علماء اور دستور عقلاء کے منافی ہے۔ (المفہم ج ۷ ص ۲۴۲، تبیان القرآن)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں دابۃ الارض کی ماہیت میں، اس کی شکل میں، اس کے نکلنے کی جگہ میں، اس کی تعداد میں، اس کی مقدار میں اور یہ کہ وہ لوگوں کے ساتھ کیا کرے گا اس میں بہت اختلاف ہے اور یہ اقوال آپس میں متعارض ہیں اور بعض اقوال بعض کی تکذیب کرتے ہیں، اس لیے ہم نے اس کے ذکر کو ترک کر دیا کیونکہ اس کے ذکر کرنے میں اوراق کو سیاہ کرنا ہے اور وقت کو ضائع کرنا ہے۔ (البحر المحیط ج ۸ ص ۹۲۶، بحوالہ تفسیر تبیان القرآن)

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں علامہ ابو الحیان اندلسی کا یہ کلام برحق ہے اور میں نے جو اس سلسلہ میں اقوال نقل کیے ہیں، وہ صرف اس لیے کہ جس کو دابۃ الارض کے متعلق تفصیل کو جاننے کا تجسس اور شوق ہو اس کی تسکین ہو سکے، پھر دابۃ الارض کے متعلق جو احادیث ہیں، ان میں سنن ترمذی کی حدیث اقرب الی القبول ہے اور وہ یہ ہے،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دابۃ (الارض) زمین سے نکلے گا، اس کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہو گی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہو گا، عصا سے مومن کا چہرہ روشن کرے گا اور انگوٹھی سے کافر کی ناک پر نشان لگا دے گا، حتیٰ کہ گھروں سے لوگ

اس کے گرد جمع ہوں گے، وہ کہے گا سنو یہ مومن ہے اور سنو یہ کافر ہے۔

علامہ آلوسی علیہ السلام لکھتے ہیں کہ دابۃ الارض کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ چار پاؤں والا عجیب و غریب جانور ہے، یہ نوع انسان میں سے اصلاً نہیں ہے، اللہ تعالیٰ آخر زمانہ میں اس کو زمین سے نکالے گا اور زمین سے نکالنے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ توالد کے طریقہ سے نہیں نکلے گا جس طرح زمین سے حشرات الارض نکلتے ہیں اور یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ (روح المعانی ۲ / ۶۳)

حشر مکذبین، اتمام حجت اور دلائل قدرت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ {۸۳} حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ {۸۴} وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ {۸۵} اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ {۸۶} النمل

جواب ترجمہ: جس دن ہم ہر امت میں سے ایک ایک جماعت ان لوگوں میں سے جمع کرینگے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے پھر ان کی جماعت بندی کر دی جائے گی۔ یہاں تک وہ جب حاضر ہو جائینگے تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہو گا کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا حالانکہ تم ان کو اپنے احاطہ علمی میں بھی نہ لائے، بلکہ تم اور کیا کیا کام کرتے تھے۔ اور ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر وعدہ پورا ہو چکا ہے سو وہ بات نہ کریں گے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو بنایا کہ وہ اس میں آرام کریں اور ہم نے دن کو بنایا جس میں دیکھیں بھالیں بلاشبہ ان میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ قیامت کے نہایت ہیبت ناک مناظر اور منکرینِ حق کے انجام کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس دن ہر امت میں سے ان لوگوں کے گروہ الگ کر کے جمع کیے جائیں گے جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے رہے اور انہیں اس طرح روکا اور منظم کیا جائے گا کہ سب یکجا ہو کر حساب کے لیے پیش ہوں۔ جب وہ بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں گے تو ان سے

بطورِ مواخذہ پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا حالانکہ تم نے نہ ان کا صحیح علم حاصل کیا تھا اور نہ ہی کسی دلیل کی بنیاد پر انکار کیا تھا، بلکہ محض جہالت اور ضد سے کام لیتے رہے؟ اس طرح ان پر حجت پوری کر دی جائے گی۔

پھر ان کے ظلم، یعنی شرک و تکذیب کی بنا پر عذاب کا فیصلہ ان پر ثابت ہو جائے گا اور وہ اس قدر مرعوب اور بے بس ہوں گے کہ کوئی عذر پیش نہ کر سکیں گے، اس کے ساتھ ہی دنیا میں موجود اللہ کی قدرت کی کھلی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی کہ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ رات کو سکون و راحت کے لیے اور دن کو بصیرت و معاش کے لیے بنایا گیا ہے؟ یہ سب نشانیاں واضح طور پر اللہ کی قدرت و حکمت پر دلالت کرتی ہیں، مگر ان سے حقیقی فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو ایمان رکھنے والے اور حق کو قبول کرنے والے ہوں۔

جب صور پھونکا جائے گا

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ {۸۷} النمل

جواب ترجمہ: اور جس دن صور پھونکا جائے گا، تو آسمانوں اور زمین کے سب رہنے والے گھبرا اٹھیں گے۔ سوائے ان کے جنہیں اللہ چاہے۔ اور سب اس کے پاس جھکے ہوئے حاضر ہوں گے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ قیامت کی گھبراہٹ اور بے چینی کو بیان فرما رہے ہیں۔ صور میں حضرت اسرافیل علیہ السلام بحکم الٰہی پھونک ماریں گے۔ اس وقت زمین پر بدترین لوگ ہونگے۔ دیر تک نفخہ پھونکتے رہیں گے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس سے سب پریشان حال ہو جائیں گے سوائے شہیدوں کے جو اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور روزیاں دیئے جاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک دن کسی شخص نے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا فرمایا کرتے ہیں کہ اتنے اتنے وقت تک قیامت آجائے گی؟ آپ نے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ یا اور کوئی ایسا ہی کلمہ بطور تعجب کہا اور فرمانے لگے سنو! لَقَدْ هَمَمْتُ أَلَّا أُحَدِّثَ أَحَدًا شَيْئًا أَبَدًا اب تو جی چاہتا ہے کہ کسی سے کوئی حدیث بیان ہی نہ کروں، میں نے یہ کہا تھا کہ عنقریب تم بڑی اہم باتیں دیکھو گے۔ بیت اللہ خراب ہو جائے گا اور یہ ہو گا وہ ہو گا وغیرہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دجال میری امت میں چالیس ٹھہرے گا۔ میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمائے گا۔ وہ صورت شکل میں بالکل حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے ہونگے آپ اسے ڈھونڈ نکالیں گے اور اسے ہلاک کر دیں گے، پھر سات سال ایسے گزریں گے کہ دنیا بھر میں دو شخص ایسے نہ ہوں گے جن میں آپس میں بغض وعداوت ہو، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک بھینی بھینی ٹھنڈی ہوا چلائے گا جس سے ہر مومن فوت ہو جائے گا۔

ایک ذرے کے برابر بھی جس کے دل میں خیر یا ایمان ہو گا اس کی روح بھی قبض ہو جائے گی، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی پہاڑ کی کھوہ میں گھس گیا ہو گا تو یہ ہوا وہیں جا کر اسے فنا کر دے گی، اب زمین پر صرف بد لوگ رہ جائیں گے جو پرندوں جیسے ہلکے اور چوپائیوں جیسے بے عقل ہوں گے، ان میں سے بھلائی برائی کی تمیز اٹھ جائے گی ان کے پاس شیطان پہنچے گا اور کہے گا تم شرماتے نہیں؟ کہ بتوں کی پرستش چھوڑے بیٹھے ہو؟ یہ بت پرستی شروع کر دیں گے، اللہ انہیں روزیاں پہنچاتا رہے گا اور خوش وخرم رکھے گا۔

یہ اسی مستی میں ہونگے جو صور پھونکنے کا حکم مل جائے گا۔ جس کے کان میں آواز پڑی وہیں دائیں بائیں لوٹنے لگا سب سے پہلے اسے وہ شخص سنے گا جو اپنے اونٹ کے لئے حوض ٹھیک ٹھاک کر رہا ہو گا سنتے ہی بیہوش ہو جائے گا۔ اور سب لوگ بیہوش ہونا شروع ہو جائیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ مثل شبنم کے بارش برسائے گا جس سے لوگوں کے جسم اٹھنے لگیں گے، پھر دوسرا نفخہ پھونکا جائے گا جس سے سب اٹھ کھڑے ہوں گے۔ وہیں آواز لگے گی کہ لوگو! اپنے رب کے پاس چلو۔ وہاں ٹھہرو تم سے سوال جواب ہو گا پھر فرمایا جائے گا کہ آگ کا حصہ نکالو۔ پوچھا جائے گا کہ کتنوں میں سے کتنے؟ تو فرمایا جائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے، یہ ہو گا وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے۔ یہ ہو گا وہ دن جب پنڈلی (تجلی رب) کی زیارت کرائی جائے گی۔ (مسلم شریف)

پہلا نفخہ تو گھبراہٹ کا نفخہ ہو گا، دوسرا بیہوشی اور موت کا اور تیسرا دوبارہ جی کر رب العالمین کے دربار میں پیش ہونے کا۔ (تفسیر ابن کثیر)

أَتَوْهُ دَاخِرِينَ: ہر ایک ذلیل وخوار ہو کر پست ولاچار ہو کر بے بس اور مجبور ہو کر ماتحت اور محکوم ہو کر اللہ کے سامنے حاضر ہو گا۔ ایک سے بھی بن نہ پڑے گی کہ اس کی حکم عدولی کرے۔

اور ایک دوسری آیت میں ہے کہ پھر جب وہ تمہیں زمین سے بلائے گا تو تم سب نکل کھڑے ہوگے۔ صور کی حدیث میں ہے کہ أَنَّهُ فِي النَّفْخَةِ الثَّالِثَةِ يَأْمُرُ اللهُ الْأَرْوَاحَ، فَتُوضَعُ فِي ثُقْبٍ فِي الصُّورِ، ثُمَّ يَنْفُخُ إِسْرَافِيلُ فِيهِ بَعْدَمَا تَنْبُتُ الْأَجْسَادُ فِي قُبُورِهَا وَأَمَاكِنِهَا، فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ طَارَتِ الْأَرْوَاحُ، تَتَوَهَّ أَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِينَ نُورًا، وَأَرْوَاحُ الْكَافِرِينَ ظُلْمَةً تمام روحیں صور کے سوراخ میں رکھی جائیں گی اور جب جسم قبروں سے اٹھ رہے ہونگے۔ صور پھونک دیا جائے گا روحیں اڑنے لگیں گی مومنوں کی روحیں نورانی ہونگی کافروں کی روحیں اندھیرے اور ظلمت والی ہونگی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے وَعِزَّتِي وَجَلَالِي لَتَرْجِعَنَّ كُلُّ رُوحٍ إِلَى جَسَدِهَا. فَتَجِيءُ الْأَرْوَاحُ إِلَى أَجْسَادِهَا، فَتَدِبُّ فِيهَا كَمَا يَدِبُّ السُّمُّ فِي اللَّدِيغِ، ثُمَّ يَقُومُونَ فَيَنْفُضُونَ التُّرَابَ مِنْ قُبُورِهِمْ. میرے جلال کی، میری عزت کی قسم ہے ہر روح اپنے بدن میں چلی جائے۔ جس طرح زہر رگ وپے میں سرایت کرتا ہے اس طرح روحیں اپنے جسموں میں پھیل جائیں گی اور لوگ اپنی اپنی جگہ سے سر جھاڑ اٹھ کھڑے ہوں گے۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ {يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ} (الْمَعَارِجِ: ۴۳) اس دن قبروں سے اس طرح جلدی نکلیں گے جس طرح اپنی عبادت گاہ کی طرف دوڑے بھاگے جاتے تھے۔

پہاڑوں کی حرکت اور جمود

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ {۸۸} النمل

جواب ترجمہ: تم (آج) پہاڑوں کو دیکھتے ہو تو سمجھتے ہو کہ یہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں، حالانکہ (اس وقت) وہ اس طرح پھر رہے ہوں گے جیسے بادل پھرتے ہیں۔ یہ سب اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مستحکم طریقے سے بنایا ہے۔ یقیناً اسے پوری خبر ہے کہ تم کیا کام کرتے ہو۔

خلاصہ تفسیر: یہ آیتِ کریمہ انسان کو اس کی ظاہری نگاہ اور حقیقت کے درمیان فرق سمجھاتی ہے، دنیا میں جب انسان پہاڑوں کی طرف نظر ڈالتا ہے تو وہ اسے نہایت مضبوط، ساکن اور اپنی جگہ پر گڑا ہوا تصور کرتا ہے، گویا ان میں حرکت کا کوئی امکان ہی نہیں، لیکن حقیقتِ حال اس ظاہری مشاہدے سے مختلف ہے۔

قیامت کے دن یہی پہاڑ اپنی ہیبت اور سختی کے باوجود اس طرح متحرک ہوں گے جیسے آسمان پر بادل رواں دواں ہوتے ہیں، وہ ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائیں گے، ریزہ ریزہ ہو کر فضا میں پھیلیں گے اور بالآخر ان کا کوئی نشان باقی نہ رہے گا، یہاں تک کہ زمین ایک ہموار میدان کی صورت اختیار کر لے گی، جس میں نہ کوئی بلندی ہو گی اور نہ پستی۔

اس مثال کے ذریعے ایک لطیف نکتہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ بعض اوقات بڑے اجسام کی حرکت انسان کی نگاہ سے مخفی رہتی ہے، جیسے بادل بظاہر ساکن دکھائی دیتے ہیں، حالانکہ وہ مسلسل حرکت میں ہوتے ہیں، اسی طرح پہاڑوں کا جماؤ بھی محض ظاہری نظر کا دھوکہ ہے۔

مفسرین کے نزدیک اس آیت میں دو زمانوں کا فرق بھی ملحوظ ہے، ایک موجودہ دنیا کا، جہاں پہاڑ ساکن دکھائی دیتے ہیں اور دوسرا قیامت کا، جب وہ حرکت میں آجائیں گے اور اپنی ہیئت کھو بیٹھیں گے۔ قرآنِ حکیم میں مختلف مقامات پر پہاڑوں کے انقلابی حالات کو متعدد انداز میں بیان کیا گیا ہے، کہیں ان کے ریزہ ریزہ ہونے کا ذکر ہے، کہیں انہیں دھنکی ہوئی روئی کی مانند بتایا گیا، کہیں ان کے اکھاڑے جانے اور فضا میں بکھر جانے کا نقشہ کھینچا گیا، ان تمام بیانات کو جمع کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے مختلف مراحل میں پہاڑ مختلف کیفیات سے گزریں گے، پہلے شدید زلزلے سے ٹوٹیں گے، پھر نرم ہو کر بکھری ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے، اس کے بعد غبار بن کر فضا میں پھیل جائیں گے اور آخر کار مٹ کر زمین کو بالکل ہموار کر دیں گے۔ آیت کے آخر میں فرمایا

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ: یہ سب اللہ کی کاریگری ہے، جس نے ہر چیز کو نہایت حکمت اور مضبوطی کے ساتھ بنایا ہے، یعنی جو ذات پہاڑوں کو اس قدر مستحکم بنا سکتی ہے، وہی انہیں ایک لمحے میں بکھیر دینے پر بھی قادر ہے، اس کے بعد تنبیہ فرمائی :

اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ: وہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے، گویا قدرت کے ان عظیم مظاہر کا ذکر محض معلومات کے لیے نہیں بلکہ انسان کو یہ باور کرانے کے لیے ہے کہ جس رب کی قدرت کا یہ عالم ہے، اس کے سامنے تمہارے اعمال بھی محفوظ ہیں اور ایک دن ان کا حساب بھی یقینی ہے۔

عدل الٰہی و فضل ربانی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَىِٕذٍ اٰمِنُوْنَ {۸۹} وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ {۹۰} النمل

جواب ترجمہ: جو شخص نیکی لے کر آئے گا اسے اس سے بہتر ملے گا اور ایسے لوگ اس دن گھبراہٹ سے پر امن ہوں گے۔ اور جو شخص برائی لے کر آئے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ گر کے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے تمہیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل علم اور بندوں کے اعمال سے مکمل آگاہی کے بیان کے بعد جزاو سزا کا نہایت واضح اور فیصلہ کن اصول بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا: جو شخص نیکی لے کر حاضر ہو گا اور نیکی سے مراد ہر وہ قول و عمل ہے جو ایمان، اخلاص اور اطاعت پر مبنی ہو، جیسے کلمۂ توحید کا اقرار، فرائض کی ادائیگی اور گناہوں سے اجتناب، تو اسے اس نیکی سے بڑھ کر اجر عطا کیا جائے گا، یہ زیادتی دراصل اللہ تعالیٰ کے فضل کا مظہر ہے، جو ایک نیکی کو کئی گنا بڑھا کر عطا فرماتا ہے، ایسے خوش نصیب قیامت کے دن شانتی میں ہوں گے، ارشاد ہے

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ: ایسے اہلِ ایمان کو قیامت کے ہولناک خوف اور گھبراہٹ سے بھی کامل امن نصیب ہو گا، وہ اس دن کے اضطراب سے محفوظ اور اطمینان کی حالت میں ہوں گے، جب کہ دوسرے لوگ سخت پریشانی میں مبتلا ہوں گے۔

وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ: اس کے برعکس جو لوگ بدی لے کر آئیں گے اور یہاں بدی کی اعلیٰ ترین صورت شرک ہے، تو انہیں ذلت کے ساتھ منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جائے گا، یہ اندازِ عذاب ان کی شدید رسوائی کو ظاہر کرتا ہے، کیونکہ چہرہ انسان کی عزت و شرافت کا مرکز ہوتا ہے، اور اسی کو زمین بوس کر دینا انتہائی اہانت کی علامت ہے۔ پھر بطورِ توبیخ و سرزنش ان سے کہا جائے گا:

هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ: کیا تمہیں وہی بدلہ نہیں دیا جارہا جو تم کیا کرتے تھے؟ یعنی یہ عذاب تمہارے اپنے اعمال کا لازمی نتیجہ ہے، اس میں کسی ظلم یا زیادتی کا شائبہ نہیں، البتہ یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ اگرچہ یہاں اَلسَّيِّئَة سے مراد بالخصوص شرک ہے، لیکن دیگر گناہ بھی انسان کو سزا کے مستحق بنا سکتے ہیں، الا یہ کہ بندہ توبہ کر لے، یوں یہ آیات عدلِ الٰہی اور فضلِ ربانی دونوں کو نہایت جامع انداز میں واضح کرتی ہیں۔

مبلغ اسلام کی ذمہ داریاں

سوال مندرجہ ذیل آیات کریمات میں حضرت نبی کریم ﷺ کو کس چیز کا حکم دیا گیا؟

إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ وَّأُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ {۹۱} وَأَنْ أَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ {۹۲} النمل.

جواب ترجمہ: (اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ:) مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اس شہر کو حرمت بخشی ہے، اور ہر چیز کا مالک وہی ہے، اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں شامل رہوں۔ اور یہ کہ میں قرآن کی تلاوت کروں۔ اب جو شخص ہدایت کے راستے پر آئے، وہ اپنے ہی فائدے کے لیے راستے پر آئے گا، اور جو گمراہی اختیار کرے، تو کہہ دینا کہ: میں تو بس ان لوگوں میں سے ہوں جو خبردار کرتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی محترم ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ میں اس شہر مکہ کے رب کی عبادت کا اور اس کی فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہوں۔ جیسے ارشاد ہے کہ {قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ} (یونس: ۱۰۴) اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین میں شک ہے تو ہوا کرے میں تو جن کی تم عبادت کر رہے ہو ان کی عبادت ہرگز نہیں کروں گا۔ میں اسی اللہ کا عابد ہوں جو تمہاری زندگی موت کا مالک ہے۔

یہاں مکہ شریف کی طرف ربوبیت کی اضافت صرف بزرگی اور شرافت کے اظہار کے لئے ہے جیسے فرمایا فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ، الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ انہیں چاہیے کہ اس شہر کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں اوروں کی بھوک کے وقت آسودہ اور اوروں کے خوف کے وقت بے خوف کر رکھا ہے۔ (سورۃ القریش)

یہاں فرمایا کہ اس شہر کو حرمت وعزت والا اس نے بنایا ہے۔ جیسے بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ والے دن فرمایا کہ إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لَا يُعضَدُ شَوْكُهُ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ، وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ إِلَّا لِمَنْ عَرَّفَهَا، وَلَا يُخْتَلَى خَلَاهَا (بخاری و مسلم)

یہ شہر اسی وقت سے عزت والا ہے، جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حرمت دینے سے حرمت والا ہی رہے گا، یہاں تک کہ قیامت آجائے، نہ اس کے کانٹے کاٹے جائیں، نہ اس کا شکار خوف زدہ کیا جائے، نہ اس میں گری پڑی چیز کسی کی اٹھائی جائے، ہاں جو پہچان کر مالک کو پہنچانا چاہے، اس کے لئے جائز ہے، اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے۔

پھر اس خاص چیز کی ملکیت ثابت کر کے اپنی عام ملکیت کا ذکر فرماتا ہے کہ ہر چیز کا رب اور مالک وہی ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی مالک نہ معبود۔ اور مجھے یہ حکم بھی ملا ہے کہ میں موحد مخلص مطیع اور فرمانبردار ہو کر رہوں۔ اور مجھے یہ بھی فرمایا گیا کہ میں لوگوں کو اللہ کا کلام پڑھ کر سناؤں۔ جیسے فرمان ہے کہ {ذٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ} (آلِ عِمْرَانَ: ۵۸) ہم یہ آیتیں اور یہ حکمت والا ذکر تیرے سامنے تلاوت کرتے ہیں۔ دوسری آیت میں ہے {نَتْلُو عَلَيْكَ مِنْ نَبَإِ مُوسَى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ} (الْقَصَصِ: ۳) ہم تجھے موسیٰ اور فرعون کا صحیح واقعہ سناتے ہیں۔ ایسی قوم کے لیے جو ایمان رکھنے والی ہے

مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کا مبلغ ہوں میں تمہیں جگا رہا ہوں۔ تمہیں ڈرا رہا ہوں۔ اگر میری مان کر راہ راست پر آؤ گے تو اپنا بھلا کرو گے۔ اور اگر میری نہ مانی تو میں اپنے تبلیغ کے فرض کو ادا کر کے سبکدوش ہو گیا ہوں۔ اگلے رسولوں نے بھی یہی کیا تھا اللہ کا کلام پہنچا کر اپنا دامن پاک کر لیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے {فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ} [الرَّعْدِ: ۴۰] تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے حساب ہمارے ذمہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا {إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ وَاللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ} [هُودٍ: ۱۲] تو صرف ڈرا دینے والا ہے اور ہر چیز پر وکیل اللہ ہی ہے۔

اللہ اِتمام حجت کے بعد سزا دیتا ہے

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۹۳) النمل

جواب ترجمہ: اور آپ یوں کہئے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے وہ عنقریب اپنی نشانیاں دکھا دے گا سو تم ان کو پہچان لوگے اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم لوگ کرتے ہو۔

خلاصہ تفسیر: اللہ کے لئے تعریف ہے جو بندوں کی بے خبری میں انہیں عذاب نہیں کرتا بلکہ پہلے اپنا پیغام پہنچاتا ہے اپنی حجت تمام کرتا ہے بھلا برا سمجھا دیتا ہے۔ ہم تمہیں ایسی آیتیں دکھائیں گے کہ تم خود قائل ہو جاؤ۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا {سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ} (فُصِّلَتْ: ۵۳) یعنی ہم انہیں خود ان کے نفسوں میں اور ان کے ارد گرد ایسی نشانیاں دکھائیں گے کہ جن سے ان پر حق ظاہر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوت سے غافل نہیں بلکہ اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے يَا أَيُّهَا النَّاسُ، لَا يَغْتَرَّنَّ أَحَدُكُمْ بِاللهِ، فَإِنَّ اللهَ لَوْ كَانَ غَافِلًا شَيْئًا لَأَغْفَلَ الْبَعُوضَةَ وَالْخَرْدَلَةَ وَالذَّرَّةَ (دیلمی مسند الفردوس) دیکھو لوگو! اللہ کو کسی چیز سے اپنے عمل سے غافل نہ جاننا، وہ ایک ایک مچھر سے ایک ایک پتنگے سے اور ایک ایک ذرے سے باخبر ہے۔

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ فَلَوْ كَانَ اللهُ مُغْفِلًا شَيْئًا لَأَغْفَلَ مَا تُعَفِّي الرِّيَاحُ مِنْ أَثَرِ قَدَمَيِ ابْنِ آدَمَ، اگر وہ غافل ہوتا تو انسان کے قدموں کے نشان سے جنہیں ہوا مٹا دیتی ہے غفلت کر جاتا لیکن وہ ان نشانات کا بھی حافظ ہے اور عالم ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اکثر ان دو شعروں کو پڑھتے تھے جو یا تو آپ کے ہیں یا کسی اور کے

إِذَا مَا خَلَوتَ الدهرَ يومًا فَلا تَقُل ... خَلَوتُ وَلٰكِن قُل عَلَيَّ رَقِيبٌ

وَلا تَحسَبَنَّ اللهَ يَغفُلُ ساعَةً ... وَلا أَنَّ مَا يُخفِي عَلَيهِ يَغيبُ

یعنی جب تو کسی وقت بھی خلوت اور تنہائی میں ہو تو اپنے آپ کو تنہا اور اکیلا نہ سمجھنا بلکہ اپنے اللہ کو وہاں حاضر ناظر جاننا۔ وہ ایک ساعت بھی کسی سے غافل نہیں نہ کوئی مخفی اور پوشیدہ چیز اس کے علم سے باہر ہے۔

❀❀

بندہ عاجز و مسکین نے اپنی تفسیر معارف الفرقان پر نظر ثانی کرتے ہوئے کچھ اضافات اور کچھ ترمیمات کی ہیں، تفسیر معارف الفرقان کا یہ حصہ مئی ۲۰۱۷ء میں پایہ تکمیل کو پہنچا تھا، اب ان مقامات کی تفسیر کی گئی ہے جو اُس وقت چھوٹ گئے تھے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس متواضع کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرما کر باعث نجات بنادے، میرے لیے، میرے والدین ماجدین کے لیے، میرے عزیز و اقارب کے لیے، میرے مساعدین، معاونین، محبین و مخلصین کے لیے صدقہ جاریہ بنادے۔ آمین بحرمۃ النبی الکریم ﷺ

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

۶ مئی ۲۰۲۶ء بمطابق ۱۸ ذیقعدہ ۱۴۴۷ء بروز بدھ، علی الصبح ساڑھے آٹھ بجے

❀

سورۃ القصص (تعارف)

سوال سورۃ القصص کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ القصص قرآنِ کریم کی ایک عظیم مکی سورت ہے، جس کی آیات کی تعداد ۸۸ ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکمل طور پر مکی ہے، البتہ بعض حضرات نے چند آیات (خصوصاً آیت ۸۵ یا ۵۲ تا ۵۵) کو مدنی قرار دیا ہے، اس سورت کا اسلوب نہایت مؤثر، واقعاتی اور تربیتی ہے، جس میں تاریخ کے آئینے میں حق و باطل کی کشمکش کو نمایاں کیا گیا ہے، تاکہ اہلِ ایمان کو بصیرت اور استقامت حاصل ہو۔

وجہِ تسمیہ: اس سورت کا نام "القصص" اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور ایک مقام پر لفظ "القصص" بھی صراحت کے ساتھ وارد ہوا ہے، فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ یعنی جب حضرت موسیٰ نے اپنا پورا واقعہ بیان کیا، اسی مناسبت سے اس سورت کو "القصص" کہا جاتا ہے۔

اہم مضامین: سورۃ القصص کے مضامین نہایت جامع اور فکر انگیز ہیں، جن کا مرکزی محور اللہ تعالیٰ کی قدرت، نصرتِ حق اور باطل کے انجام کو واضح کرنا ہے، ① حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ: سورت کا آغاز فرعون کے ظلم و استبداد سے ہوتا ہے، جس نے بنی اسرائیل کو کمزور بنا رکھا تھا، اسی ماحول میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت، ان کی پرورش اور اللہ کی خفیہ تدبیر کا بیان آتا ہے، جو اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اللہ اپنے بندوں کی حفاظت کے لیے غیر معمولی اسباب پیدا فرماتا ہے۔

② ہجرت اور مدین کا واقعہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک قبطی کا قتل خطا سے واقع ہوا، جس کے بعد وہ مدین کی طرف ہجرت کرتے ہیں، جہاں حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات، ان کی خدمت اور نکاح کا واقعہ پیش آتا ہے، یہ حصہ صبر، عفت اور توکل کی اعلیٰ مثالیں پیش کرتا ہے۔

③ نبوت اور فرعون کی ہلاکت: اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا فرماتا ہے اور انہیں فرعون کی طرف بھیجتا ہے، بالآخر فرعون اپنے تکبر اور سرکشی کے سبب عبرتناک انجام سے دوچار ہو کر غرق

کر دیا جاتا ہے، جو ظلم کے انجام کی واضح تصویر ہے۔

④ قارون کا واقعہ: سورت میں قارون کی دولت پرستی، غرور اور اس کے ہلاکت خیز انجام کا ذکر بھی ہے، جو اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ مال و دولت اگر شکر کے بجائے تکبر کا ذریعہ بن جائے تو وہ انسان کی تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔

⑤ اہلِ ایمان کے لیے تسلی وبشارت: یہ سورت خصوصاً ابتدائی دور کے مظلوم مسلمانوں کے لیے تسلی اور تقویتِ ایمان کا پیغام ہے کہ جس طرح اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی مدد فرمائی، اسی طرح اہلِ حق کی نصرت بھی یقینی ہے۔

⑥ توحید کی دعوت اور شرک کی تردید: سورت کے اختتام پر نہایت تاکید کے ساتھ توحید کا حکم دیا گیا اور ہر قسم کے شرک سے منع کیا گیا، تاکہ عقیدہ خالص رہے اور بندہ صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرے۔

خلاصہ کلام: سورۃ القصص درحقیقت ایک ایسا آئینہ ہے جس میں تاریخ، عقیدہ، اخلاق اور دعوت الی اللہ یکجا ہو گئے ہیں، اس میں یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کمزوروں کو قوت عطا کرتا، ظالموں کو نیست ونابود کرتا اور اپنے وعدوں کو ضرور پورا فرماتا ہے، یہ سورت اہلِ ایمان کو صبر، یقین اور اللہ پر کامل اعتماد کی تعلیم دیتی ہے۔

کتاب مبین کی آیات

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ القصص

جواب ترجمہ: طسم، یہ کتاب مبین کی آیات ہیں۔

خلاصہ تفسیر: سورۃ القصص کا آغاز حروفِ مقطعات طٰسٓمٓ سے ہوتا ہے، جو قرآنِ حکیم کے ان اسرار میں سے ہیں جن کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ مفسرین نے اس سلسلے میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں، مگر راجح بات یہی ہے کہ ان حروف کا مقصد سامعین کو متوجہ کرنا اور یہ باور کرانا ہے کہ یہی وہ حروف ہیں جن سے تمہاری زبانیں واقف ہیں، مگر انہی حروف سے ایسا معجز کلام مرتب

ہوا ہے جس کی نظیر پیش کرنا انسان کے بس میں نہیں، بعض اہلِ علم نے یہ بھی فرمایا کہ یہ قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے، جو اس کی عظمت وشان کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا :

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ: یعنی یہ آیات اس کتاب کی ہیں جو نہایت واضح اور روشن ہے، "مبین" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب اپنے دلائل، مضامین اور اسلوب کے اعتبار سے خود بھی ظاہر ہے اور دوسروں کو بھی ظاہر کرنے والی ہے، یہ حق کو باطل سے، ہدایت کو گمراہی سے اور حلال کو حرام سے کھول کر جدا کرتی ہے، اس میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کے واقعات اس انداز سے بیان کیے گئے ہیں کہ حقائق پوری طرح منکشف ہو جاتے ہیں اور کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

یہ آیت درحقیقت قرآنِ مجید کی صداقت پر ایک روشن دلیل ہے کہ یہ محض انسانی کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے، جس کی ہر آیت ہدایت، برکت اور حکمت سے بھرپور ہے، اس کا نور دلوں کو روشن کرتا اور عقلوں کو بیدار کرتا ہے اور یہی اس کی "مبین" ہونے کی سب سے بڑی علامت ہے۔

نصرت مظلومین اور زوال فرعون

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴﴾ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵﴾ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾ القصص

جواب ترجمہ: ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کی بعض خبریں حق کے ساتھ سناتے ہیں ان کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ بلاشبہ فرعون زمین میں چڑھ گیا تھا۔ اور اس نے زمین والوں کی کئی قسمیں بنا رکھی تھیں۔ ان میں ایک جماعت کو کمزور کر رکھا تھا۔ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو

زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ بلاشبہ وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ اور ہم نے چاہا کہ جن لوگوں کو زمین میں کمزور کیا ہوا ہے ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنادیں اور انہیں وارث بنادیں۔ اور زمین میں انہیں حکومت دیدیں۔ اور فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکروں کو ان مستضعفین کی جانب سے وہ واقعہ دکھلائیں جس سے وہ اپنا بچاؤ کرتے تھے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ

نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ :ہم آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا سچا اور یقینی واقعہ سناتے ہیں، جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، مگر اس سے حقیقی فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اور حق کو قبول کرنے والے ہیں۔ پھر فرعون کے ظلم و طغیان کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ: اس نے سرزمینِ مصر میں سرکشی اختیار کرلی تھی، وہاں کے باشندوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور خاص طور پر بنی اسرائیل کو نہایت کمزور اور بے بس بنادیا تھا، وہ ان کے بیٹوں کو قتل کروادیتا اور بیٹیوں کو زندہ رکھتا تاکہ انہیں خدمت اور غلامی کے لیے استعمال کرے، اس طرح وہ ظلم، تکبر اور فساد میں حد سے بڑھ چکا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کچھ اور تھا، اس نے ارادہ فرمایا کہ

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ : انہی کمزور اور مظلوم بنی اسرائیل پر اپنا خاص فضل کرے، انہیں فرعون کے ظلم سے نجات دے، ان کی پستی کو بلندی میں بدل دے اور انہیں ایسا مقام عطا کرے کہ وہ حق کے پیشوا اور رہنما بن جائیں۔ مزید یہ کہ

وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ: انہیں اس بابرکت سرزمین کا وارث بنایا جائے، جو پہلے ان کے دشمن کے قبضے میں تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی طے کرلیا کہ

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ: انہیں زمین میں اقتدار اور غلبہ عطا کرے اور فرعون، اس کے وزیر ہامان اور اس کے لشکروں کو وہی چیز دکھادے جس کا انہیں خوف تھا، یعنی بنی اسرائیل ہی کے ایک بچے کے

ہاتھوں ان کی حکومت کا خاتمہ۔یوں ان آیات میں ایک عظیم حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے مظلوموں کو عزت اور غلبہ عطا کر دیتا ہے اور ظالموں کی ساری طاقت و شوکت ایک لمحے میں مٹی میں ملا دیتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

سوال اس آیت کا ترجمہ و تفسیر کیجیے، جس میں موسیٰ کی پیدائش و رضاعت کا ذکر ہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧﴾ القصص.

جواب ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کے دل میں ڈالا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ۔ پھر جب تمہیں اس کی جان کا خطرہ ہو تو اسے سمندر میں ڈال دینا اور نہ ڈرنا نہ غم کرنا، بلاشبہ ہم اسے تیری طرف واپس کر دیں گے، اور اسے پیغمبروں میں سے بنا دیں گے۔

خلاصہ تفسیر: جب بنی اسرائیل کے ہزارہا بچے قتل ہو چکے، تو قبطیوں کو اندیشہ ہوا کہ اگر بنو اسرائیل ختم ہو گئے تو جتنے ذلیل کام اور بے ہودہ خدمتیں حکومت ان سے لے رہی ہے، کہیں ہم سے نہ لینے لگے، تو دربار شاہی میں منصوبہ بنایا گیا اور یہ رائے قرار پائی کہ ایک سال پیدا ہونے والے بچے مار ڈالے جائیں اور دوسرے سال پیدا ہونے والے بچے قتل نہ کئے جائیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے تھے، جس سال بچوں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال بنی اسرائیل کے لڑکے عام طور پر مار ڈالے جاتے تھے، عورتیں گشت کرتی رہتی تھی اور حاملہ عورتوں کی خبر لیتی رہتی تھیں، ان کے نام لکھ لیے جاتے تھے، وضع حمل کے وقت یہ عورتیں پہنچ جاتی تھیں، اگر لڑکی پیدا ہوتی تو واپس چلی جاتی تھیں اور اگر لڑکا پیدا ہوتا تو فوراً جلادوں کو خبر کر دیتی تھیں۔

جلاد لوگ تیز چھرے لئے اسی وقت آجاتے تھے اور ماں باپ کے سامنے اسی وقت ان کے بچوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چلے جاتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا جب حمل ہوا تو عام حمل کی

طرح اس کا پتا نہ چلا اور جن عورتوں کی اس کام پر ڈیوٹی تھی اور جتنی دائیاں آتی تھیں کسی کو حمل کا پتہ نہ چلتا تھا، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا بھی ہو گئے، آپ کی والدہ سخت پریشان ہونے لگیں اور ہر وقت خوفزدہ رہنے لگیں اور اپنے بچے سے محبت بھی اتنی تھی کہ کسی ماں کو اپنے بچے سے اتنی محبت نہ ہو گی۔

ایک ماں پر ہی کیا موقوف اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ ہی ایسا بنایا تھا، کہ جس کی نظر پڑ جاتی تھی اس کے دل میں ان کی محبت بیٹھ جاتی تھی۔ جیسے جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے {وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي} (طٰهٰ: ۳۹) میں نے اپنی خصوصی محبت سے تمہیں نوازا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں ہر وقت پریشان اور خوف زدہ رہنے لگیں تو اللہ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ اسے دودھ پلاتی رہے اور خوف کے موقع پر انہیں دریائے نیل میں بہادے، جس کے کنارے پر ہی آپ کا مکان تھا۔ چنانچہ یہی کیا کہ ایک پیٹی کی طرح کا صندوق بنالیا، اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رکھ دیا، دودھ پلا دیا کرتیں اور اس میں سلا دیا کرتیں، جہاں کوئی ایسا ڈراؤنا موقع آیا تو اس صندوق کو دریا میں بہا دیتیں اور ایک ڈوری سے اسے باندھ رکھا تھا، خوف ٹل جانے کے بعد اسے کھینچ لیتیں۔

ایک مرتبہ ایک ایسا شخص گھر میں آنے لگا جس سے آپ کی ماں ڈر گئیں، دوڑ کر بچے کو صندوق میں لٹا کر دریا میں بہا دیا اور جلدی اور گھبراہٹ میں ڈوری باندھنی بھول گئیں، صندوق پانی کی موجوں کے ساتھ زور سے بہنے لگا اور فرعون کے محل کے پاس گزرا تو لونڈیوں نے اسے اٹھالیا اور فرعون کی بیوی کے پاس لے گئیں راستے میں انہوں نے اسے ڈر کے مارے کھولا نہ تھا کہ کہیں تہمت ان پر نہ لگ جائے جب فرعون کی بیوی کے پاس اسے کھولا گیا تو دیکھا کہ اس میں تو ایک نہایت خوبصورت نورانی چہرے والا صحیح سالم بچہ لیٹا ہوا ہے جسے دیکھتے ہی ان کا دل محبت سے بھر گیا اور اس بچہ کی پیاری شکل دل میں گھر کر گئی۔

اس میں بھی رب کی مصلحت تھی کہ فرعون کی بیوی کو راہ راست دکھائے اور فرعون کے سامنے اس کا ڈر لائے اور اسے اور اس کے غرور کو ڈھائے تو فرماتا ہے کہ آل فرعون نے اس صندوق کو اٹھالیا

اور انجام کار وہ ان کی دشمنی اور ان کے رنج وملال کا باعث ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی والدہ کے پاس پہنچنا

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے کیا گیا وعدہ کیسے پورا کیا؟

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ {۸} وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۫ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ {۹} وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ {۱۰} وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۚ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ {۱۱} وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ {۱۲} فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ {۱۳} القصص.

جواب ترجمہ: اس طرح فرعون کے لوگوں نے اس بچے (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا تاکہ آخر کار وہ ان کے لیے دشمن اور غم کا ذریعہ بنے۔ بیشک فرعون، ہامان اور ان کے لشکر بڑے خطار کار تھے۔ اور فرعون کی بیوی نے (فرعون سے) کہا کہ: یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو، کچھ بعید نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے، یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔ اور (یہ فیصلہ کرتے وقت) انہیں انجام کا پتہ نہیں تھا۔ ادھر موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار تھا۔ قریب تھا کہ وہ یہ سارا راز کھول دیتیں، اگر ہم نے ان کے دل کو سنبھالا نہ ہوتا، تاکہ وہ (ہمارے وعدے پر) یقین کیے رہیں۔ اور انہوں نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ: اس بچے کا کچھ سراغ لگاؤ۔ چنانچہ اس نے بچے کو دور سے اس طرح دیکھا کہ ان لوگوں کو پتہ نہیں چلا۔ اور ہم نے موسیٰ پر پہلے ہی سے یہ بندش لگادی تھی کہ وہ دودھ پلانے والیاں انہیں دودھ نہ پلا سکیں۔ اس لیے ان کی بہن نے کہا: کیا میں تمہیں ایسے گھر کا پتہ بتاؤں جس کے لوگ تمہارے لیے اس بچے کی پرورش کریں، اور اس کے خیر خواہ رہیں؟ اس طرح ہم نے

موسیٰ کو ان کی ماں کے پاس لوٹا دیا، تاکہ ان کی آنکھ ٹھنڈی رہے، اور وہ غمگین نہ ہوں، اور تاکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

خلاصہ تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے جب ان کو صندوقچہ میں ڈال کر دریا کے سپرد کر دیا تو بہت پریشان ہوئیں اور سوائے اللہ کے سچے رسول اور اپنے لخت جگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آپ کو کسی اور چیز کا خیال ہی نہ رہا، صبر و سکون جاتا رہا، دل میں سوائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یاد کے اور کوئی خیال ہی نہیں آتا تھا، اگر اللہ کی طرف سے ان کی دلجمعی نہ کر دی جاتی تو وہ تو بے صبری میں راز فاش کر دیتیں، لوگوں سے کہہ دیتیں کہ اس طرح میرا بچہ ضائع ہو گیا، لیکن اللہ نے اس کا دل مضبوط رکھا، ڈھارس بندھائے رکھی اور تسکین دے دی کہ تیرا بچہ تجھے ضرور ملے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنی بڑی بیٹی کو جو ذرا سمجھ دار تھیں فرمایا کہ بیٹی تم اس صندوق پر نظر جما کر کنارے کنارے چلی جاؤ دیکھو کیا انجام ہوتا ہے؟ مجھے بھی خبر کرنا تو یہ دور سے اسے دیکھتی ہوئی چلیں لیکن اس انجان پن سے کہ کوئی اور نہ سمجھ سکے کہ یہ اس کا خیال رکھتی ہوئی اس کے ساتھ جا رہی ہے، فرعون کے محل تک پہنچتے ہوئے اور وہاں اس کی لونڈیوں کو اٹھاتے ہوئے تو آپ کی ہمشیرہ نے دیکھا پھر وہیں باہر کھڑی رہ گئیں کہ شاید کچھ معلوم ہو سکے کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔

وہاں یہ ہوا کہ جب حضرت آسیہ نے فرعون کو اس کے خونی ارادے سے باز رکھا اور بچے کو اپنی پرورش میں لے لیا تو شاہی محل میں جتنی دائیاں تھیں سب کو بچہ دیا گیا، ہر ایک نے بشری محبت و پیار سے انہیں دودھ پلانا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ کا امر ایسا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہ پیا، آخر اپنی لونڈیوں کے ہاتھوں اسے باہر بھیجا کہ کسی دایہ کو تلاش کرو، جس کا دودھ یہ پی لے، اس کو لے آؤ۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا کہ یہ اپنی والدہ کے سوا کسی اور کا دودھ پیئے اور اس میں سب سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ اس بہانے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ماں تک پہنچ جائیں۔ لونڈیاں آپ کو لے کر جب باہر نکلیں تو آپ کی بہن نے آپ کو پہچان لیا لیکن ان پر ظاہر نہ کیا اور نہ خود انہیں کوئی پتہ چل

سکا، آپ کی بہن تو پہلے بہت پریشان تھی لیکن اس کے بعد اللہ نے انہیں صبر وسکون دے دیا اور وہ خاموش اور مطمئن تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے ان کو کہا کہ تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ انہوں نے کہا یہ بچہ کسی دائیہ کا دودھ نہیں پیتا اور ہم اس کے لئے دایہ کی تلاش میں ہیں۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے فرمایا اگر تم کہو تو تمہیں ایک دائی کا پتہ دوں؟ ممکن ہے بچہ ان کا دودھ پی لے اور اس کی پرورش کریں اور اس کی خیر خواہی کریں۔

یہ سن کر انہیں کچھ شک گزرا کہ یہ لڑکی اس لڑکے کی اصلیت ہے اور اس کے ماں باپ سے واقف ہے اسے گرفتار کر لیا اور پوچھا تمہیں کیا معلوم کہ وہ عورت اس کی کفالت اور خیر خواہی کرے گی؟ اس نے فوراً جواب دیا سبحان اللہ، کون نہ چاہے گا کہ شاہی دربار میں اس کی عزت ہو، انعام واکرام کی خاطر کون اس سے ہمدردی نہ کرے گا، ان کی سمجھ میں بھی آگیا کہ ہمارا پہلا گمان غلط تھا، یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے، اسے چھوڑ دیا اور کہا اچھا چل اس کا مکان دکھا، یہ انہیں لے کر اپنے گھر لے آئیں اور اپنی والدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا، انہیں دیجئے۔

سرکاری آدمیوں نے بچہ انہیں دیا تو بچہ دودھ پینے لگا، فوراً یہ خبر حضرت آسیہ کو دی گئی، وہ یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور انہیں اپنے محل میں بلوایا اور بہت کچھ انعام واکرام کیا، لیکن یہ علم نہ تھا کہ فی الواقع یہی اس بچے کی والدہ ہیں، فقط اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا دودھ پیا تھا، وہ ان سے بہت خوش ہوئیں، کچھ دنوں تک تو یونہی کام چلتا رہا، آخر کار ایک روز حضرت آسیہ نے فرمایا، میری خوشی ہے کہ تم محل میں آجاؤ، یہیں رہو سہو اور اسے دودھ پلاتی رہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جواب دیا کہ یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا، میں بال بچے دار ہوں، میرے میاں بھی ہیں، میں انہیں دودھ پلا دیا کروں گی، پھر آپ کے ہاں بھیج دیا کرونگی، یہ طے ہوا اور اس پر فرعون کی بیوی بھی رضامند ہو گئیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا خوف امن سے، فقیری امیری سے، بھوک آسودگی سے، دولت

وعزت میں بدل گئی۔ روزانہ انعام واکرام پاتیں، کھانا، کپڑا، شاہی طریق پر ملتا اور اپنے پیارے بچے کو اپنی گود میں پالتیں، ایک ہی رات یا ایک ہی دن یا ایک دن ایک رات کے بعد ہی اللہ نے ان کی مصیبت کو راحت سے بدل دیا۔ (ابن کثیر)

پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور اسے اپنے بچے کا صدمہ نہ رہے۔ اور وہ اللہ کے وعدوں کو بھی سچا سمجھے اور یقین مان لے کہ وہ ضرور نبی اور رسول بھی ہونے والا ہے، اب آپ کی والدہ اطمینان سے آپ کی پرورش میں مشغول ہو گئیں اور اسی طرح پرورش کی جس طرح ایک بلند درجہ نبی کی ہونی چاہیے۔

اللہ کی حکمتوں اور قدرتوں کو کوئی پا نہیں سکتا، وہ اپنے وعدے پورے کرتا ہے، وہ اپنی قدرت کی کاریگریاں دکھاتا ہے، اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا، اس واقعہ کو بار بار پڑھا جائے اور اس پر غور کیا جائے کہ اللہ کاموں کی تدبیر کس طرح کرتا ہے، قرآن کریم میں اس واقعہ کو بڑے اچھوتے اور البیلے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قبطی کا قتل

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ {۱۴} وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۚ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۚ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ {۱۵} قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ {۱۶} قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ {۱۷} فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ {۱۸} فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ

إِنْ تُرِيْدُ إِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ {١٩} وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ {٢٠} فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ {٢١} القصص.

جواب ترجمہ: اور جب موسیٰ اپنی بھری جوانی کو پہنچے اور پوری طرح درست ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور اچھا کام کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور وہ ایسے وقت میں شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے لوگ غافل تھے سو اس میں دو مردوں کو پایا جو آپس میں لڑتے تھے، سو جو شخص ان کی جماعت میں سے تھا اس نے ان سے اس شخص کے مقابلہ میں مدد طلب کی جو ان کے دشمنوں میں سے تھا۔ سو موسیٰ نے اس کو گھونسا مار دیا۔ سو اس کا کام تمام کر دیا۔ موسیٰ نے کہا یہ شیطانی حرکت ہے بلاشبہ وہ دشمن ہے گمراہ کرنے والا ہے واضح طور پر۔ موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب بلاشبہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ سو آپ میری مغفرت فرما دیجیے۔ سو اللہ نے ان کو بخش دیا۔ بلاشبہ وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب اس سبب سے کہ آپ نے مجھ پر انعام فرمایا۔ سو میں ہرگز بھی مجرمین کی مدد کرنے والا نہیں بنوں گا۔ پھر صبح کے وقت وہ شہر میں ڈرتے ڈرتے حالات کا جائزہ لے رہے تھے، اتنے میں دیکھا کہ جس شخص نے کل ان سے مدد مانگی تھی وہ پھر انہیں فریاد کے لیے پکار رہا ہے۔

موسیٰ نے اس سے کہا کہ: معلوم ہوا کہ تم تو کھلم کھلا شریر آدمی ہو۔ پھر جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑیں جو ان دونوں کا دشمن تھا تو وہ اسرائیلی شخص بول اٹھا کہ اے موسیٰ! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ مجھے قتل کر دو جیسا کہ کل تو نے ایک شخص کو قتل کیا ہے بس تم یہی چاہتے ہو کہ زمین میں اپنا زور بٹھلاتے رہو اور اصلاح کرنے والوں میں سے نہیں ہونا چاہتے۔ اور ایک شخص شہر کے دور والے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا کہ اے موسیٰ بلاشبہ بات یہ ہے کہ اہل دربار آپ کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں۔ لہٰذا آپ نکل جائیں بلاشبہ میں آپ کی بھلائی چاہنے

والوں میں سے ہوں۔ سو وہاں سے ڈرتے ہوئے انتظار کرتے ہوئے نکل گئے۔ کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! مجھے ظالم قوم سے نجات دیجیے۔

خلاصہ تفسیر: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پچیس تیس سال کے کڑیل جوان یعنی جسمانی، عقلی اور قلبی اعتبار سے متوازن شخصیت بن کر ابھرے تو شاہی محل میں پرورش پانے کیوجہ سے چہرے پر رعب اور گفتگو میں ایک خاص وقار جھلکتا نظر آتا تھا، وہ اکثر بنی اسرائیل کی بستیوں میں تشریف لے جاتے اور اپنی آنکھوں سے حکمران طبقے قبطیوں کے ظلم وستم کو دیکھتے تھے، ایک دن جب سڑکیں ویران اور سنسان پڑی ہوئی تھیں تو آپ نے دیکھا کہ ایک قبطی جو فرعون کے باورچیوں میں سے تھا اور ایک اسرائیلی آپس میں ایک دوسرے سے مار پیٹ کر رہے ہیں۔

جب اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آتے دیکھا تو اس نے قبطی کے ظلم وزیادتی سے بچنے کے لئے ان سے فریاد کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو سمجھانے اور بیچ بچاؤ کرنے کی کوشش کی مگر اس قبطی پر اپنی برتری کا جنوں سوار تھا۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں بھی گستاخانہ انداز اختیار کیا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت تحمل اور برداشت سے کام لیا اور ایک دوسرے کو چھڑانے میں قبطی کے ایک گھونسا مارا تو وہ اس گھونسے کی تاب نہ لا کر مر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت افسوس ہوا کیونکہ ان کا مقصد قبطی کو تنبیہ کرنا تھا قتل کرنا نہیں تھا۔ (تفسیر بصیرت قرآن)

ان کے ایک ہی گھونسے سے قبطی مارا گیا تھا تو اگلے دن صبح کو ایک انجانے خوف سے پریشان شہر کی طرف نکلے، آپ نے دیکھا کہ وہی اسرائیلی شخص جس نے گذشتہ کل اپنی مدد کے لئے پکارا تھا وہ کسی دوسرے آدمی سے الجھ رہا ہے۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو پھر فریاد کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ جھگڑالو آدمی ہے جو ہر ایک سے لڑتا پھرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی مدد کرنے کی بجائے اس اسرائیلی کو زبردست ڈانٹ پلائی کہ تو بڑا ہی برا آدمی ہے جو لوگوں سے جھگڑتا پھرتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اسرائیلی کو اس شخص سے علیحدہ کرنے کے لئے جو ہاتھ بڑھایا تو وہ اسرائیلی کہنے لگا کہ اے موسیٰ علیہ السلام کیا تم مجھے اسی طرح قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح

گذشتہ کل تم نے ایک قبطی کو قتل کر دیا تھا ایسا لگتا ہے کہ تم اس سرزمین پر اپنا زور چلانا چاہتے ہو اور باہمی صلح اور ملاپ کرانا نہیں چاہتے۔

جب اسرائیلی کے منہ سے یہ نکلا تو پورے شہر میں اس کا چرچا ہو گیا کہ گزشتہ کل جس قبطی کا خون ہوا تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔ بات فرعون تک پہنچ گئی۔ اس نے سارے درباریوں کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ طے پایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلا کر ان سے اس خون کا بدلہ لیا جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک خیر خواہ جو اس پوری کارروائی کو سن رہا تھا وہ شہر کے دوسرے سرے سے دوڑتا ہوا آیا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اے موسیٰ علیہ السلام! فرعون کے دربار میں تمہارے قتل کے منصوبے بن رہے ہیں تم فوراً یہاں سے کہیں دور نکل جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو پہلے ہی سے ان حالات کا اندازہ کر چکے تھے۔ وہ اسی خوف کی حالت میں ایک طرف روانہ ہو گئے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کا رخ کس طرف ہے اس لئے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا الٰہی مجھے ان ظالموں سے بچا لیجئے (اور سیدھا راستہ عطا فرما دیجئے) اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین پہنچ گئے۔ (تفسیر بصیرت قرآن)

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کیسے پہنچے؟

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونی سلطنت سے نکل کر مدین کی سرزمین پر کیسے پہنچے؟

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ {۲۲} وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۖ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۭ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ {۲۳} فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ {۲۴} فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۡ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ {۲۵} قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ {۲۶} قَالَ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ

اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ {۲۷} قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ {۲۸} القصص.

جواب ترجمہ: اور جب موسیٰ نے مدین کی طرف توجہ کی تو یوں کہا کہ امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا راستہ چلا دے گا۔ اور جب مدین کے پانی پر پہنچے تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو دیکھا جو پانی پلا رہے تھے اور وہاں دو عورتوں کو دیکھا جو ان لوگوں سے رک رہی تھیں موسیٰ نے پوچھا تم دونوں کا کیا حال ہے؟ وہ دونوں کہنے لگیں کہ ہم اس وقت تک پانی نہیں پلاتے جب تک کہ چرواہے واپس نہ لے جائیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں۔

سو موسیٰ نے ان کے لیے پانی پلا دیا، پھر سایہ کی طرف ہٹ گئے، پھر یوں کہا کہ اے میرے رب آپ جو کچھ میرے لیے نازل فرمائیں میں اس کا محتاج ہوں۔ سو ان عورتوں میں سے ایک عورت موسیٰ کے پاس آئی جو چلتے ہوئے شرما رہی تھی اس نے کہا بلاشبہ میرے والد تم کو بلا رہے ہیں تاکہ تمہیں اس کا صلہ دیں جو تم نے ہمارے لیے پانی پلایا، پس جب موسیٰ ان کے پاس آئے اور ان کو واقعات سنائے تو انہوں نے کہا کہ خوف نہ کرو تم ظالم قوم سے نجات پا گئے ہو۔

ان دونوں عورتوں میں سے ایک کہنے لگی کہ ابا جی! آپ اس شخص کو مزدوری پر رکھ لیجیے بیشک جس کسی کو آپ مزدوری پر رکھیں ان میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قوی ہو امانت دار ہو۔ شیخ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم سے اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کا نکاح کر دوں اس شرط پر کہ تم میرے پاس آٹھ سال نوکری کے طور پر عمل کرو۔

سو اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے ہو گا اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تم پر مشقت ڈالوں، انشاء اللہ تم مجھے صالحین میں سے پاؤ گے۔ موسیٰ نے کہا کہ یہ معاملہ ہے میرے اور آپ کے درمیان، میں دونوں مدتوں میں سے جو نسی مدت پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو گی اور جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر وکیل ہے۔

خلاصہ تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو فرعون کے منصوبہ سے آگاہ کرنے کے لیے حزقیل نامی شخص آکر ملا، جس نے اندرونی ساری رپورٹ موسیٰ علیہ السلام کو دی تو انہوں نے یہاں سے کوچ کرنا مناسب سمجھا، فرعونی سرزمین کو چھوڑ دیا، اب راستہ معلوم نہ تھا کس سمت جانا ہے، کہاں جان کی امان مل سکتی ہے؟ راہنمائی کے لیے اللہ سے دعا کی، اللہ نے راہ سجھائی، چنانچہ آپ مدین کے چشمے پر پہنچے، جہاں لوگوں کا ایک گروہ دیکھا جو اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے، ان لوگوں سے ہٹ کر کچھ فاصلے پر دو لڑکیوں پر نظر پڑی جو ان لوگوں سے دور کھڑی تھیں، اپنی بکریوں کو پانی سے دور روکے ہوئے تھیں، چونکہ وہ مردوں کے اندر گھس کر اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلانا چاہتی تھیں، وہ اس انتظار میں تھیں کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر یہاں سے نکلیں تو وہ اپنی بکریوں کو پانی پلائیں، جب حضرت موسیٰ نے انہیں دیکھا تو ان کے لیے دل میں بڑی نرمی پیدا ہو گئی، پھر ان سے پوچھا کہ تمہارا کیا معاملہ ہے؟

ان لڑکیوں نے کہا کہ ہم مردوں کی مزاحمت کا سامنا نہیں کر سکتیں، اور نہ ہی اس وقت تک اپنے جانوروں کو پانی پلا سکتی ہیں جب تک یہ لوگ نہ پلا لیں، ہمارے والد بوڑھے ہیں، وہ اپنے ضعف اور پیرانہ سالی کے باعث خود اپنے جانوروں کو لے جا کر پانی نہیں پلا سکتے، ان کی جگہ یہ کام ہمیں ہی کرنا پڑتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لڑکیوں کے جانوروں کو پانی پلوایا، پھر آپ ایک سایہ دار درخت کے نیچے چلے گئے، موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت سخت بھوک نے ستایا ہوا تھا، ازالہ بھوک کے لیے دعا مانگ رہے تھے، ایک تفسیر کے مطابق یوں بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاؤں میں جوتی نہ تھی، یہ سارا سفر انہوں نے ننگے پاؤں طے کیا تھا، جس کے باعث ان کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔

یہ لڑکیاں حضرت شعیب علیہ السلام کی تھیں، انہوں نے گھر میں جا کر یہ قصہ سنایا، تو ان دو میں سے ایک لڑکی اپنے والد کا پیغام لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچی کہ ہمارے والد صاحب آپ کو بلا رہے ہیں، وہ آپ کو اس کام کی اجرت دینا چاہتے ہیں کہ آپ نے ہمارے مویشیوں کو پانی پلایا، یوں موسیٰ علیہ السلام کی وہ دعا قبول ہوئی جو آپ مانگ رہے تھے۔

ایک تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی یہ بیٹی جو حضرت موسیٰ کو بلانے کے لیے آئی تھی اس نے اپنی آستین کے ساتھ اپنا منہ چھپایا ہوا تھا، اتنی حیادار لڑکی تھی، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بچی کے ہمراہ حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت پر چل پڑے۔

حضرت موسیٰ شعیب علیہ السلام کے پاس مدین میں پہنچ گئے، یہاں پہنچ کر اپنے سفر کی داستان شعیب علیہ السلام کو سنائی، فرعونی دیس میں کیا ہوا اس کی منظر کشی بھی کی، حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں تسلی دی کہ خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں، آپ ظالم لوگوں کے اندر سے نکل آئے ہیں، یہاں ان کی حکومت کا سکہ نہیں چلتا، یہاں ان کے عملداری نہیں ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی دو بیٹیوں نے اپنے والد صاحب سے کہا کہ اے اباجان! ان کو اپنی بکریوں کے لیے اجرت پر رکھ لیجیے، تاکہ وہ آپ کی بکریاں چرائیں، یہ مضبوط آدمی ہے، بکریوں کی اچھی طرح حفاظت کرے گا اور امانت دار بھی ہے، اس سے خیانت کاری کا کسی طرح خوف اور ڈر نہیں ہے، ایک تفسیر کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی سے پوچھا کہ تجھے اس کی امانت داری اور طاقت کا اندازہ کیسے ہوا؟ تو اس نے بتایا کہ مدین کے چشمے پر جس چٹان کو اس شخص نے اپنے ایک ہاتھ سے ہٹایا تھا وہ دس آدمی مل کر ہٹاتے تھے، پھر اس کی امانت داری کا یہ عالم ہے کہ یہ چلتے راستے میں پیچھے ہو کر نہیں چلا بلکہ ہم سے آگے آگے چلتا رہا، اس نے ہمیں مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں، اس شرط پر کہ آپ میری بکریاں آٹھ سال تک چرائیں، اگر آپ دس سال یہ خدمت سرانجام دیں تو آپ کی طرف سے یہ احسان ہو گا، لیکن میں آپ کو دس سال کی مشقت پر مامور نہیں کر سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ ہمیں نیک لوگوں میں سے پائیں گے، ہم اچھے طریقے سے آپ کے ساتھ رہیں گے اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے پورا کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، آپ کے اور میرے درمیان جو معاملہ بھی طے پا جائے گا میں اسے پورا کروں گا، لیکن میں اس سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کیا جاؤں گا، جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر ہمارا

کارساز ہے، نگہبان ہے وہ ہمیں دیکھ رہا ہے، وہ اس معاہدے کو جانتا ہے جو ہم کر رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر کی طرف واپسی

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر کی طرف واپسی اور اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ کلام کرنے کا واقعہ کیا ہے؟ ان آیات کی روشنی میں بتایئے۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ {۲۹} فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ {۳۰} وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۡ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ {۳۱} القصص.

جواب ترجمہ: پھر جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور اپنے اہل کو لے کر روانہ ہوئے تو طور کی جانب سے آگ کو محسوس کیا۔ اپنی اہلیہ سے کہا کہ تم ٹھہرو بیشک میں نے ایک آگ دیکھی ہے امید ہے کہ میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لے آؤں یا آگ کا انگارہ لے آؤں تاکہ تم تاپ لو۔ سو جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو اس میدان کی داہنی جانب سے اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! بیشک میں اللہ ہوں رب العالمین ہوں۔ اور یہ کہ تم اپنی لاٹھی کو ڈال دو سو جب انہوں نے دیکھا کہ وہ اس طرح حرکت کر رہی ہے کہ گویا وہ سانپ ہے تو پشت پھیر کر پلٹ گئے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ اے موسیٰ آگے آؤ اور مت ڈرو بیشک تم امن والوں میں سے ہو۔

خلاصہ تفسیر: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں گزارے، تو اس کے بعد اپنے گھر والی کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے، جہاں انہوں نے کوہ طور کی ایک جانب روشن آگ دیکھی، تو اپنی گھر والی سے کہنے لگے تم یہاں ٹھہرو اور انتظار کرو، میں نے آگ دیکھی ہے، میں وہاں جاتا ہوں، تمہارے لیے کوئی خبر لاتا ہوں اور آگ کا کوئی شعلہ تاکہ تم آگ تاپ سکو۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے قریب پہنچے تو وادی ایمن سے اللہ تعالیٰ نے پکارا، اس بقعہ مبارکہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے آواز آئی، کہ اے موسیٰ! میں اللہ ہوں، جہانوں کا پروردگار، اپنا عصا پھینک دے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے عصا پھینک دیا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھنکا تو وہ دوڑتا سانپ بن گیا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھا تو پریشان ہوگئے، موسیٰ علیہ السلام اسے دیکھ کر ڈر کے مارے بھاگنے لگے، ڈر کی وجہ سے اس کی طرف توجہ ہی نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے انہیں آواز دی کہ اے موسیٰ! میری طرف متوجہ ہو جاؤ، ڈرو نہیں، آپ ہر ناپسندیدہ چیز سے محفوظ ہوں گے۔

معجزات موسوی، نصرت الٰہی، فرعون کی ہٹ دھرمی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ {۳۲} قَالَ رَبِّ اِنِّىْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ {۳۳} وَاَخِىْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّىْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِىَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِىْٓ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ {۳۴} قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ {۳۵} فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِىْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ {۳۶} وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّىْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ {۳۷} القصص

جواب ترجمہ: اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کر وہ بغیر کسی مرض کے سفید ہو کر نکلے گا، اور اپنے ہاتھ کو بوجہ خوف کے اپنے بازو سے ملا لو۔ سو تمہارے رب کی طرف سے یہ دو دلیلیں ہیں فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، بلاشبہ وہ نافرمان لوگ ہیں۔ موسیٰ نے کہا کہ اے رب بیشک میں نے ان میں سے ایک جان کو قتل کر دیا تھا سو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں۔ اور میرے بھائی ہارون زبان

کے اعتبار سے مجھ سے زیادہ فصیح ہیں سو آپ ان کو میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دیجیے کہ وہ میری تصدیق کریں، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں۔

فرمایا ہم عنقریب تمہارا بازو تمہارے بھائی کے ذریعہ مضبوط کر دیں گے تم دونوں کو ایک خاص شوکت عطا کریں گے جس سے وہ لوگ تم دونوں تک نہ پہنچ سکیں گے تم دونوں ہمارے معجزے لے کر جاؤ تم دونوں اور جو شخص تمہارا اتباع کرے گا، غالب رہو گے۔

پھر جب ان کے پاس موسیٰ ہماری واضح آیات کے ساتھ آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو محض ایک جادو ہے جو افتراء کیا گیا ہے، اور ہم نے یہ بات اپنے پہلے باپ دادوں میں نہیں سنی۔

اور موسیٰ نے کہا کہ میرا رب اس شخص کو خوب خوب جانتا ہے جو اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا، اور اسے بھی خوب جانتا ہے جس کا دار آخرت میں اچھا انجام ہو گا۔ بلاشبہ بات یہ ہے کہ ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوتے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصبِ نبوت عطا کرتے وقت دیے جانے والے عظیم معجزات، ان کو لاحق فطری خوف اور پھر ربانی نصرت و تسلی کا نہایت ایمان افروز انداز میں ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالیں، وہ بغیر کسی بیماری یا عیب کے چمکتا ہوا سفید نکل آئے گا اور جب خوف محسوس ہو تو اپنا بازو اپنے جسم سے ملا لیں تاکہ دل کو اطمینان حاصل ہو، یہ دونوں نشانیاں، عصا کا اژدہا بن جانا اور ہاتھ کا چمکنے لگ جانا، فرعون اور اس کے سرداروں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی واضح حجتیں قرار دی گئیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھ سے ان کے ایک آدمی کا قتل خطا سے ہو چکا ہے، اس لیے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل نہ کر دیں اور مزید یہ کہ میرے بھائی ہارون علیہ السلام زبان و بیان میں مجھ سے زیادہ فصیح ہیں، لہٰذا انہیں میرا معاون اور تصدیق کرنے والا بنا کر بھیجا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے نہایت شفقت سے جواب دیا کہ ہم تمہارے بھائی کے ذریعے تمہاری قوت کو مضبوط کریں گے، تم دونوں کو ایسی حجت، غلبہ اور حفاظت عطا کریں گے کہ فرعون اور اس کے لشکر تم تک پہنچ نہ سکیں گے، بلکہ بالآخر تم اور تمہارے پیروکار ہی غالب رہو گے۔

چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام روشن معجزات لے کر فرعون کے دربار میں پہنچے تو اس نے حق کو قبول کرنے کے بجائے انہیں من گھڑت جادو قرار دیا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے نہایت اعتماد اور یقین کے ساتھ فرمایا کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ ہدایت لے کر کون آیا ہے اور انجامِ خیر کس کے حصے میں آئے گا، کیونکہ ظلم اور تکبر اختیار کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

یوں ان آیات میں یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو حق کے لیے منتخب فرماتا ہے تو اسے دلائل، معجزات، معاونین اور اپنی خاص نصرت سے نوازتا ہے، جبکہ باطل پرست لوگ اپنی ہٹ دھرمی میں حق کو جادو اور فریب کہہ کر رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر انجامِ کار غلبہ ہمیشہ اہلِ حق ہی کو حاصل ہوتا ہے۔

فرعون کا غرور، انجام سرکشی اور حقانیت قرآن کریم

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ {۳۸} وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ {۳۹} فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ {۴۰} وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ {۴۱} وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ {۴۲} وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ {۴۳} وَمَا كُنْتَ

بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ {۴۴} وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ {۴۵} وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ {۴۶} وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ {۴۷} القصص

جواب ترجمہ: اور فرعون نے کہا کہ اے میرے درباریو! میں تمہارے لیے اپنے علاوہ کوئی معبود نہیں جانتا سو اے ہامان تو میرے لیے مٹی پر آگ جلا دے سو میرے لیے ایک محل بنا دے تاکہ میں موسیٰ کے معبود کو دیکھوں، اور بلاشبہ میں اسے جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں۔ سو اس نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹیں گے۔ سو ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا سو انہیں سمندر میں پھینک دیا۔ سو اے مخاطب دیکھ لے ظالموں کا کیسا انجام ہوا۔ اور ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا اور جو آگ کی طرف دعوت دیتے رہے اور قیامت کے دن ان کی مدد نہ کی جائے گی۔ اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن قباحت والوں میں سے ہوں گے۔ اور اس کے بعد کہ ہم نے اگلی امتوں کو ہلاک کر دیا تھا ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کے لیے بصیرتوں کا ذریعہ تھی اور سراپا ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اور آپ مغربی جانب میں نہیں تھے جبکہ ہم نے موسیٰ کو احکام دیئے اور آپ مشاہدہ کرنے والے نہ تھے۔ اور لیکن ہم نے بہت سی جماعتوں کو پیدا کیا پھر ان پر دراز زمانہ گزر گیا، اور آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے، آپ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور لیکن ہم ہی رسول بنانے والے ہیں۔ اور آپ طور کی جانب نہ تھے جب ہم نے آواز دی، اور لیکن آپ کے رب کی طرف سے آپ پر رحمت ہوئی۔ تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اور ہم رسول نہ بھیجتے، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کے اعمال کی وجہ سے

ان پر مصیبت آجاتی تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے رب ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تاکہ ہم آپ کی آیتوں کا اتباع کرلیتے اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں فرعون کے انتہائی تکبر، اس کے انجامِ ہلاکت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی کتابِ تورات، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے، فرعون نے اپنی قوم کے سرداروں سے مخاطب ہو کر غرور و سرکشی کے عالم میں کہا کہ میں اپنے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں جانتا، پھر اس نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ مٹی کو پکا کر ایک بلند محل تعمیر کرے تاکہ وہ اس پر چڑھ کر موسیٰ علیہ السلام کے معبود کو دیکھ سکے۔

حقیقت یہ تھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا سمجھتا اور اپنی بادشاہت کے نشے میں حق کو تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہ تھا علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکروں نے زمین میں ناحق تکبر کیا، آخرت اور حساب و کتاب کا انکار کیا اور یہ گمان کر بیٹھے کہ انہیں کبھی اللہ کی بارگاہ میں لوٹ کر نہیں جانا پڑے گا۔

مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے غرور کا انجام یہ کیا کہ فرعون اور اس کے تمام لشکروں کو سمندر میں غرق کر دیا اور یوں ظالموں کا انجام دنیا کے سامنے عبرت کا نشان بن گیا، وہ لوگ جنہیں دنیا میں قوت و اقتدار حاصل تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہی کے پیشوا بنا دیا کہ وہ لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے رہے اور قیامت کے دن بھی انہیں کوئی مددگار نصیب نہ ہو گا، بلکہ ان پر دنیا کی رسوائی کے ساتھ آخرت کا دائمی عذاب بھی مسلط ہو گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کرنے کا ذکر فرمایا، جو پچھلی امتوں کی ہلاکت کے بعد انسانوں کے لیے بصیرت، ہدایت اور رحمت بن کر نازل ہوئی، تاکہ لوگ حق کو پہچانیں، اللہ کی نعمتوں کو یاد کریں اور ایمان اختیار کریں۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی حقانیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ نہ تو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طور کے مغربی کنارے پر موجود تھے، نہ مدین میں رہتے تھے اور نہ ہی ان واقعات کے چشم دید گواہ تھے، اس کے باوجود آپ ان تمام واقعات کو پوری سچائی اور تفصیل کے ساتھ بیان کر رہے ہیں، یہ

اس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعے آپ کو بتایا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا کہ بہت سی نسلیں گزر جانے کے باعث لوگ ہدایت کے عہد کو بھول چکے تھے، اس لیے اللہ نے اپنی رحمت سے رسولِ اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا تھا اور اگر بغیر رسول بھیجے ان پر عذاب نازل کر دیا جاتا تو وہ قیامت کے دن یہ عذر پیش کرتے کہ ہمارے پاس کوئی ہدایت پہنچانے والا نہیں آیا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت مکمل کرنے اور انسانوں پر اتمامِ دلیل کے لیے اپنے آخری رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا، تاکہ حق واضح ہو جائے اور کسی کے لیے انکار و معذرت کی گنجائش باقی نہ رہے۔

کفار کے خانہ ساز اعتراضات

سوال ان آیات کریمات کی تفسیر کیجیے

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ۭ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۡ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ {۴۸} قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ {۴۹} فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۭ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ {۵۰} القصص.

جواب ترجمہ: سو جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آگیا تو کہنے لگے کہ اس شخص کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ کو ملی تھی، کیا اس سے پہلے لوگوں نے اس چیز کے ساتھ کفر نہیں کیا جو موسیٰ کو دی گئی کہنے لگے یہ دونوں جادوگر ہیں۔ دونوں نے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معاہدہ کرلیا ہے اور کہنے لگے کہ ہم تم دونوں میں سے کسی کو نہیں مانتے۔ آپ فرمادیجیے کوئی کتاب لے آؤ جو اللہ کی طرف سے ہو جو ہدایت کرنے میں ان دونوں سے بہتر ہو اگر تم سچے ہو۔ سو وہ اگر آپ کی بات قبول نہ کریں تو آپ جان لیجیے کہ وہ اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی طرف سے ملنے والی ہدایت کے بغیر اپنی نفسانی خواہشوں کا اتباع کرتا ہو۔ بلاشبہ اللہ ظالم

قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

خلاصہ تفسیر: جب حضرت نبی کریم ﷺ ان لوگوں کو ڈرانے کے لیے مبعوث کیے گئے تو انہوں نے کہا کہ ان کو اگر ہماری طرف نبی ورسول بنا کر بھیجا گیا ہے تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ انہیں اس طرح حسی معجزات دیے جاتے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے، جس طرح انہیں لکھی لکھائی تختیاں دی گئی تھیں انہیں ایک ہی بار کوئی کتاب کیوں نہ دے دی گئی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے رسول مکرم! ان سے پوچھ لیجیے کہ کیا اس سے پہلے یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انکار نہیں کیا تھا؟ وہ کہنے لگے کہ تورات اور قرآن دونوں جادو پر مشتمل کتابیں ہیں، جنہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ جادو ہونے میں تعاون کر رکھا ہے، وہ کہنے لگے کہ ہم ان دونوں کا انکار کرتے ہیں۔

اللہ نے فرمایا کہ اے رسول مکرم! ان سے کہہ دیجیے، کہ اگر تم اپنے زعم وخیال میں سچے ہو تو پھر اللہ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو تورات اور قرآن کریم سے زیادہ مضبوط اور سیدھی ہو میں اس کی پیروی اور اتباع کروں گا، اگر وہ کتاب لانے کے بارے میں کوئی جواب نہ دیں، تو پھر ان کے لیے کوئی دلیل اور حجت باقی نہ رہی، پھر آپ سمجھ لیجیے کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے ہیں، اور جو اللہ کی طرف سے دی گئی ہدایت کو چھوڑ کر محض خواہشات کی پیروی کرتا ہے اس سے بڑا گمراہ کوئی نہیں ہے، اللہ ایسی ذات ہے جو ان ظالموں کو جو اللہ کے اوامر کی مخالفت کرنے والے ہیں، اس کی حدود کو پھلانگنے والے ہیں درست راستے کی توفیق ہی نہیں دیتا۔

قرآن کریم یکبارگی نازل نہ کرنے کی وجہ؟

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ بتائیں، نیز بتائیں کہ یہاں وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ کا کیا مطلب ہے؟

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ {۵۱}القصص

جواب ترجمہ: اور ہم نے اس کلام کو ان لوگوں کے لیے مسلسل بھیجا تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

خلاصہ تفسیر: قرآن کریم ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ اس کی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ

اس میں تم لوگوں ہی کا فائدہ مقصود تھا کہ ہر موقع پر اس کے مناسب ہدایات دی جاسکیں اور ایک کے بعد ایک ہدایات دے کر تمہیں اس بات کو موقع دیا جائے کہ تم کسی بات کو تو قبول کرلو۔(توضیح القرآن للشیخ تقی عثمانی)

وَصَّلنَا: توصیل سے مشتق ہے جس کے اصل لغوی معنٰی رسی کے تاروں میں اور تار ملا کر اس کے مضبوط کرنے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ قرآن حکیم میں حق تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کا سلسلہ یکے بعد دیگرے جاری رکھا اور بہت سے نصیحت کے مضامین کا بار بار تکرار بھی کیا گیا تاکہ سننے والے متاثر ہوں۔(معارف القرآن)

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وصلنا، کا ترجمہ، بینا، سے کیا ہے، ہم نے اس کو کھول کر بیان کر دیا، یعنی بعض آیات دوسری آیت کے مضمون کو کھول کر بیان کرنے والی ہیں۔ فراء رحمہ اللہ نے کہا کہ یعنی ہم نے قران کی آیات یکے بعد دیگرے اتاریں۔ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا کہ اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار بیان کیا ہے کہ گزشتہ لوگوں سے کیا سلوک کیا گیا۔ مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ہم نے کفار مکہ کے لیے قرآن میں گزشتہ امتوں کے واقعات بیان کیے اور بتادیا کہ تکذیب وکفر کی وجہ سے ان پر عذاب آئے گا۔ ابن زید نے کہا کہ ہم نے خبر دنیا کے ساتھ خبر آخرت کو ملالیا، اس قدر کہ گویا انہوں نے دنیا میں آخرت کا معائنہ کرلیا۔

دوہرے اجر کے مستحقین

سوال وہ کون لوگ ہیں جن کو دگنا اجر وثواب دیا جائے گا؟ قرآنی آیات کی روشنی میں بتایئے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ {۵۲}وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ {۵۳}اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ{۵۴}وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ {۵۵} القصص.

جواب ترجمہ: جن کو ہم نے قرآن سے پہلے آسمانی کتابیں دی ہیں، وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں، اور جب وہ ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ: ہم اس پر ایمان لائے، یقیناً یہ برحق کلام ہے جو ہمارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے۔ ہم تو اس سے پہلے بھی اسے مانتے تھے۔ ایسے لوگوں کو ان کا ثواب دہرا دیا جائے گا، کیونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا اور وہ نیکی سے برائی کا دفعیہ کرتے ہیں، اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے، اس میں سے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں۔ اور جب لغویات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، ہم تم کو سلام کرتے ہیں ہم جاہلوں سے بات کرنا نہیں چاہتے

خلاصہ تفسیر: جن لوگوں کو قرآن کریم کے نزول سے پہلے کتابیں دی گئیں، یعنی یہود و نصاریٰ، انہوں نے اپنے انبیاء کی اطاعت کی، ان پر ایمان لائے، ان پر نازل ہونے والی کتابوں پر ایمان لائے، پھر حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا، تو حضرت نبی کریم ﷺ پر بھی ایمان لے آئے، قرآن کریم پر بھی ایمان لے آئے، ان اہل کتاب پر جب قرآن کریم کی تلاوت کی گئی تو پکار اٹھے کہ ہم اس کتاب کو سچا جانتے ہیں، ہم جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرتے ہیں، یہ ہمارے پروردگار کی طرف سے سچی کتاب ہے، ہم اس کے نزول سے پہلے مسلمان ہی تھے، ہم موحد ہی تھے، اللہ تعالیٰ کا دین ایک ہی ہے جسے اسلام کہتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی صفت بیان کی گئی، ان لوگوں کو دہرا اجر دیا جائے گا، ایک تو اس لیے کہ یہ اپنی کتابوں پر ایمان لائے تھے، دوسرا قرآن کریم پر ایمان لائے تھے، ان لوگوں کی صفات میں سے ایک صفت یہ ہے کہ یہ برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے بلکہ برائی کو اچھائی کے ذریعے ختم کرتے ہیں، ان کی ایک صفت یہ ہے کہ یہ رب العالمین کی عطا و نوازش میں سے خیر اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ: اس آیتِ مبارکہ میں اُن اہلِ ایمان کے پاکیزہ اخلاق اور بلند کردار کو بیان کیا گیا ہے جو حق کو قبول کرنے کے بعد اپنی زبان، مجلس اور طرزِ عمل کو بھی ایمان کے نور سے آراستہ کر لیتے ہیں، فرمایا گیا کہ جب وہ باطل، بے ہودہ یا دل آزار گفتگو سنتے ہیں تو اس میں الجھنے

اور جھگڑنے کے بجائے نہایت وقار کے ساتھ اس سے اعراض کرتے ہیں، ان کا شیوہ یہ نہیں ہوتا کہ وہ جہالت کے جواب میں جہالت اختیار کریں، بلکہ وہ حلم، بردباری اور اخلاقِ حسنہ کے ساتھ اپنا دامن بچا لیتے ہیں۔ وہ جاہلوں سے کہتے ہیں

وَقَالُوْا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ: یعنی ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور تم اپنے اعمال کے جواب دہ ہو، اس کے بعد وہ خیر خواہی اور امن کا انداز اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ: یعنی تم ہماری طرف سے سلامتی میں رہو، ہم تمہارے ساتھ لڑائی جھگڑا نہیں چاہتے، پھر ارشاد فرمایا

لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ: یعنی ہم ان لوگوں کی صحبت اور رفاقت نہیں چاہتے جو جہالت، بدزبانی اور باطل رویّے کو اختیار کیے ہوئے ہیں، کیونکہ ایسی مجالس انسان کے دین اور دنیا دونوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں، یہ آیت اہلِ ایمان کو یہ عظیم اخلاقی درس دیتی ہے کہ باطل اور جہالت کا مقابلہ شور و ہنگامے سے نہیں بلکہ وقار، صبر اور حسنِ اخلاق سے کیا جائے، اور ایسے ماحول سے بچا جائے جو ایمان و کردار کے لیے ضرر رساں ہو۔

ہدایت اللہ کے اختیار میں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ {٥٦} وَقَالُوا إِنْ نَتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا ۚ أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِزْقًا مِنْ لَدُنَّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ {٥٧} وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ {٥٨} القصص

جواب ترجمہ: بلاشبہ جسے آپ چاہیں ہدایت پر نہیں لاسکتے اور لیکن اللہ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کا

اتباع کرنے لگیں تو ہم اپنی زمین سے اچک لیے جائیں گے، کیا ہم نے انہیں امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کے لیے دیئے جاتے ہیں۔ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں جو اپنے سامان عیش پر اترانے والی تھیں۔ سو یہ ان کے گھر ہیں جن میں ان کے بعد سکونت اختیار نہیں کی گئی مگر تھوڑی سی اور بالآخر ہم ہی مالک ہیں۔

شان نزول: یہ آیتِ مبارکہ رسولِ اکرم ﷺ کے چچا ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی، ابو طالب نے اگرچہ پوری زندگی حضور ﷺ کی حمایت، حفاظت اور نصرت کی، مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ وہ ایمان کی دولت کے بغیر دنیا سے رخصت ہوں۔

حضرت سعید بن المسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے، وہاں ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بھی موجود تھے، نبی کریم ﷺ نے نہایت درد و محبت کے ساتھ فرمایا: ”اے چچا! صرف ایک مرتبہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه کہہ دیجیے، میں قیامت کے دن اس کلمہ کے ذریعے آپ کے حق میں اللہ کے حضور گواہی دوں گا“ لیکن ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ مسلسل انہیں یہ کہتے رہے: ”کیا تم عبد المطلب کے دین کو چھوڑ دو گے؟“

حضور ﷺ بار بار کلمۂ توحید پیش فرماتے رہے، مگر آخر کار ابو طالب نے یہی کہا کہ وہ عبد المطلب کے دین پر ہیں اور انہوں نے کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! جب تک مجھے منع نہ کیا جائے، میں آپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا“ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ کی آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ نازل فرمائی اور ابو طالب کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو طالب سے فرمایا، لا الہ الا اللہ کہہ دیجیے تاکہ میں قیامت کے دن آپ کے حق میں گواہی دے سکوں، ابو طالب نے جواب دیا

کہ اگر قریش کے طعن و تشنیع کا خوف نہ ہوتا اور یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے موت کے ڈر نے اسے یہ کلمہ پڑھنے پر مجبور کر دیا، تو میں ضرور یہ کلمہ پڑھ لیتا، اس پر بھی یہی آیت نازل ہوئی۔ (بخاری و مسلم)

مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت ابو طالب ہی کے بارے میں نازل ہوئی، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت محض محبت، قرابت یا ظاہری حمایت سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ ایمان کی توفیق صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، انبیاءِ کرام علیہم السلام کا منصب حق کو پہنچانا اور دعوت دینا ہے، جبکہ دلوں کو نورِ ایمان سے منور کرنا اللہ رب العزت کی خاص مشیت اور توفیق پر موقوف ہے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت و ضلالت کے ایک نہایت اہم اصول کو واضح فرمایا ہے، ارشاد ہوا کہ اے نبی! آپ جسے چاہیں ایمان پر مجبور نہیں کر سکتے، خواہ وہ آپ کے انتہائی محبوب اور قریبی ہی کیوں نہ ہوں، جیسا کہ ابو طالب کے معاملے میں ہوا، اصل ہدایت، یعنی دلوں کو ایمان کی توفیق عطا کرنا، صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہی بہتر جانتا ہے کہ کون شخص ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت اور آمادگی رکھتا ہے، اور کون اپنے عناد اور محرومی کی وجہ سے گمراہی میں پڑا رہے گا۔

وَقَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا: اس کے بعد مشرکینِ مکہ کے ایک کمزور اور بے بنیاد عذر کا ذکر کیا گیا ہے، وہ کہتے تھے کہ اگر ہم آپ کے لائے ہوئے دینِ اسلام کی پیروی کریں گے تو عرب کے لوگ ہم پر حملہ آور ہو جائیں گے اور ہمیں ہمارے وطن سے نکال دیں گے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خوف کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا ہم نے انہیں ایسا پُرامن حرم عطا نہیں کیا جہاں قتل و غارت اور ظلم و زیادتی حرام قرار دی گئی اور جہاں ہر طرف سے رزق اور مختلف پھل کھنچے چلے آتے ہیں؟ یہ سب اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتیں تھیں، مگر اکثر لوگ ان نعمتوں کی قدر اور شکر نہیں کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سابقہ ناشکر اور سرکش بستیوں کا انجام یاد دلایا کہ

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا: کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، گناہوں اور سرکشی میں حد سے بڑھ گئیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل کر کے

انہیں تباہ و برباد کر دیا، آج ان کے مکانات و آثار ویران پڑے ہیں، جہاں کبھی زندگی کی رونقیں تھیں، وہاں اب خاموشی اور عبرت کا راج ہے، لوگ ان بستیوں کے کھنڈرات سے گزرتے ہیں مگر وہاں سکونت اختیار نہیں کرتے اور آخر کار زمین و آسمان اور ان کی تمام چیزوں کا حقیقی وارث صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ان آیات میں اہلِ مکہ کو متنبہ کیا گیا ہے کہ امن، رزق اور اقتدار جیسی نعمتیں ہمیشہ باقی نہیں رہتیں، اگر ان نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا جائے اور حق کو جھٹلایا جائے تو اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو چھین کر قوموں کو تاریخ کا عبرتناک قصہ بنا دیتا ہے۔

رسول کی بعثت کے بغیر کسی کو عذاب نہیں دیا جاتا

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ {۵۹} القصص

جواب ترجمہ: اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ وہ بستیاں یونہی ہلاک کر ڈالے جب تک اس نے ان بستیوں کے مرکزی مقام پر کوئی رسول نہ بھیجا ہو، جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے، اور ہم بستیوں کو اس وقت تک ہلاک کرنے والے نہیں ہیں جب تک ان کے باشندے ظالم نہ بن جائیں۔

خلاصہ تفسیر: شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ ”یہ بیچ میں کفار عرب کے ایک اور اعتراض کا جواب دیا گیا ہے، وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے مذہب اور طریق کار سے ناراض ہے تو جس طرح اس نے پچھلی قوموں کو ہلاک کیا ہے جن کا حوالہ پچھلی آیت میں بھی دیا گیا ہے اسی طرح ہم کو اب تک کیوں ہلاک نہیں کیا؟

جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ لوگوں کو ہلاک کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے، وہ سب سے پہلے اپنا کوئی پیغمبر ان کے مرکزی علاقے میں بھیجتا ہے جو انہیں سیدھے راستے کی

دعوت دے اور بار بار دیتا رہے، تاکہ وہ راہ راست پر آئیں اور انہیں سزا دینے کی ضرورت ہی نہ پڑے، اگر وہ اپنی گمراہی سے باز آجاتے ہیں تو انہیں ہلاک نہیں کیا جاتا، البتہ اگر وہ اپنی ظالمانہ روش پر اڑے رہتے ہیں تب انہیں سزا دی جاتی ہے، یہی معاملہ پچھلی قوموں کے ساتھ ہوا، اور وہی سلوک تمہارے ساتھ ہو رہا ہے کہ ہمارے پیغمبر ﷺ تمہیں بار بار حق قبول کرنے کی دعوت دے رہے ہیں اور تمہیں مہلت دی جارہی ہے، اس کا یہ مطلب لینا پرلے درجے کی نادانی ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہیں اور تمہیں کبھی سزا نہیں ملے گی۔ (توضیح القرآن)

دنیا کی ناپائیداری اور اللہ کی قدرت کاملہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ {٦٠} اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ {٦١} وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ {٦٢} قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ {٦٣} وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَاۗءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ {٦٤} وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ {٦٥} فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَاۗءُ يَوْمَىِٕذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ {٦٦} فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ {٦٧} وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ وَيَخْتَارُ ۭ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ {٦٨} وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ {٦٩} وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ {٧٠} قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاۗءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ {٧١} قُلْ

اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ{۷۲}وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ {۷۳}وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ {۷۴}القصص

جواب ترجمہ: اور تمہیں جو بھی کوئی چیز دی گئی ہے سو وہ دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور زینت ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے سو وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے کیا تم نہیں سمجھتے ہو۔ سو جس شخص سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہو پھر وہ اسے پانے والا ہو کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیا والی زندگی کا سامان دے دیا پھر وہ قیامت کے دن گرفتار کر کے لایا جائے گا۔ اور جس دن وہ انہیں پکارے گا سو فرمائے گا کہ میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے۔ جن لوگوں پر اللہ کا فرمودہ ثابت ہو چکا ہو گا وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا ہم نے ان کو ویسا ہی بہکایا جیسا کہ ہم خود بہکے تھے ہم آپ کے حضور ان سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اور کہا جائے گا کہ اپنے شرکاء کو بلالو، سو وہ ان کو بلائیں گے پھر وہ ان کی پکار کا جواب نہ دیں گے اور عذاب کو دیکھ لیں گے۔ اے کاش وہ ہدایت پائے ہوئے ہوتے۔ اور جس دن انہیں آواز دے گا سو فرمائے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا۔ سو اس دن ان کی خبریں گم ہو جائیں گی پھر وہ آپس میں پوچھ پاچھ نہ کریں گے۔ سو جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے سو امید ہے کہ یہ لوگ فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے۔

اور آپ کا رب جسے چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ ان لوگوں کو چن لینے کا کوئی حق نہیں ہے، اللہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔ اور آپ کا رب جانتا ہے جسے ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جسے یہ لوگ ظاہر کرتے ہیں۔ اور اللہ وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کے لیے سب تعریف ہے دنیا میں اور آخرت میں، اور اسی کے لیے حکم ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ آپ فرما دیجیے تم بتاؤ اگر اللہ قیامت کے دن تک تمہارے اوپر ہمیشہ

کے لیے رات ہی کو موجود رکھے تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو تمہارے پاس روشنی کو لے آئے، تو کیا تم نہیں سنتے؟

اور آپ فرما دیجیے کہ تم یہ بتاؤ کہ اگر اللہ قیامت تک ہمیشہ کے لیے تم پر دن ہی کو موجود رکھے تو اللہ کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لیے رات کو لے آئے کہ اس میں تم آرام کرتے ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے؟ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے دن کو اور رات کو بنایا تاکہ تم اس میں آرام کرو اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔ اور جس دن وہ ان سے فرمائے گا کہ میرے شرکاء کہاں ہیں جنہیں تم شریک سمجھتے تھے۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ دنیا کی ساری نعمتیں، مال و متاع، زینت و آسائش محض عارضی اور فنا ہونے والی ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کے پاس آخرت میں جو اجر و ثواب ہے وہ نہایت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، اسی لیے عقل مند وہی ہے جو فانی دنیا پر باقی رہنے والی آخرت کو ترجیح دے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک بلیغ انداز میں سوال فرمایا کہ

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ: کیا وہ شخص برابر ہو سکتا ہے جس سے جنت اور دائمی نعمتوں کا وعدہ کیا گیا ہو، اس شخص کے جو دنیا کی چند روزہ لذتوں میں مگن رہا، پھر قیامت کے دن جہنم کے عذاب میں گرفتار کر دیا جائے؟ بعد ازاں قیامت کا منظر بیان فرمایا کہ

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ: اللہ تعالیٰ مشرکین سے پوچھے گا: میرے وہ شریک کہاں ہیں جنہیں تم میرے سوا معبود سمجھتے تھے؟ اس وقت کفر کے پیشوا اور گمراہی کے داعی اپنے پیروکاروں سے براءت کا اظہار کریں گے اور کہیں گے کہ ہم نے انہیں اسی طرح بہکایا جیسے خود بہکے ہوئے تھے، حقیقت میں یہ ہماری نہیں بلکہ شیاطین کی عبادت کرتے تھے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ

وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ: اپنے معبودوں کو پکارو تاکہ وہ

تمہیں بچالیں، لیکن وہ کوئی جواب نہ دے سکیں گے اور جب عذاب کو سامنے دیکھیں گے تو آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں ہدایت اختیار کرلی ہوتی، اسی طرح جب ان سے پوچھا جائے گا کہ

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ: تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا تو ہولِ قیامت کے باعث ان کی زبانیں گنگ ہو جائیں گی، کوئی عذر پیش نہ کر سکیں گے، نہ ایک دوسرے سے کچھ پوچھ سکیں گے، البتہ جن لوگوں نے توبہ کرلی، ایمان لائے اور نیک اعمال اختیار کیے، ان کے لیے کامیابی اور نجات کی بشارت ہے۔ مزید فرمایا کہ

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ: اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت کے مطابق جسے چاہتا ہے پیدا کرتا اور جسے چاہتا ہے اپنی نبوت و اطاعت کے لیے منتخب فرمالیتا ہے، مشرکین کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اللہ کے فیصلوں پر اعتراض کریں، وہ دلوں کے پوشیدہ رازوں اور ظاہر اعمال سب کو جانتا ہے اور دنیا و آخرت کی تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں، اسی کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور ربوبیت کی عظیم نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا: اگر اللہ تعالیٰ رات کو ہمیشہ کے لیے مسلط کر دے تو کون ہے جو روشنی لا سکے؟ اور اگر دن کو ہمیشہ قائم رکھ دے تو کون ہے جو سکون کی رات عطا کر سکے؟ اس سے معلوم ہوا کہ رات و دن کا یہ باقاعدہ نظام اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت ہے، رات آرام اور سکون کے لیے بنائی گئی اور دن کسبِ معاش اور جدوجہد کے لیے، ان کھلی نشانیوں کے باوجود بھی مشرکین اپنے باطل معبودوں سے چمٹے رہے، حالانکہ قیامت کے دن پھر ان سے یہی سوال کیا جائے گا کہ

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ: وہ شریک کہاں ہیں جنہیں تم اللہ کے برابر ٹھہراتے تھے، یوں ان آیات میں دنیا کی بے ثباتی، آخرت کی دائمی حقیقت، توحیدِ الٰہی، قیامت کے احتساب اور اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت کو نہایت مؤثر انداز میں واضح کیا گیا ہے۔

ہر امت کا نبی گواہ بنایا جائے گا

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتائیے کہ یہاں شہید سے کیا مراد ہے؟

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ {۷۵} القصص.

جواب ترجمہ: اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہی دینے والا نکال لائیں گے، پھر کہیں گے کہ: لاؤ اپنی دلیل! اس وقت ان کو پتہ چل جائے گا کہ سچی بات اللہ ہی کی تھی اور وہ ساری باتیں جو انہوں نے گھڑ رکھی تھیں، سب گم ہو کر رہ جائیں گی۔

خلاصہ تفسیر: اور ہر امت میں اس کا رسول شہید (گواہ) ہوتا ہے جو اس کے متعلق گواہی دیتا ہے اور شہید کا ایک معنیٰ حاضر بھی ہوتا ہے، یعنی ہم ہر امت کے سامنے اس کے رسول کو حاضر کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تم اپنا عذر پیش کرو کہ ایمان کیوں نہیں لائے؟ اس وقت ان کو یقین ہو جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام نے جو پیغام پہنچایا تھا وہ برحق تھا اور وہ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے تھے کہ اس کے ساتھ اور بھی معبود ہیں وہ سب ان کے دماغوں سے نکل جائیں گے۔

تو یہاں شہید سے مراد وہ ہستی ہے جو ان لوگوں کے خلاف قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں گواہی دے گی کہ انہوں نے شرک کیا تھا، انہوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں کو جھٹلایا تھا، تو یہ ہستی اللہ تعالیٰ کا نبی ہوگا۔ امام تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہید سے یہاں رسول مراد ہے۔

قارون کا عبرت ناک واقعہ

سوال قارون کا قصہ بیان کیجیے۔ ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ {۷۶} وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ {۷۷} قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ {۷۸} فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ

يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ {۷۹} وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ {۸۰} فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ {۸۱} وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ {۸۲} القصص.

جواب ترجمہ: قارون موسیٰ کی قوم کا ایک شخص تھا، پھر اس نے انہی پر زیادتی کی۔ اور ہم نے اسے اتنے خزانے دیے تھے کہ اس کی چابیاں طاقتور لوگوں کی ایک جماعت سے بھی مشکل سے اٹھتی تھیں۔ ایک وقت تھا جب اس کی قوم نے اس سے کہا کہ: اتراؤ نہیں، اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور اللہ نے تمہیں جو کچھ دے رکھا ہے اس کے ذریعے آخرت والا گھر بنانے کی کوشش کرو۔ اور دنیا میں سے بھی اپنے حصے کو نظر انداز نہ کرو۔

اور جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے تم بھی (دوسروں پر) احسان کرو۔ اور زمین میں فساد مچانے کی کوشش نہ کرو۔ یقین جانو اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ کہنے لگا: یہ سب کچھ تو مجھے خود اپنے علم کی وجہ سے ملا ہے۔ بھلا کیا اسے اتنا بھی علم نہیں تھا کہ اللہ نے اس سے پہلی نسلوں کے ایسے ایسے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا تھا جو طاقت میں بھی اس سے زیادہ مضبوط تھے اور جن کی جمعیت بھی زیادہ تھی۔ اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا بھی نہیں جاتا۔ پھر (ایک دن) وہ اپنی قوم کے سامنے آن بان کے ساتھ نکلا۔ جو لوگ دنیوی زندگی کے طلب گار تھے، وہ کہنے لگے: اے کاش! ہمارے پاس بھی وہ چیزیں ہوتیں جو قارون کو عطا کی گئی ہیں۔ یقیناً وہ بڑے نصیبوں والا ہے۔

اور جن لوگوں کو (اللہ کی طرف سے) علم عطا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا: تم پر افسوس ہے (کہ تم ایسا کہہ رہے ہو) اللہ کا دیا ہوا ثواب اس شخص کے لیے کہیں زیادہ بہتر ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اور وہ انہی کو ملتا ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں۔ پھر ہوا یہ کہ ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں

دھنسا دیا، پھر اسے کوئی ایسا گروہ میسر نہ آیا جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود اپنا بچاؤ کر سکا۔ اور کل جو لوگ اس جیسا ہونے کی تمنا کر رہے تھے، کہنے لگے: اوہو! پتہ چل گیا کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں وسعت کر دیتا ہے، اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو وہ ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔ اوہو! پتہ چل گیا کہ کافر لوگ فلاح نہیں پاتے۔

خلاصہ تفسیر: مروی ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا لڑکا تھا، یہ بہت خوش آواز تھا، تورات بڑی خوش الحانی سے پڑھتا تھا اس لئے اسے لوگ منور کہتے تھے، لیکن جس طرح سامری منافق بن گیا تھا، اسی طرح یہ اللہ کا دشمن بھی منافق ہو گیا تھا۔

چونکہ بہت مال دار تھا اس لئے بھول گیا تھا اور اللہ کو بھول بیٹھا تھا، قوم میں عام طور پر جس لباس کا دستور تھا اس نے اس سے بالشت بھر نیچا لباس بنوایا تھا، جس سے اس کا غرور اور اس کی دولت ظاہر ہو، اس کے پاس اس قدر مال تھا کہ اس کے خزانے کی چابیاں اٹھانے پر قوی مردوں کی ایک جماعت مقرر تھی، اس کے بہت خزانے تھے، ہر خزانے کی کنجی الگ تھی، جو بالشت بھر کی تھی، جب یہ چابیاں اس کی سواری کے ساتھ خچروں پر لادی جاتیں تو اس کے لئے ساٹھ پنج کلیاں خچر مقرر ہوتے، واللہ اعلم۔

قوم کے بزرگ اور نیک لوگوں اور عالموں نے جب اس کی سرکشی اور تکبر کو حد سے بڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے نصیحت کی کہ اتنا اکڑ نہیں، اس قدر غرور نہ کر، اللہ کا ناشکرا نہ ہو، ورنہ اللہ کی محبت سے دور ہو جاؤ گے، قوم کے واعظوں نے کہا کہ یہ جو اللہ کی نعمتیں تیرے پاس ہیں انہیں اللہ کی رضامندی کے کاموں میں خرچ کر تاکہ آخرت میں بھی تیرا حصہ ہو جائے، ہم تجھے یہ نہیں کہتے کہ تو دنیا میں عیش و عشرت نہ کر بلکہ ہم تو تجھے یہ کہتے ہیں کہ تو اچھا کھا پی اور اچھا پہن اوڑھ، جائز نعمتوں سے فائدہ اٹھا، نکاح سے راحت حاصل کر، حلال چیز استعمال کر، لیکن جہاں اپنا خیال رکھ وہاں مسکینوں کا بھی خیال رکھ، جہاں اپنے نفس کو نہ بھول وہاں اللہ کے حق کو بھی فراموش نہ کر، تیرے نفس کا بھی حق ہے تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے، تیرے بال بچوں کا بھی تجھ پر حق ہے، مسکین غریب کا بھی

تیرے مال میں حق ہے، ہر حق دار کا حق ادا کر اور جیسے تجھے اللہ نے نوازا ہے تو اللہ کی مخلوق کو بھی اس میں سے عطا کر، ان کے ساتھ اچھائی کر، ان کے ساتھ احسان کر، اس شریرانہ اور مفسدانہ رویہ کو بدل ڈال، اللہ کی مخلوق کو تکلیف نہ پہنچا، اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا، مگر قارون پر کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی تھی۔

قارون پر ان نصیحتوں کا کوئی اثر نہ ہوا، اس نے مال و دولت کی فراوانی کو اپنی ذہنی صلاحیت کا اثر اور نتیجہ قرار دیا، وہ سمجھتا تھا کہ میں اس مال و کثرت دولت کا مستحق تھا اسی لیے مجھے اتنا زیادہ مال دیا گیا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ قارون اسم اعظم جانتا تھا جسے پڑھ کر اس نے اپنی مالداری کی دعا کی تو اس قدر دولت مند ہو گیا۔

قارون کے اس جواب کے رد میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ غلط ہے کہ میں جس پر مہربان ہوتا ہوں اسے دولت مند کر دیتا ہوں نہیں اس سے پہلے اس سے زیادہ دولت اور آسودہ حال لوگوں کو میں نے تباہ کر دیا ہے تو یہ سمجھ لینا کہ مالداری میری محبت کی نشانی ہے، محض غلط ہے۔ جو میرا شکر ادا نہ کرے کفر پر جما رہے اس کا انجام بد ہوتا ہے۔ گناہ گاروں کے کثرت گناہ کی وجہ سے پھر ان سے ان کے گناہوں کا سوال بھی عبث ہوتا۔ اس کا خیال تھا کہ مجھ میں خیریت ہے اس لئے اللہ کا یہ فضل مجھ پر ہوا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میں اس مالداری کا اہل ہوں اگر مجھ سے خوش نہ ہوتا اور مجھے اچھا آدمی نہ جانتا تو مجھے اپنی یہ نعمت بھی نہ دیتا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ قارون ایک دن نہایت قیمتی پوشاک پہن کر زرق برق عمدہ سواری پر سوار ہو کر اپنے غلاموں کو آگے پیچھے بیش بہا پوشاکیں پہنائے ہوئے لے کر بڑے ٹھاٹھ سے اتراتا ہوا اکڑتا ہوا نکلا اس کا یہ ٹھاٹھ اور یہ زینت و تجمل دیکھ کر دنیاداروں کے منہ میں پانی بھر آیا اور کہنے لگے کاش کہ ہمارے پاس بھی اس جتنا مال ہوتا، یہ تو بڑا خوش نصیب ہے اور بڑی قسمت والا ہے۔ علماء کرام نے ان کی یہ بات سن کر انہیں اس خیال سے روکنا چاہا اور انہیں سمجھانے لگے کہ دیکھو اللہ نے جو کچھ اپنے مومن اور نیک بندوں کے لئے اپنے ہاں تیار کر رکھا ہے وہ اس سے کروڑہا

درجہ بارونق دیرپا اور عمدہ ہے، تمہیں ان درجات کو حاصل کرنے کے لئے اس دوروزہ زندگی کو صبر و برداشت سے گزارنا چاہئے جنت صابروں کا حصہ ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ نے قارون کو عبرت کا نشان بنایا، اسے اس کے محلات اور جاہ و حشم سمیت زمین میں دھنسادیا، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس کی ہلاکت کا عبرت ناک واقعہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ بھی مذکور ہے کہ قارون کی ہلاکت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے ہوئی تھی اور اس کے سبب میں بہت کچھ اختلاف ہے۔

ایک سبب تو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قارون ملعون نے ایک فاحشہ عورت کو بہت کچھ مال و متاع دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ عین اس وقت جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ بنی اسرائیل میں کھڑے خطبہ کہہ رہے ہوں وہ آئے اور آپ سے کہے کہ تو وہی ہے نا جس نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا۔

اس عورت نے یہی کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کانپ اٹھے اور اسی وقت نماز کی نیت باندھ لی اور دو رکعت ادا کر کے اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے تجھے اس اللہ کی قسم جس نے سمندر میں سے راستہ دیا اور تیری قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دی اور بھی بہت سے احسانات کئے تو جو سچا واقعہ ہے اسے بیان کر، یہ سن کر اس عورت کا رنگ بدل گیا اور اس نے صحیح واقعہ سب کے سامنے بیان کر دیا اور اللہ سے استغفار کیا اور سچے دل سے توبہ کر لی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر سجدہ میں گر گئے اور قارون کی سزا چاہی، اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ میں نے زمین کو تیرے تابع کر دیا ہے۔ آپ نے سجدے سے سر اٹھایا اور زمین سے کہا کہ تو اسے اور اس کے محل کو نگل لے۔ زمین نے یہی کیا۔

دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب قارون کی سواری اس طمطراق سے نکلی سفید قیمتی خچر پر بیش بہا پوشاک پہنے سوار تھا، اس کے غلام بھی سب کے سب ریشمی لباسوں میں تھے ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام خطبہ پڑھ رہے تھے بنو اسرائیل کا مجمع تھا، یہ جب وہاں سے نکلا تو سب کی نگاہیں اس پر اور اس کی دھوم دھام پر لگ گئیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھ کر پوچھا آج اس طرح کیسے نکلے ؟اس نے کہا بات یہ ہے کہ ایک بات اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے اور ایک فضلیت مجھے دے رکھی ہے اگر تمہارے پاس نبوت ہے تو میرے پاس یہ جاہ و حشم ہے اور اگر آپ کو میری فضیلت پر شک ہو تو میں تیار ہوں کہ آپ اور میں چلیں اور اللہ سے دعا کریں۔ دیکھ لیجئے کہ اللہ کس کی دعا قبول فرماتا ہے آپ اس بات پر آمادہ ہو گئے اور اس کو لے کر چلے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے تو دعا کرتا ہے یا میں کروں ؟ اس نے کہا نہیں میں کروں گا، اب اس نے دعا مانگنی شروع کر دی اور ختم ہو گئی لیکن دعا قبول نہ ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اب دعا میں کرتا ہوں اس نے کہا ہاں کیجئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ زمین کو حکم دے کہ جو میں کہوں مان لے اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور وحی آئی کہ میں نے زمین کو تیری اطاعت کا حکم دے دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر زمین سے فرمایا اے زمین! اسے اور اس کے لوگوں کو پکڑ لے وہیں یہ لوگ اپنے قدموں تک زمین میں دھنس گئے۔ آپ نے فرمایا اور پکڑ لے۔ یہ اپنے گھٹنوں تک دھنس گئے۔ آپ نے فرمایا اور پکڑ یہ مونڈھوں تک زمین میں دھنس گئے۔

پھر فرمایا ان کے خزانے اور مال بھی یہیں لے آ۔ اسی وقت ان کے کل خزانے اور مال وہاں آ گئے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے ان سب کو دیکھ لیا پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ان کو ان کے خزانوں سمیت اپنے اندر کر لے اسی وقت یہ سب غارت ہو گئے اور زمین جیسی تھی ویسی ہو گئی۔ مروی ہے کہ ساتوں زمین تک یہ لوگ بقدر انسان دھنستے جا رہے ہیں قیامت تک اسی عذاب میں رہیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے پہلے فرعون نے اس کو بنو اسرائیل کی نگرانی پر متعین کیا ہوا تھا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنایا اور حضرت ہارون علیہ السلام آپ کے نائب قرار پائے تو اسے حسد ہوا اور بعض روایات میں ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ بھی کیا کہ اسے کوئی منصب دیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا کہ اسے کوئی منصب ملے، اس لئے حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے معذرت کرلی، اس پر حسد کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی، اور اس نے منافقت شروع کر دی، جب اس کو فرعون کی طرف سے بنو اسرائیل کی نگرانی سونپی گئی تھی تو اس نے اپنے ہی قوم کے لوگوں پر زیادتیاں کی تھیں۔ (توضیح القرآن للعثمانی)

آخرت کی کامیابی اور اعمال کا بدلہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ {۸۳} مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ {۸۴} القصص

جواب ترجمہ: یہ آخرت کا گھر ہم اسے ان لوگوں کے لیے خاص کر دیں گے جو زمین میں بلندی اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے، اور اچھا نتیجہ متقیوں کے لیے ہے۔ جو شخص نیکی لے کر آئے گا سو اس کے لیے اس سے بہتر بدلہ ملے گا۔ اور جو شخص بدی لے کر آئے گا سو جن لوگوں نے برے عمل کیے انہیں انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ لوگ کیا کرتے تھے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے ان آیاتِ مبارکہ میں واضح فرمایا کہ آخرت کا وہ ابدی گھر، جو نعمت، عزت اور رضائے الٰہی کا مقام ہے، اُن لوگوں کے لیے مخصوص ہے جو دنیا میں تکبر، سرکشی اور فساد کا راستہ اختیار نہیں کرتے، وہ نہ حق کے مقابلے میں اپنی بڑائی جتاتے ہیں، نہ اللہ کے بندوں پر ظلم و فساد برپا کرتے ہیں، بلکہ عاجزی کے ساتھ ایمان و اطاعت کی راہ اپناتے ہیں، ایسے ہی متقی اور فرمانبردار لوگوں کے لیے انجامِ خیر ہے، جہاں جنت کی دائمی نعمتیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ان کا مقدر بنے گی، اس میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حقیقی کامیابی دنیا کی ظاہری قوت، مال و اقتدار یا فخر و غرور میں نہیں، بلکہ تقویٰ، فروتنی اور اطاعتِ الٰہی میں ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن اعمال کے بدلے کا اصول بیان فرمایا کہ جو شخص نیکی

لے کر حاضر ہو گا، خواہ وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ یا کوئی اور عملِ صالح ہو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسے اس کی نیکی سے کہیں بڑھ کر اجر عطا فرمائے گا، یہاں تک کہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ دیا جائے گا۔ لیکن جو شخص برائی لے کر آئے گا، خواہ وہ کفر، سود، زنا یا دیگر گناہوں کی صورت میں ہو، اسے صرف اسی کے برابر سزا دی جائے گی، اس پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے عدل و فضل دونوں کا حسین اظہار ہے کہ نیکیوں میں بے پناہ اضافہ فرمایا جاتا ہے جبکہ برائی کا بدلہ صرف اسی قدر رکھا جاتا ہے جتنا انسان نے خود کمایا ہو۔

پیغامِ ربانی کی واضح ہدایات

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ {۸۵} وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ یُّلْقٰۤى اِلَیْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا لِّلْكٰفِرِیْنَ {۸۶} وَلَا یَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ {۸۷} وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ {۸۸} القصص.

جواب (اے پیغمبر) جس ذات نے تم پر اس قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہے، وہ تمہیں دوبارہ اس جگہ پر لا کر رہے گا جو (تمہارے لیے) انسیت کی جگہ ہے کہہ دو: میرا رب اس سے بھی خوب واقف ہے جو ہدایت لے کر آیا ہے، اور اس سے بھی جو کھلی گمراہ میں مبتلا ہے۔ اور (اے پیغمبر) تمہیں پہلے سے یہ امید نہیں تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائے گی، لیکن یہ تمہارے رب کی طرف سے رحمت ہے، لہٰذا کافروں کے ہرگز مددگار نہ بننا۔ اور جب اللہ کی آیتیں تم پر نازل کر دی گئی ہیں تو اس کے بعد یہ لوگ تمہیں ہرگز ان (پر عمل کرنے) سے روکنے نہ پائیں۔ اور تم اپنے رب کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہو، اور ہرگز ان مشرکین میں شامل نہ ہونا۔ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ پکارو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے، سوائے اس ذات کے، حکومت اسی کی ہے

اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔

خلاصہ تفسیر: قرآن کریم میں اصل لفظ "معاد" استعمال ہوا ہے، بعض مفسرین کے نزدیک یہ "عادت" سے نکلا ہے، یعنی وہ جگہ جس میں رہنے اور آنے جانے کا انسان عادی اور اس سے مانوس ہو، اور بعض مفسرین نے اس کے معنی "لوٹنے کی جگہ" بیان کئے ہیں، دونوں صورتوں میں اس سے مکہ مکرمہ مراد ہے۔

اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب حضور نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے، جب جحفہ کے قریب اس جگہ پہنچے جہاں سے مکہ مکرمہ کا راستہ الگ ہو جاتا تھا، تو آپ کو اپنے وطن سے جدائی کا احساس ہوا، اس موقع پر اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تسلی دی، اور وعدہ فرمایا کہ آپ کو دوبارہ اس سرزمین میں فاتح کی حیثیت سے لایا جائے گا، چنانچہ آٹھ سال کی مدت میں یہ وعدہ پورا ہو گیا اور مکہ مکرمہ میں آپ فاتح بن کر داخل ہوئے۔ اور بعض مفسرین نے انسیت کی جگہ یا لوٹنے کی جگہ سے مراد جنت لی ہے اور آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ آپ کو اگرچہ اس دنیا میں تکلیفیں پہنچ رہی ہیں، لیکن آخر کار آپ کا مقام جنت ہے۔ (توضیح القرآن)

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ: اس سے مراد یہ ہے کہ اے حبیب مکرم ﷺ! جس ذات نے آپ ﷺ پر قرآن کریم اتارا ہے اس نے آپ ﷺ پر ذمہ داری یہ عائد کی ہے کہ اس کتاب کی تبلیغ کریں، اس کے احکامات لوگوں تک پہنچائیں، اس کو مضبوطی سے تھام کر رکھیں، بالآخر آپ کو اس مقام کی طرف لوٹنا ہے جس سے آپ نکلے تھے، اور وہ مکہ مکرمہ ہے۔

وَلَا يَصُدُّنَّكَ: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی کتاب آپ پر نازل کر دی گئی، قرآنی آیات کا آپ ﷺ کے قلب اطہر پر نزول ہو چکا ہے، یہ لوگ کسی بھی صورت میں آپ ﷺ کو ان سے پھیرنے نہ پائیں۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے، ہر چیز ختم ہو جانے والی ہے، ایک ذات باقی ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اسے اللہ کہتے ہیں۔

تکمیل اضافات وترمیمات سورۃ القصص۔ ۷ مئی ۲۰۲۶ء بروز جمعرات سوا دس بجے شب

سورۃ العنکبوت (تعارف)

سوال سورۃ العنکبوت کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ العنکبوت قرآنِ مجید کی انتیسویں سورت ہے، جو جمہور مفسرین کے نزدیک مکی سورت ہے، اس کی آیات کی تعداد انہتر (۶۹) ہے، یہ سورت اُس دور میں نازل ہوئی جب اہلِ ایمان مکہ مکرمہ میں شدید آزمائشوں، ظلم و ستم اور مخالفت کا سامنا کر رہے تھے، اسی لیے اس سورت میں صبر، استقامت، توکل علی اللہ اور ایمان کی سچائی کو نمایاں انداز میں بیان کیا گیا ہے، بعض مفسرین نے اسے مکہ میں نازل ہونے والی آخری سورتوں میں شمار کیا ہے، جس سے اس کے مضامین کی پختگی اور دعوتی حکمت مزید واضح ہو جاتی ہے۔

وجہِ تسمیہ: اس سورت کا نام "العنکبوت" اس لیے رکھا گیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے باطل سہاروں اور مشرکانہ معبودوں کی کمزوری کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو کارساز اور مددگار بناتے ہیں، ان کی مثال اُس مکڑی جیسی ہے جو ایک نہایت کمزور گھر بناتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ مکڑی کا جالا بظاہر ایک ساخت رکھتا ہے، مگر وہ نہ معمولی دباؤ برداشت کر سکتا ہے اور نہ کسی مضبوط سہارے کا کام دے سکتا ہے، اسی طرح اللہ کے سوا تمام باطل معبود اور جھوٹے سہارے انسان کو نہ دنیا میں حقیقی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ آخرت میں اس کی مدد کر سکتے ہیں، اس نہایت بلیغ مثال کے باعث اس سورت کو "سورۃ العنکبوت" کہا جاتا ہے۔

اہم مضامین: سورۃ العنکبوت کا مرکزی مضمون ایمان کی آزمائش اور اہلِ حق کی استقامت ہے، سورت کے آغاز ہی میں یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ محض زبانی ایمان کافی نہیں، بلکہ ایمان والوں کو آزمائشوں سے گزارا جاتا ہے تاکہ سچے اور جھوٹے کا فرق ظاہر ہو جائے، چنانچہ فرمایا گیا کہ کیا لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ صرف "ہم ایمان لائے" کہنے سے انہیں چھوڑ دیا جائے گا اور ان کی آزمائش نہیں ہو گی؟ اسی مناسبت سے سابقہ امتوں اور انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات بیان کیے گئے تاکہ مسلمانوں کو تسلی اور حوصلہ حاصل ہو کہ راہِ حق میں آزمائش ایک دائمی سنت ہے۔

اس سورت میں توحید کی دعوت کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور شرک کی بنیادوں کو کمزور ثابت کیا گیا ہے، حضرت نوح، ابراہیم، لوط اور شعیب علیہم السلام کے واقعات کے ذریعے واضح کیا گیا کہ اللہ کے نافرمانوں کا انجام ہمیشہ ہلاکت اور رسوائی رہا ہے، جبکہ اہلِ ایمان کو بالآخر کامیابی نصیب ہوئی، اسی طرح والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید بھی کی گئی، البتہ یہ اصول واضح فرمایا گیا کہ اگر والدین انسان کو شرک پر مجبور کریں تو ان کی اطاعت جائز نہیں۔

سورت کے آخری حصے میں ہجرت، جہاد اور اللہ پر کامل بھروسے کی تعلیم دی گئی ہے، اہلِ ایمان کو بتایا گیا کہ اللہ کی زمین وسیع ہے، اس لیے اگر کسی مقام پر دین پر عمل مشکل ہو جائے تو اللہ کی رضا کے لیے ہجرت اختیار کی جاسکتی ہے، آخر میں عظیم بشارت دی گئی کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ضرور انہیں اپنی راہوں کی ہدایت عطا فرماتا ہے اور بے شک اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے، یوں یہ سورت اہلِ ایمان کے لیے صبر، یقین، استقامت اور توکل کا ایک جامع پیغام اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

ایمان کی آزمائش اللہ کی دائمی سنت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾ العنکبوت

جواب ترجمہ: الٓمّٓ: کیا لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ وہ اتنا کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔ اور بلاشبہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو آزمایا ہے سو اللہ ضرور ضرور ان لوگوں کو ظاہر کر دے گا جو سچے ہیں اور ضرور ضرور جھوٹوں کو بھی ظاہر کر دے گا۔

الٓمّٓ: یہ حروفِ مقطعات ہیں جن کے حقیقی معانی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، معارف الفرقان کے گزشتہ صفحات پر ان سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات کی بحث گزر چکی ہے، جن کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے، البتہ ان حروف کے ذکر میں ایک حکمت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ سامعین کی

توجہ قرآنِ مجید کی طرف مبذول ہو اور انہیں یہ حقیقت سمجھائی جائے کہ یہی قرآن انہی حروف سے مرکب ہے جنہیں عرب اپنی روزمرہ گفتگو میں استعمال کرتے تھے، مگر اس کے باوجود وہ اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایمان کے دعوے کی حقیقت کو نہایت مؤثر انداز میں واضح فرمایا:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ: کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ صرف "ہم ایمان لائے" کہہ دینے سے انہیں چھوڑ دیا جائے گا اور ان کی آزمائش نہیں ہو گی؟ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ایمان محض زبانی دعوے کا نام نہیں، بلکہ اس کی سچائی آزمائشوں اور امتحانات کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے، چنانچہ اہلِ ایمان کو کبھی خوف، کبھی تکلیف، کبھی مخالفت اور کبھی قربانی کے مراحل سے گزارا جاتا ہے تاکہ ان کے صبر، اخلاص اور ثابت قدمی کا امتحان لیا جائے۔ مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مختلف آزمائشوں میں مبتلا کر کے ان کے ایمان کی حقیقت کو نمایاں فرماتا ہے، تاکہ سچا مومن اور محض دعوے دار شخص الگ الگ پہچانا جا سکے۔

شانِ نزول: امام ثعلبی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مکہ مکرمہ میں ایمان لا چکے تھے مگر ابھی ہجرت نہیں کر سکے تھے، مدینہ منورہ میں موجود صحابہ کرام نے انہیں پیغام بھیجا کہ محض زبانی اقرار کافی نہیں، بلکہ دین کی خاطر ہجرت بھی ضروری ہے، چنانچہ وہ مسلمان مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، لیکن راستے میں مشرکین نے ان کا تعاقب کیا اور انہیں سخت اذیتیں پہنچائیں، جب یہ خبر مدینہ پہنچی تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ: یعنی ہم نے ان لوگوں کو بھی آزمایا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ آزمائش اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت ہے، جو ہر دور میں اہلِ حق کے ساتھ جاری رہی۔ انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکار سخت مصائب، مخالفتوں اور تکالیف سے گزرے، مگر انہوں نے صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، یہاں اللہ تعالیٰ کے علم سے مراد یہ نہیں کہ اسے پہلے معلوم نہ تھا، بلکہ مقصود یہ ہے کہ آزمائش

کے نتیجے میں لوگوں کا سچا یا جھوٹا ہونا عملاً ظاہر ہو جائے، تاکہ مخلص اہلِ ایمان نمایاں ہو جائیں اور منافق و کمزور ایمان والے بے نقاب ہو جائیں، بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ آیات ابتدائی مسلمانوں کی تسلی کے لیے نازل ہوئیں، جو مکہ مکرمہ میں کفار کے ظلم و ستم کا شکار تھے، تاکہ وہ جان لیں کہ صبر و آزمائش کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کی مدد اور کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

برے کام کرنے والے کیا بھاگ سکتے ہیں؟

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز یہ بتایئے کہ أَن يَسْبِقُونَا کا کیا معنیٰ ہے؟

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَن يَسْبِقُونَا ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٤﴾ العنکبوت

جواب جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے چھوٹ کر کہیں بھاگ جائیں گے، برا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت ولید بن مغیرہ، ابو جہل، الاسود، عاص بن ہشام، شیبہ، عتبہ، ولید بن عتبہ، عقبہ بن ابی معیط، حنظلہ بن ابی سفیان اور عاص بن وائل وغیرہم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ان لوگوں نے اپنے رب کی صفات کے متعلق جو یہ کہا ہے کہ وہ اپنے رب کی گرفت میں نہیں آسکیں گے، ان کا یہ کہنا بہت برا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ "کیا بدکاریاں کرنے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ ہماری گرفت سے وہ نکل جائیں گے۔ بدکاریوں سے مراد ہے کفر اور معاصی کیونکہ عمل کا لفظ جس طرح اعضاء کے افعال کو شامل ہے اسی طرح دلوں کے فعل کو بھی شامل ہے۔ (مظہری)

أَن يَسْبِقُونَا: کہ وہ ہم سے آگے بڑھ جائیں گے اور ہم ان سے انتقام نہ لے سکیں گے۔ ام منقطعہ ہے اور اول کلام سے اضراب (اعراض) کو ظاہر کر رہا ہے۔ اول حسب کا مفہوم ہے ایمان کا امتحان نہ ہونے کا گمان اور دوسرے حسب کا مفہوم ہے گناہوں کی سزا نہ پانے کا گمان۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اول گمان کرنے والے مؤمن تھے اور دوسرا خیال کافروں کا تھا۔

قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ام متصلہ بھی ہو سکتا ہے، اس سے مقصود ہے دونوں گمانوں کا

ابطال، مطلب اس طرح ہو گا: اے اہل ایمان! تم یہ خیال نہ کرنا کہ تمہاری آزمائش نہیں کی جائے گی۔ مصائب میں مبتلا کر کے تمہارا امتحان ضرور لیا جائے گا تا کہ تم کو اونچے مراتب تک پہنچایا جائے اور تمہارے دشمنوں کو بھی یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں عذاب نہیں دے گا۔ ان کو ضرور عذاب دیا جائے گا ' دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں (قتل وقید کی صورت میں) اور آخرت میں براہ راست خدا کی طرف سے (دوزخ کی صورت میں)۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مسلمانوں کو مصائب میں مبتلا کر کے آزمائش ضرور کی جائے گی اور نتیجہ میں ان کو غلبہ حاصل ہو گا۔ (تفسیر مظہری) امام تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت یسبقونا کا مطلب یہ ہے کہ کیا وہ ہم کو عاجز کر دیں گے۔ (تفسیر در منثور)

لقاء الٰہی کی امید اور جہاد کا حقیقی فائدہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۚ {۵} وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ {۶} العنکبوت

جواب ترجمہ: جو شخص اللہ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے سو بلاشبہ اللہ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے، اور وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے۔ جو شخص مجاہدہ کرتا ہے سو وہ اپنے لیے ہی محنت کرتا ہے، بلاشبہ اللہ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور روزِ قیامت اس کی بارگاہ میں حاضری کا امیدوار ہے اور یہ آرزو رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ایمان و عملِ صالح کا اجر عطا فرمائے، اسے یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے، قیامت کا دن، حساب و جزا کی گھڑی اور بندوں کے اعمال کا بدلہ کوئی بعید چیز نہیں، بلکہ وہ وقت اپنے مقررہ لمحے پر یقیناً حاضر ہو گا، اس لیے اہلِ ایمان کو چاہیے کہ وہ دنیا کی عارضی راحتوں میں کھو کر آخرت سے غافل نہ ہوں، بلکہ ہر حال میں اپنے اعمال کی اصلاح اور اللہ کی رضا کے حصول کی فکر کریں۔ آیت کے آخر میں فرمایا:

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ: یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام باتوں کو خوب سننے والا اور ان کے تمام اعمال و احوال کو پوری طرح جاننے والا ہے، کوئی قول، کوئی نیت اور کوئی عمل اس کے علم سے مخفی نہیں رہتا، وہ اپنے بندوں کے ظاہر و باطن سے باخبر ہے اور ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا یا سزا عطا فرمائے گا، اس آیت میں اہلِ ایمان کے لیے تسلی بھی ہے اور تنبیہ بھی کہ اللہ کے ہاں کسی عمل کا اجر ضائع نہیں ہوتا اور نہ کسی گناہ کا حساب چھپ سکتا ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ: اس آیت کریمہ میں ایک بہت بڑی غلط فہمی پر توجہ دلائی جارہی ہے۔ راسخ الایمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں تو یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، لیکن وہ لوگ جو نئے نئے دائرہ ایمان میں آتے یا اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوتے، لیکن کفار کی بے پناہ مخالفت کو دیکھ کر یہ سمجھ کر پیچھے ہٹ جاتے کہ یہ بہت کٹھن راستہ ہے جس پر ہم نہیں چل سکتے۔ ایسے لوگوں کو تنبہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی نشر و اشاعت، تبلیغ و دعوت، لوگوں میں اس کے نفوذ اور غلبے کے لیے جو جدوجہد کی جاتی ہے وہ محض ایک نظریاتی آویزش میں حصہ لینے کے مترادف نہیں اور نہ ایسا ہے کہ دینیات یا الٰہیات کی ایک بحث ہے جسے بہر صورت غالب کرنے کی ایک کوشش ہے بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جس طرح زندگی کی بنیادی ضرورتوں کے لیے تگ و دو کرنے والا ایک شخص جدوجہد میں کبھی ہراساں نہیں ہوتا، کبھی اسے کافی نہیں سمجھتا اور کبھی اپنے لیے اسے بوجھ خیال نہیں کرتا بلکہ اگر کوئی شخص اسے روکنا بھی چاہے تو وہ اسے اپنے ساتھ دشمنی سمجھتا ہے۔

وہ جانتا ہے کہ زندگی ضروریات کی فراہمی کا نام ہے جس میں اگر کھانے پینے کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں تو مکان کے لیے تگ و دو شروع ہو جاتی ہے، مکان بن جاتا ہے تو بچوں کا مستقبل سنوارنے کی خلش دل میں اتر جاتی ہے اور پھر خوب سے خوب تر کے حصول میں زندگی کا ہر لمحہ نچڑ کر رہ جاتا ہے تا آنکہ بڑھاپا آدمی کو مفلوج کر دیتا ہے اور یا موت کام تمام کر دیتی ہے۔

بالکل اسی طرح دین بھی انسانی زندگی کی سب سے بنیادی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر کوئی شخص نہ معرفتِ حق سے بہرہ ور ہوتا ہے اور نہ کائنات کے بارے میں اسے اپنی الجھنوں کا جواب ملتا ہے، وہ

اپنی زندگی کی تعمیر کے لیے فکر مند ہوتا ہے تو دین ہی اسے بنیادی تصورات فراہم کرتا ہے، طریقہ کار تجویز کرتا ہے اور اہداف کا تعین کرتا ہے، وہ معاشرے کا کارآمد حصہ بننے کے لیے شادی کرنا چاہتا ہے تو دین ہی اسے رہنمائی دیتا ہے۔

اولاد ہوتی ہے اور وہ ان کی تربیت کے لیے سرگرداں ہے تو دین اس کی اس سرگرانی کا علاج تجویز کرتا ہے۔ وہ اپنے گھر کو آسودگی کا مرکز بنانا چاہتا ہے تو دین ہی اس کے گھر میں ماں باپ کی شفقت اور اولاد کی اطاعت کے پھولوں کی تخم ریزی کرتا ہے، علیٰ ہٰذا القیاس زندگی اپنے انفرادی اور اجتماعی اداروں میں جہاں تہاں بھی کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے وہیں ہمیں دین کا نور اس کے دل میں جگمگاتا اور اس کا راستہ روشن کرتا نظر آتا ہے۔

ایسی بنیادی ضرورت جس کے بغیر زندگی گھٹنوں چلنے پر بھی قادر نہیں۔ اگر اس جدوجہد میں کوئی تکلیف ہوتی یا کوئی محنت کرنی پڑتی ہے یا مخالفتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو اس کی شکایت کرنے کی بجائے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ تو اس راہ کی وہ سنتیں ہیں جس کے بغیر اس راستے میں کوئی شخص کامیابی سے چلنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

یہ دین بظاہر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے اور اس کا جلیل القدر رسول ہر طرح کا دکھ اٹھا کر لوگوں تک اسے پہنچاتا ہے لیکن کاش اس بات کو ذہن نشین کر لیا جائے کہ یہ تو میری اپنی ضرورت اور میرا اپنا بنیادی فریضہ ہے جسے دوسری ضرورتوں کی طرح مجھے بہر صورت انجام دینا ہے، اس کے لیے کی جانے والی محنت اور اس راستے میں اٹھائے جانے والے مصائب اللہ تعالیٰ پر احسان نہیں، بلکہ دوسری ضرورتوں کی طرح اس راستے کی ایک لازمی سنت اور ایک لازمی تقاضا ہے جسے بہر صورت انجام دینا ہے۔ اور اگر اس کے انجام دینے کی فکر نہیں کی جائے گی تو نقصان اپنا ہو گا، اللہ تعالیٰ تو دنیا جہان والوں سے غنی ہے اس کی ولایت اور حکومت میں کسی قسم کے فرق آجانے کا اندیشہ نہیں۔ (روح)

ایمان، اعمال صالحہ، والدین سے حسن سلوک

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ﴿۹﴾ العنکبوت

جواب ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ضرور ضرور ہم ان کی برائیوں کا کفارہ کر دیں گے اور ضرور ضرور ہم انہیں ان کے کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دیں گے۔ اور ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کر اور اگر وہ تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہرا جس کی دلیل تیرے پاس نہیں ہے سو تو ان کی فرمان برداری نہ کرنا، میری طرف تم لوگوں کو واپس ہونا ہے سو میں تمہیں ان کاموں سے باخبر کر دوں گا جو تم کیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے سو ہم ان کو ضرور ضرور نیک بندوں میں داخل کر دیں گے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لیے عظیم بشارتیں اور اہم ہدایات بیان فرمائی ہیں، ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے، آزمائشوں اور تکلیفوں پر صبر کرتے رہے اور نیک اعمال بجالاتے رہے، اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو مٹا دے گا اور انہیں ان کے بہترین اعمال کے مطابق اجرِ عظیم عطا فرمائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ صبر اور عملِ صالح بندۂ مؤمن کی کامیابی کا اصل سرمایہ ہیں اور نیکیاں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے گناہوں کے کفارے کا سبب بنتی ہیں۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا: اس کے بعد والدین کے حقوق کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک اور خدمت کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ والدین انسان پر سب سے بڑے دنیاوی محسن ہیں، لیکن اگر والدین اپنی اولاد پر اس بات کے لیے دباؤ ڈالیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے یا دینِ حق سے ہٹ جائے، تو ایسی صورت میں ان کی بات

ماننا جائز نہیں، اس لیے کہ خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہو سکتی۔

مفسرین کرام نے یہاں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ ان کی والدہ نے اسلام چھوڑنے پر مجبور کرنے کے لیے سخت رویہ اختیار کیا، مگر انہوں نے ایمان پر ثابت قدمی اختیار کی، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سب کو قیامت کے دن اسی کی بارگاہ میں لوٹ کر جانا ہے، جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ آخر میں اہلِ ایمان کو یہ خوشخبری سنائی گئی کہ

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ: جو لوگ ایمان اور اعمالِ صالحہ پر قائم رہیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں صالحین کے زمرے میں داخل فرمائے گا، ان کا حشر نیک بندوں کے ساتھ ہو گا اور انہیں آخرت میں عظیم اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔

ایمان کے دعویداروں کا امتحان لیا جاتا ہے

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ العنکبوت

جواب ترجمہ۔ اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ کہہ دیتے ہیں کہ: ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں۔ پھر جب ان کو اللہ کے راستے میں کوئی تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو وہ لوگوں کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو ایسا سمجھتے ہیں جیسا اللہ کا عذاب اور اگر کبھی تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی مدد ان (مسلمانوں) کے پاس آگئی ہے تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ: ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔ بھلا کیا اللہ کو وہ باتیں اچھی معلوم نہیں ہیں جو سارے دنیا جہان کے لوگوں کے سینوں میں چھپی ہیں؟ اور البتہ اللہ ایمان والوں کو ضرور ظاہر کرے گا اور وہ ضرور ضرور منافقوں کو بھی ظاہر کرے گا۔

خلاصہ تفسیر: علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بعض مسلمان تھے وہ زبان سے تو اسلام کا اظہار کر دیتے تھے پھر جب کافروں کی طرف سے تکلیف پہنچ جاتی تھی تو ان کے موافق ہو جاتے تھے اور اس

موافقت کو مسلمانوں سے چھپاتے تھے۔ اور قتادہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ بعض لوگ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے پھر مشرکین مکہ انہیں واپس لے گئے۔

دنیاداری حقیقت میں کمزوری کا سبب ہے، اگر آخرت کا یقین پختہ ہو اور آخرت کی ضرورت سمجھ کر ایمان قبول کیا ہو تو منافقت کی شان ختم ہو جاتی ہے، اگر کافروں میں پھنس کر کوئی مومن بندہ مجبور ہو جائے تو گو وہ بظاہر زبان سے کوئی نامناسب کلمہ کہہ دے لیکن دل سے کفر اختیار نہیں کر سکتا اور کافروں کا ہم نوا نہیں بن سکتا، اگر کافروں سے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس پر صبر کرتا ہے جیسے عہد نبوی کے مسلمانوں (حضرت بلال، حضرت عمار اور حضرت خباب رضی اللہ عنہم نے تکلیفیں برداشت کیں، پختہ مسلمان سمجھتا ہے کہ یہ تو تھوڑی سی تکلیف ہے کفر پر مرنے کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہو گا وہ بہت ہی شدید ہو گا۔

لیکن جن لوگوں کا ایمان یوں ہی نام کو ہوتا ہے وہ لوگ ایمان پر پہنچنے والی تکلیفوں کو اس عذاب کے برابر سمجھ لیتے ہیں جو آخرت میں کافروں کو ہو گا اور اس کی وجہ سے صریح کفر اختیار کر لیتے ہیں اور کافروں کا ساتھ دینے لگتے ہیں۔ اور چونکہ دنیا ہی کے طالب ہوتے ہیں اس لیے خفیہ طور پر کفر اختیار کرنے کے باوجود مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دیکھو تمہیں جو فلانی جگہ مال غنیمت حاصل ہوا ہمیں بھی اس میں شریک کرو ہم بھی تو تمہارے ساتھ تھے (یعنی ہم دینی اعتبار سے تمہارے ساتھی ہیں) ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا أَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ، (کیا اللہ جہاں والوں کے سینوں کی باتوں کو خوب اچھی طرح جاننے والا نہیں ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کو سب علم ہے کہ کس کے دل میں کیا ہے کون مخلص ہے کون منافق ہے، اگر کسی نے بندوں سے اپنے نفاق کو چھپا لیا تو اللہ تعالیٰ سے تو نہیں چھپا سکتا۔ (انوار البیان)

اپنے گناہوں کے ساتھ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز یہ بتائیے کہ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ کا کیا معنیٰ ہے؟

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ {۱۲} وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ {۱۳} العنکبوت.

جواب ترجمہ: اور کافروں نے ایمان والوں سے کہا کہ تم ہمارے راستہ کا اتباع کرلو اور تمہارے گناہوں کو ہم اٹھالیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں، بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں۔ اور وہ لوگ ضرور ضرور اپنے بوجھوں کو اٹھائیں گے، اور اپنے بوجھوں کے ساتھ دوسروں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے، اور قیامت کے دن ضرور ضرور ان باتوں کا سوال کیا جائے گا جو دنیا میں جھوٹ بناتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا: اس آیتِ مبارکہ میں کفار و مشرکین کے ایک بڑے فریب اور دھوکے کو بے نقاب کیا گیا ہے، وہ اہلِ ایمان سے کہتے تھے کہ تم اسلام اور توحید کا راستہ چھوڑ کر ہمارے طریقے پر چل پڑو اور اگر اس میں کوئی گناہ یا آخرت کا مواخذہ ہوا تو اس کی ذمہ داری ہم اپنے اوپر لے لیں گے، گویا وہ یہ تاثر دیتے تھے کہ تم ہمارے کہنے پر کفر اختیار کرلو، ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھالیں گے، یہ دراصل ایمان والوں کو حق سے ہٹانے اور باطل کی طرف مائل کرنے کی ایک مکّارانہ کوشش تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کی سختی سے تردید فرمائی کہ

وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ: حقیقت یہ ہے کہ وہ دوسروں کے گناہوں کا ذرّہ برابر بوجھ بھی اپنے اوپر نہیں اٹھاسکتے، قیامت کے دن ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہوگا، کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، ہاں، جو لوگ دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں، وہ اپنے گناہوں کے ساتھ ان لوگوں کی گمراہی کا وبال بھی اٹھائیں گے جنہیں انہوں نے راہِ حق سے ہٹایا ہوگا، لیکن اس کے باوجود گمراہ ہونے والوں کی اپنی ذمہ داری ختم نہیں ہوگی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے صاف فرمادیا:

اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ: یعنی یہ لوگ اپنے اس دعوے میں سراسر جھوٹے ہیں، آیتِ کریمہ اہلِ ایمان کو یہ

سبق دیتی ہے کہ انسان کو کسی کے بہکاوے یا جھوٹے وعدوں میں آکر دینِ حق کو نہیں چھوڑنا چاہیے، کیونکہ آخرت میں نجات صرف ایمان اور اعمالِ صالحہ ہی سے حاصل ہوگی۔

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ: جنہوں نے لوگوں کو راہ راست سے ہٹا کر گمراہ کیا وہ قیامت کے دن اپنے جرائم اور گناہوں کا پلندہ بھی اٹھائیں گے اور ان لوگوں کے گناہوں کا پلندہ بھی اٹھائیں گے جنہیں انہوں نے گمراہ کیا تھا، کیونکہ ان کے گمراہ ہونے میں ان گمراہ کرنے والوں کا بھی بڑا واضح کردار تھا، بلکہ یہ لوگ جو راہ حق سے بھٹکے، راہ ضلالت پر چلے تو اس میں ان گمراہ کرنے والوں کی کوششوں کا بڑا عمل دخل تھا، گویا یہ بھی ان ہی کا عمل ہے اور وہ اس کی سزا کے بجا طور پر مستحق ہیں۔

جیسے حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے اور ہدایت پر عمل کرتا ہے تو جو لوگ اس کی ہدایت پر عمل کریں گے ان کو بھی اجر و ثواب ملے گا اور راہ ہدایت کی طرف دعوت دینے والے کو بھی ان کے اجر و ثواب کی مثل اجر و ثواب ملے گا، جب کہ ان ہدایت پاکر عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں سے کوئی چیز کم نہیں کی جائے گی، اسی طرح گمراہی کی دعوت دینے والے کا بھی معاملہ ہے، ارشاد ہے

مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى فَاتُّبِعَ عَلَيْهِ وَعُمِلَ بِهِ فَلَهُ مِثْلُ أُجُورِ مَنِ اتَّبَعَهُ وَلَا يُنْقِصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَأَيُّمَا دَاعٍ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ فَاتُّبِعَ عَلَيْهَا وَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ فَعَلَيْهِ مِثْلُ أَوْزَارِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِمَّنِ اتَّبَعَهُ لَا يُنْقِصُ ذَلِكَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شيئا

جس نے ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور لوگوں نے اس ہدایت کو قبول کیا اور اس پر عمل کیا تو سارے عمل کرنے والوں کا ثواب اس دعوت دینے والے کو ملے گا اور ان کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے گمراہی کی دعوت دی اور لوگوں نے اسے قبول کیا اور اس کے مطابق عمل کیا تو سب گمراہوں کی گمراہی کا بوجھ اس پر لادا جائے گا اور ان کے بوجھ میں بھی ذرا کمی نہیں ہوگی۔ (تفسیر قرطبیؒ)

مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان گرامی ہے کہ

أَيُّمَا دَاعٍ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ فَاتُّبِعَ فَإِنَّ لَهُ مِثْلَ أَوْزَارِ مَنِ اتَّبَعَهُ وَلَا يُنقَصُ مِن أَوزَارِهِم شَيْئًا وَأَيُّمَا دَاعٍ دَعَا إِلَى هُدًى فَاتُّبِعَ فَإِنَّ لَهُ مِثْلُ أُجُورِ مَن اتَّبَعَهُ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا (ابن ماجہ، تفسیر قرطبی)

جو بھی داعی گمراہی کی طرف دعوت دے گا، پھر اس کی دعوت کی پیروی کی گئی تو اس کے لیے ان لوگوں کے گناہوں کی مثل گناہ ہوں گے جنہوں نے اس گمراہی کی پیروی کی ہو گی اور ان پیروی کرنے والوں کے گناہوں میں بھی کچھ کمی نہیں کی جائے گی، اور جو بھی داعی ہدایت کی طرف دعوت دے گا پھر اس کی پیروی کی گئی تو اس کے لیے ان لوگوں کے اجر وثواب کی طرح اجر وثواب ہو گا جنہوں نے اس ہدایت کی پیروی کی ہو گی۔

اسی طرح حضرت نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنقَصَ مِن أَوزَارِهِم شَيء (تفسیر قرطبی)

جس نے اسلام میں کسی برے طریقے کی بنیاد رکھی تو اس کا گناہ اس بنیاد رکھنے والے شخص پر ہو گا اور جو اس برے طریقے پر چلیں گے ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اس شخص پر ہو گا، جب کہ غلط راہوں پر چلنے والوں کے گناہوں میں کسی قسم کی کمی نہیں ہو گی۔

تعارض ورفع تعارض: اس مقام پر دو آیات ہیں، پہلی میں فرمایا گیا کہ کفار مکہ اہل اسلام کو کہتے تھے کہ تم لوگ ہماری پیروی کرو، ہمارے راستے پر چلو تو ہم تمہارے گناہوں کی پوٹ اٹھالیں گے، اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت کی آیت بارہ میں فرمایا کہ وہ ان کے گناہوں کی پوٹ نہیں اٹھائیں گے وہ جھوٹے لوگ ہیں، دوسری آیت میں فرمایا کہ اور وہ اپنے گناہوں کے بوجھ بھی ضرور اٹھائیں گے اور اپنے بوجھ کے ساتھ کچھ اور بوجھ بھی اور یہ لوگ جتنے جھوٹ گھڑا کرتے تھے، قیامت کے دن ان سے سب کی باز پرس ضرور کی جائے گی، بظاہر دونوں آیات میں تعارض معلوم ہوتا ہے،

جواب علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اس تعارض کو یوں حل فرماتے ہیں کہ پہلی آیت میں نفی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس انداز سے دوسرے کا بوجھ اٹھا دینا کہ کوئی گناہ باقی نہ رہے اور دوسری

آیت میں اثبات ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے بوجھ بھی ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کے بوجھ بھی ہوں گے۔ کیونکہ حدیث پاک میں ہے جس نے براراستہ بتلایا تو اس بتلانے والے پر بھی اس کا گناہ ہو گا مگر گناہ کرنے والا تو چھوٹے گا نہیں۔ (روح المعانی:۴۶۶/ ۲۰)

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر

سوال سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کتنے سال دعوت و تبلیغ کی؟ آیت کی روشنی میں واضح کیجیے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحاً إِلَى قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَاماً فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ{۱۴}فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ {۱۵} العنکبوت

جواب ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، سو وہ ان میں پچاس کم ہزار سال رہے سو ان لوگوں کو طوفان نے پکڑ لیا اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے تھے۔ پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دے دی ہے اور اس واقعہ کو ہم نے تمام جہان والوں کے لیے عبرت بنا دیا۔

خلاصہ تفسیر: آیت کے پہلے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو آپ کی قوم میں رسول بنا کر بھیجا تھا اور آپ نے رسول ہونے کی حیثیت سے ساڑھے نو سو سال اپنی قوم میں قیام فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں ساڑھے نو سو سال کی مدت آپ کی رسالت کی مدت کے طور پر بیان کی گئی ہے، آپ کی عمر کی طوالت کے طور پر نہیں، تورات کا بیان اس لحاظ سے قرآن کریم سے مختلف ہے۔

تورات میں ہے "اور طوفان کے بعد نوح ساڑھے تین سو برس اور جیتا رہا اور نوح کی کل عمر ساڑھے نو سو برس کی ہوئی تب اس نے وفات پائی"۔ (پیدائش باب۹۔۲۸۔۲۹)

بائیبل کے بیان کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام چھ سو برس کے تھے جب طوفان آیا اور اس کے بعد ساڑھے تین سو برس اور زندہ رہے، اس لحاظ سے بائیبل آپ کی مجموعی عمر ساڑھے نو سو سال قرار دیتی ہے۔

لیکن قرآن کریم ساڑھے نو سو سال کو ان کی نبوت کی عمر قرار دیتا ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ آپ نے نبوت سے پہلے بھی کچھ عمر گزاری ہو گی اور پھر طوفانِ نوح کے بعد بھی آپ کچھ عرصہ تک زندہ رہے ہوں گے۔ اس لحاظ سے آپ کی عمر ایک ہزار سال سے متجاوز ہونی چاہیے۔

بعض لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی طویل عمر کو دیکھتے ہوئے شک و شبہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ اس میں دو باتیں بالکل واضح ہیں ایک تو یہ بات کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں عمروں کا اوسط آج کی نسبت بہت زیادہ تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے والد کی عمر سات سو تہتر برس بیان کی جاتی ہے اور ان کے دادا کی عمر نو سو انہتر برس ذکر کی گئی ہے۔ اسی طرح ان کے دوسرے اجداد میں سے کسی کی عمر نو سو باسٹھ برس مذکور ہے اور کسی کی آٹھ سو پچانوے برس۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی یہ عمر اس زمانے کی اوسط عمر کے بالکل مطابق ہے۔

اور یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں زمین پر آبادی بہت کم تھی۔ اور تمدن و معیشت کے وہ مفاسد ابھی ظہور میں نہیں آئے تھے جو اب زندگی کے ہر شعبے پر چھا گئے ہیں۔ کھلی فضا، خالص غذا، حوادث اور تصادم سے محفوظ زندگی، فطری حالت اور سادگی کی وجہ سے جسم میں غیر معمولی قوت مدافعت جیسے اسباب کی وجہ سے زندگی کے دراز ہونے سے کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ (تفسیر روح القرآن)

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں حضرت نوح علیہ السلام کی عمر سے متعلق پانچ اقوال نقل فرماتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ① پہلا قول یوسف بن مہران حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو جب نبوت سے سرفراز کیا گیا تو ان کی عمر چالیس سال تھی، پھر اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی، اس کے بعد طوفان نوح آیا، طوفان نوح کے بعد آپ ساٹھ سال زندہ رہے۔

② دوسرا قول حضرت کعب احبار رحمہ اللہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال رہے، اس کے بعد ستر سال تک زندہ رہے، یوں ان کی عمر ایک ہزار بیس سال ہے۔

③ تیسرا قول عون بن ابی شداد کا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو جب نبوت ملی تو اس وقت آپ کی عمر تین سو پچاس سال تھی، پھر اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تک دعوت و تبلیغ کی، اس کے بعد تین سو پچاس سال زندہ رہے۔ ④ چوتھا قول حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبوت ملنے سے پہلے نوح علیہ السلام تین سو سال تک اپنے لوگوں میں رہے، تین سو سال نبوت ملنے کے بعد رہے، پھر طوفان نوح کے بعد تین سو سال تک رہے۔ ⑤ پانچواں قول علامہ ماوردی رحمہ اللہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کی پوری عمر کا بیان موجود ہے۔ (تفسیر زاد المسیر)

یہاں اللہ تعالیٰ نے ساڑھے نو سو سال ذکر کرنے کی بجائے ایک ہزار مگر پچاس سال کا ذکر کیوں فرمایا، اس کی وجہ مفسرین کرام یہ بیان کرتے ہیں کہ یہاں تکثیر عدد مراد ہے، ایک ہزار سال کا ذکر اس لیے کیا کہ یہ بڑا لفظ ہے، سب سے بڑا عدد ہے۔ علامہ زجاج کہتے ہیں کہ کلام عرب میں استثناء تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ: اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کی نجات کا ذکر فرمایا ہے، جب قومِ نوح اپنی سرکشی، تکذیب اور کفر پر اڑی رہی اور اللہ کے عذاب کا وقت آپہنچا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ کشتی میں سوار اہل ایمان کو طوفان عظیم سے محفوظ فرمالیا، ہر طرف پانی ہی پانی تھا، موجیں پہاڑوں کی مانند اٹھ رہی تھیں، مگر اللہ کی حفاظت میں وہ کشتی اہل ایمان کے لیے سلامتی کا ذریعہ بن گئی، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو سخت ترین آزمائشوں اور ہولناک حالات میں بھی تنہا نہیں چھوڑتا بلکہ ان کے لیے نجات کے اسباب پیدا فرمادیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ

وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ: اس کشتی کو عالمین یعنی "جہان والوں کے لیے نشانی" بنادیا گیا، مطلب یہ ہے کہ یہ واقعہ بعد والوں کے لیے عبرت، نصیحت اور قدرتِ الٰہی کی روشن دلیل ہے کہ جو لوگ انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کرتے ہیں، ان کا انجام ہلاکت ہوتا ہے اور جو ایمان و اطاعت کا راستہ اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں نجات عطا فرماتا ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی قیامت تک آنے والی

نسلوں کو یہ سبق دیتی رہے گی کہ حقیقی پناہ صرف اللہ کی اطاعت اور اس کے پیغمبروں کی پیروی میں ہے۔

بعثت ابراہیمی، دعوت توحید، آتش نمرودی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ {۱۶} اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ {۱۷} وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ {۱۸} اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ {۱۹} قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ {۲۰} يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ {۲۱} وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ {۲۲} وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ {۲۳} فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ {۲۴} وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ {۲۵} العنکبوت

جواب ترجمہ: اور ہم نے ابراہیم کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ اللہ کو چھوڑ کر تم بتوں ہی کی عبادت کرتے ہو اور جھوٹی باتیں تراشتے ہو یہ تمہارے لیے رزق کے مالک نہیں ہیں سو تم اللہ کے پاس رزق تلاش کرو اور اس کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو، تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور اگر جھٹلاؤ گے تو تم سے پہلی امتیں جھٹلا چکی ہیں، اور رسول کے ذمہ واضح طور پر پیغام پہنچانے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ کیا ان

لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا فرمایا ہے پھر وہ اسے دوسری بار پیدا فرمائے گا، بلاشبہ اللہ پر آسان ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ زمین میں چلو پھرو سو دیکھو اللہ نے پہلی بار کس طرح مخلوق کو پیدا فرمایا پھر دوسری مرتبہ بھی اللہ پیدا فرمادے گا بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا رحم فرمائے گا اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور تم زمین پر کسی کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور نہ آسمان میں اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی کارساز اور مددگار نہیں۔ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا اور اس کا انکار کیا یہ لوگ میری رحمت سے ناامید ہوں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ سو ان کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس کو قتل کر ڈالو یا جلا ڈالو، سو اللہ نے ان کو آگ سے نجات دے دی، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ اور ابراہیم نے کہا کہ تم نے جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنالیا ہے یہ تمہاری آپس کی دوستی کی وجہ سے ہے جو دنیا والی زندگی میں ہے، پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کے مخالف ہو گے اور تم میں سے بعض بعض پر لعنت کریں گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہو گا اور تمہاری مدد کرنے والے بالکل نہ ہوں گے۔

خلاصہ تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہو اور جھوٹی باتیں تراشتے ہو تمہارا یہ کہنا جھوٹ ہے کہ یہ اللہ کے شریک ہیں اور تمہارا یہ خیال کرنا کہ یہ ہمارے کام آئیں گے یہ سب جھوٹ ہے اللہ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے تم ان کی عبادت چھوڑ دو، اللہ سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو، اور یہ بھی سمجھ لو کہ تمہیں اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، اس کی عبادت کرو گے اور اس کا شکر ادا کرو گے تو موت کے بعد اچھی حالت میں رہو گے اور اگر تم کفر اور شرک پر جمے رہے تو مرنے کے بعد اس کی سزا بھگتو گے۔ (انوار البیان)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ اگر تم مجھے جھٹلاؤ گے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں اپنے اپنے رسولوں کو جھٹلا چکی ہیں، وہ اپنے کردار کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں،

رسول کا کام بس اتنا ہے کہ واضح طور پر حق کو بیان کر دے، ایسا کرنے سے اس کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے، تم سے پہلے جو لوگ رسولوں کی رسالت کے منکر ہوئے انہوں نے اپنا ہی برا کیا اور اپنی جانوں کو عذاب میں جھونکنے کا راستہ اختیار کیا، تم بھی سمجھ لو کہ اگر تم نے میری دعوت قبول نہیں کی، شرک سے توبہ نہ کی، توحید پر نہ آئے تو تمہارا اپنا ہی برا ہو گا۔ (انوار البیان)

اَوَلَمْ یَرَوْا کَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ: ابھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو باقی ہے جو ان کے اور ان کی قوم کے درمیان تھی، درمیان میں قریش مکہ کو خطاب فرمایا جو قرآن کے مخاطبین اولین تھے، ارشاد فرمایا کہ جو لوگ قیامت کے دن زندہ ہونے کے منکر ہیں کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ان کے سامنے انسان اور حیوان اور دوسری چیزوں کی ابتدائی پیدائش ہوتی رہتی ہے، چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور فنا ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ دوبارہ ان کو پیدا فرما دیتا ہے، ابتداً پیدا فرمانا اور دوبارہ پیدا فرمانا اس کے لیے آسان ہے، دیکھو زمین ہری بھری ہوتی ہے کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں، پھر فنا ہو جاتی ہیں، زمین مردہ ہو جاتی ہے یعنی خشک ہو جاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ زمین سے بار بار ہری بھری کھیتیاں نکال دیتا ہے، یہ سب نظروں کے سامنے ہے پھر انسان کو دوبارہ تخلیق میں کیوں شک ہے؟ (انوار البیان)

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ: اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان منکرین بعث بعد الموت کو فرما دیجیے جو ثواب و عذاب کے منکر ہیں کہ زمین میں چلو پھرو اور غور کرو کہ اللہ تعالیٰ چیزوں کو کس طرح ابتداء کر کے ایجاد کرتا ہے جیسا اس نے ان کو ایجاد کیا اور ان کا احداث کیا اسی طرح اس پر دوبارہ ابتداء و احداث ناممکن و متعذر نہیں اسی طرح اعادہ میں نئے سرے سے پیدائش متعذر نہیں۔ (تفسیر طبری)

یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ: وہ جس کو چاہے عذاب دے۔ وَیَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ اور جس پر چاہے رحم فرمائے، وَاِلَیْهِ تُقْلَبُوْنَ: اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ دنیا میں اللہ کی مشیت اور ارادہ کے مطابق سب کچھ ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اسی کے فیصلوں کے مطابق سب کچھ ہو گا، آسمان اور زمین میں کوئی عاجز کرنے والا نہیں، اگر کوئی یہ چاہے کہ کہیں چھپ جائے یا بھاگ جائے اور اللہ کے قضا اور قدر

والے فیصلے سے بچ جائے یا اس کے عذاب سے چھوٹ جائے ایسا نہیں ہو سکتا۔ (انوار البیان)

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ لِقَآىِٕهٖۤ: اور جو لوگ اللہ کی آیات اور ملاقات کے منکر ہوئے وہ میری رحمت سے ناامید ہوں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا، اس وقت سمجھ لیں گے کہ ہم اپنے کفر کی وجہ سے اس لائق نہیں ہیں کہ ہم پر رحم کیا جائے اور اللہ کی رحمت سے ناامید ہوں گے۔ (انوار البیان)

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ: ارشاد فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کی تلقین کی تو ان کی قوم نے یہی کہا کہ ان کو مار ڈالو یا آگ میں جلا دو۔ شیطان کے پیروکاروں نے اللہ کے خلیل کو آگ میں جھونک دیا۔

فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحیدِ الٰہی کا عَلَم بلند کیا اور قوم کے باطل معبودوں کی حقیقت واضح فرمائی تو سرکش لوگوں نے انتقام میں آپ کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈالنے کا فیصلہ کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی حفاظت فرمائی اور ارشاد فرمایا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ، اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ مفسرین نے اس معجزانہ نجات کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔ بعض اہلِ علم کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے آگ کی تاثیر اور حرارت کو سلب فرما دیا، یہاں تک کہ وہ جلانے والی نہ رہی، یہی قول زیادہ صحیح قرار دیا گیا ہے، کیونکہ قرآنِ کریم کے ظاہری الفاظ اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جسم میں ایسی کیفیت پیدا کر دی تھی کہ آگ ان پر اثر انداز نہ ہو سکی، جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ آگ اپنی حالت پر باقی رہی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے ضرر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے روک دیا، یہ تمام صورتیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اعتبار سے ممکن ہیں، کیونکہ وہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھنے والا ہے۔

بعض فلاسفہ اور اطباء نے اس واقعہ کے خلاف عقلی شبہات پیش کیے، لیکن مفسرین نے ان کا تفصیلی جواب دیا ہے، انہوں نے واضح کیا کہ آگ کی حرارت کوئی ایسی لازمی صفت نہیں جس میں کمی بیشی نہ ہو سکے، بلکہ دنیا میں مشاہدہ ہے کہ آگ کی تیزی کبھی بڑھتی اور کبھی کم ہو جاتی ہے، اسی طرح جیسے پانی اپنی ٹھنڈک کھو سکتا ہے، ویسے ہی اللہ تعالیٰ آگ کی حرارت کو بھی زائل کر سکتا ہے اور وہ

صرف نور باقی رہ جائے جو جلانے والا نہ ہو، مزید یہ کہ معجزہ دراصل عادت سے ہٹ کر غیر معمولی امر ہی ہوتا ہے، اس لیے محض یہ کہنا کہ "ایسا معمول کے خلاف ہے" معجزے کے انکار کی دلیل نہیں بن سکتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ نجات درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بے پایاں قدرت، اپنے نبیوں کی حفاظت اور اہل ایمان کے لیے نصرت الٰہی کی روشن نشانی ہے، جو یہ سبق دیتی ہے کہ جب اللہ کسی کی مدد فرمانے کا ارادہ کرلے تو آگ بھی گل وگلزار بن جاتی ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے نجات دینے کے واقعہ کو اہلِ ایمان کے لیے عظیم نشانیوں میں شمار کرتے ہوئے فرمایا، اس واقعہ میں ایمان والوں کے لیے بڑی عبرتیں اور نشانیاں ہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے "آیات" کا لفظ جمع کے ساتھ استعمال فرمایا، جب کہ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں کشتی کے متعلق فرمایا تھا، وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰیَةً، اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ کشتی کے ذریعے نجات اگرچہ عظیم معجزہ تھا، لیکن عقل اس کے امکان کو سمجھ سکتی ہے، کیونکہ کشتی ایک ظاہری سبب ہے۔

البتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دہکتی ہوئی آگ میں ڈالے جانے کے باوجود محفوظ رہنا ایک غیر معمولی معجزہ اور کئی نشانیوں کا مجموعہ تھا، اس لیے وہاں "آیات" فرمایا گیا، مزید یہ کہ کشتی کا نشان بعد میں لوگوں کے سامنے موجود رہا، اس لیے اسے تمام جہان والوں کے لیے "آیت" کہا گیا، لیکن آگ کا ٹھنڈا ہو جانا ایک ایسا واقعہ تھا جو بعد میں ظاہری طور پر باقی نہ رہا، اس کا یقین ایمان اور تصدیق کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا تھا، اسی لیے یہاں خاص طور پر لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ فرمایا گیا۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت کی اس آیت میں "آیات" کا لفظ جمع کے ساتھ استعمال فرمایا، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نجات میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی ایک نہیں بلکہ متعدد نشانیاں پوشیدہ تھیں، ① سب سے پہلی نشانی یہ تھی کہ دہکتی ہوئی آگ، جو اپنی طبیعت کے اعتبار سے جلانے والی ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی۔

② دوسری نشانی یہ تھی کہ تمام مشرکین اپنی پوری قوت اور تدبیر کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ ③ تیسری نشانی یہ تھی کہ کفار نے اپنی آنکھوں سے یہ عظیم معجزہ دیکھنے کے باوجود بھی اپنے کفر اور عناد کو نہ چھوڑا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب دل ہدایت سے محروم اور ضد وہٹ دھرمی میں ڈوب جائیں تو روشن ترین معجزات بھی انہیں ایمان کی دولت نصیب نہیں کر سکتے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان نشانیوں کو خاص طور پر اہلِ ایمان کے ساتھ متعلق فرمایا، کیونکہ حقیقت میں انہی لوگوں کو ان معجزات سے فائدہ حاصل ہوتا ہے جو ایمان اور یقین کی دولت رکھتے ہیں، مومن ان واقعات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، انبیاءِ کرام علیہم السلام کی صداقت اور حق و باطل کے انجام کو دیکھ کر اپنے ایمان میں مزید مضبوطی پیدا کرتے ہیں، جب کہ منکر اور معاند لوگ واضح دلائل کے باوجود محروم ہی رہتے ہیں۔

نکتہ: مفسرین نے اس مقام پر ایک نہایت لطیف نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے کامل ایمان، توحید اور لوگوں کو ہدایت کی دعوت دینے کی وجہ سے آگ سے محفوظ فرمایا، پھر امتِ محمدیہ کو حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کی ذات کو اپنے لیے بہترین نمونہ بناؤ، قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ. اس میں اہلِ ایمان کے لیے یہ خوشخبری پوشیدہ ہے کہ جس طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل پر آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی والی بنا دیا، اسی طرح قیامت کے دن بھی ایمان والوں پر جہنم کی آگ کو بے اثر فرمائے گا، اسی مناسبت سے فرمایا گیا کہ اس واقعہ میں ایمان والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں، مزید یہ کہ کشتی اپنے وجود میں بذاتِ خود معجزہ نہ تھی، بلکہ طوفان آنے کے بعد وہ نشانی بنی، اس لیے فرمایا، جَعَلْنَاهَا آيَةً. جب کہ آگ کا ٹھنڈا ہو جانا اپنی ذات میں ہی معجزہ اور نشانی تھا، اس لیے یہاں کسی اضافی سبب کے بغیر فرمایا گیا کہ اس واقعہ میں "بڑی نشانیاں" ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے شر اور آگ کی ہولناکی سے نجات عطا فرمائی تو اس کے بعد آپ نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا

إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَوةِ الدُّنْيَا: یعنی تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کو معبود بنایا ہوا ہے، یہ کسی دلیل اور یقین کی بنیاد پر نہیں، بلکہ دنیاوی تعلقات، باہمی محبت

اور ایک دوسرے کی خوشنودی کے لیے ہے، تمہارا مقصد حق کی پیروی نہیں بلکہ ایک دوسرے کی اندھی تقلید اور رسم ورواج کی پاسداری ہے، چنانچہ کوئی شخص خاندانی دباؤ میں، کوئی معاشرتی تعلقات کی خاطر اور کوئی اپنے بڑوں کی پیروی میں ان باطل معبودوں کی عبادت کر رہا ہے۔ لیکن یہ دنیاوی محبتیں اور مصنوعی تعلقات ہمیشہ باقی رہنے والے نہیں، اسی لیے فرمایا

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا: یعنی قیامت کے دن یہی لوگ ایک دوسرے سے بیزاری ظاہر کریں گے، پیشوا اپنے پیروکاروں سے لاتعلقی کا اعلان کریں گے اور پیروکار اپنے رہنماؤں پر لعنت بھیجیں گے، دنیا میں جن باطل بنیادوں پر ان کے درمیان محبت اور موافقت تھی، آخرت میں وہی تعلقات دشمنی، نفرت اور ملامت میں بدل جائیں گے، پھر ان سب کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور انہیں عذابِ الٰہی سے بچانے والا کوئی مددگار نہ ہوگا، اس آیتِ کریمہ میں اس حقیقت کو نہایت مؤثر انداز میں واضح کیا گیا ہے کہ باطل عقیدوں پر قائم تعلقات عارضی اور تباہ کن ہوتے ہیں، جب کہ حق اور ایمان پر قائم رشتے ہی دائمی کامیابی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ہجرت ابراہیمی اور اللہ کی نعمتیں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر بیان کیجیے۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ {۲۶} وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ {۲۷} العنکبوت

جواب ترجمہ: سولوط نے ابراہیم کی تصدیق کی اور ابراہیم نے کہا کہ بلاشبہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، بلاشبہ وہ عزیز ہے حکیم ہے۔ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے اور ہم نے ان کی ذریت (اولاد) میں نبوت اور کتاب کو قائم رکھا اور ہم نے ان کو دنیا میں اس کا اجر دیا، اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالحین میں سے ہوں گے۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ: انسانی عقل حیرت میں گم ہو جاتی ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کس قدر آزمائشوں

اورامتحانوں کی بھٹی سے گزارے گئے، مگر انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان پر ایمان لانے سے محروم رہی، اسی مقام پر دیکھا جاسکتا ہے کہ ان پر ایمان لانے والے صرف حضرت لوط علیہ السلام تھے، حضرت لوط علیہ السلام وہ واحد شخصیت تھے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو فوراً قبول کیا اور آپ کی صداقت پر ایمان لے آئے۔

مفسرین کرام رحمہم اللہ کے مطابق حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، قرآنِ کریم کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پوری قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مخالفت کی تو ایسے سخت ماحول میں صرف حضرت لوط علیہ السلام نے حق کا ساتھ دیا۔

نکتہ: علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں ان پر حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لایا، بعض مفسرین رحمہم اللہ نے حضرت لوط علیہ السلام کو "اول المومنین" یعنی سب سے پہلے ایمان لانے والا قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق کی دعوت کے آغاز میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کو اکثر تنہائی، مخالفت اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ انہی قلیل اہلِ ایمان کے ذریعے بعد میں حق کو غلبہ عطا فرماتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا کہ ابتدا میں اگرچہ ایمان لانے والوں کی تعداد انتہائی کم تھی، مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں "امام الناس" بنایا اور ان کی نسل میں نبوت و کتاب کا عظیم سلسلہ جاری فرمایا۔

وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ: بعض مفسرین کے نزدیک یہ قول حضرت لوط علیہ السلام کا ہے، لیکن جمہور اہلِ تفسیر کے مطابق یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرمان ہے، کیونکہ اصل گفتگو انہی کے بارے میں جاری ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ میں اپنی قوم اور وطن کو چھوڑ کر اس سرزمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں میرا رب مجھے جانے کا حکم دے رہا ہے، یہ ہجرت کسی دنیاوی فائدے یا آرام و آسائش کے لیے نہ تھی بلکہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ، توحید کے قیام اور حق کی سربلندی کے لیے تھی۔ پھر فرمایا:

اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ: اللہ تعالیٰ ہی زبردست غلبہ والا اور کامل حکمت والا ہے، وہی اپنے نیک

بندوں کی حفاظت فرماتا اور ہر کام حکمت کے ساتھ انجام دیتا ہے۔ ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بے شمار نعمتوں سے نوازا۔ ارشاد فرمایا:

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ: اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہم نے انہیں اسحاق علیہ السلام عطا فرمائے اور اسحاق علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام عطا کیا، اور ان کی اولاد میں نبوت اور آسمانی کتابوں کا سلسلہ جاری کر دیا۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے بے شمار انبیاءِ کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے اور تورات، زبور، انجیل اور قرآنِ کریم جیسی عظیم کتابیں نازل ہوئیں، اگرچہ یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام الگ ذکر نہیں کیا گیا، لیکن وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ: میں ان کا ذکر بھی شامل ہے، کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کی نسل سے ہیں۔ پھر فرمایا:

وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا ہی میں ان کی اطاعت، صبر اور قربانیوں کا بہترین صلہ عطا فرمایا، انہیں نیک اولاد، صالحہ بیوی، عظیم شہرت، لوگوں کے دلوں میں محبت اور رہتی دنیا تک ذکرِ خیر نصیب ہوا اور آخرت میں بھی وہ اللہ کے مقرب اور صالح بندوں میں شمار ہوں گے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا و آخرت دونوں کی کامیابیاں عطا فرمائیں اور ان کے ایمان، اخلاص اور وفاداری کو ہمیشہ کے لیے عظمت و رفعت کا نشان بنا دیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ

سوال حضرت لوط علیہ السلام کا کیا قصہ ہے؟ ان آیات کی روشنی میں بیان فرمائیے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ {۲۸} اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ {۲۹} قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ {۳۰} وَلَمَّا جَاۗءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ {۳۱} قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ

اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ؕ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ {۳۲} وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ {۳۳} اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ {۳۴} وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ {۳۵} العنکبوت.

جواب ترجمہ: اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بلاشبہ تم بے حیائی کا کام کرتے ہو تم سے پہلے اس کام کو دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم مردوں کے پاس آتے ہو اور رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں برا کام کرتے ہو، سو ان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ تو اللہ کا عذاب لے آ اگر تو سچوں میں سے ہے۔ لوط نے عرض کیا کہ اے میرے رب! فساد کرنے والے لوگوں کے مقابلہ میں میری مدد فرمایئے۔ اور جب ہمارے فرشتے خوشخبری لے کر ابراہیم کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ بلاشبہ ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں بلاشبہ اس بستی کے لوگ ظالم ہیں۔ ابراہیم نے کہا یہ یقینی بات ہے کہ اس بستی میں لوط بھی ہے، انہوں نے کہا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ اس بستی میں کون ہے، اور ہم لوط کو اور اس کے گھر والوں کو ضرور ضرور نجات دے دیں گے سوائے اس کی بیوی کے، وہ رہ جانے والوں میں سے ہے۔

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو لوط ان کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے، اور ان کی وجہ سے ان کا دل تنگ ہونے لگا، ان فرشتوں نے کہا: آپ نہ ڈریے، اور نہ غم کیجیے۔ ہم آپ کو اور آپ کے متعلقین کو بچالیں گے، سوائے آپ کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں شامل رہے گی۔ بلاشبہ ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب اتارنے والے ہیں اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کے کام کرتے ہیں۔ اور البتہ تحقیق ہم نے اس بستی کے بعض نشان چھوڑ دیئے ہیں جو ظاہر ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: حضرت سیدنا لوط علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر تھے، وہ ایک ایسی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے جو فحاشی اور بے حیائی کی مرتکب تھی، لوط علیہ السلام نے انہیں کہا کہ تم برا کام

کرتے ہو، دنیاوالوں میں سے یہ کام تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا، تم مردوں کے ساتھ بد فعلی کرتے ہو، تم اس برے اور خبیث کام کے لیے مسافروں کے راستے کاٹ کر بیٹھتے ہو، تم اپنی مجالس میں برے اعمال کا ارتکاب کرتے ہو، تم مجالس میں لوگوں کے ساتھ ٹھٹھا مزاح کرتے ہو، راہ گزرتے مسافروں کی طرف کنکریاں پھینکتے ہو، انہیں ایسی ایسی ایذائیں اور تکلیفیں پہنچاتے ہو جو قول کے لحاظ سے بھی مناسب نہیں اور افعال کے لحاظ سے بھی مناسب نہیں ہے، لوط علیہ السلام ان سے ان کی ان خبیث حرکتوں کے بارے میں سوال کرتے تھے، اس سے انہیں خبر دار کرنا مقصود تھا کہ جس بے حیائی اور برائی سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اس پر لوگوں کو جمع ہونا جائز نہیں ہے۔

لوط علیہ السلام کی قوم ایسی ڈھیٹ تھی کہ ان کے سوالات سن کر انہیں یوں جواب دیتی تھی کہ اگر آپ سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ، حضرت لوط علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے میرے اللہ! ان فسادی لوگوں پر میری مدد فرما، ان پر عذاب نازل فرما، اس لیے کہ انہوں نے فحاشی اور بے حیائی شروع کی ہے، پھر اس پر اصرار بھی کرتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو عذاب دینے کے لیے جو فرشتے بھیجے، وہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خبر دینے پہنچے، پھر اسحاق کے بعد ان کے بیٹے یعقوب کی بھی انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو خبر دی۔

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ ہم قوم لوط کی بستی والوں کو تباہ کرنے والے ہیں، یہ بستی سدوم ہے، اس بستی کے رہنے والوں نے اللہ کی نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا کہ اس بستی میں لوط بھی ہیں جو ظالم نہیں ہیں، فرشتوں نے کہا کہ ہمیں اچھی طرح پتا ہے کہ اس بستی میں کون کون ظالم ہے؟ ہم لوط اور ان کے اھل کو اس ہلاکت سے نجات عطا کریں گے، جو اس بستی والوں پر آنے والی ہے، ہاں لوط علیہ السلام کی بیوی ایسی ہے جو ہلاکت کے منہ میں جانے والوں میں شامل ہے۔

جب فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ گھبرا گئے، ان کے گھبرانے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت لوط علیہ السلام یہ سمجھے کہ یہ انسانی مہمان ہیں، فرشتے خوبصورت انسانی شکل میں تھے، آپ یہ سمجھے کہ ان خوبصورت مہمانوں کے ساتھ کہیں میری قوم کے لوگ برا کام نہ کرلیں، اس غم و پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو تسلی دی کہ آپ کی قوم کے لوگ ہم تک نہیں پہنچ سکتے، اس لیے آپ ڈریں نہیں، اس پر بھی آپ غم زدہ نہ ہوں کہ ہم ان لوگوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، ہم اس عذاب سے آپ کو نجات دے دیں گے جو آپ کی قوم پر نازل ہونے والا ہے، آپ کی اھلیہ کے سوا ہم آپ کے گھر والوں کو نجات دے دیں گے، مگر وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہے، ہم اس بستی پر آسمان سے عذاب اتارنے والے ہیں، اس عذاب کا سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور بے حیائی کا ارتکاب کیا ہے، ہم قوم لوط کی بستیوں کے آثار و نشانات عبرت حاصل کرنے والے لوگوں کے لیے باقی چھوڑیں گے، وہ ان باقیات سے فائدہ اٹھائیں گے۔

تکذیب رسالت، تکبر اور فساد کا عبرت ناک انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

وَإِلٰى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ {٣٦} فَكَذَّبُوْهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ {٣٧} وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ {٣٨} وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ {٣٩} العنکبوت

جواب ترجمہ: اور ہم نے مدین والوں کے پاس ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، سو انہوں نے کہا کہ اے میرے قوم اللہ کی عبادت کرو اور آخرت کے دن کی توقع رکھو، اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔ سو ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا لہٰذا انہیں زلزلہ نے پکڑ لیا اور وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے رہ گئے۔ اور ہم نے عاد اور ثمود کو ہلاک کیا اور حال یہ ہے کہ تمہیں ان کے

رہنے کی جگہوں سے ان کا حال معلوم ہو چکا ہے، اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے اچھا کر کے دکھایا سو اس نے انہیں راستہ سے روک دیا، اور وہ صاحب بصیرت تھے۔ اور ہم نے قارون کو اور فرعون کو اور ہامان کو ہلاک کیا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ موسیٰ ان کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے سو انہوں نے اپنے کو بڑا سمجھا اور وہ آگے بڑھنے والے نہ تھے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مختلف سرکش قوموں کے عبرت ناک انجام کا ذکر فرما کر اہلِ مکہ اور تمام انسانوں کو یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ جب قومیں اپنے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب، تکبر، ظلم اور فساد میں حد سے بڑھ جاتی ہیں تو اللہ کا عذاب انہیں آگھیرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قومِ مدین کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا، جنہوں نے اپنی قوم کو توحید، آخرت پر ایمان اور زمین میں فساد چھوڑنے کی دعوت دی، مگر انہوں نے ہٹ دھرمی سے آپ کی تکذیب کی، جس کے نتیجے میں ایک ہولناک زلزلے اور چیخ نے انہیں تباہ کر دیا اور وہ اپنے گھروں میں مردہ پڑے رہ گئے۔ پھر قومِ عاد اور ثمود کا ذکر فرمایا،

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ: جن کی بستیوں کے آثار عرب کے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے، ان اقوام کو اللہ تعالیٰ نے قوت، عقل اور دنیاوی ترقی عطا کی تھی، لیکن شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہ میں مزین کر دیے، چنانچہ وہ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتے رہے حالانکہ حقیقت میں وہ گمراہی میں ڈوبے ہوئے تھے، یہاں تک کہ اللہ کے عذاب نے انہیں نیست و نابود کر دیا۔ اسی طرح قارون، فرعون اور ہامان کا انجام بیان کیا گیا کہ

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ: حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس روشن معجزات اور واضح دلائل لے کر آئے، مگر انہوں نے تکبر، غرور اور اقتدار کے نشے میں حق کو ماننے سے انکار کر دیا، قارون اپنے مال و دولت پر اترایا، فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا اور ہامان نے اس کی سرکشی میں اس کا ساتھ دیا، لیکن وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہ سکے، اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ

فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ: انہوں نے اپنے کو بڑا سمجھا اور وہ آگے بڑھنے

والے نہ تھے، کوئی شخص اپنی قوت، حکومت، دولت یا لشکر کے ذریعے اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا، ان تمام واقعات سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ اللہ کی سنت ہمیشہ ایک جیسی رہی ہے: جو قوم ایمان، اطاعت اور اصلاح کا راستہ اختیار کرے وہ کامیاب ہوتی ہے اور جو تکبر، فساد اور انکارِ حق پر قائم رہے وہ بالآخر ذلت اور ہلاکت سے دوچار ہوتی ہے۔

قوموں کی تباہی اور بربادی کے مناظر

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے، نیز یہ بتائیے کہ اس آیت میں کونسی قوموں کا ذکر ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا؟

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ {۴۰} العنکبوت

جواب **ترجمہ:** ہم نے ان سب کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ میں لیا، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ تھے جن پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی اور کچھ وہ تھے جن کو ایک چنگھاڑ نے آپکڑا، اور کچھ وہ تھے جن کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، اور کچھ وہ جنہیں ہم نے پانی میں غرق کر دیا۔ اور اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن یہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

خلاصہ تفسیر: جس قوم پر ان کی بد اعمالیوں اور برائیوں کی وجہ سے پتھروں کی بارش کی گئی وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم تھی، جن پر نشان لگے ہوئے پتھر برسے تھے، جس قوم کو چنگھاڑ نے پکڑا تھا وہ حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہما السلام کی قومیں تھیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسایا وہ قارون تھا، جو قیامت کی صبح تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا، جس قوم کو اللہ تعالیٰ نے پانی میں غرق کیا وہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہے، اسی طرح فرعونی لشکر کو اللہ تعالیٰ نے پانی میں غرق کیا تھا۔

باطل سہاروں کی کمزوری، تاثیر نماز، حقانیت قرآن کریم

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ {۴۱} اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ {۴۲} وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ {۴۳} خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ {۴۴} اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ {۴۵} وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ڰ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ {۴۶} وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ {۴۷} العنکبوت

جواب ترجمہ: جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر کارساز بنا رکھے ہیں ان کی مکڑی جیسی مثال ہے کہ اس نے گھر بنایا اور بلاشبہ سب گھروں میں کمزور تر گھر مکڑی کا ہے اگر وہ جان لیتے تو ایسا نہ کرتے۔ بلاشبہ اللہ جانتا ہے جس کو بھی وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں، ان کو بس علم والے ہی سمجھتے ہیں۔ اللہ نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ، بلاشبہ اس میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اس کی تلاوت فرمایئے اور نماز قائم کیجیے، بلاشبہ نماز بے حیائی سے اور برے کاموں سے روکتی ہے اور البتہ اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ جانتا ہے۔ اور اہل کتاب سے بحث مت کرو مگر ایسے طریقہ پر جو اچھا طریقہ ہو، مگر وہ لوگ جو ان میں سے بے انصاف ہیں، اور یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو تمہاری طرف نازل ہوا اور ہمارا اور

تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کے فرمان بردار ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی، سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں، اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لے آتے ہیں، اور کافر لوگ ہی ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے باطل معبودوں کی حقیقت کو نہایت بلیغ مثال کے ذریعے واضح فرمایا ہے، ارشاد ہوا کہ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا کارساز اور مددگار بناتے ہیں، ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جو اپنے تحفظ کے لیے جالا بناتی ہے، حالانکہ تمام گھروں میں سب سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا جالا ہوتا ہے، اسی طرح مشرکین کے معبود بھی نہ نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ نقصان دور کرسکتے ہیں اور نہ اپنے پجاریوں کی کوئی سفارش کرسکتے ہیں، اگر یہ لوگ حقیقت کو سمجھتے تو کبھی اللہ کے سوا دوسروں کو معبود نہ بناتے، پھر فرمایا کہ

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ: اللہ تعالیٰ ان کے تمام باطل معبودوں اور اعمال کو خوب جانتا ہے، وہی زبردست حکمت والا ہے۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ: قرآن میں بیان کی جانے والی یہ مثالیں دراصل لوگوں کو غفلت سے جگانے اور حق کی طرف رہنمائی دینے کے لیے ہیں، مگر ان کی گہرائی اور حقیقت کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علمِ صحیح اور فہمِ دین رکھتے ہیں۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ: اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق اور حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا، ان کی تخلیق میں اہلِ ایمان کے لیے اللہ کی قدرت اور وحدانیت کی روشن نشانیاں موجود ہیں، جبکہ کافر ان عظیم نشانیوں کے باوجود غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ: آپ لوگوں کو قرآنِ مجید کی تلاوت سنائیں اور نماز کو کامل طریقے سے قائم کریں، کیونکہ صحیح اور خشوع والی نماز انسان کو بے حیائی اور گناہوں سے

روکتی ہے اور دل میں نورِ ایمان پیدا کرتی ہے، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ: اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام اعمال سے خوب باخبر ہے، پھر اہلِ ایمان کو ہدایت دی گئی کہ

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ: اہلِ کتاب سے گفتگو ہمیشہ عمدہ انداز، حکمت اور نرم اسلوب سے کریں، سوائے ان لوگوں کے جو ظلم، عناد اور دشمنی پر اتر آئیں، مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ وہ اعلان کریں کہ ہم قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور سابقہ آسمانی کتابوں پر بھی، کیونکہ ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں، آخر میں قرآنِ مجید کی حقانیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ: جیسے پہلے انبیاء علیہم السلام پر کتابیں نازل کی گئیں، اسی طرح یہ قرآن بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ چنانچہ اہلِ کتاب میں سے بہت سے انصاف پسند لوگ، جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، قرآن کی سچائی کو پہچان کر اس پر ایمان لے آئے، جبکہ اس کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جن کی طبیعت کفر، ضد اور حق سے اعراض پر جم چکی ہو۔

قرآن اور رسالت کی صداقت پر گواہی

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ {۴۸} بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ {۴۹} وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ {۵۰} اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ {۵۱} قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ {۵۲} العنکبوت

جواب ترجمہ: اور اس سے پہلے آپ کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے

تھے، اگر ایسا ہوتا تو اہل باطل شک میں پڑ جاتے۔ بلکہ یہ قرآن بذات خود بہت سے واضح دلائل کا مجموعہ ہے ان لوگوں کے سینوں میں جنہیں علم دیا گیا، اور ہماری آیتوں کا انکار بے انصاف لوگ ہی کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں نے کہا کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نازل نہیں ہوئیں، آپ فرما دیجیے کہ نشانیاں اللہ کے اختیار میں ہیں، اور میں تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔ کیا یہ بات انہیں کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جو ان پر پڑھی جاتی ہے، بلاشبہ اس میں رحمت ہے اور نصیحت ہے ایمان لانے والوں کے لیے۔ آپ فرما دیجیے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بس ہے، وہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور اللہ کے منکر ہو گئے یہی لوگ نقصان والے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے قرآن کریم کے نازل ہونے سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی اور نہ ہی حروف لکھنا سیکھا تھا اور قریش یہ بات جانتے تھے، اگر نبی کریم ﷺ وحی اترنے سے پہلے لکھنا اور پڑھنا جانتے تو باطل والے لوگ اس وجہ سے شک میں پڑ جاتے اور یوں کہتے کہ یہ تو پہلی کتابوں سے سیکھتا ہے یا پہلی کتابوں سے دیکھ دیکھ کر لکھتا ہے۔

یہاں رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایک واضح دلیل بیان فرمائی اور وہ یہ کہ آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، اہل مکہ میں آپ نے پورے چالیس سال گزارے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا، مکہ والے جانتے تھے کہ آپ بالکل امی ہیں کسی سے آپ نے کچھ بھی نہیں پڑھا، آپ نہ پڑھنا جانتے تھے نہ لکھنا۔ اہل کتاب بھی اپنی کتابوں میں جو آپ کی صفات پاتے ان میں یہ واضح طور پر موجود تھا کہ آپ امی ہوں گے۔ مکہ معظمہ میں آپ نے نبوت کے بعد تیرہ سال گزارے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سنائی تو انہوں نے ضد اور عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی کتاب ہونے سے انکار کر دیا اور یوں کہنے لگے کہ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ان کا کہنا تھا کہ انہیں ایک آدمی سکھاتا ہے، جب ان سے کہا گیا کہ تم اس جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ تو بالکل عاجز رہ گئے حالانکہ وہ فصحاء اور بلغاء تھے، جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ کتاب آپ کی بنائی ہوئی نہیں ہے، آپ نے کسی سے پڑھا نہیں اور یہ کسی

دوسرے بشر کی سکھائی اور پڑھائی ہوئی کتاب نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو لوگ اس جیسا کلام بنا کر لے آتے، خصوصاً جبکہ وہ شخص عجمی ہے جس کے بارے میں کہتے ہو کہ وہ آپ کو سکھاتا ہے ایک امی شخص جس نے کسی سے بھی نہیں پڑھا اس کا ایسی فصیح و بلیغ کتاب پیش کر دینا جس کے مقابلہ سے بڑے بڑے فصحاء عاجز رہ گئے، اس کی نبوت کی صاف صریح اور واضح دلیل ہے۔

پھر جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں پہلے سے اہل علم یعنی یہود موجود تھے انہوں نے آپ کو پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی تشریف آوری کا ہمیں انتظار تھا، وہ لوگ آپ کی نشانیاں جانتے تھے اور اپنے اسلاف سے سنتے آرہے تھے، ان نشانیوں میں یہ بھی تھا کہ آپ امی ہوں گے، امی ہوتے ہوئے آپ نے حضرات انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے واقعات بتائے اور جامع شریعت پیش کی، عقائد صحیحہ سے واقف کیا، یہود و نصاریٰ کی تحریفات سے آگاہ فرمایا، ان کی گمراہیوں پر مطلع کیا، یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ وہ علوم دے دیئے جو کسی کو نہیں دیئے۔ (تفسیر انوار البیان)

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی عظمت، اس کی حقانیت اور منکرین کے باطل اعتراضات کا جواب بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا کہ یہ قرآن ایسی روشن آیات پر مشتمل ہے جو اہلِ علم اور اہلِ ایمان کے دلوں میں محفوظ ہیں اور اس کی سچائی کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو ظلم، ضد اور کفر میں مبتلا ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ: مشرکین مکہ مطالبہ کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ پر بھی سابقہ انبیاء کی طرح ظاہری معجزات نازل کیے جائیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ: معجزات نازل کرنا اللہ کے اختیار میں ہے، نبی کا کام صرف واضح انداز میں اللہ کے عذاب سے ڈرانا اور حق پہنچانا ہے، پھر فرمایا کہ

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ: کیا ان لوگوں کے لیے یہ عظیم معجزہ کافی نہیں کہ ان پر ایسا قرآن نازل کیا گیا جو برابر پڑھا جاتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ مجید ہی سب

سے بڑا معجزہ، سراسر رحمت اور اہلِ ایمان کے لیے نصیحت ہے، کیونکہ اس میں ہدایت، حکمت اور دنیا و آخرت کی کامیابی کے تمام اصول موجود ہیں، آخر میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا: آپ کہہ دیں: میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے، وہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے، اس سے کوئی حقیقت پوشیدہ نہیں، جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر باطل معبودوں پر ایمان لاتے اور حق کا انکار کرتے ہیں، وہی درحقیقت بڑے خسارے میں ہیں، کیونکہ انہوں نے ایمان اور ہدایت کے بدلے کفر اور گمراہی کو اختیار کر لیا۔

عذاب الٰہی سے غفلت، جہنم کی وعید اور ہجرت فی سبیل اللہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاۗءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ {۵۳} يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ {۵۴} يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ {۵۵} يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ {۵۶} العنکبوت

جواب ترجمہ: اور وہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور اگر مقررہ اجل نہ ہوتی تو ضرور ان کے پاس عذاب آجاتا، اور البتہ ان پر اچانک عذاب آپہنچے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ یہ لوگ آپ سے جلدی عذاب آنے کا تقاضا کر رہے ہیں، اور بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس دن ان کے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے ان پر عذاب چھا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ چکھ لو جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ اے میرے وہ بندہ جو ایمان لائے ہو بلاشبہ میری زمین کشادہ ہے سو تم میری ہی عبادت کرو۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کی سرکشی اور ان کے انجام کو بیان فرمایا ہے، مشرکین نبی کریم ﷺ سے استہزاء اور انکار کے طور پر عذاب کو جلد لانے کا مطالبہ کرتے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک مقررہ وقت رکھا ہے، جو نہ آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ پیچھے ہٹ

سکتا ہے، اگر عذاب کا وقت متعین نہ ہوتا تو وہ فوراً ان پر نازل کر دیا جاتا، مگر یہ عذاب اچانک اس وقت آئے گا جب انہیں اس کا گمان بھی نہ ہو گا۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ جس عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جہنم ان کافروں کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے، جہاں سے فرار کی کوئی راہ نہ ہو گی، قیامت کے دن عذاب ان پر اوپر سے بھی چھا جائے گا اور ان کے قدموں کے نیچے بھی ہو گا اور انہیں بطورِ ملامت کہا جائے گا کہ اب اپنے کفر، شرک اور گناہوں کا مزہ چکھو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو تسلی اور ہدایت دیتے ہوئے فرمایا: اے میرے ایمان والے بندو! اگر کسی سرزمین میں تمہیں آزادی کے ساتھ اللہ کی عبادت اور دین پر عمل کرنے کا موقع نہ ملے تو وہاں سے ہجرت کر جاؤ، کیونکہ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔

مومن کا اصل مقصد اللہ کی عبادت، اطاعت اور توحید پر ثابت قدم رہنا ہے، اس لیے اسے کسی بھی حال میں شرک اور باطل نظام کے سامنے جھکنا نہیں چاہیے، ان آیات میں یہ عظیم سبق دیا گیا ہے کہ دنیاوی مشکلات، ظلم اور مخالفت کے باوجود اہلِ ایمان کو اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے اپنے دین کی حفاظت کرنی چاہیے، کیونکہ کامیابی اور نجات اسی کے لیے ہے جو اللہ کی بندگی پر ثابت قدم رہے۔

صبر، توکل اور جنت کی دائمی نعمتیں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۚ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ {۵۷} وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ {۵۸} الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ {۵۹} العنکبوت

جواب ترجمہ: ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے، پھر تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ہم انہیں ضرور ضرور جنت کے بالاخانوں میں ٹھکانا دیں گے ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا۔ جنہوں نے صبر کیا

اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ہجرت، صبر اور توکل کی عظیم حقیقت سمجھائی ہے۔ فرمایا کہ مومنوں کو ہجرت یا دین پر ثابت قدم رہنے سے موت کا خوف نہیں روکنا چاہیے، کیونکہ ہر جان نے ایک نہ ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے، پھر سب کو اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ میں واپس لوٹ کر حساب اور جزا کے لیے حاضر ہونا ہے، اس دنیا کی زندگی عارضی ہے، جبکہ آخرت کی زندگی دائمی اور حقیقی ہے، اس لیے اہلِ ایمان کو دنیاوی خوف اور مشکلات کے بجائے اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی کو مقدم رکھنا چاہیے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمالِ صالحہ اختیار کرنے والوں کے لیے عظیم بشارت بیان فرمائی کہ ایسے لوگوں کو جنت کے بلند و بالا محلات عطا کیے جائیں گے، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ ان نعمتوں میں رہیں گے، جہاں نہ زوال ہو گا اور نہ فنا، یہ بہترین بدلہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے، گناہوں سے بچتے رہے اور ہر حال میں اپنے رب پر کامل بھروسہ کرتے رہے، ان آیات میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ صبر اور توکل مومن کی سب سے بڑی قوت ہیں اور جو شخص اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے دینِ حق پر استقامت اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا و آخرت کی کامیابیاں مقدر فرما دیتا ہے۔

اللہ ہی رازق و خالق ہے پھر شرک کیوں؟

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَكَأَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ {٦٠} وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ {٦١} اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ {٦٢} وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ {٦٣} العنکبوت

جواب ترجمہ: اور کتنے ہی چوپائے ہیں جو اپنا رزق نہیں اٹھاتے اللہ انہیں اور تمہیں رزق دیتا ہے، اور وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے۔ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور چاند اور سورج کو کس نے مسخر کیا تو ضرور جواب دیں گے کہ اللہ نے، سو وہ پھر کہاں الٹے جا رہے ہیں۔ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا ہے بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ کس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر زمین کی موت کے بعد پانی کے ذریعہ اس کو زندہ کیا تو وہ ضرور ضرور جواب دیں گے کہ اللہ نے، آپ فرما دیجیے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو توکل، توحید اور اپنی کامل ربوبیت کی حقیقت سمجھائی ہے، فرمایا کہ زمین میں بے شمار ایسے جانور ہیں جو اپنا رزق جمع کر کے نہیں رکھتے، نہ اسے اٹھا کر محفوظ کر سکتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ہی انہیں بھی رزق دیتا ہے اور انسانوں کو بھی روزی عطا فرماتا ہے۔ اس لیے اہلِ ایمان کو ہجرت یا دین پر عمل سے محض رزق کے خوف کی وجہ سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے، کیونکہ رزق کا حقیقی ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے، جو بندوں کے تمام اقوال، نیتوں اور اعمال کو خوب جانتا ہے اور ہر ایک کو اس کے مطابق جزا دے گا۔

پھر مشرکین کی جہالت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے، سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے؟ تو وہ خود اقرار کریں گے کہ یہ سب اللہ ہی نے پیدا کیا ہے، اس کے باوجود وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں، یہ ان کی کھلی گمراہی اور عقل کی محرومی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رزق کی کشادگی اور تنگی بھی اسی کے اختیار میں ہے، وہ اپنی حکمت کے مطابق جس کے لیے چاہتا ہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے محدود کر دیتا ہے، کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حالات اور مصلحتوں کو سب سے بہتر جانتا ہے۔

پھر بارش کے نظام اور مردہ زمین کے زندہ ہونے کو اپنی قدرت کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا کہ

اگر ان مشرکین سے پوچھا جائے کہ آسمان سے بارش کون برساتا ہے اور بنجر زمین کو کون زندہ کرتا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ یہ سب اللہ ہی کرتا ہے۔ اس پر نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اللہ کا شکر ادا کریں جس نے حق کو اس قدر واضح کر دیا، لیکن اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے، کیونکہ اگر وہ صحیح غور و فکر کرتے تو کبھی اللہ کے ساتھ بے بس اور بے اختیار معبودوں کو شریک نہ ٹھہراتے۔

دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کا دوام

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتایئے کہ لَهِيَ الْحَيَوَانُ کا کیا مطلب ہے؟

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ {٦٤} العنکبوت.

جواب ترجمہ: اور یہ دنیوی زندگی کھیل کود کے سوا کچھ بھی نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے، اگر یہ لوگ جانتے ہوتے۔

خلاصہ تفسیر: شیخ الاسلام تقی عثمانی اس آیت کریمہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "جس طرح کھیل کود میں کچھ دیر تو مزہ آتا ہے، مگر وہ کوئی پائیدار چیز نہیں ہے، ذرا دیر گذرنے کے بعد سارا تماشا ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح دنیا کی لذتیں بھی ناپائیدار ہیں، اور کچھ ہی عرصے میں سب ختم ہو جائیں گی۔ اس کے برخلاف آخرت کی زندگی ہمیشہ کے لیے ہے، اس لیے اس کی لذتیں اور نعمتیں سدا بہار ہیں۔ اس لیے اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے۔ (توضیح القرآن)

اس میں حیات دنیا کو لہو و لعب فرمایا ہے، مطلب یہ ہے کہ جیسے کھیلوں کا کوئی ثبات و قرار نہیں اور کوئی بڑا مقصد ان سے حل نہیں ہوتا، تھوڑی دیر کے بعد سب تماشہ ختم ہو جاتا ہے یہی حال اس دنیا کا ہے۔ (معارف القرآن للمفتی رحمہ اللہ)

اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے دنیا کی ظاہری آرائش پر مفتون ہیں اگر عقل سے کام لیں تو سمجھ جائیں کہ دنیا کا تمام کارخانہ فنا اور زوال اور ضعف اور اضمحلال پر مبنی ہے تو جان لیں کہ یہ دنیا بالکل بے حقیقت ہے اور سرائے فانی ہے جس سے ایک دن کوچ قطعی (یعنی یقیناً اس دنیا سے ایک دن چلے

ہی جانا) ہے، چنانچہ فرماتے ہیں اور نہیں ہے یہ دنیاوی زندگانی جس پر یہ بے عقل فریفتہ ہیں مگر طفلان بے شعور کے دل بہلانے کا ایک مشغلہ جیسے بچے لاٹھی کو گھوڑا بنا کر اس پر سوار ہو جاتے ہیں اس کو بازی طفلاں کہتے ہیں اور محض ایک کھیل اور تماشا ہے جیسے گانا بجانا اور پتنگ بازی اور کبوتر بازی جس میں بسا اوقات جوان بھی شریک ہو جاتے ہیں یہاں حق تعالیٰ نے دنیا کی حقارت بیان کرنے کے لئے دو لفظ اختیار فرمائے ایک لہو اور ایک لعب اور دونوں کے مفہوم میں لغت کے اعتبار سے کچھ فرق ہے لہو اس مشغلہ کو کہتے ہیں جس سے دل بہل جائے اور لعب کھیل تماشہ کو کہتے ہیں جو تھوڑی دیر رہ کر ختم ہو جائے مگر اس پر کوئی معتد بہ ثمرہ مرتب نہیں ہوتا یہی حال دنیاوی زندگی کا ہے مقصود یہ ہے کہ دنیا کی حقیقت صرف اتنی ہے جو اس قابل نہیں کہ اس سے دل لگایا جائے اور تحقیق دار آخرت وہی حقیقی زندگی ہے جو ہر قسم کے تکدر سے پاک اور منزہ ہے اور ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے جہاں موت نہیں پس جس جگہ ہر وقت کوچ کا طبل بجتا رہتا ہو وہ جگہ جی لگانے کے قابل نہیں کاش کہ لوگ دنیا اور آخرت کے فرق کو سمجھتے تو دنیا میں اس قدر محو نہ ہوتے اور سمجھ لیتے کہ قابل توجہ اور التفات دار آخرت ہے لہٰذا اگر کچھ عقل ہے تو اصل فکر آخرت کی کرو اور دنیا کو اس کا وسیلہ اور ذریعہ بناؤ۔ (معارف للکاندھلوی)

مثنوی شریف میں دنیا کی بے ثباتی پر بڑا خوبصورت کلام ارشاد فرمایا گیا ہے

چیست دنیا؟ از خدا غافل شدن　　نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

ترجمہ: دنیا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جانے کا نام دنیا ہے، محض مال و اسباب، چاندی، اولاد اور عورت کا نام دنیا نہیں۔

مال را گر بہرِ دین باشی حمول　　نِعمَ مالٌ صالحٌ خواندش رسول

ترجمہ: اگر مال کو دین کی خدمت اور بھلائی کے لیے استعمال کرو، تو رسولِ اکرم ﷺ نے اسے اچھا اور نیک مال قرار دیا ہے۔

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است　　آب اندر زیرِ کشتی پشتی است

کشتی کے اندر پانی آجائے تو وہ کشتی کی تباہی ہے، لیکن اگر پانی کشتی کے نیچے رہے تو وہی کشتی کا سہارا بنتا ہے۔

چونکہ مال وملک رااز دل براند زآن سلیمان خویش جز مسکین نخواند

ترجمہ: جب انسان مال و حکومت کی محبت کو دل سے نکال دے، تو سلیمان علیہ السلام جیسا بادشاہ بھی اپنے آپ کو مسکین ہی کہتا ہے۔

کوزۂ سربستہ اندر آب رفت از دلِ پر باد فوقِ آب رفت

ترجمہ: بند منہ والا گھڑا پانی میں ڈوب جاتا ہے، مگر جو ہوا سے بھرا ہو وہ پانی کے اوپر تیرتا رہتا ہے۔

بادِ درویشی چو در باطن بود بر سرِ آبِ جہان ساکن بود

ترجمہ: جب انسان کے باطن میں درویشی اور بے نیازی کی ہوا ہو، تو وہ دنیا کے سمندر کے اوپر سکون کے ساتھ رہتا ہے۔

گرچہ جملہ این جہان مُلکِ ویست ملک در چشمِ دلِ اولاشے است

ترجمہ: اگرچہ ساری دنیا کی سلطنت اس کے پاس ہو، مگر اس کے دل کی نگاہ میں یہ دنیا بے حقیقت اور ہیچ ہوتی ہے۔

دنیا کے تمام شرور کو اہل علم نے ایک ہی بیت میں بیان کیا ہے، اس شر کی چابی دنیا کی محبت ہے، بہت ہی بہترین تشبیہ کسی نے سایہ کے ساتھ دی ہے، کہ دنیا ڈھلتا سایہ ہے، کسی شاعر نے کیا خوب کہا کہ

رَأَیتُ خِیَالَ الظِّلِ أَعظَمُ عِبرَۃً...لِمَن کَانَ فی عِلمِ الحَقَائِقِ رَاقی

میں نے سایوں کے کھیل کو سب سے بڑی عبرت پایا ہے، اس شخص کے لیے جو حقائق کے علم میں بلند مرتبہ رکھتا ہو۔

شُخُوصٌ وَأَصوَاتٌ یُخَالِفُ بَعضُھَا ...لِبَعضٍ وَإِشکَالٌ بِغَیرِ وِفَاقِ

یہ مختلف صورتیں اور آوازیں ہیں، جن میں بعض ایک دوسرے کے مخالف اور بے جوڑ دکھائی دیتے ہیں۔

تَمُرُّ وَتَقضِی أَوبَۃً بَعدَ أَوبَۃٍ...وَتَفنِی جَمِیعًا وَالمُحَرِّکُ بَاقِی

یہ آتی جاتی اور بار بار گردش کرتی رہتی ہیں، پھر سب فنا ہو جاتی ہیں، مگر انہیں حرکت دینے والا باقی رہتا ہے۔

مثنوی شریف میں دنیا کی بے ثباتی کو بہترین پیرایہ اظہار میں ذکر کیا گیا

اے دریدہ پوستین یوسفان... کرک برخیزی ازین خواب کران

اے یوسفان کی کھال پھاڑنے والے (ظلم کرنے والے) اس غفلت اور بھاری نیند سے بیدار ہو جا!

کشتہ کرکان یک بیک خواھائے تو... می درانند از غضب اعضائے تو

تیرے ظلم کے شکار ایک ایک کرکے، غصے میں تیرے جسم کے اعضا کو نوچ رہے ہیں۔

خون نخسبد بعد مرکت در قصاص... تو مکو کہ مردم ویا بم خلاص

مرنے کے بعد خون قصاص کے مطالبے میں خاموش نہیں رہتا، تو یہ نہ کہہ کہ میں مر کر لوگوں سے نجات پا گیا۔

این قصاص نقد حیلت سازیست... پیش زخم آن قصاص این بازیست

یہ دنیا کا قصاص تو ایک وقتی اور عارضی تدبیر ہے، اصل زخم کے مقابلے میں یہ قصاص محض کھیل ہے۔

زین لعب خواندست دنیا را خدا... کین جزا العبست پیش آن جزا

اسی لیے اللہ نے دنیا کو کھیل تماشہ کہا ہے، کیونکہ اس کی جزا، آخرت کی جزا کے مقابلے میں کھیل ہے۔

این جزا تسکین جنگ و فتنہ است... آن چو اخصا است واین چون ختنہ است

یہ دنیا کی سزا و جزا محض جھگڑے اور فتنوں کو وقتی سکون دینے کے لیے ہے، جبکہ آخرت کی جزا اصل اور کامل ہے، اور یہ دنیا کی جزا اس کے مقابلے میں بالکل ابتدائی (جیسے ختنہ) ہے۔

عاقل و دانا وہ شخص ہے جو عمر عزیز کو خواہشات کی تکمیل اور رذیل، ذلیل اور کمینی دنیا کی خاطر ضائع نہ کرے، بلکہ باقی رہنے والی زندگی کے لیے کوشاں رہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ اگر دنیا سونے کی بھی ہو تو بھی ختم ہو جائے گی جب کہ آخرت اگر ٹھیکری کی بھی ہو گی تو ہمیشہ باقی رہے گی، اس لیے ہمارے لیے مناسب بات یہ ہے کہ ہم باقی رہنے والی ٹھیکری کو ختم ہونے والے سونے کے مقابلے میں چن لیں، کیونکہ وہ ٹھیکری سدا بہار رہے گی جب کہ سونا ختم ہو جائے گا، جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ بندہ مؤمن کے صحیفہ اعمال میں ایک تسبیح ہو تو یہ اس سب کچھ سے بہتر ہے جو داؤد علیہ السلام کے بیٹے کو دیا گیا ہے، اس لیے کہ یہ

سب کچھ ختم ہو جائے گا جب تسبیح باقی رہے گی۔ (تفسیر روح البیان ج ۶ ص ۴۹۳)

بندہ جب مرنے لگتا ہے تو اس کی موت کے وقت تین چیزیں ہی باقی رہتی ہیں، ایک اس کے دل کی صفائی ہے، یعنی دنیا کی کدورتوں اور میل کچیل سے اس کا دل صاف ہو تو یہ صفت باقی رہتی ہے، دوسری اللہ کے ذکر کے ساتھ اس کا انس باقی رہتا ہے اور تیسری اللہ کے ساتھ اس کی محبت کی صفت باقی رہتی ہے، اور یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ دنیا کی میل کچیل اور آلودگیوں سے دل کی صفائی اور پاکیزگی یہ اللہ کی معرفت کے ساتھ ہی باقی رہتی ہے، اور اللہ کی معرفت ذکر اللہ کے دوام اور ہمیشگی کے ساتھ حاصل ہوتی ہے، اور ذکر میں سب سے بہتر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ہے، توحید ہے۔ (روح البیان

دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری پر نبی کریم ﷺ نے بہت ہی جامع اور بہترین انداز میں اپنے پیروکاروں کو درس دیا، احادیث کی کتابوں میں آپ ﷺ کے پیارے ارشادات موجود ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک مردار بکری کے پاس سے گزرے، جس کو اس کے گھر والوں نے پھینک دیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کا زوال اس سے زیادہ آسان ہے جتنا اس مردار بکری کے گھر والوں کے نزدیک اس کو پھینکنا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس کا کوئی گھر نہ ہو دنیا اس کا گھر ہے اور جس کا کوئی مال نہ ہو دنیا اس کا مال ہے اور جس کے پاس عقل نہ ہو وہ دنیا کے مال کو جمع کرتا ہے۔ (احمد، شعب الایمان)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا

أَوحَى اللهُ إِلىٰ دَاوُدَ: يَا دَاوُدُ مَثَلُ الدُّنيَا كَمَثَلِ جِيفَةٍ جَمَعَت عَلَيهَا الكِلَابُ يَجُرُّونَهَا أَفَتُحِبُّ أَن تَكُونَ مِثلُهُم فَتَجُرُّهَا مَعَهُم (کشف الخفاء ج ۱ ص ۴۱۰) اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی اے داؤد! دنیا کی مثال اس مردار کی طرح ہے جس پر کتے جمع ہو کر اس کو گھسیٹ رہے ہوں (اے مخاطب!) کیا تو پسند کرتا ہے کہ تو بھی ان کی طرح کتا بن کر دنیا کو ان کے ساتھ گھسیٹے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اَلدُّنيَا مَلعُونَةٌ، مَلعُونٌ مَّا فِيهَا إِلَّا ذِكرَ اللهِ وَمَا وَالَاهُ، وَعَالِمًا وَّمُتَعَلِّمًا (ترمذی) دنیا پر

لعنت کی گئی ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے اس پر بھی لعنت کی گئی ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے اور اس کے جو اس کے ذکر کے قائم مقام ہے یا عالم یا متعلم کے۔ علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دنیا مردار ہے، سو جو شخص دنیا کا ارادہ کرے اس کو کتوں کے ساتھ مخلوط ہونے پر صبر کرنا چاہیے۔ (در منثور)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یُنَادِی مُنَادٍ دَعُوا الدُّنیَا لأَھلِھَا ثَلَاثًا، مَن أَخَذَ مِنَ الدُّنیَا فَوقَ مَا یَکفِیہِ أَخَذَ حَتفَہُ وَھُوَ لَا یَشعُرُ (البزار، در منثور، کشف الخفاء) ہر روز ایک منادی تین بار یہ ندا کرتا ہے کہ دنیا کو اہل دنیا کے لئے چھوڑ دو، جس نے ضرورت سے زیادہ دنیا کو لیا اس نے بیخبری میں اپنی موت کو لیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے اشعار میں دنیا کو مردار کہا ہے اور خوب کہا ہے:

وَمَن یَأمَنُ الدُّنیَا فَإِنِّی طَعَمتُھَا ... وَسِیقَ إِلَینَا عَذبُھَا وَعَذَابُھَا

فَمَا ھِیَ إِلَّا جِیفَۃٌ مُّستَحِیلَۃٌ ... عَلَیھَا کِلَابٌ ھَمُّھُنَّ اجتِذَابُھَا

فَإِن تَجتَنِبھَا کُنتَ سَلمًا لأَھلِھَا ... وَإِن تَجتَذِبھَا نَازَعَتکَ کِلَابُھَا

اور دنیا سے کون بچے گا؟ میں اس کو چکھ چکا ہوں، اس کی مٹھاس اور اس کا عذاب ہم تک پہنچ چکا ہے، دنیا تو صرف ایک متغیر مردار ہے، کتے ہیں جو اس کو کھینچنا چاہ رہے ہیں، اگر تم دنیا سے اجتناب کرو گے تو دنیاداروں سے محفوظ رہو گے، اگر تم دنیا کو کھینچو گے تو اس کے کتے تم سے جھگڑا کریں گے۔ (الکشف الخفاء منزیل الالباس) لَھِیَ الْحَیَوَانُ سے مراد آخرت کی دائمی زندگی ہے، جس میں انسان کو موت نہیں آئے گی۔ حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ اپنی تفسیر زاد المسیر میں لکھتے ہیں کہ لھی میں لام تاکید کے لیے زائد ہے، حیوان اور حیات دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے، جس کا مطلب ہے زندگی، دار الحیات سے مراد جنت ہے جس میں موت نہیں آئے گی۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اس مقام پر فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے حیوان کا لفظ اس لیے ذکر فرمایا کہ آخرت متقی لوگوں کے لیے بہتر ہے، اس لیے کہ یہ لوگ شرک سے بچتے رہے، رہا کافر تو اس کے لیے دنیا کی زندگی جنت ہے، جو اس کافر کے لیے آخرت کے مقابلے میں بہتر ہے۔ (کبیر)

علامہ ناصر الدین البیضاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہاں آخرت کی زندگی کو حیوان فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ (تفسیر بیضاوی)

مصائب و مشکلات میں اللہ کو پکارنے والے

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ {٦٥} لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ {٦٦} اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ {٦٧} وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ {٦٨} العنکبوت

جواب ترجمہ: سو جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خوب خالص اعتقاد کر کے اللہ کو پکارنے لگتے ہیں، پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو اچانک شرک کرنے لگتے ہیں۔ تاکہ ان چیزوں کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دی ہیں اور تاکہ مزے اڑالیں، سو وہ عنقریب جان لیں گے۔ کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا ہے اور ان کے گرد و پیش کے لوگ اُچک لیے جاتے ہیں، کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق کو جھٹلائے جب وہ اس کے پاس آجائے، کیا دوزخ کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے۔

خلاصہ تفسیر: اور جب یہ مشرکین کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اللہ ہی کو پکارتے ہیں، پھر جب اللہ انہیں نجات دے کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو فوراً شرک کرنے لگتے ہیں۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا: یہ اس لیے ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں اور دنیا کے عارضی فائدوں سے لطف اٹھائیں، لیکن عنقریب انہیں اپنے انجام کا علم ہو جائے گا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا: کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان کے لیے ایک ایسا حرم بنایا

ہے جو امن کا مقام ہے، جہاں ان کی جان ومال محفوظ ہیں، جبکہ دوسرے لوگ خوف، قتل اور لوٹ مار میں مبتلا رہتے ہیں؟ پھر کیا یہ باطل معبودوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں؟

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا: اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق کو جھٹلائے؟ ایسے لوگ یقیناً جہنم میں جائیں گے اور وہی ان کا دائمی ٹھکانا ہو گا۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا کی تفسیر

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ {٦٩} العنکبوت

جواب ترجمہ: اور جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی ہے، ہم انہیں ضرور بالضرور اپنے راستوں پر پہنچائیں گے، اور یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

خلاصہ تفسیر: یہ ان لوگوں کے لئے بڑی عظیم خوشخبری ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین پر خود چلنے اور دوسروں کو چلانے کی کوشش کرتے ہیں، جب تک انسان اس راستے میں کوشش جاری رکھے اور مایوس ہو کر نہ بیٹھ جائے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس کی مدد فرما کر ضرور منزل تک پہنچادیں گے، لہٰذا راستے کی مشکلات سے ہار مان کر بیٹھنے کے بجائے نئے عزم وہمت کے ساتھ یہ کوشش ہمیشہ جاری رہنی چاہیے۔ (توضیح القرآن للعثمانی)

حضرت مولانا عاشق الٰہی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ایک اہم مضمون بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اللہ کی رضا اختیار کرنے اور اس کی طلب میں محنت کرنے اور مشقت اٹھانے پر اللہ تعالیٰ شانہ کا وعدہ ہے کہ وہ ضرور اپنے راستے بتادے گا۔

آیت شریفہ میں بہت بڑی جامعیت ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جس طرح بھی جو بھی کوششیں کی جائیں مثلاً طلب علم ہو، کافروں سے مقاتلہ ہو، اہل فتن سے مقابلہ ہو زبان سے یا قلم سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو یا ظالموں کے سامنے اظہار حق ہو، یہ سب کچھ مجاہدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ہمارے بارے میں یعنی ہماری رضا کے لیے ہمارے

دین کو بلند کرنے کے لیے محنت کریں گے، تکلیف اٹھائیں گے، مصیبتیں برداشت کریں گے ہم انہیں ضرور ضرور اپنے راستے دکھادیں گے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ انہیں اور زیادہ ہدایت سے نوازیں گے جیسا کہ سورۃ محمد میں فرمایا وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ اور جن لوگوں نے ہدایت کو اختیار کیا اللہ تعالیٰ انہیں اور زیادہ ہدایت دے گا اور انہیں تقویٰ عطا فرمادے گا، دوسرا مطلب یہ ہے کہ جنت کے راستے دکھادیں گے۔

جو شخص علم میں لگے اللہ تعالیٰ اس کے لیے علم کی راہیں کھول دیتے ہیں اور علم پر عمل کرنے سے مزید علم عطا فرماتے ہیں۔ جو شخص دعوت و تبلیغ اور جہاد کے کام میں لگے، تصنیف و تالیف کا کام کرے اس کا سینہ کھول دیتے ہیں، تفسیر قرآن لکھنے لگے تو اسے ایسی معرفت عطا فرماتے ہیں جس کی وجہ سے قرآن مجید کے اسرار و رموز اس پر کھلتے چلے جاتے ہیں، جو شخص معاشرہ کی اصلاح کرنا چاہے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کی نظر معاشرہ کی خرابیوں پر جاتی ہے پھر زبان سے یا تحریر سے ان خرابیوں پر تنبیہ کرنے کی بھی توفیق ہو جاتی ہے اور بات کہنے کے ایسے پیرائے ذہن میں ڈال دیئے جاتے ہیں جنہیں اختیار کرنے سے مخاطبین بات کو قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔ مومن بندہ کو اپنے ہر عمل میں مخلص ہونا لازم ہے یعنی محض اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی مدد نازل ہوتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بڑھے تو سہی پھر دیکھے کہ اس کا کیسا فضل و انعام ہوتا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا، جو شخص میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جو شخص ایک ہاتھ میرے نزدیک ہو تو میں چار ہاتھ اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں۔ (تفسیر انوار البیان)

علامہ سعیدی لکھتے ہیں کہ اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں: ① جو لوگ ہماری نشانیوں سے ہم تک پہنچنا چاہتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنی ذات کی معرفت کی ہدایت دیں گے، یہ نشانیاں اس کے اپنے اندر بھی ہیں اور اس خارجی کائنات میں بھی ہیں، انسان کے اندر اس کے جسمانی اعضا اللہ تعالیٰ

کے احکام اور اس کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق اپنا اپنا کام کر رہے ہیں جگر غذا سے خون بنا کر رگوں میں پہنچا رہا ہے اور فاضل تلچھٹ کو مثانہ میں بھیج رہا ہے، معدہ غذاء کو ہضم کر رہا ہے اور فاسد مادہ بڑی آنت میں بھیج رہا ہے، یہ کس کا بنایا ہوا نظام ہے؟ سورج طلوع ہو کر دن کی روشنی پہنچا رہا ہے تا کہ لوگ کاروبار حیات کو انجام دے سکیں اور غروب ہو کر رات کو لا رہا ہے تا کہ لوگ دن کی تھکاوٹ اتار کر آرام کر سکیں ، سو یہ کس کا نظام ہے! اللہ تعالیٰ نے غور وخوص کے لئے انسان کے اندر اور اس کے باہر اس کائنات میں یہ نشانیاں رکھی ہیں کہ انسان کے اندر اور اس کے باہر سب ایک ہی نظام کے تحت کام کر رہے ہیں اور اس کے اندر کے نظام کی وحدت اور اس کے باہر نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے اس لئے فرمایا ہے:۔ عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے اس کائنات میں بھی اور خود ان کے اپنے نفسوں میں بھی حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔ (حم السجدۃ:۵۳) سو جو لوگ اپنے اندر اور اپنے باہر کی نشانیوں میں غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کو تلاش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ضرور انہیں اپنی راہ دکھاتا ہے۔

② جو لوگ اپنی جسمانی طاقت کو خرچ کر کے جہاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے لڑتے ہیں کفار سے جنگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ضرور انہیں فتح اور کامرانی کی راہیں دکھاتا ہے۔

③ جو لوگ صدقہ وخیرات کر کے اور دین کو پھیلانے کے لئے مال خرچ کر کے دین کی ترویج اور اشاعت کی جدوجہد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ضرور انہیں دین کی ترویج اور اشاعت کی راہیں دکھاتا ہے۔

④ جو علماء دین عقائد فاسدہ اور بدعات سیہ کو رد کرنے اور ان کا قلع قمع کرنے کے لئے قرآن اور حدیث میں غور وفکر کر کے دلائل تلاش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ضرور ان کی ان دلائل کی طرف رہ نمائی فرماتا ہے۔

⑤ جو علماء عقائد صحیحہ کے اثبات کے لیے قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ میں غور وفکر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ضرور ان کو عقائد صحیحہ کی راہیں دکھاتا ہے۔ ⑥ جو علماء احکام شرعیہ کے استخراج اور مسائل کے استنباط کے لیے قرآن اور سنت میں غور وفکر کرتے ہیں اللہ جل مجدہ ان کو ضرور ان عقائد کے اثبات کی طرف راہیں دکھاتا ہے۔

⑦ جو علماء علم میں وسعت کی طلب کے لیے احکام شرعیہ پر عمل کرتے ہیں اور خوف خدا سے گناہوں سے باز رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو وسعت علم کی راہیں دکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تمہیں علم عطا فرماتا رہے گا۔ (البقرہ:۲۸۲) ⑧ جو شخص علم دین کی طلب میں محنت اور کوشش کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر علم دین کی راہیں کشادہ کر دے گا۔

⑨ جو شخص اپنی شہوت کے تقاضوں کو ترک کرنے اور معصیت سے اجتناب کرنے کے لیے اپنے نفس سے جہاد کرے گا تو اللہ اس کے لیے اس جہاد کی راہوں کو آسان کر دے گا۔ حافظ ابو نعیم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ذر (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا تم اللہ عزوجل کی ذات میں (یعنی اس کی رضا کے لیے) اپنے نفس اور اپنی خواہش سے جہاد کرو۔ (حلیۃ الاولیاء ۲ / ۲۴۹) حضرت فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ (سنن ترمذی، مسند احمد ۶ / ۲۲، ۲۰)

⑩ جو شخص اللہ کی رضا کے لیے، اس کے دیدار اور جنت کے حصول کے لیے محنت اور مشقت سے عبادت کرے ہم اس کے لیے جنت کی راہوں کو آسان کر دیتے ہیں اور اس کو جنت کے راستوں کی ہدایت دیتے ہیں۔ (تفسیر تبیان القرآن)

مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ راہ اللہ میں مشقت کرنے والے سے مراد رسول اللہ ﷺ، آپ کے اصحاب اور آپ کے تابع فرمان لوگ ہیں جو قیامت تک ہوں گے۔ فرماتا ہے کہ ہم ان کو شش اور جستجو کرنے والوں کی رہنمائی کریں گے دنیا اور دین میں ان کی رہبری کرتے رہیں گے، حضرت ابو عباس ہمدانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ جو لوگ اپنے علم پر عمل کرتے ہیں اللہ انہیں ان امور میں بھی ہدایت دیتا ہے جو ان کے علم میں نہیں ہوتے ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ سے جب یہ ذکر کیا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں کوئی بات پیدا ہو گو وہ بھلی بات ہو تاہم اسے اس پر عمل نہ کرنا چاہیے جب تک قرآن و حدیث سے وہ ثابت نہ ہو۔ جب ثابت ہو عمل کریں۔ اور اللہ کی

حمد کریں کہ جو اس کے جی میں آتا تھا۔ وہی قرآن وحدیث میں بھی نکلا۔ (تفسیر ابن کثیر)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ کی طرف سے جو علم لوگوں کو دیا گیا ہے جو لوگ اپنے علم پر عمل کرنے میں جہاد کرتے ہیں ہم ان پر دوسرے علوم بھی منکشف کر دیتے ہیں جو اب تک حاصل نہیں۔ اور فضیل بن عیاض نے فرمایا کہ جو لوگ طلب علم میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لئے عمل بھی آسان کر دیتے ہیں۔ (مظہری)

علامہ عبد الرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اور جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی، اپنے دشمنوں کے خلاف جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی اتباع کرنے کی بھرپور کوشش کی لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ہم ان کو ضرور اپنے راستے دکھا دیں گے۔ یعنی ہم ان کو ان راستوں پر گامزن کر دیتے ہیں جو ہم تک پہنچتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نیکوکار ہیں۔

وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ اور اللہ تعالیٰ اپنی مدد، نصرت اور ہدایت کے ذریعے سے نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ صحیح بات کی موافقت کرنے کے حق دار اہل جہاد ہیں۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے احکام کی احسن طریقے سے تعمیل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے اور ہدایت کے اسباب کو اس کے لیے آسان کر دیتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو کوئی شرعی علم کی طلب میں جدوجہد کرتا ہے اسے اپنے مطلوب و مقصود اور ان امور الٰہیہ کے حصول میں اللہ تعالیٰ کی معاونت اور راہنمائی حاصل ہوتی ہے جو اس کے مدارک اجتہاد سے باہر ہیں اور امور علم اس کے لیے آسان ہو جاتے ہیں کیونکہ شرعی علم طلب کرنا جہاد فی سبیل اللہ کے زمرے میں آتا ہے، بلکہ یہ جہاد کی دو اقسام میں سے ایک ہے جسے صرف خاص لوگ ہی قائم کرتے ہیں، اور وہ ہے منافقین و کفر کے خلاف قولی اور لسانی جہاد۔

امور دین کی تعلیم کے لیے جدوجہد کرنا اور مخالفین حق، خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں کے اعتراضات کا جواب دینا بھی جہاد ہے۔(تفسیر السعدی)

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مشقت و مجاہدہ کرتے ہیں ہم بیشک ضرور ان کو اپنے راستے بتلادیں گے۔ دیکھئے مجاہدہ و مشقت پر وعدہ ہدایت ہے یہ تو ابتدائی حالت ہے اور انتہا یہ ہے وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ یعنی بیشک اللہ نیک کاروں کے ساتھ ہے۔ الحاصل آپ کی طرف سے کچھ طلب ہونا چاہیے، وصول میں دیر نہیں لگتی۔

والذین جاھدو افینا لنھدینھم سبلنا جاہدوا سے مراد غور فکر دعا و التجا سعی و کوشش حق تعالیٰ کے سامنے الحاح وزاری تواضع وخاکساری یہ چیزیں پیدا کرو رونا اور چلانا شروع کرو نخوت اور تکبر کو دماغ سے نکال کر پھینک دو اس کے بعد وصول میں دیر نہیں لگتی ذرا بطور امتحان ہی کے کر کے دیکھ لو۔(اشرف التفاسیر)

مولانا محمد آصف قاسمی تفسیر بصیرت میں لکھتے ہیں کہ جب ان کے پاس نبی کریم ﷺ حق اور سچائی کا پیغام لے کر آگئے ہیں تو انہیں اس پیغام حق کو قبول کر کے سب سے آگے بڑھنا چاہیے کیونکہ اگر وہ اللہ کا دین قبول کر کے اس کے لئے جدوجہد کریں گے اور ہر طرح کی مشقتیں اٹھائیں گے تو اللہ ان کا ساتھ دے گا اور وہ ان کو سربلندی عطا فرمادے گا۔ جدوجہد وہ کریں گے اور ہر خیر و بھلائی کا راستہ ان کو ہم دکھائیں گے کیونکہ اللہ ان کے ساتھ ہے جو اس کے دین کی سربلندی کی ہر ممکن جدوجہد کرتے ہیں۔ یہی اس کی نعمت کا سب سے بڑھ کر شکر ادا کرتے ہیں اور اللہ کے ہاں اس کی قدر کی جاتی ہے۔(تفسیر بصیرت)

ابو محمد عبدالحق حقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ وہ جو ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنے پاس پہنچنے کے رستے بتلادیں گے اور جب وہ ان رستوں پر چل پڑیں گے تو پھر کچھ غم کسی رستہ میں پیش آنے والی مصیبت کا نہیں کیونکہ وان اللہ لمع المحسنین اللہ نیک بختوں کے ساتھ ہے، پھر جب ہم ساتھ ہیں تو کیا غم ہے نعم الطریق و نعم الرفیق (اچھا راستہ اچھا ساتھی)۔(تفسیر حقانی)

حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ تفسیر معارف القرآن میں فرماتے ہیں کہ جہاد کے اصلی معنی دین میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے میں اپنی پوری توانائی صرف کرنے کے ہیں، اس میں وہ رکاوٹیں بھی داخل ہیں جو کفار وفجار کی طرف سے پیش آتی ہیں، کفار سے جنگ و مقاتلہ اس کی اعلیٰ فرد ہے اور وہ رکاوٹیں بھی داخل ہیں جو اپنے نفس اور شیطان کی طرف سے پیش آتی ہیں۔ (معارف القرآن)

جہاد کی ان دونوں قسموں پر اس آیت میں یہ وعدہ ہے کہ ہم جہاد کرنے والوں کو اپنے راستوں کی ہدایت کر دیتے ہیں۔ یعنی جن مواقع میں خیر و شر یا حق و باطل یا نفع و ضرر میں التباس ہوتا ہے عقلمند انسان سوچتا ہے کہ کس راہ کو اختیار کروں، ایسے مواقع میں اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کو صحیح، سیدھی، بے خطر راہ بتا دیتے ہیں۔ یعنی ان کے قلوب کو اسی طرف پھیر دیتے ہیں جس میں ان کے لئے خیر و برکت ہو۔ (معارف القرآن)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو دار آخرت کے دلدادہ اور شیدائی ہیں جنہوں نے ہماری راہ میں جان و مال سے جہاد کیا اور طرح طرح کی مشقتیں اٹھائیں اور علم کے مطابق عمل کیا اور نفسانی خواہش کو شریعت کے تابع کر دیا ہم ان کو اپنے تک پہنچنے کی راہیں دکھاویں گے اور بیشک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ساتھ ہے یعنی مجاہدوں کے ساتھ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور خدا جس کے ساتھ ہو اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور نہ اسے کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے مجاہدہ یعنی ظاہری اور باطنی جہاد اور جدو جہد ضروری ہے اور لنھدینھم سبلنا میں سبل سے خدا تعالیٰ کے قرب اور رضا کی راہیں مراد ہیں جس کا مآل بہشت ہے۔ (معارف القرآن للکاندھلوی)

صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اعدائے دین چار ہیں جن میں سے دو ظاہری اور دو باطنی ہیں جن کے ساتھ مجاہدہ کرنا ضروری ہے۔ ظاہری دشمنوں میں کافر اور منافق ہیں اللہ نے فرمایا ہے جاھد الکفار والمنفقین (التوبہ ۷۳) یعنی کافروں اور منافقوں کے خلاف جہاد کرو۔ کافروں کے ساتھ جہاد تو تلوار کے ذریعے ہوتا ہے جبکہ منافقوں کے ساتھ زبان سے

جہاد کرنا پڑتا ہے تاکہ ان کے نفاق کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر کے ان کو ذلیل و رسوا کیا جاسکے۔ اور لوگ ان کے نفاق سے بچ سکیں۔

باطنی دشمنوں میں ایک شیطان ہے جو نظر نہیں آتا اور یوسوس فی صدور الناس (الناس۔ ۵) لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے انہیں برائی پر آمادہ کرتا ہے۔ لوگوں کے بُرے اعمال کو مزین کر کے دکھاتا ہے تاکہ لوگ اسی بُرائی میں پھنسے رہیں اور راہ راست کی طرف نہ آسکیں۔ اس کے بعد دوسرا باطنی دشمن خود انسان کا نفس امارہ ہے جو انسان کو برائی کی طرف لے جاتا ہے۔ ان سب اعدا کے خلاف جہاد کرنا بھی جہاد ہی کا حصہ ہے کوئی شخص جس بھی صورت میں مجاہدہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے راستے واضح کرتا چلا جائے گا اور اس کا صحیح نتیجہ سامنے آئے گا۔ (معالم العرفان)

مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اور وہ لوگ جنہوں نے کوشش کی ہمارے بارے میں ای فی رضاءنا فی حقنا فی سبیلنا جو لوگ کوشش کرتے ہیں ہمیں راضی کرنے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے۔ ایمان لائیں گے تو اللہ تعالیٰ راضی ہو گا، لا یرضی لعبادہ الکفر (زمر) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کفر پر راضی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر راضی ہے۔ لنھدینھم سبیلنا البتہ ہم ضرور راہنمائی کریں گے اپنے راستوں کی طرف، ہم ان کو ضرور چلائیں گے اپنے راستوں پر۔ اگر آدمی اخلاص کے ساتھ ایمان قبول کرے تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نیکی کی توفیق دیتے ہیں اور اس کا خاتمہ ایمان پر کرتے ہیں اور جس کا خاتمہ ایمان پر ہو گیا تو پھر اس کے ہمیشہ کے لیے مزے ہی مزے ہیں۔ اور جو شخص عملی منافق ہے کبھی نیکی کرتا ہے کبھی نہیں کرتا اس کے ساتھ وعدہ نہیں ہے وہ اپنی مرضی کرے ایسے شخص کا ایمان خطرے میں ہے۔ اور اگر خاتمہ ایمان پر نہ ہوا تو پھر بیڑا غرق ہو گیا۔ (ذخیرۃ الجنان)

الحمد للہ: آج سورۃ العنکبوت کے اضافات و ترمیمات کی تکمیل ہوئی ہے۔

۹ مئی ۲۰۲۶ء بروز ہفتہ پونے آٹھ بجے علی الصبح



سورۃ الروم (تعارف)

سوال سورۃ الروم کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ الروم قرآنِ کریم کی تیسویں سورت ہے، جمہور مفسرین کے نزدیک یہ مکمل طور پر مکی سورت ہے اور اس کی آیات کی تعداد ساٹھ ہے، اس سورت میں مکی سورتوں کے نمایاں مضامین، یعنی توحید، رسالت، قیامت، اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور تاریخِ اقوام سے عبرت دلانے کا جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ سورۃ الروم ان سورتوں میں سے ہے جو اہلِ ایمان کے دلوں میں یقین، صبر اور اللہ کی نصرت پر اعتماد پیدا کرتی ہیں، اس میں مستقبل کی ایک عظیم غیبی پیش گوئی بھی بیان ہوئی جو بعد میں حرف بہ حرف پوری ہوئی اور قرآنِ کریم کے معجزہ ہونے کی روشن دلیل بن گئی۔

وجہ تسمیہ: اس سورت کا نام "الروم" اس لیے رکھا گیا کہ اس کے آغاز میں رومیوں اور فارسیوں کی جنگ کا ذکر آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اگرچہ رومی ابتدا میں شکست کھا چکے ہیں، لیکن چند ہی برسوں میں دوبارہ غالب آجائیں گے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ، یہ پیش گوئی عین اسی طرح پوری ہوئی جیسا کہ قرآن نے بیان کیا تھا، جس سے مسلمانوں کے ایمان میں اضافہ ہوا اور کفار پر قرآن کی صداقت واضح ہوگئی، چونکہ اس سورت میں "الروم" کا لفظ اور ان کا واقعہ خاص طور پر مذکور ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام "سورۃ الروم" رکھا گیا۔

اہم مضامین: سورۃ الروم کے اہم مضامین نہایت وسیع اور جامع ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کائنات کی بے شمار نشانیوں سے استدلال کیا گیا ہے، جیسے آسمان و زمین کی تخلیق، انسان کی پیدائش، رات اور دن کا نظام، بارش کا نزول، ہواؤں کی گردش اور زمین کا مردہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، ان تمام نشانیوں کے ذریعے انسان کو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے تاکہ وہ خالقِ حقیقی کو پہچانے، اسی طرح اس سورت میں قیامت، دوبارہ زندہ کیے جانے اور اعمال کے حساب و جزا کا تفصیلی بیان بھی

موجود ہے، تاکہ انسان دنیا کی فانی زندگی سے دھوکا نہ کھائے۔

اس سورت میں انسانی فطرت اور اس کی کمزوریوں کو بھی نمایاں کیا گیا ہے، انسان خوشحالی میں غرور کرتا ہے اور مصیبت میں مایوس ہو جاتا ہے، حالانکہ مؤمن کا شیوہ ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع اور صبر و شکر ہے، مزید برآں، اس سورت میں اہلِ ایمان کو صبر، استقامت اور اللہ کے وعدوں پر یقین رکھنے کی تلقین کی گئی ہے، کیونکہ انجامِ کار حق ہی کا غلبہ ہوتا ہے، یوں سورۃ الروم ایمان و یقین، تاریخ و عبرت، اور دلائلِ توحید و آخرت کا ایک جامع اور مؤثر بیان پیش کرتی ہے۔

معرکہ روم و فارس کا انجام

سوال اہل روم و اہل فارس کے درمیان ہونے والی جنگ کے بارے میں قرآن کریم کی ان آیات کی روشنی میں وضاحت فرمایئے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۚ ﴿۵﴾ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ الروم.

جواب ترجمہ: رومی لوگ مغلوب ہو گئے ہیں۔ قریب کی سرزمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے۔ چند ہی سالوں میں! سارا اختیار اللہ ہی کا ہے، پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور اس دن ایمان والے اللہ کی دی ہوئی فتح سے خوش ہوں گے، اللہ کی مدد کی وجہ سے۔ وہ مدد فرماتا ہے جس کی چاہے اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ یہ اللہ کا کیا ہوا وعدہ ہے، اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ وہ دنیوی زندگی کے صرف ظاہری رخ کو جانتے ہیں، اور آخرت کے بارے میں ان کا حال یہ ہے کہ وہ اس سے بالکل غافل ہیں۔

یہ آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جبکہ نیشاپور کا شاہ فارس بلاد شام اور جزیرہ کے آس پاس کے

شہروں پر غالب آگیا اور روم کا بادشاہ ہرقل تنگ آکر قسطنطنیہ میں محصور ہو گیا، مدتوں محاصرہ رہا آخر پانسہ پلٹا اور ہرقل کی فتح ہو گئی۔

مسند احمد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ رومیوں کو شکست پر شکست ہوئی اور مشرکین نے اس پر بہت خوشیاں منائیں۔ اس لیے کہ جیسے یہ بت پرست تھے ایسے ہی فارس والے بھی ان سے ملتے جلتے تھے اور مسلمانوں کی چاہت تھی کہ رومی غالب آئیں اس لئے کم از کم وہ اہل کتاب تو تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب یہ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا رومی عنقریب پھر غالب آجائیں گے۔ صدیق اکبر نے مشرکین کو جب یہ خبر پہنچائی تو انہوں نے کہا آؤ کچھ شرط باندھ لو اور مدت مقرر کر لو اگر رومی اس مدت میں غالب نہ آئیں تو تم ہمیں اتنا اتنا دینار دینا اور اگر تم سچے نکلے تو ہم تمہیں اتنا اتنا دیں گے۔ پانچ سال کی مدت مقرر ہوئی وہ مدت پوری ہو گئی اور رومی غالب نہ آئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی میں یہ خبر پہنچائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے دس سال کی مدت مقرر کیوں نہ کی۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں قرآن میں مدت کے لئے لفظ بضع استعمال ہوا ہے اور یہ دس سے کم پر اطلاق کیا جاتا ہے چنانچہ یہی ہوا ابھی کہ دس سال کے اندر اندر رومی پھر غالب آگئے، اسی کا بیان اس آیت میں ہے اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شرط سات سال کی تھی، حضور نے ان سے پوچھا کہ بضع کے کیا معنی تم میں ہوتے ہیں؟ جواب دیا کہ دس سے کم، فرمایا پھر جاؤ مدت میں دو سال بڑھا دو چنانچہ اسی مدت کے اندر اندر رومیوں کے غالب آجانے کی خبریں عرب میں پہنچ گئیں اور مسلمان خوشیاں منانے لگے۔ اسی کا بیان ان آیتوں میں ہے۔

روایت میں ہے کہ مشرکوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے یہ آیت سن کر کہا کہ کیا تم اس میں بھی اپنے نبی کو سچا مانتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں اس پر شرط ٹھہری اور مدت گذر چکی اور رومی غالب نہ آئے، حضور کو جب اس شرط کا علم ہوا تو آپ رنجیدہ ہوئے اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے

فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب ملا کہ اللہ اور اس کے رسول کی سچائی پر بھروسہ کر کے آپ نے فرمایا پھر جاؤ اور مدت میں دس سال مقرر کر لو خواہ چیز بھی بڑھانی پڑے، آپ گئے مشرکین نے دوبارہ یہ مدت بڑھا کر شرط منظور کر لی۔ ابھی دس سال پورے نہیں ہوئے تھے کہ رومی فارس پر غالب آگئے اور مدائن میں ان کے لشکر پہنچ گئے اور رومیہ کی بنا انہوں نے ڈال لی۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے قریش سے شرط کا مال لیا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے فرمایا اسے صدقہ کر دو۔

اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ایسی شرط باندھنے کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس میں ہے کہ مدت چھ سال مقرر ہوئی تھی، اس میں یہ بھی ہے کہ جب یہ پیشن گوئی پوری ہوئی اور رومی غالب ہوئے تو بہت سے مشرکین بھی ایمان لے آئے (ترمذی)

ایک بہت عجیب و غریب قصہ امام جنید ابن داؤد نے اپنی تفسیر میں وارد کیا ہے کہ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں فارس میں ایک عورت تھی جس کے بچے زبردست پہلوان اور بادشاہ ہی ہوتے تھے، کسریٰ نے ایک مرتبہ اسے بلوایا اور اس سے کہا کہ میں رومیوں پر ایک لشکر بھیجنا چاہتا ہوں اور تیری اولاد میں سے کسی کو اس لشکر کا سردار بنانا چاہتا ہوں، اب تم مشورہ کر لو کہ کسے سردار بناؤں؟ اس نے کہا کہ میرا فلاں لڑکا تو لومڑی سے زیادہ مکار اور شکرے سے زیادہ ہوشیار ہے، دوسرا لڑکا فرخان تیر جیسا ہے، تیسرا لڑکا شہر براز سب سے زیادہ حلیم الطبع ہے، اب تم جسے چاہو سرداری دو۔

بادشاہ نے سوچ سمجھ کر شہر براز کو سردار بنایا، یہ لشکروں کو لے کر چلا رومیوں سے لڑا بھڑا اور ان پر غالب آگیا، ان کے لشکر کاٹ ڈالے ان کے شہر اجاڑ دیئے، ان کے باغات برباد کر دیئے اس سرسبز و شاداب ملک کو ویران و غارت کر دیا اور اذرعات اور بصریٰ میں جو عرب کی حدود سے ملتے ہیں ایک زبردست معرکہ ہوا اور وہاں فارسی رومیوں پر غالب آگئے، جس سے قریش خوشیاں منانے لگے اور مسلمان ناخوش ہوئے، کفار قریش مسلمانوں کو طعنے دینے لگے کہ دیکھو تم اور نصرانی اہل کتاب ہو اور ہم اور فارسی ان پڑھ ہیں ہمارے والے تمہارے والوں پر غالب آگئے، اسی طرح ہم بھی تم پر غالب آئیں گے اور اگر لڑائی ہوئی تو ہم بتلا دیں گے کہ تم ان اہل کتاب کی طرح ہمارے ہاتھوں

شکست اٹھاؤ گے، اس پر قرآن کی یہ آیتیں اتریں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان آیتوں کو سن کر مشرکین کے پاس آئے اور فرمانے لگے اپنی اس فتح پر نہ اتراؤ یہ عنقریب شکست سے بدل جائے گی اور ہمارے بھائی اہل کتاب تمہارے بھائیوں پر غالب آئیں گے، اس بات کا یقین کرلو اس لئے کہ یہ میری بات نہیں بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی ہے، یہ سن کر ابی بن خلف کھڑا ہو کر کہنے لگا اے ابو الفضل تم جھوٹ کہتے ہو۔ آپ نے فرمایا اے اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے۔

اس نے کہا اچھا میں دس دس اونٹنیوں کی شرط باندھتا ہوں، اگر تین سال تک رومی فارسیوں پر غالب آگئے تو میں تمہیں دس اونٹنیاں دونگا ورنہ تم مجھے دینا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ شرط قبول کرلی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر اس کا ذکر کیا تو آپ نے کہا میں نے تم سے تین سال کا نہیں کہا تھا بضع کا لفظ قرآن میں ہے اور تین سے نو تک بولا جاتا ہے، جاؤ اونٹنیاں بھی بڑھادو اور مدت بھی بڑھادو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ چلے جب ابی کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا شاید تمہیں پچھتاوا ہوا؟ آپ نے فرمایا سنو میں تو پہلے سے بھی زیادہ تیار ہو کر آیا ہوں، آؤ مدت بھی بڑھاؤ اور شرط کا مال بھی زیادہ کرو، چنانچہ ایک سو اونٹ مقرر ہوئے اور نو سال کی مدت ٹھہری اسی مدت میں رومی فارس پر غالب آگئے اور مسلمان قریش پر چھاگئے۔

رومیوں کے غلبے کا واقعہ یوں ہوا کہ جب فارس غالب آگئے تو شہر براز کا بھائی فرخان شراب نوشی کرتے ہوئے کہنے لگا میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کسریٰ کے تخت پر آگیا ہوں اور فارس کا بادشاہ بن گیا ہوں۔ یہ خبر کسریٰ کو بھی پہنچ گئی، کسریٰ نے شہر براز کو لکھا کہ میرا یہ خط پاتے ہی اپنے اس بھائی کو قتل کر کے اس کا سر میرے پاس بھیج دو۔

شہر براز نے لکھا کہ اے بادشاہ! تم اتنی جلدی نہ کرو، فرخان جیسا بہادر شیر اور جرات کے ساتھ دشمنوں کے جمگھٹے میں گھسنے والا کسی کو تم نہ پاؤ گے بادشاہ نے پھر جواب لکھا کہ اس سے بہت زیادہ اور شیر دل پہلوان میرے دربار میں ایک سے بہتر ایک موجود ہیں تم اس کا غم نہ کرو اور میرے حکم کی

فوراً تعمیل کرو شہر براز نے پھر اس کا جواب لکھ اور دوبارہ بادشاہ کسریٰ کو سمجھایا اس پر بادشاہ آگ بگولا ہو گیا اس نے اعلان کر دیا کہ شہر براز سے میں نے سرداری چھین لی اور اس کی جگہ اس کے بھائی فرخان کو اپنے لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔

اسی مضمون کا ایک خط لکھ کر قاصد کے ہمراہ شہر براز کو بھیج دیا کہ تم آج سے معزول ہو اور تم اپنا عہدہ فرخان کو دے دو، ساتھ ہی قاصد کو ایک پوشیدہ خط دیا کہ شہر براز جب اپنے عہدے سے اتر جائے اور فرخان اس عہدے پر آجائے تو تم اسے میرا یہ فرمان دے دینا، قاصد جب وہاں پہنچا تو شہر براز نے خط پڑھتے ہی کہا کہ مجھے بادشاہ کا حکم منظور ہے، میں بخوشی اپنا عہدہ فرخان کو دے رہا ہوں۔

فرخان جب تخت سلطنت پر بیٹھ گیا اور لشکر نے اس کی اطاعت قبول کر لی تو قاصد نے وہ دوسرا خط فرخان کے سامنے پیش کیا جس میں شہر براز کے قتل کا اور اس کا سر دربار شاہی میں بھیجنے کا فرمان تھا، فرخان نے اسے پڑھ کر شہر براز کو بلایا اور اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا شہر براز نے کہا بادشاہ جلدی نہ کر مجھے وصیت تو لکھ لینے دے، اس نے منظور کر لیا تو شہر براز نے اپنا دفتر منگوایا اور اس میں وہ کاغذات جو شاہ کسریٰ نے فرخان کے قتل کے لئے اسے لکھے تھے وہ سب نکالے اور فرخان کے سامنے پیش کئے اور کہا دیکھ اتنے سوال و جواب میرے اور بادشاہ کے درمیان تیرے بارے میں ہوئے۔ لیکن میں نے اپنی عقلمندی سے کام لیا اور عجلت نہ کی تو ایک خط دیکھتے ہی میرے قتل پر آمادہ ہو گیا۔

ذرا سوچ لے ان خطوط کو دیکھ کر فرخان کی آنکھیں کھل گئیں وہ فوراً تخت سے نیچے اتر گیا اور اپنے بھائی شہر براز کو پھر سے مالک کل بنا دیا۔

شہر براز نے اسی وقت شاہ روم ہرقل کو خط لکھا کہ مجھے تم سے خفیہ ملاقات کرنی ہے اور ایک ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے اسے میں نہ تو کسی قاصد کی معرفت آپ کو کہلوا سکتا ہوں نہ خط میں لکھ سکتا ہوں، بلکہ میں خود ہی آمنے سامنے پیش کرونگا، پچاس آدمی اپنے ساتھ لے کر خود آجائے اور پچاس ہی میرے ساتھ ہونگے قیصر کو جب یہ پیغام پہنچا تو وہ اس سے ملاقات کے لئے چل پڑا۔ لیکن احتیاطاً اپنے ساتھ پانچ ہزار سوار لے لئے۔ اور آگے آگے جاسوسوں کو بھیج دیا تاکہ کوئی مکر یا فریب ہو

تو کھل جائے جاسوسوں نے آکر خبر دی کہ کوئی بات نہیں اور شہر براز تنہا اپنے ساتھ صرف پچاس سواروں کو لے کر آیا ہے اس کے ساتھ کوئی اور نہیں۔

چنانچہ قیصر نے بھی مطمئن ہو کر اپنے سواروں کو لوٹا دیا اور اپنے ساتھ صرف پچاس آدمی رکھ لئے۔ جو جگہ ملاقات کی مقرر ہوئی تھی وہاں پہنچ گئے، وہاں ایک ریشمی قبہ تھا اس میں جا کر دونوں تنہا بیٹھ گئے پچاس پچاس آدمی الگ چھوڑ دئے گئے دونوں وہاں بے ہتھیار تھے صرف چھریاں پاس تھیں اور دونوں کی طرف سے ایک ترجمان ساتھ تھا۔ خیمہ میں پہنچ کر شہر براز نے کہا اے بادشاہ روم! بات یہ ہے کہ تمہارے ملک کو ویران کرنے والے اور تمہارے لشکروں کو شکست دینے والے ہم دونوں بھائی ہیں ہم نے اپنی چالاکیوں اور شجاعت سے یہ ملک اپنے قبضہ میں کر لیا ہے، لیکن اب ہمارا بادشاہ کسریٰ ہمارا حسد کرتا ہے اور ہمارا مخالف بن بیٹھا ہے، مجھے اس نے میرے بھائی کو قتل کرنے کا فرمان بھیجا، میں نے فرمان کو نہ مانا تو اس نے اب یہ طے کر لیا ہے کہ ہم آپ کے لشکر میں آجائیں اور کسریٰ کے لشکروں سے آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں۔

قیصر نے یہ بات بڑی خوشی سے منظور کر لی، پھر ان دونوں میں آپس میں اشاروں کنایوں سے باتیں ہوئیں، جن کا مطلب یہ تھا کہ یہ دونوں ترجمان قتل کر دیئے جائیں ایسا نہ ہو کہ یہ راز ان کی وجہ سے کھل جائے کیونکہ جہاں دو کے سوا تیسرے کے کان میں کوئی بات پہنچی تو پھر وہ پھیل جاتی ہے۔

دونوں اس پر اتفاق کر کے کھڑے ہو گئے اور ہر ایک نے اپنے ترجمان کا کام تمام کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو ہلاک کر دیا اور حدیبیہ والے دن اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی اصحاب رسول ﷺ اس سے بہت خوش ہوئے۔

رومی سب کے سب عیص بن اسحاق بن ابراہیم کی نسل سے ہیں بنو اسرائیل کے چچازاد بھائی ہیں، رومیوں کو بنو اصفر بھی کہتے ہیں یہ یونانیوں کے مذہب پر تھے یونانی یافث بن نوح کی اولاد میں ہیں ترکوں کے چچازاد بھائی ہوتے ہیں یہ ستارہ پرست تھے ساتوں ستاروں کو مانتے اور پوجتے تھے، انہیں متحیرہ بھی کہا جاتا ہے یہ قطب شمالی کو قبلہ مانتے تھے، دمشق کی بنا انہی کے ہاتھوں پڑی وہیں

انہوں نے اپنی عبادت گاہ بنائی جس کے محراب شمال کی طرف ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بعد بھی تین سو سال تک رومی اپنے پرانے خیالات پر ہی رہے ان میں سے جو کوئی شام کا اور جزیرے کا بادشاہ ہو جاتا اسے قیصر کہا جاتا تھا، سب سے پہلے رومیوں کا بادشاہ قسطنطین بن قسطس نے نصرانی مذہب قبول کیا۔

اس کی ماں کا نام مریم تھا، ہیلانیہ شد قانیہ تھی حران کی رہنے والی، پہلے اسی نے نصرانیت قبول کی تھی پھر اس کے کہنے سننے سے اس کے بیٹے نے بھی یہی مذہب اختیار کر لیا، یہ بڑا فلسفی عقلمند اور مکار آدمی تھا، یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے دراصل دل سے اس مذہب کو نہیں مانا تھا، اس کے زمانے میں نصرانی جمع ہو گئے، ان میں آپس میں مذہبی چھیڑ چھاڑ اور اختلاف اور مناظرے چھڑ گئے، عبد اللہ بن اریوس سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور اس قدر انتشار اور تفریق ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔

تین سو اٹھارہ پادریوں نے مل کر ایک کتاب لکھی جو بادشاہ کو دی گئی اور وہ شاہی عقیدہ تسلیم کی گئی، اسی کو امانت کبریٰ کہا جاتا ہے، جو در حقیقت خیانت صغریٰ ہے، یہیں فقہی کتابیں اسی کے زمانے میں لکھی گئی، ان میں حلال حرام کے مسائل بیان کئے گئے اور ان کے علماء نے دل کھول کر جو چاہا ان میں لکھا۔ جس قدر جی میں آئی کمی یا زیادتی اصل دین مسیح میں کی اور اصل مذہب محرف و مبدل ہو گیا مشرق کی جانب نمازیں پڑھنے لگے، بجائے ہفتہ کے اتوار کو بڑا دن بنایا، صلیب کی پرستش شروع ہو گئی۔ خنزیر کو حلال کر لیا گیا اور بہت سے تہوار ایجاد کر لئے جیسے عید صلیب عید قیداس عید غطاس وغیرہ وغیرہ۔

پھر ان علماء کے سلسلے قائم کئے گئے ایک تو بڑا پادری ہوتا تھا پھر اس کے نیچے درجہ بدرجہ اور محکمے ہوتے تھے، رہبانیت اور ترک دنیا کی بدعت بھی ایجاد کر لی، کلیسا اور گرجے بہت سارے بنا لئے گئے اور شہر قسطنطیہ کی بنا رکھی گئی اور اس بڑے شہر کو اسی بادشاہ کے نام پر نامزد کیا گیا، اس بادشاہ نے بارہ ہزار گرجے بنا دیئے، تین محرابوں سے بیت لحم بنا، اس کی ماں نے بھی قمامہ بنایا، ان لوگوں کو ملکیہ کہتے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر تھے، ان کے بعد یعقوبہ پھر سطوریہ، یہ سب سطور کے مقلد تھے، پھر ان کے بہت سے گروہ تھے جیسے حدیث میں ہے کہ ان کے بہتر (۷۲) فرقے ہو گئے۔

ان کی سلطنت برابر چلی آتی تھی ایک کے بعد ایک قیصر ہوتا آتا تھا یہاں تک کہ آخر میں قیصر ہرقل ہوا، یہ تمام بادشاہوں سے زیادہ عقلمند تھا بہت بڑا عالم تھا دانائی زیرکی دوراندیشی اور دور بینی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، اس نے سلطنت بہت وسیع کرلی اور مملکت دور دراز تک پھیلادی اس کے مقابلے میں فارس کا بادشاہ کسریٰ کھڑا ہوا اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اس کی سلطنت قیصر سے بھی زیادہ بڑی تھی، یہ مجوسی لوگ تھے آگ کو پوجتے تھے۔

مندرجہ بالا روایت میں تو ہے کہ اس کا سپہ سالار مقابلہ پر گیا لیکن مشہور بات یہ ہے کہ خود کسریٰ اس کے مقابلے پر گیا، قیصر کو شکست ہوئی یہاں تک کہ وہ قسطنطیہ میں گھر گیا، نصرانی اس کی بڑی عزت اور تعظیم کرتے تھے گو کسریٰ لمبی مدت تک محاصرہ کئے پڑا رہا لیکن دارالسلطنت کو فتح نہ کرسکا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کا ملک نصف سمندر کی طرف تھا اور نصف خشکی کی طرف تھا، تو شاہ قیصر کو کمک اور رسد تری کے راستے سے برابر پہنچتی رہی آخر میں قیصر نے ایک چال چلی اس نے کسریٰ کو کہلوا بھیجا کہ آپ جو چاہیں مجھ سے تسلی لے لیجئے اور جن شرائط پر چاہیں مجھ سے صلح کرلیجئے۔

کسریٰ اس پر راضی ہوگیا اور اتنا مال طلب کیا کہ وہ اور یہ مل کر بھی جمع کرنا چاہے تو ناممکن تھا، قیصر نے اسے قبول کرلیا کیونکہ اس نے اس سے کسریٰ کی بیوقوفی کا پتہ چلالیا کہ یہ وہ چیز مانگتا ہے جس کا جمع کرنا دنیا کے اختیار سے باہر ہے بلکہ ساری دنیا مل کر اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کرسکتی، قیصر نے کسریٰ سے کہلوا بھیجا کہ مجھے اجازت دے کہ میں اپنے ملک سے باہر چل پھر کر اس دولت کو جمع کرلوں اور آپ کو سونپ دوں، اس نے یہ درخواست منظور کرلی۔

اب شاہ روم نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور ان سے کہا میں ایک ضروری اور اہم کام کے لئے اپنے مخصوص احباب کے ساتھ جارہا ہوں، اگر ایک سال کے اندر اندر آجاؤں تو یہ ملک میرا ہے ورنہ تمہیں اختیار ہے جسے چاہو اپنا بادشاہ تسلیم کرلینا، انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ تو آپ ہی ہیں خواہ دس سال تک بھی آپ نہ لوٹے تو کیا ہوا، یہ یہاں سے مختصر سی جانباز جماعت لے کر چپ چاپ چل کھڑا ہوا، پوشیدہ راستوں سے نہایت ہوشیاری احتیاط اور چالاکی سے بہت جلد فارس کے شہروں

تک پہنچ گیا اور یکایک دھاوا بول دیا چونکہ یہاں کی فوجیں تو روم پہنچ چکی تھیں عوام کہاں تک مقابلہ کرتے، اس نے قتل عام شروع کیا، جو سامنے آیا تلوار کے کام آیا یونہی بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مدائن پہنچ گیا جو کسریٰ کی سلطنت کی کرسی تھی۔

وہاں کی محافظ فوج پر بھی غالب آیا انہیں بھی قتل کر دیا اور چاروں طرف سے مال جمع کیا، ان کی تمام عورتوں کو قید کر لیا اور تمام لڑنے والوں کو قتل کر ڈالا، کسریٰ کے لڑکے کو زندہ گرفتار کیا اس محل سرائے کی عورتوں کو زندہ گرفتار کیا، اس کی درباری عورتیں وغیرہ بھی پکڑی گئیں اس کے لڑکے کا سر منڈوا کر گدھے پر بٹھا کر عورتوں سمیت کسریٰ کی طرف بھیجا کہ لیجئے جو مال اور عورتیں اور غلام تو نے مانگے تھے وہ سب حاضر ہیں۔

جب یہ قافلہ کسریٰ کے پاس پہنچا کسریٰ کو سخت صدمہ ہوا یہ ابھی تک قسطنطیہ کا محاصرہ کئے پڑا تھا اور قیصر کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کے پاس اس کا کل خاندان اور ساری حرم سرا اس ذلت کی حالت میں پہنچیں۔ یہ سخت غضبناک ہوا اور شہر پر بہت سخت حملہ کر دیا لیکن اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی اب یہ نہر جیحون کی طرف چلا کہ قیصر کو وہاں روک لے کیونکہ قیصر کا فارس سے قسطنطیہ آنے کا راستہ یہی تھا۔

قیصر نے اسے سن کر پہلے سے بھی زبردست حملہ کیا یعنی اس نے اپنے لشکر کو تو دریا کے اس دہانے چھوڑا اور خود تھوڑے سے آدمی لے کر سوار ہو کر پانی کے بہاؤ کی طرف چل دیا کوئی ایک دن رات کا راستہ چلنے کے بعد اپنے ساتھ جو کئی چارہ لید گوبر وغیرہ لے گیا تھا اسے پانی میں بہا دیا، یہ چیزیں پانی میں بہتی ہوئی کسرا کے لشکر کے پاس سے گذریں تو وہ سمجھ گئے کہ قیصر یہاں سے گذر گیا ہے، یہ اس کے لشکروں کے جانوروں کے آثار ہیں۔

اب قیصر واپس اپنے لشکر میں پہنچ گیا ادھر کسریٰ اس کی تلاش میں آگے چلا گیا، قیصر اپنے لشکروں سمیت جیحون کا دہانہ عبور کر کے راستہ بدل کر قسطنطنیہ پہنچ گیا، جس دن یہ اپنے دارالسلطنت میں پہنچا نصرانیوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں،

کسریٰ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو اس کا عجب حال ہوا کہ پائے ماندن نہ جائے رفتن نہ تو روم ہی فتح ہوا اور نہ فارس ہی رہا، رومی غالب آگئے فارس کی عورتیں اور وہاں کے مال ان کے قبضے میں آئے۔ یہ کل امور نو سال میں ہوئے اور رومیوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت فارسیوں سے دوبارہ لے لی اور مغلوب ہو کر غالب آگئے، اذراعات اور بصرہ کے معرکے میں اہل فارس غالب آگئے تھے اور یہ ملک شام کا وہ حصہ تھا جو حجاز سے ملتا تھا یہ بھی قول ہے کہ یہ ہزیمت جزیرہ میں ہوئی تھی جو رومیوں کی سرحد کا مقام ہے اور فارس سے ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر نو سال کے اندر اندر رومی فارسیوں پر غالب آگئے قرآن کریم میں لفظ بضع کا ہے اور اس کا اطلاق بھی نو تک ہوتا ہے اور یہی تفسیر اس لفظ کی ترمذی اور ابن جریر والی حدیث میں ہے۔

حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تمہیں احتیاطاً دس سال تک رکھنے چاہئے تھے کیونکہ بضع کے لفظ کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے اس کے بعد قبل اور بعد پر پیش اضافت ہٹا دینے کی وجہ ہے کہ اس کے بعد حکم اللہ ہی کا ہے اس دن جب کہ روم فارس پر غالب آجائے گا تو مسلمان خوشیاں منائیں گے اکثر علماء کا قول ہے کہ بدر کی لڑائی والے دن رومی فارسیوں پر غالب آگئے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سدی ثوری اور ابو سعید رحمہم اللہ یہی فرماتے ہیں ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ غلبہ حدیبیہ والے سال ہوا تھا عکرمہ زہری اور قتادہ رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے بعض نے اس کی توجیہ یہ بیان کی کہ قیصر روم نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے فارس پر غالب کرے گا تو وہ اس کے لشکر میں پیادہ بیت المقدس تک جائے گا چنانچہ اس نے اپنی نذر پوری کی اور بیت المقدس پہنچا، یہ یہیں تھا اور اس کے پاس رسول کریم ﷺ کا نامہ مبارک پہنچا جو آپ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی معرفت بصریٰ کے گورنر کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل کو پہنچایا تھا۔

ہرقل نے نامہ نبی ﷺ پاتے ہی شام میں جو حجازی عرب تھے انہیں اپنے پاس بلایا ان میں ابو سفیان صخر بن حرب اموی بھی تھا اور دوسرے بھی قریش کے ذی عزت بڑے بڑے لوگ تھے اس نے ان سب کو اپنے سامنے بٹھا کر ان سے پوچھا کہ تم میں سے اس کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار

کون ہے؟ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ابو سفیان نے کہا میں ہوں۔

بادشاہ نے انہیں آگے بٹھالیا اور ان کے ساتھیوں کو پیچھے بٹھالیا اور ان سے کہا کہ دیکھو میں اس شخص سے چند سوالات کرونگا اگر یہ کسی سوال کا غلط جواب دے تو تم اس کو جھٹلا دینا ابو سفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو لوگ اس کو ظاہر کر دیں گے اور پھر اس جھوٹ کو میری طرف نسبت کریں گے تو یقیناً میں جھوٹ بولتا، اب ہرقل نے بہت سے سوالات کئے۔ مثلاً حضور کے حسب نسب کہ نسبت آپ کے اوصاف وعادات کے متعلق وغیرہ وغیرہ

ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا وہ غداری کرتا ہے ابو سفیان نے کہا کہ آج تک تو کبھی بدعہدی وعدہ شکنی اور غداری کی نہیں۔ اس وقت ہم میں اس میں ایک معاہدہ ہے نہ جانے اس میں وہ کیا کرے؟ ابو سفیان کے اس قول سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس میں حضور ﷺ اور قریش کے درمیان یہ بات ٹھہری تھی کہ آپس میں دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی۔

یہ واقعہ اس قول کی پوری دلیل بن سکتا ہے کہ رومی فارس پر حدیبیہ والے سال غالب آئے تھے۔ اس لیے کہ قیصر نے اپنی نذر حدیبیہ کے بعد پوری کی تھی واللہ اعلم۔

لیکن اس کا جواب وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ غلبہ روم فارس پر بدر والے سال ہوا تھا یہ دے سکتے ہیں کہ چونکہ ملک کی اقتصادی اور مالی حالت خراب ہو چکی تھی ویرانی غیر آبادی و تنگ حالی بہت بڑھ گئی تھی اس لئے چار سال تک ہرقل نے اپنی پوری توجہ ملک کی خوشحالی اور آبادی پر رکھی، اس کے بعد اس طرف سے اطمینان حاصل کر کے نذر کو پوری کرنے کے لئے روانہ ہوا واللہ اعلم۔ (ابن کثیر)

یہ اختلاف کوئی ایسا اہم امر نہیں، ہاں مسلمان رومیوں کے غلبہ سے خوش ہوئے اس لئے کہ وہ کیسے ہی ہوں تاہم تھے اہل کتاب اور ان کے مقابلے مجوسیوں کی جماعت تھی جنہیں کتاب سے دور کا تعلق بھی نہ تھا، تو لازمی امر تھا کہ مسلمان ان کے غلبے سے ناخوش ہوں اور رومیوں کے غلبے سے خوش ہوں، خود قرآن میں موجود ہے کہ ایمان والوں کے سب سے زیادہ دشمن یہود اور مشرک ہیں اور ان سے دوستیاں رکھنے میں سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں اس لئے کہ

ان میں علماء اور درویش لوگ ہیں اور یہ متکبر نہیں قرآن سن کر یہ رو دیتے ہیں کیونکہ حق کو جان لیتے ہیں پھر اقرار کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم ایمان لائے تو ہمیں بھی ماننے والوں میں کر لے۔

پس یہاں بھی یہی فرمایا کہ مسلمان اس دن خوش ہونگے جس دن اللہ تعالیٰ رومیوں کی مدد کرے گا وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ بڑا غالب اور بہت مہربان ہے۔

حضرت زبیر کلامی فرماتے ہیں میں نے فارسیوں کا رومیوں پر غالب آنا پھر رومیوں کا فارسیوں پر غالب آنا پھر روم اور فارس دونوں پر مسلمانوں کا غالب آنا اپنی آنکھوں سے پندرہ سال کے اندر دیکھ لیا۔

آخر آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے بدلہ اور انتقام لینے پر قادر اور اپنے دوستوں کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگذر فرمانے والا ہے، جو خبر تمہیں دی ہے کہ رومی عنقریب فارسیوں پر غالب آجائیں گے یہ اللہ کی خبر ہے رب کا وعدہ ہے پروردگار کا فیصلہ ہے، ناممکن ہے کہ غلط نکلے ٹل جائے یا خلاف ہو جائے، جو حق کے قریب ہوا سے بھی رب حق سے بہت دور والوں پر غالب رکھتے ہیں ہاں اللہ کی حکمتوں کو کم علم نہیں جان سکتے۔

اکثر لوگ دنیا کا علم تو خوب رکھتے ہیں اس کی گتھیاں منٹوں میں سلجھا دیتے ہیں اس میں خوب دماغ دوڑاتے ہیں، اس کے برے بھلے نقصان کو پہچان لیتے ہیں بیک نگاہ اس کی اونچ نیچ دیکھ لیتے ہیں۔ دنیا کمانے کا پیسہ جوڑنے کا خوب سلیقہ رکھتے ہیں لیکن امور دین میں اخروی کاموں میں محض جاہل غبی اور کم فہم ہوتے ہیں، یہاں نہ ذہن کام کرے نہ سمجھ پہنچ سکے نہ غور و فکر کی عادت۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں بہت سے ایسے بھی ہیں کہ نماز تک تو ٹھیک پڑھ نہیں سکتے لیکن درہم چٹکی میں لیتے ہی وزن بتا دیا کرتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں دنیا کی آبادی اور رونق کی تو بیسیوں صورتیں ان کا ذہن گھڑ لیتا ہے، لیکن دین میں محض جاہل اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

کائنات میں غور و فکر اور منکرین کا انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ{۸}اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ{۹}ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ{۱۰}اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ{۱۱} الروم

جواب ترجمہ: کیا انہوں نے اپنے نفسوں میں غور نہیں کیا، اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو ان دونوں کے درمیان ہے پیدا نہیں فرمایا مگر حق کے ساتھ اور ایک معینہ مدت تک، اور بلاشبہ بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے، سو دیکھ لیتے کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے، وہ لوگ قوت کے اعتبار سے ان سے بڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے زمین کو بویا جوتا اور اس سے زیادہ آباد کیا جتنا ان لوگوں نے آباد کیا ہے، اور ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلیں لے کر آئے، سو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، اور لیکن وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ پھر جن لوگوں نے برے کام کیے ان لوگوں کا برا انجام ہوا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور وہ ان کا مذاق بناتے تھے۔ اللہ مخلوق کو ابتداءً پیدا فرماتا ہے پھر اسے دوبارہ پیدا فرمائے گا، پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ: اللہ تعالیٰ مشرکین کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے اپنے نفسوں میں غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کس حکمت اور قدرت کے ساتھ پیدا فرمایا اور ان کی ساخت کو درست بنایا؟ اسی طرح آسمان و زمین کی تخلیق بھی محض کھیل یا عبث نہیں،

بلکہ حق، حکمت اور ایک عظیم مقصد کے تحت ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے لیے ایک مقررہ مدت رکھی ہے، جس کے بعد یہ نظام ختم ہو جائے گا، مگر اس کے باوجود بہت سے لوگ قیامت کے دن اپنے رب سے ملاقات کا انکار کرتے ہیں، اسی وجہ سے وہ آخرت کی تیاری اور نیک اعمال کی فکر نہیں کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو گزشتہ امتوں کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین فرماتا ہے کہ

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ: کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا تاکہ دیکھتے کہ ان سے پہلے جھٹلانے والی قوموں کا انجام کیا ہوا؟ وہ قومیں قوت، طاقت اور تمدن میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں، انہوں نے زمین کو کاشت کیا، اس میں آبادیاں بسائیں اور بڑی ترقی حاصل کی، مگر جب ان کے پاس رسول واضح دلائل اور معجزات لے کر آئے تو انہوں نے تکذیب کی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا، یہ ہلاکت اللہ کی طرف سے ظلم نہ تھی، بلکہ وہ خود اپنے کفر و سرکشی کے ذریعے اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔ ارشاد فرمایا کہ

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ: جن لوگوں نے شرک، گناہوں اور برے اعمال کا راستہ اختیار کیا، ان کا انجام نہایت بدترین ہوا، کیونکہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور ان کا مذاق اڑایا، وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ حق کے ساتھ استہزاء اور تکبر ہی ان کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنا۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ: اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کو پہلی بار بغیر کسی سابق مثال کے پیدا فرماتا ہے، پھر وہی اسے موت دیتا ہے اور دوبارہ زندہ کرے گا۔ آخر کار سب کو اسی کی بارگاہ میں لوٹ کر جانا ہے، جہاں قیامت کے دن اعمال کا مکمل حساب اور جزا و سزا ہو گی۔

قیامت کے دن مجرموں کی مایوسی

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کریں، نیز بتائیں کہ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ کا کیا مطلب ہے؟

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ{۱۲} الروم.

جواب ترجمہ: اور جس دن قیامت برپا ہو گی اس روز مجرم لوگ ناامید ہو جائیں گے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت میں مایوس ہونے کے لیے یُبْلِسُ کا لفظ ارشاد فرمایا گیا ہے، علامہ راغب اصفہانی اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سخت خوف کے بعد جو غم طاری ہو اس کو ابلاس کہتے ہیں۔ اسی سے ابلیس ماخوذ ہے، کتنی بار ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کے خلاف بہت دلائل قائم کر دیئے جاتے ہیں تو اس پر خاموشی طاری ہو جاتی ہے اور وہ حیران اور پریشان ہو کر بھول جاتا ہے کہ اس کو کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا ایسے موقع پر کہا جاتا ہے اَبْلَسَ فُلَانٌ یعنی جب وہ اپنی حجت ختم ہونے کے بعد خاموش ہو گیا۔ (المفردات ج ا ص ۷۶)

بعض حضرات نے کہا کہ علامہ راغب کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ابلیس بھی اسی سے ماخوذ ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ابلیس منصرف ہوتا حالانکہ قرآن مجید میں ابلیس غیر منصرف ہے۔ اور اس کے غیر منصرف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے اور علم ہے اور اگر اس کو عربی کہا جائے اور ابلاس سے مشتق مانا جائے تو پھر اس کا غیر منصرف ہونا شاذ ہو گا۔ اس کے بعد فرمایا اور ان کے مزعوم شرکاء میں سے کوئی ان کی شفاعت کرنے والا نہیں ہو گا۔ (تفسیر روح البیان ج ۷ ص ۱۲)

یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ: گناہ گار ناامید ہو جائیں گے، یعنی وہ ہر بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے اور اس کی وجہ یہ ہو گی کہ ان لوگوں نے اس روز کے لیے جرائم کے سوا کچھ آگے نہیں بھیجا ہو گا۔ جرائم سے مراد کفر، شرک اور دیگر بڑے بڑے گناہ ہیں۔

چونکہ انہوں نے ایسے اعمال آگے روانہ کیے تھے جو عذاب کے موجب تھے اور ان کے پاس کوئی بھی ایسا عمل نہ تھا جو ثواب کا موجب ہوتا، اس لیے وہ اعمال خیر کے اعتبار سے مفلس ہوں گے اور سخت مایوس ہوں گے۔ ان کی تمام افترا پردازیاں گم ہو جائیں گی، اور نہ ان کے خود ساختہ معبود ان کو کوئی فائدہ دے سکیں گے۔

قیامت کا فیصلہ اور تسبیح الٰہی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ

السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ{۱۴}فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ{۱۵}وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ {۱۶}فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ {۱۷}وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ{۱۸}الروم

جواب ترجمہ: اور ان کے شرکاء میں سے کوئی سفارش کرنے والا نہ ہو گا اور وہ اپنے شرکاء کے منکر ہوں گے۔ اور جس دن قیامت قائم ہو گی، اس دن لوگ متفرق حالتوں میں ہوں گے۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ باغ میں مسرور ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا، سو یہ لوگ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے۔ سو تم اللہ کی تسبیح بیان کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت۔ اور اسی کے لیے سب تعریف ہے آسمانوں میں اور زمین اور دن کے پچھلے اوقات میں اور دوپہر کے وقت اس کی تسبیح بیان کرو۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ: قیامت کے دن ان مشرکین کے وہ تمام معبود اور شریک، جنہیں وہ دنیا میں اللہ کے سوا پکارتے اور پوجتے تھے، ان کے کسی کام نہ آئیں گے، نہ وہ ان کے لیے سفارش کر سکیں گے اور نہ انہیں عذاب سے بچا سکیں گے، اس وقت مشرک خود بھی اپنے ان جھوٹے معبودوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے، کیونکہ سب کے سب ہلاکت اور عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ: اور جس دن قیامت قائم ہو گی، اسی دن انسان اپنے اعمال کے اعتبار سے مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے، ایک جماعت وہ ہو گی جو ایمان اور نیک اعمال کی بدولت بلند درجات اور جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہو گی، جبکہ دوسری جماعت کفر و معصیت کے سبب ذلت اور جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو گی۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ: پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، وہ جنت کے باغات میں داخل کیے جائیں گے، جہاں دائمی نعمتیں،

راحتیں اور خوشیاں ان کا مقدر ہوں گی، وہ وہاں ایسی مسرت اور آسائش پائیں گے جو کبھی ختم نہ ہو گی۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ : اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا، اس کی آیات کو جھٹلایا، اور قیامت و حساب کا انکار کیا، وہ جہنم کے عذاب میں گرفتار کیے جائیں گے، یہ لوگ ہمیشہ اسی عذاب میں رہیں گے اور ان کے لیے نجات کی کوئی صورت نہ ہو گی۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تسبیح اور حمد کا حکم دیتے ہوئے مختلف اوقاتِ عبادت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ شام کے وقت مغرب اور عشاء، صبح کے وقت فجر، عصر کے وقت اور دوپہر کے وقت ظہر کی نمازوں کے ذریعے اللہ کی پاکی اور بزرگی بیان کرنے کی تلقین کی گئی ہے، آسمانوں اور زمین میں ہر تعریف اسی کے لیے ہے، فرشتے بھی اسی کی حمد کرتے ہیں اور تمام مخلوقات بھی اسی کی ثنا بیان کرتی ہیں، یہ آیات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ بندہ ہر حال اور ہر وقت اپنے رب کے ذکر اور عبادت سے وابستہ رہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں

سوال ان آیات میں بیان شدہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نشانیوں کے کچھ دلائل بیان کیجیے۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ {۱۹} وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ {۲۰} وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ {۲۱} وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ {۲۲} وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ {۲۳} وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ {۲۴} وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا

دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ {۲۵} وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ {۲۶} وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ {۲۷} الروم.

جواب ترجمہ: وہ جاندار کو بے جان سے نکال لاتا ہے، اور بے جان کو جاندار سے نکال لیتا ہے۔ اور وہ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ اور اسی طرح تم کو (قبروں سے) نکال لیا جائے گا۔ اور اس کی (قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تم دیکھتے ہی دیکھتے انسان بن کر (زمین میں) پھیلے پڑے ہو۔ اور اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم میں سے بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم ان کے پاس جا کر سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت کے جذبات رکھ دیے، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں کا ایک حصہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی ہے۔ یقیناً اس میں دانش مندوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ اور اس کی نشانیوں کا ایک حصہ تمہارا رات اور دن کے وقت سونا اور اللہ کا فضل تلاش کرنا ہے۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو بات سنتے ہوں۔ اور اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے جس سے ڈر بھی لگتا ہے اور امید بھی ہوتی ہے۔

اور آسمان سے پانی برساتا ہے، جس کے ذریعے وہ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشتا ہے، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جب وہ ایک پکار دے کر تمہیں زمین سے بلائے گا تو تم فوراً نکل پڑو گے۔ اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں سب اسی کی ملکیت ہیں۔ سب اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ اور وہی ہے جو مخلوق کی ابتدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا، اور یہ کام اس کے لیے بہت آسان ہے۔ اور اسی کی سب سے اونچی شان ہے، آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی، اور وہی ہے جو اقتدار والا بھی ہے، حکمت والا بھی۔

خلاصہ تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نشانیوں کے دلائل بہت ہی واضح انداز میں بیان کیے گئے ہیں، کہ وہ اللہ تعالیٰ زندہ کو مردہ سے باہر لاتا ہے، جیسے انسان ایک نطفہ بے جان سے وجود میں آتا ہے، ایک پرندہ انڈے سے وجود میں آتا ہے، اسی طرح وہ مردہ کو زندہ سے وجود میں لاتا ہے، جیسے ایک پانی کی بوند، نطفہ بے جان کو انسان سے وجود میں لاتا ہے، انڈے کو پرندے سے نکالتا ہے، زمین جب خشک ہو جاتی ہے، سوکھ جاتی ہے اس کے بعد اس کے اندر سے جڑی بوٹیاں باہر لاتا ہے، اللہ تعالیٰ انسان کو بتاتے اور سمجھاتے ہیں کہ تمہیں بھی قبروں سے حساب کتاب اور جزا و سزا کے لیے نکالا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے تمہارے ابا آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا، پھر تمہاری نسل چلائی، تم زمین میں پھیل کر اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرتے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری جنس میں سے جوڑا بنایا، تاکہ تمہارے دل اس سے اطمینان و سکون حاصل کریں، پھر اللہ نے بیوی اور خاوند کے درمیان محبت اور شفقت کے جذبات رکھے، ان تمام چیزوں میں اللہ کی آیات و نشانیاں ہیں، جو اس کی عظیم قدرت پر دلالت کرتی ہیں، اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں، ایسے لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں اور سوچ بچار کرتے ہیں۔

پھر اس کی کیسی عظیم الشان نشانی ہے کہ اس نے آسمانوں کو پیدا کیا، بغیر کسی سہارے اور سپورٹ کے اسے بلند کر دیا، اسی طرح اس کی نشانی ہے کہ اس نے زمین کو پیدا کیا، اسے وسعت دی اور اسے پھیلایا، اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی قدرت ہے کہ اس نے انسانوں کو مختلف بولیاں عطا کیں، مختلف رنگوں سے انہیں مزین کیا، اس میں ہر صاحب علم اور صاحب بصیرت کے لیے عبرت کا سامان ہے۔

پھر انسان غور کرتا چلا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے رات بنائی، جس میں انسان اپنی نیند پوری کرتا ہے، نیند انسانی راحت کے لیے بنائی، دن ہو یا رات انسان نیند کرنے کے بعد پر سکون ہو جاتا ہے، اس سے جہاں راحت و آرام ملتا ہے وہاں تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔

انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے دن بنایا، جس میں انسان زمین پر پھیل کر اپنا رزق تلاش کرتا ہے، اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بکھیرے گئے رزق کو تلاش کرتا ہے، یہ تمام دلائل

اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت کرتے ہیں، اس کی مشیت اور چاہت کے نفاذ پر دلالت کرتے ہیں، ایسی قوم کے لیے جو مواعظ سنتی ہے، ایسا سننا جس میں تامل اور غور و فکر بھی پایا جائے۔

پھر انسان غور و فکر کرے، اس کی الوہیت کی طرف دھیان کرے کہ وہ انسانوں کو بجلیاں دکھاتا ہے، انسان بجلی کی کڑک سے خوف زدہ ہو جاتا ہے، انسان ان کڑکتی بجلیوں کے اندر بارش برسنے کی امید رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بادلوں سے بارش اتارتا ہے، پھر اس کے ذریعے زمین کو آباد کرتا ہے، حالانکہ وہ زمین خشک ہو چکی ہوتی ہے، خشکی کے بعد اس زمین میں اللہ تعالیٰ وتر ڈالتا ہے، پھر اسے ہرا بھرا کر دیتا ہے۔ یہ اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے، اس کی عظیم حکمت ہے، اللہ کی طرف سے یہ ہر اس شخص کے لیے احسان ہے جس کے پاس ایسی عقل موجود ہے جس سے وہ ہدایت پائے۔

پھر انسان اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھتا جائے کہ اللہ نے آسمان و زمین کو کیسے تھاما ہوا ہے، کیسے انہیں مضبوط کیا ہوا ہے، نہ زمین ڈولتی ہے اور نہ آسمان زمین پر آن گرتا ہے، پھر وہ منظر کیسا ہو گا جب اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے دن بلائے گا تو تم اپنی قبروں سے جلدی جلدی نکلو گے۔

ایک اکیلا اللہ ہی ہے جس کے لیے آسمان اور زمین ہیں، فرشتے، انسان، جنات، حیوان، نباتات، جمادات غرضیکہ سب کچھ اسی کے امر و حکم کے تابع ہے، اس کے کمال کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔

اکیلا اللہ ہی ہے جو مخلوق کو عدم سے وجود میں لاتا ہے، پھر موت کی طرف لیجاتا ہے، پھر موت کے بعد اسے دوبارہ زندگی بخشے گا، مارنے کے بعد دوبارہ مخلوق کو زندہ کرنا اس ذات عالی کے لیے بہت ہی آسان ہے ابتدا میں پیدا کرنے سے، حالانکہ دونوں پیدائشیں اس کے لیے آسان ہیں، اس ذات عالی کی بہت ہی اونچی تعریف وستائش ہے جس سے اس کی تعریف وستائش کی جائے، اس کی مثل کوئی نہیں ہے، وہ خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے، وہ زبردست ذات ہے، کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا، وہ اپنے اقوال وافعال میں بہت ہی حکمت والا ہے، وہ اپنی مخلوق کے معاملات میں بہترین حکمت والا ہے۔

ایک خاص مثال سے شرک کی تردید اور توحید کا اثبات

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ کیجیے اور مفہوم بیان کیجیے

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ {۲۸} الروم

جواب ترجمہ: اللہ نے تمہارے لیے ایک مثال بیان فرمائی جو تمہارے نفسوں کے اندر سے ہے جن کے تم مالک ہو، کیا ان میں سے کوئی اس ملک میں شریک ہے جو ہم نے تمہیں دیا کہ وہ اور تم اس میں برابر ہو، تم ان سے اسی طرح ڈرتے ہو جیسا اپنے نفسوں سے ڈرتے ہو، ہم اسی طرح آیات کو بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اس میں توحید کے مختلف گوشوں پر دلائل دیے جارہے ہیں، ان دلائل میں سے بعض ایسے ہیں جن کا تعلق انسانی نفسیات سے ہے۔ چنانچہ سب سے پہلی دلیل ایک مثال کی صورت میں پیش کی جارہی ہے، جو عام فہم بھی ہے اور دلنشیں بھی۔ دلیل کو سوال کی شکل دیتے ہوئے پوچھا گیا ہے کہ تمہارے زیر تصرف کچھ ایسے انسان ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہی طرح پیدا فرمایا ہے لیکن وہ حالات کی کسی افتاد سے تمہارے قبضے میں آگئے ہیں اور اب وہ تمہارے غلام اور تمہارے مملوک ہیں۔

وہ تمہارے احکام کے مطابق شب و روز تمہاری خدمت بھی کرتے ہیں اور ان میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو تمہاری کمائی کا ذریعہ ہیں، یعنی تمہیں ہر طرح سے ان کے فوائد پہنچ رہے ہیں جبکہ ان کا وجود تمہاری تخلیق کا رہین منت نہیں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، کیا تم اپنے زیر تصرف چیزوں اور اس مال و دولت میں جو تمہیں اللہ تعالیٰ ہی نے عطا کر رکھی ہیں انھیں برابری کا حق دے چکے ہو۔

اور تم ہر طرح سے ان کا یہ حق تسلیم کرتے ہو کہ وہ جو تصرف چاہیں اس مال و دولت میں کریں جس میں تم نے انہیں اپنا شریک بنالیا ہے اور تم اگر اپنے طور سے کوئی فیصلہ کرنا چاہو تو محض اس خیال

سے نہ کر سکو کہ وہ شاید تم سے جھگڑا کریں یا اس فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کر دیں۔

اس کا جواب واضح ہے کہ تم اپنے غلاموں کو یہ آزادی دینا کبھی گوارا نہیں کرو گے، اور ان کا یہ حق تم کبھی تسلیم نہیں کرو گے حالانکہ نہ جانے کتنے کاموں میں تم ان کے محتاج ہو، تو پھر سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کائنات کی ہر چیز کا خالق بھی ہے اور مالک بھی، اور اسے تمام مخلوقات پر ہر طرح کے تصرف کا حق بھی ہے اور مخلوق میں سے کسی کو اس بات کا حق نہیں کہ وہ اس کے کسی کام پر معترض ہو سکے یا دخل دے سکے، لیکن اس کے باوجود تم اس کے ساتھ بے جان مورتیوں اور فنا ہو جانے والے انسانوں کو شریک بناتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے کتنے اختیارات ہیں جو تم نے انہیں سونپ رکھے ہیں۔

تم خود ہی سوچو کہ یہ کیسی بے انصافی اور حماقت کی بات ہے کہ تم اپنی مال و دولت اور اپنے معاملات میں تو کسی کو شریک ہونے کی اجازت نہیں دیتے ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے بے تکلف شریک بناتے ہو۔ حالانکہ تمام اعلیٰ صفات اور برتر حقوق کا اصلی حقدار زمین و آسمان میں صرف وہی ہے۔ یہ شرک کی ایسی نفسیاتی دلیل ہے کہ جو شخص ذرا بھی انسانی معاملات میں جھانک کر دیکھے گا وہ کبھی اس کی کاٹ کا انکار نہیں کر سکتا۔ (روح القرآن)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کفار عرب جب حج کے لیے احرام باندھتے تھے تو ان الفاظ سے تلبیہ کہتے، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ اے اللہ! ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، ہم حاضر ہیں۔ سوائے اس کے جس کو تو نے خود اپنا شریک بنایا ہے، تو اس کا بھی مالک ہے اور اس چیز کا بھی تو مالک ہے جس کا وہ مالک ہے۔ (تفسیر قرطبی) یہی وہ شرک ہے جس کی تردید اس آیت کریمہ میں کی گئی ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ ہم اپنی آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ اس سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس دلیل سے پروردگار کے پیش نظر اپنی وحدانیت کو جس طرح کھول کر بیان کرنا تھا اس کی تکمیل ہو گئی۔

اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس دلیل کو سمجھنے کے لیے بہت زیادہ علوم و فنون کو جاننے

کی ضرورت نہیں، ایسی سادہ عقل جو تحفظات سے آلودہ نہ ہو وہ بھی اسے سمجھنے کے لیے کافی ہے، اس لیے ارشاد فرمایا کہ ہماری یہ دلیل ان لوگوں کے لیے ہے جو عقل سے کام لینا چاہیں۔ لیکن جن لوگوں کو عقل سے زیادہ کچھ اور چیزیں عزیز ہیں وہ ایسی واضح دلیلوں کے بعد بھی ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ (روح القرآن)

فطرت انسانی، توحید خالص اور انسانی رویوں کی اصلاح

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ {۲۹} فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ {۳۰} مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ {۳۱} مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ {۳۲} وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ {۳۳} لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ {۳۴} اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ {۳۵} وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ {۳۶} اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ {۳۷} فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ {۳۸} الروم

جواب ترجمہ: بلکہ بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے ظلم کیا وہ بغیر علم کے اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں، سو جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کون ہدایت دے گا اور کوئی بھی ان کے لیے مددگار نہ ہو گا۔ آپ ایک طرف ہو کر اسی دین کی طرف اپنا رخ رکھیے، اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کیجیے جس پر اللہ نے

لوگوں کو پیدا فرمایا ہے، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہے، یہ دین قیم ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس کی فطرت کا اتباع کرو اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔ جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور مختلف گروہ ہو گئے ہر گروہ اس چیز پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔ اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی طرف رجوع ہو کر پھر جب اللہ انھیں اپنی رحمت کا کچھ مزہ چکھا دیتا ہے تو اچانک ان سے بعض لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔ تاکہ وہ اس کے منکر ہو جائیں جو ہم نے انھیں دیا ہے، سو مزے اڑاؤ، عنقریب جان لوگے۔ کیا ہم نے ان پر کوئی سند نازل کی ہے، سو وہ ان سے اس کے بارے میں بات کر رہے ہیں جو وہ شرک کرتے ہیں۔ اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا کچھ مزہ چکھاتے ہیں تو اس پر خوش ہوتے ہیں اور اگر ان کے اعمال بد کی وجہ سے انھیں کوئی مصیبت پہنچ جائے تو اچانک وہ ناامید ہو جاتے ہیں۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ رزق پھیلا دیتا ہے جس کے لیے چاہے اور تنگ کر دیتا ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ سو اے مخاطب تو رشتہ دار کو اس کا حق دے دے اور مسکین کو اور مسافر کو، یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور یہ لوگ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت، دینِ حق کی حقیقت، مشرکین کی گمراہی، دنیاوی آزمائشوں اور معاشرتی حقوق کے بارے میں نہایت جامع ہدایات بیان فرمائی ہیں، ارشاد فرمایا کہ

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ: ظالم لوگ علم و ہدایت کی بجائے اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں، اسی وجہ سے وہ شرک اور گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جب انسان خواہشِ نفس کو اپنا رہنما بنا لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے محرومی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور کوئی اسے ہدایت نہیں دے سکتا، اس کے بعد نبی کریم ﷺ اور تمام اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا کہ وہ یکسو ہو کر اپنے آپ کو دینِ حق کے لیے قائم رکھیں، یہی دین اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فطرتِ سلیمہ کے مطابق ہے، کیونکہ انسان

کی اصل فطرت توحید اور حق کو قبول کرنے والی ہے، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ مزید فرمایا کہ

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا: لوگ اللہ کی طرف رجوع کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کے بجائے اپنے دین کو ٹکڑوں میں بانٹ بیٹھے اور مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے، یہاں تک کہ ہر گروہ اپنے نظریات پر خوش اور مطمئن نظر آنے لگا، حالانکہ دینِ حق اتحاد، اخلاص اور اللہ کی بندگی کا نام ہے، نہ کہ فرقہ بندی اور خواہشات کی پیروی کا۔ پھر انسانی مزاج کی کمزوری بیان فرمائی کہ

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ: جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں، لیکن جیسے ہی اللہ تعالیٰ انہیں راحت اور نعمت عطا فرماتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ دوبارہ شرک اور ناشکری کی طرف لوٹ جاتا ہے، یہ رویہ دراصل انسان کی ناشکری اور کم ظرفی کی علامت ہے، اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ: کیا ان مشرکوں کے پاس اپنے شرک کے حق میں کوئی ایسی دلیل یا آسمانی سند ہے جو ان کے عقیدے کی تائید کرتی ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، بلکہ وہ محض باطل گمان اور آباء و اجداد کی اندھی تقلید کے پیچھے چل رہے ہیں۔ ان آیات میں رزق کے مسئلے کی بھی وضاحت فرمائی گئی کہ

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ: رزق کی کشادگی اور تنگی صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہ اپنی حکمت کے مطابق جس کے لیے چاہتا ہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، اس میں اہلِ ایمان کے لیے نشانیاں ہیں کہ انسان کو مال و دولت پر غرور نہیں کرنا چاہیے اور نہ تنگی میں مایوس ہونا چاہیے۔ اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے اخلاقی اور معاشرتی حقوق کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ: رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو، صلہ رحمی، محتاجوں کی مدد اور ضرورت مند مسافروں کی اعانت وہ اعمال ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ذریعہ بنتے ہیں اور یہی لوگ حقیقی کامیاب ہیں، اس طرح ان آیات میں عقیدہ،

عبادت، اخلاق، معاشرت اور انسانی نفسیات کے اہم پہلوؤں کو نہایت حکیمانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

ہدیہ، ہبہ اور سود

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ {۳۹} الروم

جواب ترجمہ: اور یہ جو تم سود دیتے ہو تا کہ وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھ جائے تو وہ اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں ہے۔ اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے سے دیتے ہو، تو جو لوگ بھی ایسا کرتے ہیں وہ ہیں جو (اپنے مال کو) کئی گنا بڑھا لیتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ واضح رہے کہ سورۃ روم کی یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی، اور یہ پہلی آیت ہے جس میں سود کی مذمت کی گئی ہے، اس وقت تک سود کو واضح لفظوں میں حرام نہیں کیا گیا تھا، لیکن اشارہ فرما دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سود کی آمدنی بڑھتی نہیں، یعنی سود لینے والا لیتا تو اسی ارادے سے ہے کہ اس سے اس کی دولت بڑھے گی، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑھتی نہیں، کیونکہ اول تو دنیا میں بھی حرام مال اگرچہ گنتی میں بڑھ جائے، لیکن اس میں برکت نہیں ہوتی، مال و دولت کا اصل فائدہ تو یہ ہے کہ انسان کو اس سے آرام و راحت نصیب ہو، لیکن حرام آمدنی کی گنتی بڑھانے والے بکثرت دنیا میں بھی پریشانیوں کا شکار رہتے ہیں۔ اور انہیں راحت نصیب نہیں ہوتی۔ دوسرے دولت کی یہ بڑھوتری آخرت میں کچھ کام نہیں آتی، اس کے برخلاف صدقات آخرت میں کام آتے ہیں۔ اسی حقیقت کو سورۃ بقرہ میں ۲۷۶ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے، اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ (توضیح القرآن)

حضرت مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ واضح رہے کہ اس آیت میں ربا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے مشہور معنیٰ سود کے ہیں، لیکن اس کے ایک معنیٰ اور ہیں اور وہ یہ کہ کوئی شخص اس نیت سے کسی کو کوئی تحفہ دے کہ وہ اس کو اس سے زیادہ قیمتی تحفہ دے گا، مثلاً شادی بیاہ کے موقع پر نیوتہ کی جو

رسم ہوتی ہے اس کا یہی مقصد ہوتا ہے، چنانچہ بہت سے مفسرین رحمہم اللہ نے یہاں ربا کے یہی معنیٰ مراد لئے ہیں، اور فرمایا ہے کہ اس آیت میں نیوتہ کی رسم کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، اس قسم کا تحفہ جس کا مقصد قیمتی تحفہ حاصل کرنا ہو اس کو سورۃ مدثر (آیت نمبر:۶) میں بھی ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

سورۃ آل عمران:۲۶۱ میں فرمایا گیا ہے کہ صدقے کا ثواب سات سو گنا ملتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتے ہیں، مزید اضافہ فرمادیتے ہیں۔ (توضیح القرآن)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ایک بری رسم کی اصلاح کی گئی ہے، جو عام خاندانوں اور اہل قرابت میں چلتی ہے، وہ یہ کہ عام طور پر کنبہ رشتہ کے لوگ جو کچھ دوسرے کو دیتے ہیں اس پر نظر رکھتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے وقت میں کچھ دے گا بلکہ رسمی طور پر کچھ زیادہ دے گا، خصوصاً نکاح، شادی وغیرہ کی تقریبات میں جو کچھ دیا لیا جاتا ہے اس کی یہی حیثیت ہوتی ہے جس کو عرف میں نیوتہ کہتے ہیں۔ اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ اہل قرابت کا جو حق ادا کرنے کا حکم پہلی آیت میں دیا گیا ہے ان کو یہ حق اس طرح دیا جائے کہ نہ ان پر احسان جتائے اور نہ کسی بدلے پر نظر رکھے اور جس نے بدلے کی نیت سے دیا کہ ان کا مال دوسرے عزیز رشتہ دار کے مال میں شامل ہونے کے بعد کچھ زیادتی لے کر واپس آئے گا تو اللہ کے نزدیک اس کا کوئی درجہ اور ثواب نہیں اور قرآن کریم نے اس زیادتی کو لفظ ربا سے تعبیر کر کے اس کی قباحت کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ایک صورت سود کی سی ہو گئی۔

مسئلہ: ہدیہ اور ہبہ دینے والے کو اس پر نظر رکھنا کہ اس کا بدلہ ملے گا یہ تو ایک بہت مذموم حرکت ہے، جس کو اس آیت میں منع فرمایا گیا ہے، لیکن بطور خود جس شخص کو کوئی ہبہ عطیہ کسی دوست عزیز کی طرف سے ملے اس کے لئے اخلاقی تعلیم یہ ہے کہ وہ بھی جب اس کو موقع ملے اس کی مکافات کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہی تھی کہ جو شخص آپ کو کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اپنے موقع پر آپ بھی اس کو ہدیہ دیتے تھے۔ (کذا روی عن عائشہ قرطبی) ہاں اس مکافات کی صورت ایسی نہ بنائے کہ دوسرا آدمی یہ محسوس کرے کہ یہ میرے ہدیہ کا بدلہ دے رہا ہے۔ (معارف القرآن)

اس آیت میں سود سے مراد وہ ہدیہ ہے جس میں ہدیہ دینے والا اس سے افضل چیز کا طالب ہو یہ حقیقۃً سود نہیں ہے لیکن صورۃً سود کے مشابہ ہے اس لیے اس کو سود فرمایا ہے، یہ جائز ہے اس میں ثواب ہے نہ گناہ ہے، ہمارے عرف میں اس کو نیوتہ کہتے ہیں۔

علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: البقرہ:۲۷۹ میں جس ربا کا ذکر ہے وہ حرام ہے اور اس آیت میں جس ربا کا ذکر ہے وہ حلال ہے اور اس آیت میں جس ربا کا ذکر ہے اس کے متعلق تین قول ہیں: ① ایک شخص کسی دوسرے شخص کو کوئی چیز ہدیہ کرتا ہے اور اس کے بدلہ میں اس سے افضل چیز کو طلب کرتا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ② ایک آدمی اپنے ساتھ سفر میں کسی شخص کو لے جاتا ہے جو اس کی خدمت کرتا ہے وہ آدمی اس شخص کو اس کی خدمت کے معاوضہ کے طور پر کچھ رقم دیتا ہے اور اس سے اللہ کی رضا کے لیے دینے کا ارادہ نہیں کرتا۔ یہ شعبی کا قول ہے۔ ③ ایک آدمی اپنے قرابت داروں کو کچھ صدقہ دیتا ہے تاکہ اس قرابت دار پر اس کا غنی ہونا ظاہر ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کی نیت کرتا ہے نہ صلہ رحمی کی۔ یہ ابراہیم کا قول ہے۔

جو شخص اپنے قرابت داروں کو اس لیے دے کہ ان پر اس کی دولت مندی ظاہر ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں ہے اور اگر وہ ان کو اس لیے دے کہ قرابت داری کی وجہ سے ان کا اس پر حق ہے تو یہ اللہ کی رضا کے لیے ہے۔

اس طرح جو شخص سفر میں خدمت کرنے والے کو اس کی خدمت کے عوض رقم دیتا ہے تو یہ اللہ کے لیے نہیں ہے لیکن اس وجہ سے اس کا مال لوگوں کے مال میں نہیں بڑھے گا اور صریح آیت اس شخص کے بارے میں ہے کہ وہ کسی کو اپنا مال اس لیے ہبہ کرتا ہے تاکہ اس کو بدلہ میں لوگوں کے مال سے زیادہ ملے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص کسی کو ثواب کی نیت سے ہبہ کرے تو وہ اس کا ہبہ ہی ہے حتیٰ کہ وہ اس سے راضی ہو۔ (تفسیر تبیان القرآن)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا ربا کی دو قسمیں ہیں ایک ربا حلال ہے اور ایک ربا حرام ہے، جو ربا حلال ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو کوئی چیز ہدیہ میں

دے اور اس سے افضل چیز کا طالب ہو، اس ہدیہ میں اس کو کوئی اجر ملے گا اور نہ اس کو کوئی گناہ ہو گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔

عبد الرحمن بن علقمہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثقیف کا وفد آیا اور ان کے پاس ہدیہ تھا، آپ نے پوچھا آیا یہ ہدیہ ہے یا صدقہ ہے؟ اگر یہ ہدیہ ہے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو طلب کیا گیا ہے اور اپنی کسی حاجت کو پورا کرنے کا قصد کیا گیا ہے اور اگر یہ صدقہ ہے تو اس سے صرف اللہ عزوجل کی رضا کی طلب کا قصد کیا گیا ہے، انہوں نے کہا نہیں! بلکہ یہ صدقہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صدقہ کو قبول کر لیا اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے آپ ان سے سوالات کرتے رہے اور وہ آپ سے سوالات کرتے رہے۔ (سنن النسائی)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے کہا یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اپنے قرابت داروں اور بھائیوں کو اس لیے چیزیں دیتے تھے کہ ان کو اس سے نفع ہو گا اور وہ مال دار ہو جائیں گے اور وہ لوگ بدلہ میں ان کو اس سے زیادہ چیزیں دیں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ کسی چیز کو ہدیہ کر کے اس سے زیادہ لینا صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں منع تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (المدثر:۶) اور احسان کر کے بدلے میں زیادہ لینے کی خواہش نہ کیجئے۔ سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے منع فرما دیا کہ آپ کسی کو کوئی چیز دیں اور معاوضہ میں اس سے زیادہ لیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے وہی ربا (سود) مراد ہے جس کو البقرہ:۲۷۹ میں حرام فرما دیا ہے یعنی تم قرض دے کر جو سود لیتے ہو اور اپنے اموال میں اضافہ کرتے ہو تو اللہ کے نزدیک وہ اضافہ نہیں ہے۔ سدی نے کہا ہے کہ یہ آیت ثقیف کے سود کے متعلق نازل ہوئی وہ قریش کے ساتھ سودی معاملہ کرتے تھے۔ (تفسیر تبیان القرآن، تفسیر قرطبی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہدیہ کی تین قسمیں ہیں ایک وہ قسم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کیا گیا، دوسری قسم وہ ہے جس سے لوگوں کی رضا کا ارادہ کیا گیا اور تیسری قسم وہ ہے جس سے معاوضہ لینے کا ارادہ کیا گیا، پس جس ہدیہ سے معاوضہ لینے کا ارادہ کیا گیا ہے تو وہ معاوضہ لینے سے پہلے

اس ہدیہ کو واپس لے سکتا ہے اور امام بخاری نے ہدیے میں بدلہ لینے کا باب قائم کیا ہے اور اس باب میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کے عوض میں ہدیہ دیتے تھے۔ (بخاری۔ ترمذی۔ سنن ابو داؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہبہ کی جو تین قسمیں بیان فرمائیں وہ صحیح ہیں کیونکہ ہبہ کرنے والا تین احوال سے خالی نہیں ہے: ① وہ شخص کوئی چیز اللہ کی رضا کے لیے ہبہ کرے اور اسی سے ثواب کا طالب ہو گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو ثواب عطا فرمائے گا۔ ② وہ یا کاری کے لیے کوئی چیز ہبہ کرے گا اور اس کا طالب ہو گا کہ لوگ ہبہ کرنے کی وجہ سے اس کی تعریف اور تحسین کریں۔

③ جس کو اس نے ہدیہ دیا ہے وہ اس سے اس کے بدلہ میں معاوضہ چاہتا ہے۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا اعمال کا مدار نیات پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کا ثمر ملتا ہے۔ (بخاری۔ مسلم) اس کے بعد فرمایا: اور تم اللہ کی رضا جوئی کے لیے جو زکوٰۃ دیتے ہو تو وہی لوگ اپنا مال بڑھانے والے ہیں۔ یعنی جو شخص ریاکاری کے لیے یا معاوضہ کے لیے کوئی ہدیہ دیتا ہے تو اس سے اس کا مال نہیں بڑھتا اور جو شخص اللہ کی رضا کے لیے صدقہ کرتا ہے تو اس کو اس کا اجر آخرت میں دس گنا ملے گا یا اس کو اس کا اجر سات سو گنا ملے گا (البقرہ: ۲۶۱) (الجامع لاحکام القرآن ۱۴)

اللہ ہی خالق و رازق، زندگی اور موت کا مالک ہے

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ {۴۰} الروم

جواب ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تمہیں رزق دیا پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ فرمائے گا، کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے؟ اللہ ان کے شرک سے پاک ہے اور برتر ہے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت، قدرتِ کاملہ اور بے شمار نعمتوں کو

بیان کرتے ہوئے انسان کو توحید کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں بغیر کسی سابق نمونے کے پیدا فرمایا، پھر اپنی رحمت سے تمہیں رزق عطا کیا، جس کے بغیر تمہاری زندگی اور معاش کا نظام قائم نہیں رہ سکتا، پھر وہی اللہ تمہیں ایک مقررہ وقت پر موت دے گا اور قیامت کے دن دوبارہ زندہ فرمائے گا تاکہ حساب و جزا کا مرحلہ قائم ہو، اس طرح انسان کی پیدائش، رزق، موت اور دوبارہ زندگی، یہ سب امور صرف اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

اس کے بعد قرآنِ کریم نے مشرکین سے بطورِ انکار سوال کیا کہ کیا تمہارے وہ معبود، جنہیں تم اللہ کے شریک بناتے ہو، ان کاموں میں سے کوئی ایک کام بھی کر سکتے ہیں؟ کیا وہ کسی کو پیدا کر سکتے ہیں؟ کیا وہ رزق دے سکتے ہیں؟ کیا وہ موت اور زندگی پر اختیار رکھتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کے معبودوں میں سے کوئی بھی ان امور میں ذرّہ برابر قدرت نہیں رکھتا، جب خالق، رازق، محیی اور ممیت صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر عبادت اور بندگی کا مستحق بھی وہی ہے، اس کے سوا کوئی نہیں، اسی لیے فرمایا: سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ: اللہ تعالیٰ ان تمام شرکیہ عقائد اور باطل نسبتوں سے پاک اور بلند ہے جو مشرک لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں، وہ ہر نقص، کمزوری اور شریک سے منزہ ہے، اس آیت میں توحیدِ ربوبیت کے ذریعے توحیدِ عبادت کو ثابت کیا گیا ہے کہ جب تمام کائناتی امور کا مالک صرف اللہ ہے تو عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے۔

خشکی اور دریاؤں میں فساد

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ {۴۱} الروم

جواب ترجمہ: ظاہر ہو گیا فساد خشکی میں اور دریا میں لوگوں کے اعمال کی وجہ سے تاکہ اللہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھا دے، تاکہ وہ لوگ باز آجائیں۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیجا اور اسے ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے کا حکم

فرمایا، امتحان کے لیے اس میں خیر و شر کے اپنانے کی قوت رکھ دی، اس کے اندر ایسے جذبات ہیں جو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی طرف کھینچتے ہیں اور شیطان بھی ساتھ لگا ہوا ہے وہ لوگوں کو ایمان سے اور اعمال صالحہ سے ہٹاتا ہے اور کفر اور شرک کی راہ پر ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ یہ بتادیا کہ کفر اور شرک اور برے اعمال کا نتیجہ برا ہے، کفر اور شرک کی سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے اور آخرت میں بھی ملے گی اور کفر اور شرک کے علاوہ جو برے اعمال ہیں ان کی سزا بھی دونوں جہاں میں مل سکتی ہے۔

انسانوں کا مزاج کچھ ایسا ہے کہ عموماً برائیوں کی طرف زیادہ ڈھلتے ہیں اور یہ برائیاں طرح طرح کی مصیبتوں کا سبب بن جاتی ہیں، دنیا میں امن وامان قائم نہیں رہتا اور ایسے ایسے انقلاب آتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے دنیا مصیبتوں کی آماجگاہ بنی رہتی ہے۔

آیت کریمہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ خشکی (جس میں آبادیاں اور جنگل سب شامل ہیں) اور سمندر میں فساد ظاہر ہو گیا، آپس میں قتل وخون ہوتا اور قحط آتا ہے، مہلک امراض کا عام ہو جانا، نئے نئے امراض کا پیدا ہو جانا، آندھیوں کا چلنا، کھیتوں کو کیڑوں کا کھا جانا اور زلزلوں کا آنا اور سخت سردی سے تباہ ہو جانا (جسے بعض علاقوں میں پالا مارنا کہتے ہیں) اور اس طرح کی بہت سی مصیبتوں کا ظہور ہونا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سزائیں دی جاتی ہیں تاکہ بندے ہوش میں آئیں، کفر و شرک اور گناہوں کو چھوڑیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور یہ انسانوں کے پورے اعمال کی سزا نہیں ہے بلکہ بعض اعمال کی سزا ہے۔

اسی لیے فرمایا ہے لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ، تاکہ اللہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے، اگر تمام اعمال پر گرفت کی جائے تو زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا زندہ نہ بچے۔ سورۂ فاطر میں فرمایا: وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى اور اگر اللہ لوگوں کا مواخذہ فرمائے ان کے اعمال کی وجہ سے تو زمین کی پشت پر کسی بھی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑے اور لیکن وہ انہیں مقررہ میعاد تک مؤخر فرماتا ہے۔

اور سورۃ شوریٰ میں فرمایا، وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيْرٍ، اور جو کچھ تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے سو وہ تمہارے اعمال کے سبب سے ہے اور اللہ بہت سے اعمال کو معاف فرما دیتا ہے۔

زمین کے خشک حصہ میں جو فساد اور بگاڑ ہے وہ تو نظروں کے سامنے ہے، سمندر میں جو فساد ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں تفسیر قرطبی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے إِذَا مُطِرَتِ السَّمَاءُ تَفَتَّحَتِ الْأَصْدَافُ فِي الْبَحْرِ، فَمَا وَقَعَ فِيهَا مِنَ السَّمَاءِ فَهُوَ لُؤْلُؤٌ جب بارش ہوتی ہے تو سمندر میں جو سیپیاں ہیں ان کا منہ کھل جاتا ہے اور جس سیپی میں بارش کا قطرہ گر جائے وہ موتی بن جاتا ہے۔ اور بارشیں انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے رک جاتی ہیں لہٰذا موتیوں کی پیدائش بھی کم ہو جاتی ہے اور یہ موتی جو انسان کے کام آتے ہیں ان سے انسان محروم ہو جاتے ہیں۔ (انوار البیان)

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ (تابعی) سے یوں نقل کیا ہے کہ ظالم لوگ غریب کشتی والوں کی کشتیاں چھین لیتے تھے۔ آیت میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔ (اور یہ کشتی چھیننا بطور مثال کے ہے، سمندر کی سطح پر کشتیوں اور جہازوں میں جو لوگوں پر ظلم ہوتے ہیں، ٹیکس لیے جاتے ہیں اور ملکوں کی آپس کی لڑائیوں کی وجہ سے جو گولہ باری ہوتی ہے، جہاز تباہ ہوتے ہیں، ہر فریق کے آدمی مرتے ہیں اور سامانوں سے بھرے ہوئے جہاز ڈبو دیئے جاتے ہیں، یہ سب فساد فی البحر کے ذیل میں آتا ہے۔ (روح المعانی)

آیت کریمہ میں عمومی فساد کا ذکر ہے جب گناہوں کی وجہ سے عمومی مصیبتیں آتی ہیں تو ان کی وجہ سے مومن اور کافر، نیک اور بد حتیٰ کہ جانور بھی متاثر ہوتے ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک شخص یوں کہہ رہا ہے کہ ظالم شخص صرف اپنی ہی جان کو نقصان پہنچاتا ہے، اس پر حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ دوسری مخلوق بھی اس سے متاثر ہوتی ہے یہاں تک کہ حبارٰی (ایک پرندہ کا نام ہے) بھی اپنے گھونسلہ میں ظالم کے ظلم کی وجہ سے دبلی ہو کر مر جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۴۳۶)

جب بارش نہ ہو گی تو زمین میں پانی کی بھی کمی ہو گی، بارش کا پانی جو جگہ جگہ ٹھہر جاتا ہے جس سے انسان اور جانور سب ہی پیتے ہیں وہ نہ ہو گا تو پیاس سے مریں گے اور بارش نہ ہونے کی وجہ سے جب کھیتوں میں پیداوار نہ ہو گی تو انسان اور جانور سب ہی مصیبت میں پڑ جائیں گے۔

آیت کریمہ میں ان تکلیفوں کا ذکر نہیں ہے جو نیک بندوں کو ان کے گناہ معاف کرنے یا درجات بلند کرنے کے لیے پیش آتی ہیں۔ ان حضرات کو آلام و امراض سے تکلیف تو ہوتی ہے لیکن یہ ان کے حق میں مفید ہوتی ہے اس لیے مصیبت نہیں رہتی۔ پھر یہ لوگ صبر کرتے ہیں اس کا بھی ثواب پاتے ہیں اور گناہوں پر متنبہ ہو کر توبہ و استغفار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، لہٰذا یہ تکلیفیں ان پر بطور قہر نہیں ہوتیں، ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور مہربانی ہوتی ہے اور صبر اور توبہ و استغفار کا مستقل ثواب ملتا ہے۔ (تفسیر انوار البیان)

انجام مشرکین، دین اسلام پر قائم رہنے کا حکم

سوال آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ {۴۲} فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ {۴۳} الروم

جواب ترجمہ: آپ فرما دیجیے زمین میں چلو پھر دیکھو ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو تم سے پہلے تھے، ان میں سے اکثر مشرک تھے۔ لہٰذا تم اپنا رخ صحیح دین کی طرف قائم رکھو، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس کے ٹلنے کا اللہ کی طرف سے کوئی امکان نہیں ہے۔ اس دن لوگ الگ الگ ہو جائیں گے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ: (میرے حبیب ﷺ) آپ اپنے مخاطبین یعنی مشرکین مکہ وغیرہ ہم سے فرما دیجیے کہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو، تم سے پہلے جو قومیں تھیں ان کا کیا انجام ہوا؟ ان لوگوں میں اکثر مشرک تھے، ان لوگوں کے کفر اور شرک کی وجہ سے عام عذاب آیا اور ہلاک و برباد ہوئے، ان کے گھروں کے نشانات تمہارے سامنے ہیں، چلو پھرو، دیکھو اور عبرت حاصل کرو، اس آیت میں

جو كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ فرمایا اس میں یہ بتادیا کہ ان برباد ہونے والوں میں اکثر تو مشرکین تھے اور بعض ایسے تھے جو کفر کی دوستی میں مبتلا تھے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ شرک کفر کی بدترین اقسام میں سے ہے اس کا وبال بہت بڑا ہے۔ (انوار البیان)

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ: کا لفظی معنی ہے اپنے چہرہ کو دین قیم کے لیے قائم رکھیں، زجاج نے کہا دین قیم سے مراد ہے اسلام اور چہرہ سے مراد ہے جہت اور رخ، یعنی اپنا رخ ہمیشہ دین اسلام کی طرف رکھیں، ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے آپ اپنی تبلیغ اور اسلام کی اشاعت میں اپنی جدوجہد کو جاری رکھیں اور ان کے اسلام نہ لانے سے غم نہ کریں۔

اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جو اللہ کی طرف سے ٹالا نہیں جائے گا، اس دن سب لوگ متفرق ہو جائیں گے، اس سے مراد قیامت کا دن ہے اس دن لوگ متفرق ہو جائیں گے، نیک لوگ جنت میں چلے جائیں گے اور کفار دوزخ میں چلے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ دین مستقیم یعنی اسلام کی طرف متوجہ رہیں، اس کے احکامات کو نافذ کریں اور جن جن چیزوں سے اسلام میں منع کیا گیا ہے ان سے بچتے رہیں، ان چیزوں کو قیامت تک تھامے رہیں، کیونکہ جب قیامت کا دن آئے گا تو کوئی آدمی اسے ٹالنے پر قدرت نہیں رکھے گا، مخلوقات متفرق ہو جائیں گی، اپنے اعمال کو ملاحظہ کریں گے۔

کفر کا نقصان اور ایمان کا فائدہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ {۴۴} لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ {۴۵} وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ {۴۶} وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ {۴۷} الروم

جواب ترجمہ: جو شخص کفر اختیار کرے گا تو اس کا کفر اسی پر پڑے گا اور جو شخص نیک کام کرے گا سو ایسے لوگ اپنی جانوں کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں۔ تاکہ اللہ ان لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، بلاشبہ وہ کفر اختیار کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو خوشخبری دیتی ہیں تاکہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے اور تاکہ کشتیاں اس کے حکم سے جاری ہوں اور تاکہ تم اس کے فضل کو تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔ اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے پھر ہم نے ان لوگوں سے انتقام لے لیا جنہوں نے جرم کیے، اور اہل ایمان کو غالب کرنا ہمارے ذمہ ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کفر و ایمان کے نتائج، اپنی قدرت کی نشانیاں، اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کی نصرت کا بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ: جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے تو اس کے کفر کا وبال اسی پر لوٹتا ہے، کیونکہ اس کا انجام دائمی عذاب اور جہنم کی ہلاکت ہے، اس کے برعکس جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال اختیار کرتے ہیں، وہ اپنے ہی لیے جنت کی راحتوں اور دائمی نعمتوں کا سامان تیار کرتے ہیں، ان کے اعمالِ صالحہ قیامت کے دن ان کی کامیابی اور نجات کا ذریعہ بنیں گے۔ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ: اللہ تعالیٰ ان اہلِ ایمان کو ان کے بہترین اعمال کا پورا پورا بدلہ عطا فرمائے گا، کیونکہ وہ اپنے بندوں کے اخلاص اور اطاعت کو ضائع نہیں کرتا، اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ: اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا، بلکہ ان کے کفر، سرکشی اور رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ان پر غضب فرماتا ہے اور قیامت کے دن انہیں سخت عذاب دے گا۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور وحدانیت کی چند عظیم نشانیاں بیان فرمائیں، ان میں سے ایک نشانی ہواؤں کا چلانا ہے، جو بارش کی خوشخبری لے کر آتی ہیں،

ان ہواؤں کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرماتا ہے، زمین کو سرسبز وشاداب بناتا ہے اور بندوں کے لیے رزق وراحت کے اسباب پیدا کرتا ہے، اسی کے حکم سے سمندر میں کشتیاں چلتی ہیں تاکہ لوگ تجارت کریں، اس کے فضل کو تلاش کریں اور اس کی نعمتوں پر شکر ادا کریں، گویا کائنات کا یہ پورا نظام اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور ربوبیت کی روشن دلیل ہے، مگر ان نشانیوں سے حقیقی فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو غور وفکر کرتے اور اللہ کی نعمتوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ: آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول اپنی اپنی قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے، وہ واضح دلائل، معجزات اور روشن نشانیاں لے کر آئے، مگر ان کی قوموں نے ان کی تکذیب کی اور حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، نتیجتاً اللہ تعالیٰ نے مجرموں اور منکروں کو اپنے عذاب کے ذریعے ہلاک کر دیا، جبکہ رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو نجات عطا فرمائی، اس طرح اہلِ ایمان کی مدد اور ان کی حفاظت اللہ تعالیٰ کا ایک قطعی وعدہ اور دائمی سنت ہے، ان آیات میں نبی کریم ﷺ اور اہلِ ایمان کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ جس طرح سابقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکار اللہ کی نصرت سے کامیاب ہوئے، اسی طرح حق پر قائم رہنے والے اہلِ ایمان بھی آخرکار کامیابی اور غلبہ حاصل کریں گے۔

ہوا، بادل اور بارش کا قدرتی نظام

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ {۴۸} الروم

جواب ترجمہ: اللہ وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو جو اٹھاتی ہیں بادل کو، پھر وہ اس کو آسمان میں پھیلا دیتی ہیں جیسے اللہ چاہے اور وہ بادل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، پھر اے مخاطب! تو بارش کو دیکھتا ہے

کہ اس کے اندر سے نکلتی ہے پھر وہ اس مینہ کو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے پھر وہ خوشی کرنے لگتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں یا تو سمندر پر سے یا جس طرح اور جہاں سے اللہ کا حکم ہو۔ پھر رب العالمین ابر کو آسمان پر پھیلا دیتا ہے اسے بڑھا دیتا ہے تھوڑے کو زیادہ کر دیتا ہے تم نے اکثر دیکھا ہو گا کہ بالشت دو بالشت کا ابر اٹھا پھر جو وہ پھیلا تو آسمان کے کنارے ڈھانپ لئے۔ اور کبھی یہ بھی دیکھا ہو گا کہ سمندروں سے پانی کے بھرے ابر اٹھتے ہیں۔ اسی مضمون کو آیت وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ (الاعراف:۵۷) میں بیان فرمایا ہے پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے اور تہہ بتہہ کر دیتا ہے۔

وہ پانی سے سیاہ ہو جاتے ہیں، زمین کے قریب ہو جاتے ہیں۔ پھر بارش ان بادلوں کے درمیان سے برسنے لگتی ہے جہاں برسی وہیں کے لوگوں کی باچھیں کھل گئیں۔ پھر فرماتا ہے یہی لوگ بارش سے ناامید ہو چکے تھے اور پوری ناامیدی کے وقت بلکہ ناامیدی کے بعد ان پر بارشیں برسیں اور جل تھل ہو گئے۔ دو دفعہ من قبل کا لفظ لانا تاکید کے لئے ہے۔

ہ کی ضمیر کا مرجع انزال ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تاسیسی دلالت ہو۔ یعنی بارش ہونے سے پہلے یہ اس کے محتاج تھے اور وہ حاجت پوری ہونے سے پہلے وقت کے ختم ہو جانے کے قریب بارش نہ ہونے کی وجہ سے مایوس ہو چکے تھے، پھر اس ناامیدی کے بعد دفعتاً ابر اٹھتا ہے اور برس جاتا ہے اور ریل پیل کر دیتا ہے۔ اور ان کی خشک زمین تر ہو جاتی ہے قحط سالی ترسالی سے بدل جاتی ہے، یا تو زمین صاف چٹیل میدان تھی یا ہر طرف ہریالی دکھائی دینے لگتی ہے، دیکھ لو کہ پروردگار عالم بارش سے کس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے یاد رکھو جس رب کی یہ قدرت تم دیکھ رہے وہ ایک دن مردوں کو ان قبروں سے بھی نکالنے والا ہے حالانکہ ان کے جسم گل سڑ گئے ہوں گے۔ سمجھ لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پھر فرماتا ہے اگر ہم باد تند چلائیں اگر آندھیاں آجائیں اور ان کی لہلاتی ہوئی کھیتیاں پژمردہ ہو جائیں تو وہ پھر سے کفر کرنے لگ جاتے ہیں چنانچہ سورۃ واقعہ میں بھی یہی بیان ہوا ہے۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ (الواقعة: ۶۳) سے بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ الواقعة: ۶۷) تک

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ الرِّيَاحُ ثَمَانِيَةٌ، أَرْبَعَةٌ مِنْهَا رَحْمَةٌ، وَأَرْبَعَةٌ مِنْهَا عَذَابٌ، فَأَمَّا الرَّحْمَةُ فَالنَّاشِرَاتُ وَالْمُبَشِّرَاتُ وَالْمُرْسَلَاتُ وَالذَّارِيَاتُ. وَأَمَّا الْعَذَابُ فَالْعَقِيمُ وَالصَّرْصَرُ، وَهُمَا فِي الْبَرِّ، وَالْعَاصِفُ وَالْقَاصِفُ، وَهُمَا فِي الْبَحْرِ (ابن ابی حاتم، العظمت لابی الشیخ الاصفہانی، اسرار الکون، الھئیۃ السنیہ فی الھئیۃ السنیہ، تفسیر ابن کثیر)

ہوائیں آٹھ قسم کی ہیں چار رحمت کی چار زحمت کی۔ ناشرات، مبشرات، مرسلات اور ذاریات تو رحمت کی ہیں۔ اور عقیم، صرصر، عاصف اور قاصف عذاب کی۔ ان میں پہلی دو خشکیوں کی ہیں اور آخری دو تری کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ الرِّيحُ مُسَخَّرَةٌ مِنَ الثَّانِيَةِ يَعْنِي الْأَرْضَ الثانية فلما أراد الله أن يهلك عادا، أَمَرَ خَازِنَ الرِّيحِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْهِمْ رِيحًا تُهْلِكُ عَادًا، فَقَالَ: يَا رَبِّ، أُرْسِلُ عَلَيْهِمْ من الريح قدر منخر الثور. قال له الْجَبَّارُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: لَا إِذًا تَكْفَأُ الْأَرْضَ وما عليها (ابن ابی حاتم، اسرار الکون للسیوطی، تفسیر ابن کثیر)

ہوائیں دوسری سے مسخر ہیں یعنی دوسری زمین سے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی ہلاکت کا ارادہ کیا تو ہواؤں کے داروغہ کو یہ حکم دیا اس نے دریافت کیا کہ جناب باری کیا ہواؤں کے خزانے میں اتنا سوراخ کر دوں جتنا بیل کا نتھنا ہوتا ہے؟ تو اللہ کا ارشاد ہوا کہ نہیں اگر ایسا ہوا تو کل زمین اور زمین کی پوری چیزیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی، اتنا نہیں بلکہ اتنا کر جتنا انگوٹھی میں نگینہ ہوتا ہے۔ اب صرف اتنے سوراخ سے وہ ہوا چلی جو جہاں پہنچی وہاں بھس اڑا دیا، جس چیز پر سے گذری اسے بے نشان کر دیا۔

حضرت ابو الشیخ اصفہانی نے امام تفسیر حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ الرِّيحُ لَهَا جَنَاحَانِ وَذَنَبٌ (العظمۃ، اسرار الکون لجلال الدین السیوطی) ہوا کے دو بازو اور ایک دمبالہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اَلْمَاءُ وَالرِّيحُ جُنْدَانِ مِنْ جُنُودِ اللهِ، وَالرِّيحُ جُنْدُ اللهِ الْأَعْظَمِ (اسرار الکون، الھئیۃ السنیہ فی الھئیۃ السنیہ) پانی اور ہوا خدائی لشکروں میں سے دو

لشکر ہیں، ہوا اللہ تعالیٰ کا بڑا لشکر ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اَلرِّيحُ مِنْ رُوحِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، تَأْتِي بِالرَّحْمَةِ، وَتَأْتِي بِالْعَذَابِ، فَلَا تَسُبُّوهَا وَاسْأَلُوا اللهَ مِنْ خَيْرِهَا، وَعُوذُوا بِهِ مِنْ شَرِّهَا (طبرانی کبیر ۱۲۴،۶) ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے چلتی ہے، کبھی تو رحمت کو لاتی ہے اور کبھی عذاب کو، پس تم اس کو برا بھلا مت کہو، بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس کی خیر مانگا کرو اور اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو۔

ابو الشیخ الاصفہانی نے اپنی کتاب العظمۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَا تَلْعَنُوهَا فَإِنَّهَا مَأْمُورَةٌ، فَإِنَّهُ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِأَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ إِلَيْهِ ہوا کو برا بھلا مت کہو، کیونکہ یہ چلنے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابند ہے، جس آدمی نے کسی ایسی چیز کو لعنت کی جس کی وہ اہل نہ تھی تو یہ لعنت لعنت کرنے والے کی طرف پلٹ جاتی ہے، یعنی اسے لعنت بھیجنے کی وجہ سے گناہ ہو گا۔ (العظمت لشیخ اصفہانی)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب تیز ہوا چلنے لگتی تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا کیا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا، وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا، وَشَرِّ مَا فِيهَا، وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ (ترمذی، شرح مسلم للنووی، العظمۃ)

اے میرے اللہ! میں آپ سے اس کی خیر اور جس کی طرف بھیجی گئی ہے اس کی خیر مانگتا ہوں، اور میں آپ سے اس کے شر سے اور جو اس شر میں ہے اور جس شر کے ساتھ بھیجی گئی ہے اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ سخت ہوا کی وجہ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل جایا کرتا تھا۔ (ابو یعلیٰ، ابو عوانہ، العظمت) اسی طرح آپ فرماتی ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب افق پر ابھرتے بادلوں اور چلتی ہوا کو دیکھتے تو اس کے اثرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے محسوس کیے جاسکتے تھے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! لوگ جب بادلوں کو دیکھتے ہیں تو اس امید سے خوش

ہو جاتے ہیں کہ ان میں بارش برس سکتی ہے، آپ ﷺ کو میں دیکھتی ہوں تو آپ ﷺ کے چہرے میں ناپسندیدگی محسوس کرتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ! میں اس لیے گھبرا جاتا ہوں کہ کہیں اس میں عذاب نہ ہو، کیونکہ ایک قوم کو ہوا کے ذریعے ہی سے عذاب دیا گیا ہے، اسی لیے جب ایک قوم نے عذاب دیکھا تو اس نے آواز دی کہ یہ ہمارے اوپر آنے والا ہے۔ (العظمت لابی الشیخ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ رِيحٍ كَانَ مَفْزَعُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ حَتَّى تَسْكُنَ الرِّيحُ جس رات میں ہوا چلتی تو مسجد آپ ﷺ کے لیے گھبراہٹ سے امن کی جگہ ہوتی یہاں تک کہ ہوا تھم جاتی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب سخت ہوا چلتی تو ارشاد فرماتے کہ تکبیر زیادہ کرو یہ ہوا کی تیزی ختم ہو جائے گی، شُدُّوا التَّكْبِيرَ فَإِنَّهُ يَذْهَبُ (العظمت) اس ہوا کی اہل زمین کو شدید ضرورت بھی ہوتی ہے، گرمی کے ایام میں اگر ہوا چلنی رک جائے تو لوگ پریشان ہو جاتے ہیں، حبس کا شکار ہو جاتے ہیں، تکلیف محسوس کرتے ہیں، حضرت کعب احبار نے تو یہاں تک فرمایا کہ لَوِ احْتَبَسَتِ الرِّيحُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ لَأَنْتَنَتِ الْأَرْضُ (الھیئۃ السنیہ فی الھیئۃ السنیہ) اگر تین دن تک ہوا کو روک دیا جائے تو زمین پر بدبو پھیل جائے۔

حضرت ابو عیسیٰ حناط فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ہوائیں سات قسم کی ہیں، ان کے نام یہ ہیں الصَّبَا، وَالدَّبُورِ، وَالْجَنُوبُ، وَالشَّمَالَ، وَالنَّكْبَاءُ، وَالْحُزُوقُ، وَرِيحُ الْقَائِمِ، فَأَمَّا الصَّبَا فَتَجِيءُ مِنَ الْمَشْرِقِ، وَأَمَّا الدَّبُورُ فَتَجِيءُ مِنَ الْمَغْرِبِ، وَأَمَّا الْجَنُوبُ فَتَجِيءُ عَنْ يَسَارِ الْقِبْلَةِ، وَأَمَّا الشَّمَالُ فَتَجِيءُ عَنْ يَمِينِ الْقِبْلَةِ، وَأَمَّا النَّكْبَاءُ فَبَيْنَ الصَّبَا وَالْجَنُوبِ وَأَمَّا الْحُزُوقُ فَبَيْنَ الشَّمَالِ وَالدَّبُورِ، وَأَمَّا رِيحُ الْقَائِمِ فَأَنْفَاسُ الْخَلْقِ

صبا، دبور، جنوب، شمال، نکباء، حزوق، ریح القائم، صبا نامی ہوا مشرق کی طرف سے چلتی ہے، دبور نامی ہوا مغرب کی سمت سے چلتی ہے، جنوب نامی ہوا قبلہ شریف کی بائیں طرف سے چلتی ہے، شمال نامی ہوا قبلہ شریف کی دائیں جانب سے چلتی ہے، نکباء نامی ہوا صبا اور جنوب ہواؤں کے بیچوں بیچ چلتی ہے،

حزوق نامی ہوا شمال اور دبور نامی ہواؤں کے بیچوں بیچ چلتی ہے اور قائم نامی ہوا انسانی سانسوں سے چلتی ہے۔(العظمت، تفسیر ابن کثیر)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جُعِلَتِ الرِّيَاحُ عَلَى الْكَعْبَةِ. فَإِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَعْلَمَ ذَلِكَ فَأَسْنِدْ ظَهْرَكَ إِلَى بَابِ الْكَعْبَةِ. فَإِنَّ الشَّمَالَ عَنْ شِمَالِكَ وَهِيَ مِمَّا يَلِي الْحَجَرَ، وَالْجَنُوبُ عَنْ يَمِينِكَ وَهِيَ مِمَّا يَلِي الْحَجَرَ الْأَيْسَرَ، وَالصَّبَا مُقَابِلُكَ وَهُوَ مُسْتَقْبِلُ بَابِ الْكَعْبَةِ. وَالدَّبُورُ مِنْ دُبُرِ الْكَعْبَةِ (العظمت)

ہوائیں کعبہ پر رکھی گئی ہیں، جب تو چاہے کہ اس بات کو معلوم کرے تو تو باب کعبہ کے ساتھ اپنی پیٹھ لگالے، پھر تو جان لے گا کہ شمال حجر اسود کے قریب سے تیرے شمال سے چل رہی ہو گی، جنوب تیری بائیں طرف سے جو حجر اسود کی بائیں طرف ہے اس سے چل رہی ہو گی، صبا تیرے سامنے سے جو کہ باب کعبہ کے مقابل جگہ ہے وہاں سے چل رہی ہو گی اور دبور نامی ہوا کعبہ کی پچھلی طرف سے چل رہی ہو گی۔

ضمرہ بن حبیب کہتے ہیں کہ الدَّبُورُ الرِّيحُ الْغَرْبِيَّةُ. وَالْقَبُولُ الرِّيحُ الشَّرْقِيَّةُ. وَالشَّمَالُ الرِّيحُ الْجَنُوبِيَّةُ. وَالْيَمَانُ الرِّيحُ الْقِبْلِيَّةُ. وَالنَّكْبَاءُ الَّتِي تَأْتِي مِنَ الْجَوَانِبِ الْأَرْبَعِ دبور مغربی ہوا، قبول مشرقی ہوا، شمال جنوبی ہوا، یمان قبلہ کی طرف سے آنے والی ہوا، نکباء چاروں طرف سے آنے والی ہوا کو کہا جاتا ہے۔(العظمت لابی الشیخ)

حضرت سدی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو حکم دیتا ہے کہ وہ بادلوں کو خافقین کے درمیان سے لاتی ہیں یعنی آسمان کے کنارے جب وہ ملتے ہیں اسے نکالتی ہیں پھر پھیلاتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ اس کو آسمان پر پھیلا دیتا ہے جس طرح چاہتا ہے پھر پانی بادل پر بہتا ہے پھر اس کے بعد بارش برساتا ہے۔(العظمت، تفسیر در منثور علامہ جلال الدین سیوطی)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہوا کو بھیجتے ہیں وہ بادلوں سے پانی کو اٹھاتی ہے اور پانی کے ساتھ بادل کے پاس سے گزرتی ہے اسے نچوڑا جاتا ہے جیسے اونٹنی کو دوھیا جاتا ہے اور موسلا دھار بارش مشکیزے کا منہ کھولنے کی طرح مگر وہ جدا جدا ہوتی ہے۔(در منثور، العظمت)

قرآن کریم میں قوم عاد کی تباہی اور بربادی کا جس انداز میں ذکر کیا گیا ہے اسے پڑھ کر انسانی اوسان خطا ہو جاتے ہیں، رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ جب قوم عاد نے بادل کو اپنی وادیوں کی سمت بڑھتے ہوئے دیکھا تو پکار اٹھے کہ یہ بادل ہم پر برسے گا، اللہ نے فرمایا کہ یہ برسنے والا بادل نہیں ہے بلکہ یہ وہ عذاب ہے جسے تم جلدی طلب کر رہے تھے، اس بادل میں ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قوم عاد نے سب سے پہلے جس نشانی سے عذاب کو پہچانا وہ یہ تھی کہ جو لوگ گھروں سے باہر نکلے ہوئے تھے، انہیں اور ان کے جانوروں کو ان لوگوں نے آسمان وزمین کے درمیان خس وخاشاک کی طرح اڑتے ہوئے دیکھا، تو یہ لوگ اپنے گھروں میں گھس گئے، گھروں کے دروازے بند کر ڈالے، جب تیز ہوا کے جھونکے آئے تو انہوں نے ان کے بند دروازے کھول ڈالے، اس زور دار ہوا نے ان پر پہاڑوں کی طرح ریت کے ڈھیر لگا دیے، یہ لوگ سات منحوس راتیں اور آٹھ منحوس دن اس ریت کے ڈھیر تلے دبے رہے، ان کے رونے اور چیخنے کی آوازیں آتی رہیں، پھر ہوا کو حکم دیا گیا تو اس نے ریت کے ڈھیر کو ان کے اوپر سے ہٹایا، پھر اس ہوا کو حکم دیا گیا کہ انہیں سمندر میں پھینک دے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے کر ڈالا کہ سوائے ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ (ابو الشیخ، تفسیر در منثور)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سُئِلَتِ امْرَأَةٌ مِنْ بَقِيَّةِ قَوْمِ عَادٍ: أَيُّ عَذَابِ اللّٰهِ أَشَدُّ؟ قَالَتْ: كُلُّ عَذَابِهِ شَدِيدٌ، وَسَلَامُ اللّٰهِ وَرَحْمَتُهُ عَلَى لَيْلَةٍ لَا رِيحَ فِيهَا. قَالَتْ: وَلَقَدْ رَأَيْتُ الْعِيرَ تَحْمِلُهَا الرِّيحُ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (ابو الشیخ)

قوم عاد کی بچی کھچی ایک عورت سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا کون سا عذاب سخت ہے؟ تو اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے سارے عذاب ہی سخت ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی اور رحمت اس رات میں ہوتی ہے جس میں تیز ہوا نہ چلے، وہ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ہوا نے ایک اونٹ کو آسمان وزمین کے درمیان اٹھا رکھا تھا۔

حضرت عمرو بن میمون رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قوم عاد کی تباہی اور بربادی کے لیے بھیجی جانے والی ہوا اس قدر تیز تھی کہ بکریاں چرانے والے کو اور بکریوں کو آسمان وزمین کے درمیان اٹھالے جاتی تھی، پھر انہیں الٹا دے مارتی تھی۔ (ابن جریر طبری ج ۲۶ ص ۱۷ در منثور ج ۲ ص ۴۳، العظمت)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو جس سخت ہوا (آندھی) سے ہلاک کیا تھا اس ہوا کو خزانہ ہوا میں سے صرف ایک انگوٹھی کے سوراخ کے برابر کھولا تھا، تو اس نے دیہاتیوں کو ان کے گھروں، ان کے خیموں اور ان کے جانوروں سمیت شہریوں پر پھینک دیا تھا۔ (العظمت)

حضرت کعب سے کسی نے پوچھا کہ دوسری زمین پر کون سی مخلوق ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ریح عقیم، جب اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو اس ہوا کے نگرانوں کو حکم دیا کہ اس سے دروازہ کھول دو، تو انہوں نے پوچھا کہ بیل کے نتھنے کے برابر ہو؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر تو تمام روئے زمین کے بسنے والوں کو تباہ کر دے گی، پھر فرمایا کہ انگوٹھی کے حلقے کے برابر ہوا کا راستہ کھول دو۔ (تفسیر در منثور ج ۶ ص ۱۱۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عقیم ہوا کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ رِيحٌ لَا بَرَكَةَ فِيهَا وَلَا مَنْفَعَةَ، وَلَا يَنْزِلُ مِنْهَا غَيْثٌ، وَلَا يُلْقَحُ فِيهَا شَجَرٌ، یہ ایسی ہوا ہے جس میں کوئی برکت ہے اور نہ ہی کوئی فائدہ کی چیز، نہ ہی اس سے بارش برستی ہے اور نہ ہی اس سے درختوں کو کوئی فائدہ پہنچایا جاتا ہے۔ (العظمت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نُصِرْتُ بِالصَّبَا، وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ، میری صبا سے مدد کی گئی اور قوم عاد دبور سے ہلاک ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنگ احزاب کی رات شمال (ہوا کا نام) جنوب (ہوا کا نام) کے پاس آئی کہ چلیں اللہ اور رسول اللہ کی مدد کریں، مگر جنوب نے کہا کہ گرمی رات کو نہیں چلاتی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار پر باد صبا بھیجی جس نے ان کی آگ بجھادی

اوران کی طنابیں کاٹ ڈالیں، اسی پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری بادصبا کے ذریعے مدد کی گئی اور قوم عاد دبور کے ذریعے ہلاک کی گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنوب ہواؤں کی سردار ہے، اس کا نام اللہ کے ہاں ازیب ہے، اس کے پیچھے سات دروازے ہیں، جتنی تمہارے پاس آتی ہے یہ ان دروازوں کے سوراخ سے آتی ہے، اگر اس ہوا کا ایک دروازہ کھول دیا جائے تو جو کچھ آسمان وزمین کے درمیان ہے سب کچھ کو اڑا کر رکھ دے۔ (العظمت، اسرار الکون)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنوب جنت کی ہواؤں میں سے ہے۔ اس میں لوگوں کے لیے فائدے ہیں، شمال دوزخ کی ہوا ہے۔ (اسرار الکوان للسیوطی)

حضرت قیس بن عبادہ فرماتے ہیں کہ شمال ایسی ہوا ہے جو زمین کا نمک ہے، اگر شمال نامی ہوا نہ چلے تو زمین کوئی چیز نہ اگائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْأَرْضَ جَعَلَتْ تَمِيدُ، فَخَلَقَ عَلَيْهَا الْجِبَالَ فَأَرْسَاهَا. فَتَعَجَّبَتِ الْمَلَائِكَةُ فَقَالَتْ: يَا رَبُّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الْجِبَالِ؟ قَالَ: نَعَمْ. الْحَدِيدُ يُكْسَرُ بِهِ الْجِبَالُ. قَالَتْ: يَا رَبُّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الْحَدِيدِ؟ قَالَ: نَعَمْ. النَّارُ يَلِينُ بِهَا الْحَدِيدُ. قَالَتْ: يَا رَبُّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: نَعَمْ. الْمَاءُ. قَالَتْ: يَا رَبُّ فَهَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الْمَاءِ؟ قَالَ: نَعَمْ. الرِّيحُ. قَالَتْ: يَا رَبُّ فَهَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الرِّيحِ؟ قَالَ: نَعَمْ. الْإِنْسَانُ يَتَصَدَّقُ بِيَمِينِهِ يَكَادُ أَنْ يُخْفِيَهَا مِنْ يَسَارِهِ

جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا، تو زمین حرکت کرنے لگی، پھر اس پر اللہ نے پہاڑوں کو پیدا فرمایا، اور انہیں زمین میں گاڑ دیا، فرشتوں نے اس پر حیرت کا اظہار کیا، کہنے لگے، اے رب! کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے زیادہ سخت بھی کوئی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں، لوہا پہاڑوں سے زیادہ

سخت ہے جس کے ساتھ پہاڑوں کو توڑا جاتا ہے، کہنے لگے، اے رب! کیا تیری مخلوق میں لوہے سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں، آگ ہے، جس کے ساتھ لوہے کو نرم کرتے ہیں۔ کہنے لگے اے رب! کیا تیری مخلوق میں آگ سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں، پانی ہے۔ کہنے لگے، اے رب! کیا تیری مخلوق میں پانی سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں، ہوا ہے، کہنے لگے، اے رب! کیا تیری مخلوق میں ہوا سے بھی کوئی زیادہ سخت چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں انسان داہنے ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے قریب ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو اس کا پتا نہ چلے۔ (یعنی اتنے خفیہ طریقے سے صدقہ دے کر اپنے رب کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے دوسرے ہاتھ کو بھی اس کی اطلاع نہیں ہوتی۔ (العظمت)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں دس چیزیں بہت زیادہ سخت ہیں اَلْجِبَالُ، وَالْحَدِیْدُ یَنْحَتُّ الْجِبَالَ، وَالنَّارُ تَأْکُلُ الْحَدِیْدَ، وَالْمَاءُ یُطْفِیءُ النَّارَ، وَالسَّحَابُ الْمُسَخَّرُ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ یَحْمِلُ الْمَاءَ، وَالرِّیْحُ تَنْقُلُ السَّحَابَ، وَالْإِنْسَانُ یَتَّقِی الرِّیْحَ بِیَدِہٖ وَیَذْھَبُ فِیْھَا لِحَاجَتِہٖ، وَالسُّکْرُ یَغْلِبُ الْإِنْسَانَ، وَالنَّوْمُ یَغْلِبُ السُّکْرَ، وَالْھَمُّ یَمْنَعُ النَّوْمَ، فَأَشَدُّ خَلْقِ رَبِّکَ الْھَمُّ۔ (اسرار الکون)

پہاڑ، لوہا جو پہاڑوں کو بھی کرید لیتا ہے، آگ جو لوہے کو بھی کھا جاتی ہے، پانی جو آگ کو بھی بجھا دیتی ہے، بادل جو زمین و آسمان کے درمیان مسخر ہیں وہ پانی کو بھی اٹھا لیتے ہیں، ہوا جو بادلوں کو بھی اڑا کر لے جاتی ہے، اور انسان جو اپنے ہاتھ کے ذریعے اس ہوا سے بچتا ہے اور اسی ہوا میں چلتے ہوئے اپنے کام کے لیے نکل جاتا ہے، بے ہوشی جو انسان پر غالب آجاتی ہے، نیند جو بے ہوشی پر بھی غالب آجاتی ہے، اور غم جو انسان کی نیند ختم کر دیتا ہے، پس تیرے رب کی مخلوق میں سب سے زیادہ سخت چیز جو ہے وہ غم ہے۔

ہوا کے بارے میں اہل علم و عرفان کی تحقیقات ملاحظہ فرمانے کے بعد اب بادلوں کے بارے میں ملاحظہ فرمایئے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بادل زمین سے نکلتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۃ الحجر کی آیت ۲۲ میں فرمایا کہ ہم ہی ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو کہ بادل کو پانی سے بھر دیتی ہیں۔ اس آیت کے ذیل میں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجتے ہیں جو بادل میں پانی کو ملا دیتی ہے، اور ایسے بیج ڈالتی ہے جیسے نر کھجور کا تخم مادہ کھجور میں ڈالا جاتا ہے، یہ ہوا زمینی نہیں ہوتی جو ان بادلوں میں بارش کے پانی کی ملاوٹ کرے اگر ایسا ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ قرآن میں لواقح کی جگہ ملقحات کا لفظ استعمال فرماتے۔ (العظمت للشیخ اصفہانی)

ایک شخص نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ فالحاملات وِقرًا سے قرآن کریم میں کیا مراد ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیا کہ اس سے مراد بادل ہیں۔ مفسر قرآن حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں فالحاملات وِقرًا سے مراد وہ بادل ہیں جو بارش کو اٹھاتے ہیں۔

حضرت معاذ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خچر پر گزرتے دیکھا، اس وقت میں بنی سلمہ میں موجود تھا، ان کے پاس سے حضرت کعب کی بیوی کا بیٹا تبیع گزرا تو اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سلام کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے بادلوں کے بارے میں حضرت کعب سے کوئی بات سنی ہے؟ تو اس نے کہا کہ ہاں میں نے بادلوں کے بارے میں ح کعب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے وہ کہہ رہے تھے کہ السَّحَابُ غُرْبَالُ الْمَطَرِ، وَلَوْلَا السَّحَابُ حِينَ يَنْزِلُ الْمَاءُ مِنَ السَّمَاءِ لَأَفْسَدَ مَا يَقَعُ عَلَيْهِ مِنَ الْأَرْضِ بادل بارش کی چھلنی ہیں، اگر آسمان کی طرف سے پانی کے اترنے کے وقت بادل نہ ہوتے تو جو کچھ زمین میں ہے یہ سب خراب ہو جاتا۔

انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت کعب سے زمین کے بارے میں کہتے ہوئے سنا کہ زمین ایک سال نباتات اگاتی ہے اور ایک سال اس کے علاوہ چیزیں اگاتی ہے، یہ بھی انہیں کہتے ہوئے سنا کہ بیج آسمان کی طرف سے اترتا ہے، ابن عباس نے کہا کہ میں نے یہ بات کعب سے سنی ہے۔ (العظمت)

حضرت خالد بن معدان کے بارے میں آتا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةً تُثْمِرُ السَّحَابَ، فَالسَّوْدَاءُ مِنْهَا الثَّمَرَةُ الَّتِي قَدْ نَضِجَتْ الَّتِي تَحْمِلُ الْمَطَرَ، وَالْبَيْضَاءُ الثَّمَرَةُ الَّتِي لَمْ تَنْضِجْ لَا تَحْمِلُ الْمَطَرَ جنت میں ایک درخت ہے جو بادل کو پھلدار بناتا ہے،

اس میں کالا بادل وہ پھل ہوتا ہے جو پکتا ہے جو بارش کو اٹھاتا ہے اور اس میں سفید بادل وہ پھل ہوتا ہے جو پکتا نہیں ہے، وہ بارش کو نہیں اٹھاتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ السَّحَابُ الْأَسْوَدُ فِيهِ الْمَطَرُ، وَالْأَبْيَضُ فِيهِ النَّدَى وَهُوَ الَّذِي يُنْضِجُ الثِّمَارَ سیاہ بادل میں بارش ہوتی ہے، سفید بادل میں تری ہوتی ہے جو پھلوں کو پکاتی ہے۔

عبید بن عمیر کا قول ہے کہ پہلے اللہ خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے جو زمین کو صاف کر دیتی ہیں، پھر بادلوں کو اٹھا کر لانے والی ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو اٹھالاتی ہیں، پھر منتشر بادلوں کو یکجا کرنے والی ہوائیں بھیجتا ہے جو ابر کے مختلف ٹکڑوں کو یکجا کر کے تہ بہ تہ کر دیتی ہیں۔ پھر حاملہ کرنے والی ہوائیں بھیجتا ہے جو درختوں میں پھل پیدا کر دیتی ہیں۔

ابو بکر بن عیاش نے کہا جب تک چاروں ہوائیں اپنا اپنا عمل پورا نہیں کرتیں کوئی قطرہ نہیں اترتا، سامنے والی ہوا بادل کو اٹھا کر لاتی ہے، شمالی ہوا بادل کو جمع کرتی ہے، جنوبی ہوا بادل کو برساتی ہے اور پچھلی ہوا بادلوں کو منتشر کر دیتی ہے اور بعض روایات میں آتا ہے کہ جب جنوبی ہوا چلتی ہے انگور کے خوشے اٹھا کر لاتی ہے اور ریح عقیم عذاب کو لاتی ہے پھل پیدا نہیں کرتی۔ (تفسیر بغوی)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ يُنْشِئُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ السَّحَابَ، فَتَنْطِقُ أَحْسَنَ النُّطْقِ، وَتَضْحَكُ أَحْسَنَ الضَّحِكِ، بادل کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتے ہیں، پھر یہ بہت ہی خوبصورت گفتگو کرتا ہے، اور بہت ہی خوبصورت انداز میں ہنستا ہے۔ (العظمت لابی الشیخ اصفہانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ كُنَّا جُلُوسًا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَرَّتْ سَحَابَةٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَدْرُونَ مَا هَذِهِ؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: «هَذِهِ الْعَنَانَةُ، هَذِهِ رَوَايَا الْأَرْضِ يَسُوقُهَا اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى أَهْلِ بَلَدٍ لَا يَعْبُدُونَهُ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اچانک ایک بادل گزرا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں،

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بادل ہے، یہ زمین کی سیرابی ہے، اللہ اسے ایسے اہل شہر کی طرف ہانک کر لے جاتے ہیں جو اس کی عبادت نہیں کرتے۔ سورۃ الرعد میں السحاب الثقال کا ذکر ہے جس میں بہت زیادہ بارش ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اَلرَّعدُ مَلَكٌ يَسُوقُ السَّحَابَ بِالتَّسبِيحِ، كَمَا يَسُوقُ الحَادِي الإِبِلَ بِحُدَائِهِ رعد وہ فرشتہ ہے جو بادلوں کو تسبیح کے ساتھ ہانکتا ہے، جیسے حدی خواں اپنی حدی کے ذریعے اونٹوں کو ہانکتا ہے۔ (اسرار الکون علامہ جلال الدین سیوطی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی فرماتے ہیں کہ اَلرَّعدُ مَلَك يَحدُو، يَزجِرُ السَّحَابَ بِالتَّسبِيحِ وَالتَّكبِيرِ (اسرار الکون) رعد وہ فرشتہ ہے جو حدی خوان ہے، بادلوں کو تسبیح اور تکبیر کے ساتھ ہانکتا ہے۔

حضرت شہر بن حوشب فرماتے ہیں کہ رعد وہ فرشتہ ہے جسے بادلوں کو چلانے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، وہ اونٹوں کے حدی خوان کی طرح ان بادلوں کو ہانکتا ہے، اگر کوئی بادل اس کی مخالفت کرتا ہے تو رعد فرشتے کو غصہ آتا ہے، اس کے سخت غصہ کی وجہ سے اس کے منہ سے آگ پھیل رہی ہوتی ہے اور یہ وہی بجلیاں ہوتی ہیں جنہیں تم دیکھ رہے ہوتے ہو۔ (اسرار الکون علامہ سیوطی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں کہ إِنَّ الرَّعدَ مَلَك يَنعِقُ بِالغَيثِ، كَمَا يَنعِقُ الرَّاعِي بِغَنَمِهِ رعد وہ فرشتہ ہے جو بارش کو آواز دیتا ہے، جیسے چرواہا اپنی بکریوں کو آواز دیتا ہے۔

ہواؤں اور بادلوں کے تذکرے کے ساتھ یہاں بارش کا بھی ذکر ہے، قرآن کریم میں دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ كَانَتَا رَتقًا فَفَتَقنَاهُمَا، حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آسمان بارش نہیں برساتا تھا اور زمین کچھ نہیں اگاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بارش سے اور زمین کو نباتات سے کھول دیا۔ (العظمت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مَا أَنزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنَ السَّمَاءِ كَفًّا مِن مَاءٍ إِلَّا بِمِكيَالٍ، وَلَا سَفَا اللهُ عَزَّ وَجَلَّ كَفًّا مِن رِيحٍ إِلَّا بِوَزنٍ وَمِكيَالٍ، إِلَّا يَومَ نُوحٍ عَلَيهِ السَّلَامُ فَإِنَّهُ طَغَى المَاءُ عَلَى الخَزَّانِ، قَالَ اللهُ عَزَّ

وَجَلَّ: {إِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ} (الحاقة: ۱۱)، وَيَوْمَ عَادٍ فَإِنَّهُ عَتَتِ الرِّيحُ عَلَى الْخَزَّانِ، قَالَ اللهُ تَعَالَى: {بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ} (الحاقة: ٦)

اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ہتھیلی بھر پانی بھی اتارا تو اسے ماپ کر اتارا ہے، ہوا چلائی تو وہ بھی وزن کر کے چلائی، ماپ کر چلائی، سوائے طوفان نوح کے دن کے، کیونکہ اس دن پانی اپنے خزانہ کرنے والے خازن سے سرکش ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس طرف قرآن کریم میں اشارہ بھی فرمایا کہ اس دن پانی سرکش ہو گیا تھا، ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا تھا، اور قوم عاد کو عذاب دینے کے دن ہوا اپنے خازن کے سامنے سرکش ہو گئی تھی، جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ قوم عاد ایک تیز و تند ہوا سے ہلاک کی گئی تھی۔ (العظمت) حضرت کعب بارش کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ الْمَطَرُ رُوحُ الْأَرْضِ (ابو الشیخ) بارش زمین کی روح ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ إِذَا مَطَرَتِ السَّمَاءُ فَتَحَتِ الْأَصْدَافُ أَفْوَاهَهَا، فَمَا وَقَعَ فِيهَا فَهُوَ اللُّؤْلُؤُ جب آسمان بارش برساتا ہے تو سیپیاں اپنا منہ کھول لیتی ہیں، جس سیپی کے منہ میں بارش کا قطرہ جاتا ہے وہ موتی بن جاتا ہے۔ (العظمت لابی الشیخ)

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ يَخْلُقُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ اللُّؤْلُؤَ، يَخِرُّ الْأَصْدَافُ مِنَ الْمَطَرِ، تَفْتَحُ الْأَصْدَافُ أَفْوَاهَهَا عِنْدَ الْمَطَرِ مِنَ السَّمَاءِ، فَاللُّؤْلُؤَةُ الْعَظِيمَةُ مِنَ الْقَطْرَةِ الْعَظِيمَةِ، وَاللُّؤْلُؤَةُ الصَّغِيرَةُ مِنَ الْقَطْرَةِ الصَّغِيرَةِ اللہ تعالیٰ موتیوں کو سیپ میں بارش سے پیدا فرماتا ہے، جب آسمان سے بارش ہوتی ہے اس وقت سیپ اپنا منہ کھولتے ہیں، بڑا موتی بارش کے بڑے قطرے سے بنتا ہے، چھوٹا موتی بارش کے چھوٹے قطرے سے بنتا ہے۔ (العظمت)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ جب آسمان کی طرف بادلوں کو اٹھتا دیکھتے تو یوں فرماتے تھے فِيهِ وَاللهِ رِزْقُكُمْ، وَلَكِنَّكُمْ تُحْرَمُونَهُ بِخَطَايَاكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ اللہ کی قسم! اس میں تمہارا رزق ہے، لیکن تم اپنی خطاؤں اور اپنے اعمال کی وجہ سے اس سے محروم کر دیے جاؤ گے۔ (العظمت)

حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ الْبَرَكَةُ فِي الْقُرْآنِ الْمَطَرُ {وَنَزَّلْنَا مِنَ

السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا} (ق: ۹) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بارش کے پانی میں برکت کا ذکر فرمایا ہے، جیسے ارشاد ہے کہ ہم نے آسمان کی طرف سے برکت والا پانی نازل کیا ہے۔ مفسر قرآن حضرت ضحاک رحمہ اللہ نے بھی اس مقام پر قرآن کریم میں بیان کردہ ماء مبارک سے بارش ہی مراد لی ہے۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ يَنْزِلُ الْمَاءُ مِنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَتَقَعُ الْقَطْرَةُ مِنْهُ عَلَى الْحِسَابِ مِثْلَ الْبَعِيرِ، پانی ساتویں آسمان سے اترتا ہے، اس کا ایک قطرہ ایک اونٹ جتنا گرتا ہے۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ مَا مِنْ قَطْرَةٍ تَقْطُرُ إِلَّا نَبَتَتْ بِهَا شَجَرَةٌ أَوْ لُؤْلُؤَةٌ بارش کا جو قطرہ بھی گرتا ہے اس سے کوئی درخت اگتا ہے یا کوئی موتی بنتا ہے۔

حضرت امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مَا مُطِرَ قَوْمٌ إِلَّا بِرَحْمَةٍ، وَلَا قَحَطُوا إِلَّا بِسَخْطَةٍ جس قوم پر بارش برسائی جاتی ہے وہ رحمت ہی کی وجہ سے برسائی جاتی ہے، اگر کسی قوم پر قحط پڑ جائے تو وہ اللہ کی ناراضگی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

حضرت عطیہ عوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ خشکی اور دریاؤں میں فساد پھیل گیا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جب قحط ہو جائے یعنی آسمان بارش نہ برسائے اور زمین غلے نہ اگائے۔ حضرت کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لَوْ أَنَّ الْجَلِيدَ يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ لَمْ يَمُرَّ بِشَيْءٍ إِلَّا أَهْلَكَهُ اگر اولا بارش سے گرنے کی بجائے سیدھا چوتھے آسمان سے گرے تو جس چیز پر پڑے اسے ہلاک کر ڈالے۔

مفسر قرآن حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی سورۃ ق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کیا ہے، اس سے مراد بارش ہے، اسی طرح سورۃ الذاریات میں ارشاد فرمایا کہ آسمان میں تمہارا رزق ہے، اس سے بھی بارش ہی مراد ہے۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الطارق میں آسمان کے لیے فرمایا وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ، یہاں الرجع سے مراد بارش ہے اور والارض ذات الصدع میں الصدع سے مراد نباتات ہیں۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مَامِنْ سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ وَنَهَارٍ إِلَّا وَالسَّمَاءُ تُمْطِرُ دن اور رات کی کوئی گھڑی ایسی نہیں ہے جس میں آسمان بارش نہ برساتا ہو۔

حضرت فاطمہ بنت حسین اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ مَا نَزَلَ مَطَرٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَّا مَعَهُ الْبَذْرُ، أَمَا إِنَّكُمْ لَوْ بَسَطْتُمْ نِطَعًا لَرَأَيْتُمُوهُ، آسمان سے جو بارش اترتی ہے اس میں بیج بھی ہوتا ہے، اگر تم چمڑا بچھاؤ تو تم اس کو دیکھ سکو گے۔

حضرت اسماعیل بن سمیع کہتے ہیں کہ ایک رات ہم پر بارش ہوئی تو اصحاب سابری کے پاس والے کنویں میں مینڈک ظاہر ہونے لگے، میں نے ابو مالک غفاری رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا تھا کہ خشک زمین پر رات کو بارش ہوتی ہے تو صبح کو زمین پر سبز مینڈک نظر آنے لگتے ہیں؟ یہ کیسے ہوتا ہے؟ تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ إِنَّ هٰذِهِ السَّمَاءَ الدُّنْيَا إِلَى الَّتِي تَلِيهَا، وَمَا بَيْنَهُمَا مَاءٌ مُطْبَقًا يَجْرِي فِيهِ مِنَ الدَّوَابِّ مِثْلُ مَا فِي مَائِكُمْ هٰذَا (العظمت لابی الشیخ الاصفہانی) اس آسمان اور اس سے اوپر والے آسمان اور ان کے درمیان جو پانی ہوتا ہے اس میں ایسے ہی پرندے اور جانور ہوتے ہیں، جس طرح تمہارے پانی میں ہوتے ہیں۔

حضرت عمران قطان کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو حضرت حسن بصری سے سوال کرتے ہوئے سنا، وہ ان سے یوں پوچھ رہا تھا کہ اے ابو سعید! کیا بارش آسمان سے آتی ہے یا بادلوں میں موجود پانی سے ہوتی ہے؟ انہوں نے اسے جواب دیا کہ مِنَ السَّمَاءِ، إِنَّمَا السَّحَابُ عَلَمٌ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْمَاءُ مِنَ السَّمَاءِ (العظمت) بارش آسمان کی طرف سے آتی ہے، بادل تو ایک جھنڈا ہے جس پر آسمان سے پانی اترتا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ مَا مِنْ عَيْنٍ جَارِيَةٍ إِلَّا وَأَصْلُهَا مِنَ الثَّلْجِ (العظمت) کوئی جاری چشمہ ایسا نہیں جس کی اصل برف نہ ہو۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی آیت مبارکہ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ

(الحجر : ۲۱) اور ہم بارش کو ایک معلوم مقدار میں اتارتے ہیں۔ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ مَا مِنْ عَامٍ بِأَمْطَرَ مِنْ عَامٍ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ، وَرُبَّمَا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْبَحْرِ يَنْزِلُ مَعَ الْمَطَرِ كَذَا وَكَذَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ، فَيَكْتُبُونَ حَيْثُ يَقَعُ ذٰلِكَ الْمَطَرُ، وَمَنْ يُرْزَقُهُ، وَمَا يَخْرُجُ مِنْهُ مَعَ كُلِّ قَطْرَةٍ (العظمت)

کوئی سال دوسرے سال سے زیادہ بارش والا نہیں ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ اس کو جدھر چاہتے ہیں ادھر ہی پھیر دیتے ہیں، (کسی علاقے میں کم اور کسی میں زیادہ) کبھی یہ بارش سمندر پر بھی ہوتی ہے جس کے ساتھ فرشتے بھی اس قدر اترتے ہیں کہ جہاں بارش گرتی ہے وہ اسے لکھتے ہیں، جن لوگوں کو اس بارش سے رزق ملتا ہے اسے بھی لکھتے ہیں اور اس بارش کے ہر قطرہ سے جو کچھ نکلتا ہے اسے بھی لکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ الْمَطَرُ مِزَاجُهُ مِنَ الْجَنَّةِ، فَإِذَا كَثُرَ الْمِزَاجُ عَظُمَتِ الْبَرَكَةُ، وَإِنْ قَلَّ الْمَطَرُ، وَإِذَا قَلَّ الْمِزَاجُ قَلَّتِ: الْبَرَكَةُ وَإِنْ كَثُرَ الْمَطَرُ (العظمت لابی الشیخ الاصفہانی) پانی میں جنت کی آمیزش ہوتی ہے، جب آمیزش زیادہ ہوتی ہے تو برکت زیادہ ہوتی ہے، اگرچہ بارش تھوڑی ہی ہو، جب آمیزش کم ہوتی ہے تو برکت کم ہوتی ہے اگرچہ بارش بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت خالد بن معدان فرماتے ہیں کہ الْمَطَرُ يَخِرُّ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ، فَيَنْزِلُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَجْتَمِعُ فِي مَوْضِعٍ يُقَالُ لَهُ الْإِبْرَمُ، فَتَجِيءُ السَّحَابُ السُّودُ فَتَشْرَبُهُ (العظمت) بارش ابتدائی طور پر عرش کے نیچے سے گرتی ہے، پھر آسمان دنیا کی طرف اترتی ہے، پھر ابرم نامی جگہ پر جمع ہوتی ہے، پھر اس کے بعد کالے بادل آتے ہیں، جو اس بارش سے سیراب ہوتے ہیں۔ (پھر ان کالے بادلوں سے زمین پر بارش ہوتی ہے)

اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہی ہواؤں کو چلاتی ہے، وہ ہوائیں پانی سے بوجھل بادلوں کو بکھیرتی ہیں، پھر اللہ انہیں آسمان میں جیسے چاہتا ہے پھیلاتا ہے، پھر انہیں الگ الگ ٹکڑے بناتا ہے، پھر انسانی آنکھ دیکھتی ہے کہ بادلوں کے اندر سے پانی نکلتا ہے، جب اللہ یہ پانی اپنے بندوں تک پہنچاتے ہیں تو وہ خوش

ہو جاتے ہیں، وہ فرحاں اور شاداں ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کا رخ ان کی طرف کر دیا ہے۔ یہ سب میرے رب کی قدرت کا شاہکار ہے، یہ اسی کی کاریگری ہے، یہ اسی کی قدرت ہے، اے انسان! انجان نہ بن اسی ذات عالی کو مان، اسی کی فرمانبرداری کر، اسی کے حکموں پر چل، اسی کا غلام بن جا۔

بارش احیاءِ زمین اور انسان کی ناشکری

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ {۴۹} فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ {۵۰} وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ {۵۱} الروم

جواب ترجمہ: اگرچہ وہ اس سے پہلے کہ ان پر پانی اتارا جائے ناامید ہو گئے تھے۔ سو دیکھ لو اللہ کی رحمت کے آثار کو، وہ کیسے زندہ فرماتا ہے زمین کو اس کی موت کے بعد، بلاشبہ وہی مردوں کو زندہ فرمانے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اگر ہم ان پر دوسری قسم کی ہوا چلا دیں پھر یہ اپنی کھیتی کو ایسی حالت میں دیکھیں کہ پیلی پڑ گئی ہو، سو یہ ناشکری کرنے لگیں گے۔

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بارش کے نزول، زمین کی زندگی اور انسان کی نفسیات کے ذریعے اپنی قدرتِ کاملہ اور توحید کی روشن دلیل بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ: بارش نازل ہونے سے پہلے لوگ سخت مایوسی اور ناامیدی کی حالت میں ہوتے ہیں، جب بارش رک جاتی ہے، زمین خشک ہو جاتی ہے اور کھیتیاں مرجھا جاتی ہیں تو انسان سمجھنے لگتا ہے کہ اب شاید زندگی کے آثار باقی نہ رہیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بارش نازل فرماتا ہے اور مردہ زمین دوبارہ سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا: اے میرے حبیب ﷺ! آپ بارش کے ان آثارِ رحمت کو غور سے دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح خشک اور بے جان زمین کو مختلف قسم کے پودوں اور سبزے کے ذریعے زندہ کر دیتا ہے، یہ منظر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جو اللہ

مردہ زمین کو دوبارہ زندگی عطا کر سکتا ہے، وہی قیامت کے دن مردوں کو بھی دوبارہ زندہ کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے، اس کے لیے کسی چیز کو دوبارہ پیدا کرنا مشکل نہیں، کیونکہ وہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھنے والا ہے اور کوئی شے اس کو عاجز نہیں کر سکتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کی ناشکری اور کمزور مزاجی کو بیان فرمایا کہ

وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ : اگر وہی سرسبز کھیتیاں اور باغات، جنہیں دیکھ کر لوگ خوش ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کسی تیز اور نقصان دہ ہوا کے ذریعے تباہ کر دے اور وہ سبز فصلیں زرد اور خشک ہو جائیں تو یہی لوگ فوراً ناشکری پر اتر آتے ہیں اور اللہ کی سابقہ نعمتوں کو بھول جاتے ہیں، گویا انسان نعمت کے وقت خوشی میں غفلت کا شکار ہو جاتا ہے اور مصیبت کے وقت مایوسی اور ناشکری میں مبتلا ہو جاتا ہے، حالانکہ مؤمن کا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور رحمت پر یقین رکھے اور اسی کا شکر ادا کرے۔

مسئلہ سماع موتیٰ

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے، نیز ان آیات میں بیان کی گئی تشبیہ کی وضاحت فرمائیں۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ {۵۲} وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ {۵۳} الروم

جواب ترجمہ: غرض (اے پیغمبر) تم مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے، اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہو جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں۔ اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال کر راستے پر ڈال سکتے ہو۔ تم تو انہی لوگوں کو اپنی بات سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں، پھر فرمانبردار بن جائیں۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ مردوں بہروں کو سنانا یا اندھوں کو راہ ہدایت کی طرف لانا آپ کا کام نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی بات تو وہ سنے گا جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کو مردوں بہروں اور اندھوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جس طرح یہ لوگ نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں نہ دلائل قدرت کا مشاہدہ

کرسکتے ہیں یہی حال ہے کافر مشرک کا کہ ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں، ان پر آیات الٰہی کا کچھ اثر نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

دوسری تشبیہ کانوں سے بہروں کے ساتھ ہے اور تیسری تشبیہ اندھوں کے ساتھ ہے۔ جس طرح اندھے کو کوئی دکھا نہیں سکتا اور بہرے کو کوئی نہیں سنا سکتا مردے کو سناؤ تو کوئی فائدہ نہیں ہے اسی طرح زندہ کافروں کو ایسا سنانا کہ وہ آپ کی بات کو قبول کرلیں آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ منوانا رب تعالیٰ کا کام ہے۔ کافر سنتے تو ہیں لیکن ایسا سننا کہ حق کو قبول کریں وہ نہیں ہے۔

انہی کافروں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا صم بکم عمی بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں، حالانکہ یہ بات ظاہر ہے کہ نہ سارے کافر بہرے ہیں نہ گونگے ہیں اور نہ اندھے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے زندہ کافروں کو صم بکم عمی کے ساتھ ذکر کیا ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ مطلب یہ ہے کہ جیسے بہرے فائدہ نہیں اٹھاتے گونگے فائدہ نہیں اٹھاتے، اندھے فائدہ نہیں اٹھاتے اسی طرح جو ضدی کافر ہیں وہ سن کر بھی فائدہ نہیں اٹھاسکتے۔ (ذخیرۃ الجنان)

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کو تسلی دے رہے ہیں کہ یہ مشرکین جو آپ پر ایمان نہیں لاتے ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ غم گین نہ ہوں، اس لیے کہ یہ تو بہروں کی طرح ہیں، یہ تو مردوں کی طرح ہیں جو سنتے نہیں ہیں، اور نہ ہی شعور رکھتے ہیں، اگرچہ یہ لوگ آپ ﷺ کے سامنے ہوتے ہیں تو جو لوگ موجود ہی نہیں غائب ہیں، پیٹھ پھیر لیتے ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، اے حبیب مکرم! جن کو اللہ تعالیٰ نے راہ حق اور راہ ہدایت سے اندھا کر دیا ہے اسے آپ کس طرح راہنمائی کریں گے؟ آپ ﷺ کے ارشادات عالیہ کو سننے کا فائدہ انہی لوگوں کو ہوگا جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔

اس آیت کے ذیل میں علماء امت نے ایک معرکۃ الآراء بحث چھیڑی ہے کہ آیا مردے سنتے ہیں یا کہ نہیں؟ ہمارے اس دور میں بھی اس مسئلے پر علماء کرام کے درمیان بحث مباحثے جاری رہے، اختلافات نے عروج پکڑا، مساجد و مدارس میں معرکۃ الآراء بیانات سے محافل کو گرمایا گیا، مناظروں

اور مجادلوں تک کی نوبت آئی، علماء کرام نے، مصنفین نے کتابیں لکھیں، اسی اختلاف کی بناء پر مسجدوں، مدرسوں اور مشربوں کی تشکیل ہوئی، اس مسئلہ کے باعث امت میں ایک مرتبہ انتشار اور افتراق پیدا ہوا، نفرتوں نے جنم لیا، اس مسئلہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمارے نزدیک شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی رائے کو مد نظر رکھا جائے، ان کی تحریر ذیل میں ان کے دروس کے مجموعہ ذخیرۃ الجنان سے پیش کی جارہی ہے۔

مسئلہ سماع موتی: یہاں پر ایک یہ بحث چل پڑی ہے کہ کیا مردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے؟ مسئلہ طویل الذیل ہے۔ پچھلے سالوں میں یہ مسئلہ بڑے زوروں پر تھا۔ اس مسئلے کی دو شقیں ہیں۔ ایک شق یہ ہے کہ قریب سے سنتے ہیں دور سے نہیں سنتے۔ تو قبر کے قریب سے سنتے ہیں پھر اس میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے سب کا اتفاق ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں کے قریب سے سنتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فتاوی رشیدیہ میں فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے سب قائل ہیں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مقلد غیر مقلد، ہاں اب کچھ غیر مقلد حضرات آج کل انکار کرتے ہیں، لیکن ان کے بزرگ سارے مانتے ہیں قاضی شوکانی، نواب صدیق حسن خان، نواب نورالحسن خان اور شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی مرحوم، اب کچھ نئی پود انکار کرنے لگی ہے اور دیوبندی کہلانے والوں میں سے پہلے شخص عنایت اللہ شاہ بخاری ہیں ہم نے ان کے ساتھ اٹھارہ سال کام کیا ہے مگر جس وقت وہ اس مسئلے پر مصر اور بہ ضد ہوگئے تو پھر ہم نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ (ذخیرۃ الجنان لشیخ سرفراز خان صفدر)

تو ایک ہے قبر کے قریب سے سننا، تو اس سننے میں انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی فتاوی امدادیہ میں لکھتے ہیں سب امت کا اس پر اتفاق ہے۔

جب اس مسئلے میں اختلاف ہوا تو مولانا غلام اللہ خان مرحوم نے اپنے رسالہ تعلیم القرآن میں

لکھا کہ اس مسئلہ میں فریقین کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اور دوسری شق ہے دور سے سننے کی۔ تو اس مسئلہ میں بھی کسی اہل حق کا اختلاف نہیں ہے کہ دور سے کوئی نہیں سنتا نہ نبی نہ غیر نبی، ہر جگہ سے سننے والا صرف پروردگار ہے۔

اور دوسرا مسئلہ ہے عام مردوں کے سماع عدم سماع کا (سننے اور نہ سننے کا)۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر اب تک اختلافی چلا آرہا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نہیں سنتے وَخَالَفَهَا الجَمهُور، جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تفسیر ابن کثیر میں اور عینی رحمہ اللہ عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں وَخَالَفَهَا الجَمهُورُ، جمہور صحابہ اس مسئلے میں ان کے مخالف ہیں، جمہور صحابہ فرماتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں۔

مردوں کے سننے پر دلائل: بخاری مسلم میں مردوں کے سننے کا باقاعدہ باب ہے اور اس کے تحت حدیث نقل کی ہے کہ بندہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی وہاں سے چلے جاتے ہیں حَتّٰى اَنَّهُ يَسمَعُ قَرعَ نِعَالِهِم اَتَاهُ مَلَكَانِ، ابھی وہ ان جانے والوں کی جوتیوں کی کھڑ کھڑاہٹ ہی سن رہا ہوتا ہے کہ اچانک اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں۔

دیکھو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ سنتے ہیں اور کوئی دوسرا کہے نہیں سنتے بات کس کی مانی جائے گی؟ اسی طرح جب کوئی مردوں کو سلام کرے تو وہ اس کا سلام سنتے ہیں۔ چونکہ اختلافی مسئلہ ہے اس لیے منکر اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور لا تسمع الموتی میں اسماع کی نفی ہے سنانے کی، سننے کی نفی نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو نہیں سنا سکتے یہ آپ کا کام نہیں ہے یہ رب کا کام ہے۔

سورۃ فاطر آیت نمبر ۲۲ میں ہے اِنَّ اللّٰهَ يُسمِعُ مَن يَّشَآءُ، بیشک اللہ سناتا ہے جس کو چاہے وَمَآ اَنتَ بِمُسمِعٍ مَّن فِي القُبُورِ اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں پڑے ہیں۔ تو نفی سنانے کی ہے۔ جیسے دوسرے مقام میں آتا ہے اِنَّكَ لَا تَهدِي مَن اَحبَبتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهدِي مَن يَّشَآءُ (قصص) بیشک اے پیغمبر آپ نہیں راہ راست پر لا سکتے لیکن اللہ تعالیٰ راہ راست پر لاتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اسی طرح یہاں ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے سنانا رب کا کام ہے۔ (ذخیرۃ الجنان)

فرمایا وَمَآ اَنتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ عَن ضَلٰلَتِهِمْ اور آپ نہیں ہدایت دے سکتے اندھوں کو ان کی گمراہی سے اِن تُسْمِعُ اِلَّا مَن یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا آپ نہیں سنا سکتے مگر ان کو جو ایمان لائے ہیں ہماری آیتوں پر فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ پس وہ مسلمان ہیں، ایمان والے سنتے ہیں نفع والا سننا صرف مومنوں کا ہے۔ نفع والا سننا کافروں کو حاصل نہیں ہے۔

بدر میں ستر کافر مارے گئے ایک کے بغیر سب کو ایک کنوئیں میں پھینک دیا امیہ بن خلف کو کھینچتے گھسیٹتے ہوئے اس کے بازو الگ ہو گئے ٹانگیں الگ ہو گئیں اس کے علاوہ سب کو کنوئیں میں اوپر نیچے دبا دیا گیا۔

اور یہ روایت بھی ہے کہ چوبیس بڑے بڑے کافروں کی لاشیں بدر کے کنوئیں میں ڈالیں۔ تیسرے دن آنحضرت ﷺ کنوئیں پر تشریف لے گئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر ایک ایک کافر کا نام لے کر فرمایا اے ابو جہل! جو میں کہتا تھا وہ حق ہے یا نہیں؟ کہ مرنے کے بعد کافر کو مشرک کو عذاب ہو گا۔ اے عقبہ ابن ابی معیط میں نے ٹھیک کہا تھا کہ نہیں؟

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! کیا آپ ایسے اجسام سے گفتگو کر رہے ہیں جن میں ارواح نہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس پروردگار کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے تم اس گفتگو کو جو میں ان سے کر رہا ہوں ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ حدیث صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں اور محدثین کے جم غفیر نے اس کی تصحیح کی ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں صحیح ہے۔ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح ہے۔

وہ حدیث یہ ہے کہ جب کوئی آدمی قبر کے پاس سے گزرتا ہے اور بلند آواز سے سلام کہتا ہے عَرَفَهُ وہ مردہ اس کو آواز سے پہچان لیتا ہے کہ یہ فلاں ہے۔ جس طرح ہم ایک دوسرے کو آواز سے پہچان لیتے ہیں۔ ان صحیح احادیث کو چھوڑ کر ان لوگوں کے ڈھکوسلوں کے پیچھے کیسے چلیں۔ لوگ ڈھکوسلے مارتے ہیں کہ اس پر اتنی مٹی ڈال دی گئی ہے اب وہ کیسے سنتا ہے؟ کہاں سے سنتا ہے؟ ان ڈھکوسلوں سے حق ختم نہیں ہو گا۔

آپ ﷺ کا درود وسلام سننا: آنحضرت ﷺ نے فرمایا مَن صَلّٰی عِندَ قَبرِی سَمِعتُه، جو میری قبر کے پاس صلوۃ وسلام پڑھے گا میں خود سنوں گا اور جو دور سے پڑھے گا فرشتے پہنچائیں گے۔

تو انبیائے کرام علیہم السلام کے عند القبر سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اب اگر کوئی اختلاف کرتا ہے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میں نے اس مسئلے پر تقریباً پچیس سال کھپائے ہیں کہ شاید سلف صالحین میں سے کوئی اس کا منکر ہو لیکن قطعاً نہیں۔ تو اس مسئلے پر اہل سنت والجماعت اور غیر مقلد سب متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور جو آپ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس صلوۃ وسلام پڑھے آپ ﷺ سنتے ہیں۔ پرانے تمام بزرگ اس مسئلے پر متفق ہیں کوئی منکر نہیں ہے۔ (ذخیرہ الجنان مجموعہ دروس شیخ سرفراز خان)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردے نہیں سنتے، اس آیت میں موتیٰ سے کفار مراد ہیں کہ ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں، مگر کفار کو موتیٰ کے ساتھ تشبیہ دینا جب ہی درست ہو سکتا ہے کہ جب مردے نہ سنتے ہوں لیکن احادیث صحیحہ میں مردوں کا سننا اور قبر پر حاضر ہونے والے کے سلام کو سننا ثابت ہے۔

سو جاننا چاہیے کہ یہ آیت احادیث کے معارض نہیں اس لئے کہ آیت میں سماع موتی کی نفی نہیں، بلکہ اسماع کی نفی کی گئی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی یہ کفار بمنزلہ مردوں کے ہیں، اور عالم اسباب میں مردوں کو سنانا بشری قدرت سے باہر ہے باقی حق تعالیٰ اگر اپنی قدرت سے کسی مردہ کو سنانا چاہیں تو یہ ممکن ہے، جیسے وَمَآ اَنتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ کے معنی یہ ہیں کہ ہدایت بمعنی توفیق، نبی کی قدرت اور اختیار میں نہیں جیسا کہ دوسری جگہ آیا

اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ نبی کا کام حق کو بتا دینا اور اس کا سنا دینا ہے، باقی حق کا دل میں اتار دینا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اسی طرح آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی یہ کافر دل کے مردہ ہیں ان کو حق بات سنانا آپ کی قدرت میں نہیں ہے، نیز احادیث میں زیارت قبور کی تاکید اور مردوں کو خطاب "السلام علیکم" سلام کرنے کا حکم آیا ہے۔

معلوم ہوا کہ مردے بحکم خداوندی سنتے ہی، اور قبر پر حاضر ہونے والے کو اگر زندگی میں پہچانتے تھے تو مرنے کے بعد بھی پہچانتے ہیں۔ (معارف القرآن ج ٦ ص ١١) شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فوائد عثمانیہ سورۃ الروم کے حاشیہ میں لکھتے ہیں اس آیت میں اسماع کی نفی سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب جو دارالعلوم دیوبند کے استاذ اور مفتی رہے ہیں، انہوں نے دیوبندی اکابر علماء کرام سے فیض حاصل کیا ہے، قیام پاکستان کے بعد کراچی میں دارالعلوم کراچی قائم کیا ہے، جس کا فیضان آج دنیا کے گوشے گوشے میں موجود ہے، انہوں نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں سماع الموتیٰ کے مسئلہ پر اپنا موقف کھل کر تحریر کیا ہے، اسی طرح انہوں نے اس عنوان سے ایک مستقل رسالہ تکمیل الحبور بسماع اہل القبور تحریر کیا ہے۔

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے دروس میں سماع موتیٰ پر بحث کی ہے، ان کے ان دروس کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے، جس کا نام معالم العرفان ہے، اس میں حضرت صوفی صاحب مرحوم فرماتے ہیں کہ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ حقیقی مردے جو قبروں میں دفن ہو چکے ہیں کیا وہ بھی زندوں کی بات سنتے ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ کے بھی دو حصے ہیں یعنی عام مردے اور انبیاء علیہم السلام جہاں تک عام مردوں کا تعلق ہے، یہ مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے اختلافی چلا آرہا ہے، بعض سماع موتیٰ کے قائل ہیں اور بعض نے انکار کیا ہے تاہم نصوص دونوں جانب موجود ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سماع موتیٰ کا انکار کرتی ہیں جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کے قائل ہیں۔ محدثین میں سے امام بخاری رحمہ اللہ نے سماع موتیٰ کا باب باندھا ہے بَابُ الْمَيِّتِ يَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِ یعنی جب لوگ مردے کو دفن کر کے واپس لوٹتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی چاپ سنتا ہے۔ (معالم العرفان)

پھر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بھی منقول ہے کہ جب کوئی

شخص قبر پر جا کر سلام کرتا ہے تو اگر صاحب قبر اس شخص کو دنیا میں پہچانتا تھا، تو دعا اور سلام کے وقت بھی پہچانتا ہے، نیز وہ دعا گوئی اور سلام کو سنتا ہے اور اس کا جواب بھی دیتا ہے، مگر فرمایا تم اس کی آواز کو نہیں سن سکتے۔

چنانچہ اسی اختلاف کے پیش نظر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں ہیں جو اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے چلا آرہا ہے۔ اس کے بارے میں اب کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا ایسے مسائل کو اپنی جگہ پر رہنے دو۔ کوئی شخص جس پہلو کو بھی اختیار کرے گا۔ وہ درست ہو گا، لہٰذا کسی شخص کو بُرا بھلا نہیں کہنا چاہئے۔ (معالم العرفان)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر درمنثور میں وہ روایات نقل کی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات موجود ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کو ایک کنویں میں پھینکنے کے بعد ارشاد فرمائے تھے، ان میں ایک روایت یہ بھی نقل فرمائی ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن قریش کے بڑے سرداروں میں چوبیس آدمیوں کے بارے میں حکم فرمایا کہ ان کو بدر کے انتہائی خراب کنویں میں پھینک دیا گیا اور آپ کا یہ معمول تھا کہ جب کسی قوم پر غلبہ پاتے تو کھلی جگہ میں آپ تین راتیں ٹھہرتے، جب بدر کا تیسرا دن تھا تو آپ نے اپنی سواری تیار کرنے کا حکم دیا، تو اس پر کجاوہ کس دیا گیا، پھر آپ چل پڑے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپ کے پیچھے ہو لیے، چند صحابہ نے کہا کہ آپ قضائے حاجت کے لیے جارہے ہیں، یہاں تک کہ آپ کنویں کے کنارے کھڑے ہو گئے اور آپ ان کو ان کے اپنے اور ان کے آباء کے ناموں سے پکارنے لگے، اے فلاں بن فلاں، اے فلاں بن فلاں کیا تم کو یہ بات خوش کرتی کہ تو نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی اور بلاشبہ ہم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پالیا ہے؟ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدے کو سچا پالیا ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کیسے ان جسموں سے بات کر رہے ہیں کہ جن میں روح نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ وہ زیادہ سنتے ہیں تمہاری نسبت۔ (بخاری، مسلم، ترمذی،

ابو داؤد، نسائی مسند احمد) حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کی بات سنائی مقصود ان کو شرمندہ کرنا ان کی حقارت بیان کرنا سزا دینا، حسرت کا اظہار کرنا تھا۔ (تفسیر در منثور لشیخ جلال الدین سیوطی)

جو لوگ کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے وہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کی اس روایت کو سامنے رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو زندہ کر دیا تھا، اس کے بعد انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب سنا تھا، اس کے علاوہ ذخیرہ احادیث میں ان لوگوں کو دلائل نہیں ملتے، قرآن کریم میں جہاں جہاں مردوں کے سننے اور نہ سننے کا ذکر ہے وہاں اسماع مراد ہے۔

اسماع عربی گرائمر کے لحاظ سے باب افعال کی مصدر ہے، جس کا معنیٰ سنانا ہے، سماع کا معنیٰ سننا ہے، جو لوگ مردوں کے نہ سننے کے قائل ہیں ان کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بھی ہے، جس کے بارے میں علماء کرام کہتے ہیں کہ ان کے کلام ہی سے رجوع ثابت ہے، پیر کرم شاہ الازہری نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں علامہ ابن القیم جوزی رحمہ اللہ کی کتاب الروح کے متعدد حوالے نقل کیے، پھر سماع موتیٰ پر روایات بیان کیں، اس دوران انہوں نے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی تفسیر میں بیان کردہ روایات نقل کیں، اسی موقع پر انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عدم سماع والی دلیل کے بارے میں لکھا ہے کہ امی جان کے قول سے ہی ان کا رجوع ثابت ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

تفسیر ضیاء القرآن میں اس مقام پر پیر کرم شاہ لکھتے ہیں کہ بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ آیات میں مطلق سماع کی نفی نہیں بلکہ ایسے سماع کی نفی ہے جو مفید اور نفع رساں ہو۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سِمَاعُ مَوْتَى كَلَامَ الْخَلْقِ قَاطِبَةً ... قَدْ صَحَّ فِيهَا لَنَا الْآثَارُ بِالْكُتُبِ

وَآيَةُ النَّفْيِ مَعْنَاهَا سِمَاعُ هُدًى ... لَا يَسْمَعُونَ وَلَا يُصْغُونَ لِلْأَدَبِ

ترجمہ: میت کا لوگوں کے کلام کو سننا صحیح دلائل سے ثابت ہے اور جن آیات میں سنانے کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد ایسا سنانا ہے جو ہدایت کا باعث ہو اور نفع رساں ہو۔

جنگ بدر میں جب بڑے بڑے مشرکین مکہ ہلاک ہوئے تو ابو جہل، عتبہ وغیرھما مشرکین کی لاشیں ایک گڑھے میں پھینک دی گئیں، حضور ﷺ وہاں تشریف لائے اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا: يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ، يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ، هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا؟ فَإِنِّي وَجَدْتُ مَا وَعَدَنِي رَبِّي حَقًّا؟ اے فلاں فرزند فلاں! اے فلاں پسر فلاں! ذلت اور عذاب کا جو وعدہ تمہارے رب نے تم سے کیا تھا کیا اس کو تم نے سچا پالیا؟ بیشک میرے رب نے نصرت و کامرانی کا جو وعدہ میرے ساتھ فرمایا تھا، میں نے تو اسے سچا پالیا، قَالَ لَهُ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا تُخَاطِبُ مِنْ أَقْوَامٍ قَدْ جَيَّفُوا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ ایسے لوگوں کو خطاب فرما رہے ہیں جو بے جان لاشے ہیں۔

فَقَالَ: وَالَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ وَلٰكِنَّهُمْ لَا يَسْتَطِيعُونَ جَوَابًا

حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میری بات تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔ لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان تو مسلمان کفار و مشرکین کے مردے بھی سنتے ہیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن)

سماع موتی کے منکرین نے اس حدیث کے جواب میں کہا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے اس حدیث کی تاویل کی ہے، اس لیے یہ حدیث اس مسئلہ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جمہور محدثین نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس تاویل کو قبول نہیں کیا بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو قبول کیا ہے کیونکہ اسے بہت سے صحابہ کی تائید حاصل ہے جو خود اس موقع پر بارگاہ رسالت میں حاضر تھے اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا وہاں خود موجود نہ تھیں۔ نیز ام المؤمنین نے سماع موتی کی نفی پر اس آیت سے انك لا تسمع الموتی جو استدلال کیا ہے اس کا جواب جمہور محدثین نے بایں الفاظ دیا ہے: اَمَّا اِستِدلَالُهَا بِقَولِهٖ تَعَالٰی اِنَّكَ لَا تُسمِعُ المَوتٰی فَقَالُوا مَعنَاهَا لَا تُسمِعُهُم سِمَاعًا يَنفَعُهُم اَولَا تُسمِعُهُم اِلَّا اَن يَّشَآءَ اللّٰه، یعنی تم ان کو کوئی ایسی بات نہیں سنا سکتے جو انہیں نفع پہنچائے یا تم خود اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر انہیں کچھ نہیں سنا سکتے۔

کتب حدیث میں ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اس مسئلہ سے رجوع ثابت ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک روایت وہ ہے جو ابن اسحاق نے المغازی میں یونس بن بکیر سے بسند جید نقل کی ہے جس کے الفاظ بعینہٖ حدیث ابی طلحہ جیسے ہیں، وَمِنَ الغَرِیب اَنَّ فِی المَغَازِی لابن اسحاق روایة یونس بن بکیر باسناد جَیِّد عَن عَائِشَةَ مثل حدیث ابی طلحه وفیه ما انتم باسمع لما اقول منهم. یعنی جو میں کہہ رہا ہوں اسے تم ان سے زیادہ نہیں سن سکتے، اس کے علاوہ علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

قال یروی من حدیث عائشه رضی الله عنها انها قالت قال رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) مَا مِنْ رَجُلٍ یَزُورُ قَبْرَ أَخِیهِ وَیَجْلِسُ عِنْدَهُ، إِلَّا اسْتَأْنَسَ بِهِ وَرَدَّ عَلَیْهِ حَتَّی یَقُومَ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کے لیے جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحب مزار کو اس سے بڑی تسکین اور راحت ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ وہاں سے اٹھ جائے۔ اس روایت سے بھی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رجوع ثابت ہوتا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے سماع موتی کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ محمود الآلوسی صاحب روح المعانی کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے، قال العلامه الآلوسی البغدادی وَالحَقُّ اَلمَوتیٰ یَسمَعُونَ فی الجُملَةِ، حق یہ ہے کہ مردے یقیناً سنتے ہیں اور اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (فتح الملہم جلد دوم)

علامہ ابن کثیر نے بھی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو صحیح فرمایا ہے کیونکہ اس کی تائید دیگر شواہد کثیرہ سے ہوتی ہے، وَالصَّحِیحُ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ رِوَایَةُ ابْنِ عُمَرَ، لِمَا لَهَا مِنَ الشَّوَاهِدِ عَلَی صِحَّتِهَا مِنْ وُجُوهٍ كَثِیرَةٍ. (تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۸) حجرہ مقدسہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن ہونے سے پہلے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ معمول تھا کہ جب زیارت کے لیے حاضر ہوتیں، تو اوڑھنی کا زیادہ اہتمام نہ کرتیں، فرماتیں یہاں ایک میرے سر تاج ہیں اور دوسرے میرے

والد محترم، مجھے پردہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے وہاں دفن ہونے کے بعد جب سلام عرض کرنے کے لیے حاضر ہوتیں، تو بڑے اہتمام سے سر کو اوڑھنی سے ڈھانپ کر حاضر ہوتیں۔

علامہ ابن کثیر اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، وَالسَّلَفُ مُجْمِعُونَ عَلَى هَذَا، وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْآثَارُ عَنْهُمْ بِأَنَّ الْمَيِّتَ يَعْرِفُ بِزِيَارَةِ الْحَيِّ لَهُ وَيَسْتَبْشِرُ (تفسیر ابن کثیر بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن) یعنی سلف صالحین کا اس بات پر اجماع ہے اور متواتر روایات سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ میت اپنے زیارت کرنے والے کو پہچانتی ہے اور اس سے خوش ہوتی ہے۔

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ وَذَهَبَت طَوَائِفُ مِن أَهلِ العِلمِ إِلَى سِمَاعِهِم فِي الجُملَةِ، اہل علم کا ایک طبقہ فی الجملہ مردوں کے سماع کی طرف گیا ہے۔

علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ فیض الباری شرح البخاری میں لکھتے ہیں کہ وله جواب آخر وهو أَنَّ المنفي في الآية هو الإسماع دون السَّماع، (فيض الباري ج ۲ ص ۴۷) (آیت کریمہ میں جس چیز کی نفی کی گئی ہے وہ اسماع (سنانے) کی ہے نہ کہ سماع (سننے) کی۔

علامہ انور شاہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ أقول والأحاديثُ في سماع الأمواتِ قد بلغت مَبْلَغَ التواتر وفي حديثٍ صحَّحه أبو عمرو أن أحدًا إذا سَلَّم على الميتِ فإنه يَرُدُّ عليه، ويعرِفُه إن كان يَعْرِفُه في الدُّنيا (فيض الباري ۳/ ۴۲) میں کہتا ہوں کہ سماع موتی کے ثبوت کے لیے اتنی احادیث ہیں جو درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں اور حدیث صحیح میں ہے کہ جب کوئی شخص میت کو سلام دیتا ہے تو وہ اس کا جواب دیتا ہے اور اگر صاحب مزار اس کو دنیا میں پہچانتا تھا تو اب بھی وہ اس کو پہچان لیتا ہے۔

اکابر علماء کرام نے مردوں کے سننے اور نہ سننے کے بارے میں قرآن وحدیث سے سمجھا جانے والا مؤقف بہت ہی خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے، جو لوگ عقلی گھوڑے دوڑاتے ہیں کہ منوں ٹنوں مٹی کے نیچے آواز کیسے پہنچتی ہے ہمارے خیال میں وہ اللہ کی قدرت اور طاقت کو تسلیم نہیں کرتے، کچھ

حضرات شد و مد سے کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے اس کی وجہ ہمیں یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے ملک میں لوگوں کو اگر کوئی مسئلہ کسی نوعیت کا معلوم ہو جاتا ہے تو وہ اس کے ساتھ اپنی طرف سے مرچ مصالحے لگا کر مزید کارروائی کر ڈالتے ہیں، جیسے کئی لوگ مردوں کے سننے کے مسئلہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صاحب مزار کے سامنے جا کر اپنی حاجات پیش کرتے ہیں، وہ صاحب مزار سے اپنی حاجات پوری ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ قبروں میں آسودہ خاک لوگوں کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا شروع کر دیتے ہیں، انہیں مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ سرکار ہماری حاجات، ہماری پریشانیاں آپ کے سامنے ہیں، آپ ہماری حاجتیں اللہ سے پوری کروادیں، آپ ہماری پریشانیاں اللہ سے دور کروادیں، حالانکہ جتنا اور جس قدر احادیث میں موجود ہے اس پر اکتفا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، احادیث میں جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے اس پر ایمان لانا نجات کی ضمانت ہے، مگر لوگوں کی بد عقیدگی کا کیا جائے کہ وہ مسائل کی آڑ میں شرک و کفر کرتے ہیں۔

پھر پیر کرم شاہ الازہری جیسے حضرات بھی گلہ شکوہ کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ اکابرین نے تصریح فرمادی ہے کہ مردے سنتے ہیں، پھر بھی لوگوں کو قبروں اور مزاروں پر جانے سے روکا جاتا ہے، حالانکہ کوئی مسلمان، کوئی عالم دین کسی کو کسی قبر پر جانے سے نہیں روکتا، اس لیے کہ زیارت قبور کا حکم تو شریعت نے دیا ہے، نبی کریم ﷺ نے دیا ہے، جہاں بات سمجھائی جاتی ہے وہ صرف اتنی کہ قبروں پر جا کر شرک نہ کیا جائے۔

ہمارے نزدیک نبی کریم ﷺ کے ارشادات میں سمجھنے والوں کے لیے بہت کچھ موجود ہے، پھر علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ جیسی علمی ہستی، بلکہ انہیں جبل علم کہنا مناسب ہو گا، ان کے بعد شیخ المحدثین مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کا اسم گرامی بھی ایک استنادی حیثیت رکھتا ہے، جنہوں نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے، پھر ان کے بعد ہمارے دور کے علامہ سرفراز صفدر مرحوم دو ایسے حوالے ہیں جن کی بات کو یونہی بلا دلیل و حجت ٹھکرایا نہیں جا سکتا، مولانا سرفراز خان رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسئلہ پر پچیس سال محنت کی ہے۔

حیاتِ انسانی کے مختلف مراحل

سوال اس آیت مبارکہ میں دنیا کی زندگی میں انسانی زندگی کے مراحل کا ذکر کیا گیا ہے، وضاحت فرمایئے، آیت کریمہ کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ {۵۴} الروم

جواب ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے تمہاری تخلیق کی ابتدا کمزوری سے کی، پھر کمزوری کے بعد طاقت عطا فرمائی، پھر طاقت کے بعد (دوبارہ) کمزوری اور بڑھاپا طاری کر دیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور وہی ہے جس کا علم بھی کامل ہے، قدرت بھی کامل۔

خلاصہ تفسیر: انسان کی ترقی و تنزل اس کی اصل تو مٹی سے ہے۔ پھر نطفے سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے پھر اسے ہڈیاں پہنائی جاتی ہیں پھر ہڈیوں پر گوشت پوست پہنایا جاتا ہے پھر روح پھونکی جاتی ہے پھر ماں کے پیٹ سے ضعیف و نحیف ہو کر نکلتا ہے پھر تھوڑا تھوڑا بڑھتا ہے اور مضبوط ہوتا جاتا ہے پھر بچپن کے زمانے کی بہاریں دیکھتا ہے پھر جوانی کے قریب پہنچتا ہے پھر جوان ہوتا ہے آخر نشو و نما موقوف ہو جاتی ہے۔

اب قوی پھر مضمحل ہونے شروع ہوتے ہیں طاقتیں گھٹنے لگتی ہیں ادھیڑ عمر کر پہنچتا ہے پھر بڈھا ہوتا پھونس ہو جاتا ہے طاقت کے بعد یہ کمزوری بھی قابل عبرت ہوتی ہے۔ کہ ہمت پست ہے، دیکھنا سننا چلنا پھرنا اٹھنا اچکنا پکڑنا غرض ہر طاقت گھٹ جاتی ہے۔

رفتہ رفتہ بالکل جواب دے جاتی ہے اور ساری صفتیں متغیر ہو جاتی ہے۔ بدن پر جھریاں پڑ جاتی ہیں۔ رخسار پچک جاتے ہیں دانت ٹوٹ جاتے ہیں، بال سفید ہو جاتے ہیں، یہ قوت کے بعد کی ضعیفی اور بڑھاپا، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ بنانا بگاڑنا اس کی قدرت کے ادنی کرشمے ہیں۔ ساری مخلوق اس کی غلام وہ سب کا مالک وہ عالم و قادر نہ اس کا سا کسی کا علم نہ اس جیسی کسی کی قدرت۔

عطیہ عوفی کہتے ہیں میں نے اس آیت کو ضعفًا تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھا تو آپ

نے بھی اس کی تلاوت کی اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس آیت کو اتنا ہی پڑھا تھا جو آپ پڑھنے لگے جس طرح میں نے تمہاری قرأت پر قرأت شروع کر دی (ابو داؤد ترمذی)

اب یہ آخر میں تنبیہ ہے کہ کسی کو اپنی قوت و صلاحت اور اپنے اسباب وسائل پر ناز نہیں ہونا چاہیے۔ جو کچھ بھی انسان کو ملتا ہے سب خدا ہی کا دیا ہوا ملتا ہے اور پھر اسی کی طرف سے سب لوٹ جاتا ہے۔ تم اپنے وجود ہی پر غور کرو، اللہ تعالیٰ نہایت ہی کمزور و ناتواں حالت میں تم کو وجود بخشتا ہے۔ پھر اس ناتوانی کے بعد جوانی کی توانائیاں اور صلاحیتیں عطا فرماتا ہے۔ اس کے بعد پھر بڑھاپے کی صورت میں اسی سابق ناتوانی کا دور عود کر آتا ہے۔ کسی کے امکان میں نہیں ہے کہ اپنی پائی ہوئی جوانی اور طاقت کو برابر قائم رکھ سکے۔ یہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے کہ وہ جو چاہے پیدا کرتا اور پیدا کر سکتا ہے۔ وہی ہر چیز کا علم اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (تدبر قرآن)

مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ آیت ۵۴ میں انسانی زندگی کے ادوار ثلاثہ کی طرف اشارہ ہے یعنی بچپن، جوانی اور بڑھاپا، اور یہ ساری حالتیں اسی کی پیدا کردہ ہیں اور یہ اسی کے علم و قدرت کے کرشمے ہیں۔ اوپر دلائل آفاق کا ذکر تھا اب یہاں دلائل نفس کی طرف اشارہ فرما دیا ہے (رازی)

قوموں کی زندگی کا بھی یہی حال ہے کہ قوم پیدا ہوتی ہے، بچپنے کا عہد بے فکری سے کاٹ کر جوانی کی طاقت آزمائیوں میں قدم رکھتی ہے، یہ وقت کاروبار زندگی کا اصلی اور قومی صحت و تندرستی کا عہد نشاط ہوتا ہے، جہاں جاتی ہے اوج و اقبال اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جس طرف قدم اٹھاتی ہے دنیا اس کے استقبال کے لیے دوڑتی ہے اس کے بعد جو زمانہ آتا ہے اسے پیری و صد عیب کا زمانہ سمجھیے، طرح طرح کے اخلاقی و تمدنی عوارض پیدا ہونے لگتے ہیں، جمعیت و اتحاد کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اجتماعی قوتوں کا اضمحلال نظام ملت کو کمزور کر دیتا ہے۔ (تفسیر ترجمان القرآن)

مولانا عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ہر تصرف میں وہی آزاد خود مختار ہے۔ وہی جب چاہے نیست سے ہست کرے، ضعیف سے قوی اور قوی سے ضعیف، کوئی اس کا مانع و مزاحم کسی درجہ میں بھی نہیں ہو سکتا، خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ اس ناتوانی سے مراد قبل پیدائش حالت جنین یا نطفہ کی

بے حقیقتی اور کمزوری ہے، "بعد ضعف" میں ضعف سے مراد بچپن کی ناطاقتی اور بے بسی ہے، قوۃ، سے مراد جوانی اور قوی کے بلوغ اور پختگی کا زمانہ ہے۔ (تفسیر ماجدی)

قیامت کی ہولناکی، منکروں کی محرومی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ {۵۵} وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ {۵۶} فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ {۵۷} وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ {۵۸} كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ {۵۹} فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ {۶۰} الفرقان

جواب ترجمہ: اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرمین قسم کھائیں گے کہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے وہ اسی طرح سے دنیا میں الٹے چلائے جاتے تھے۔ اور جن کو علم اور ایمان دیا گیا وہ کہیں گے کہ بلاشبہ تم اللہ کے نوشتہ میں بعث کے دن تک ٹھہرے ہو، سو یہ بعث کا دن ہے اور لیکن تم نہیں جانتے۔ سو اس دن ظالموں کو ان کی معذرت نفع نہ دے گی اور نہ انہیں اس کا موقع دیا جائے گا۔ اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے عمدہ مضامین بیان کر دیئے ہیں اور اگر آپ ان کے پاس کوئی بھی نشانی لے آئیں تب بھی وہ لوگ جو کافر ہیں۔ یہی کہیں گے کہ تم لوگ صرف باطل والے ہو۔ جو لوگ نہیں جانتے ان کے دلوں پر اللہ یوں ہی مہر کر دیتا ہے۔ سو آپ صبر کیجیے بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور جو لوگ یقین نہیں کرتے وہ لوگ آپ کو بے برداشت نہ بنا دیں۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کے بعض ہولناک مناظر، منکرین کی حسرت وندامت، اور رسولِ اکرم ﷺ کو صبر واستقامت کی تلقین بیان فرمائی ہے۔ ارشاد

ہوتا ہے کہ

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ: جب قیامت قائم ہوگی تو مجرم لوگ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ وہ دنیا یا قبروں میں بہت تھوڑا عرصہ، صرف ایک گھڑی کے برابر ٹھہرے تھے، دنیا میں بھی وہ حق سے پھیر دیے گئے تھے، اسی طرح آخرت میں بھی ان کی عقل و شعور مفقود ہو جائے گا اور وہ اپنے قیام کی صحیح مدت کا اندازہ نہ کر سکیں گے، اس کے برعکس وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا تھا، جیسے انبیاء، ملائکہ اور اہلِ ایمان، وہ کہیں گے کہ

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ: تم اللہ کے مقرر کردہ وقت کے مطابق قیامت کے دن تک ٹھہرے رہے، لیکن تم دنیا میں بعث بعد الموت کا علم اور یقین نہیں رکھتے تھے، اسی لیے تم اس کا انکار کرتے رہے۔ پھر فرمایا کہ

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ: اس دن ظالموں کے جھوٹے عذر اور بہانے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیں گے، نہ ہی ان سے دوبارہ توبہ اور اللہ کی رضا طلب کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا، کیونکہ عمل کا وقت ختم ہو چکا ہو گا اور جزا و سزا کا مرحلہ شروع ہو جائے گا، دنیا دار العمل تھی اور آخرت دار الجزاء ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ: ہم نے اس قرآنِ کریم میں لوگوں کی ہدایت کے لیے ہر قسم کی مثالیں اور دلائل بیان کر دیے ہیں تاکہ حق و باطل واضح ہو جائے، لیکن کفار کا حال یہ ہے کہ اگر آپ ان کے سامنے روشن دلیل اور واضح معجزہ بھی لے آئیں تو وہ یہی کہیں گے کہ

وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ: تم باطل پر ہو اور تمہاری باتیں محض بے اصل ہیں، ان کے اس مسلسل انکار اور ضد کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے، چنانچہ جو لوگ علمِ حق سے محروم رہتے اور ضد و تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو قبولِ حق سے محروم کر دیتا ہے، آخر میں نبی کریم ﷺ کو تسلی اور نصیحت کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ: آپ اپنی قوم کی تکذیب اور

مخالفت پر صبر کیجیے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ آخر کار حق کو غلبہ اور اہلِ ایمان کو کامیابی حاصل ہو گی، لہٰذا وہ لوگ جو قیامت اور اللہ کے وعدوں پر یقین نہیں رکھتے، ان کی بے صبری اور مخالفت آپ کو صبر و استقامت چھوڑنے پر آمادہ نہ کرے، اس میں اہلِ ایمان کے لیے بھی یہ عظیم درس ہے کہ دعوتِ حق کے راستے میں مشکلات اور مخالفتوں کے باوجود صبر، یقین اور ثابت قدمی اختیار کی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت بالآخر اہلِ حق ہی کے لیے ہے۔

الحمدللہ آج سورۃ الروم کے اضافات و ترمیمات کی تکمیل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ وہ اس متواضع تفسیری کاوش کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول و منظور فرمائے، اسے میرے لیے، میرے والدین ماجدین کے لیے، میری آل واولاد کے لیے، میرے معاونین و مساعدین کے لیے، میرے کریم و شفیق اساتذہ کرام کے لیے صدقہ جاریہ بنادے۔ آمین یارب العالمی بحرمۃ النبی الکریم ﷺ

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

۱۰ مئی ۲۰۲۶ء بروز اتوار سوا گیارہ بجے شب

سورۃ لقمان (تعارف)

سوال سورۃ لقمان کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۂ لقمان قرآنِ مجید کی نہایت حکمت آموز اور ایمان افروز سورتوں میں سے ایک ہے، جو اپنے جامع مضامین، بلند اخلاقی تعلیمات اور حکیمانہ نصائح کی وجہ سے خصوصی اہمیت رکھتی ہے، جمہور مفسرین کے نزدیک یہ ایک مکی سورت ہے، البتہ بعض اہلِ تفسیر نے چند آیات کو مدنی قرار دیا ہے، اس کی کل چونتیس آیات ہیں، یہ سورت مکی سورتوں کے عمومی انداز کے مطابق عقیدۂ توحید، رسالت، آخرت، اخلاقِ حسنہ اور انسان کی اصلاحِ باطن پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ: اس مبارک سورت کا نام "لقمان" اس لیے رکھا گیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے ایک نہایت دانا اور صالح بندے، حضرت لقمان حکیم رحمہ اللہ کا تذکرہ بڑی شان سے کیا گیا ہے، خصوصاً ان کی اپنے بیٹے کو کی گئی حکمت بھری نصیحتیں اس سورت کا نمایاں حصہ ہیں، انہی قیمتی وصیتوں اور ایمان افروز تعلیمات کی مناسبت سے اس سورت کو "سورۂ لقمان" کہا جاتا ہے، قرآنِ کریم میں لقمان حکیم کو نبوت کے بجائے "حکمت" عطا ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو فہم، بصیرت اور دانائی کی عظیم نعمت سے نوازتا ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قریشِ مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لقمان حکیم رحمہ اللہ اور ان کی نصیحتوں کے بارے میں سوال کیا تھا، جس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی، اس طرح یہ سورت حکمت، تربیت اور اصلاحِ معاشرہ کا ایک عظیم قرآنی دستور بن کر سامنے آتی ہے۔

اہم مضامین: ① قرآنِ حکیم کی عظمت، سورت کی ابتدا قرآنِ کریم کی شان بیان کرنے سے ہوتی ہے کہ یہ "الکتاب الحکیم" ہے، یعنی سراسر حکمت سے بھرپور کتاب، جو اہلِ ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہے، اس میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ قرآن صرف تلاوت کی کتاب نہیں بلکہ زندگی کی مکمل راہنمائی ہے۔

② لقمان حکیم کی نصیحتیں: اس سورت کا مرکزی اور نہایت اہم حصہ لقمان حکیم کی اپنے بیٹے کو کی گئی

نصائح پر مشتمل ہے، ان نصیحتوں میں توحید، شرک سے اجتناب، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، نماز کی پابندی، نیکی کا حکم، برائی سے روکنا، صبر، عاجزی، نرم گفتاری اور اعتدال جیسی عظیم اخلاقی تعلیمات بیان ہوئی ہیں، یہی نصائح دراصل ایک صالح فرد اور پاکیزہ معاشرے کی بنیاد ہیں۔

③ توحید اور شرک کی تردید: سورۂ لقمان میں بار بار اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت کے دلائل بیان کیے گئے ہیں، آسمان و زمین کی تخلیق، سورج و چاند کا نظام، بارش کا نزول اور کائنات کی بے شمار نعمتیں اس حقیقت کی گواہی دیتی ہیں کہ عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، ساتھ ہی مشرکانہ عقائد، اندھی تقلید اور باطل معبودوں کی بے بسی کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

④ والدین کی عظمت: اس سورت میں والدین خصوصاً ماں کے حقوق اور اس کی قربانیوں کا ذکر انتہائی مؤثر انداز میں کیا گیا ہے، قرآن انسان کو یاد دلاتا ہے کہ ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے اولاد کی پرورش کی، اس لیے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور شکر گزاری ایمان کا اہم تقاضا ہے۔

⑤ اخلاقی اور معاشرتی تربیت: سورۂ لقمان میں انسانی کردار کی اصلاح پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، تکبر، غرور، اونچی آواز، خود پسندی اور بے اعتدالی سے منع کیا گیا، جبکہ تواضع، میانہ روی اور خوش اخلاقی کی تعلیم دی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام صرف عقائد کی اصلاح نہیں کرتا بلکہ انسان کی عملی اور معاشرتی زندگی کو بھی سنوارتا ہے۔

⑥ لہو الحدیث کی مذمت: سورت میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو فضول، گمراہ کن اور لہو و لعب کی باتوں کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے راستے سے دور کرتے ہیں، اس میں ہر اس چیز کی طرف اشارہ ہے جو انسان کو دین، اخلاق اور حق سے غافل کر دے۔

⑦ آخرت اور علمِ غیب: سورت کے آخری حصے میں قیامت، موت، رزق اور علمِ غیب کے متعلق اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت اور علم کا بیان ہے، ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت کا علم، بارش کا نزول، رحمِ مادر کی کیفیت، انسان کل کیا کرے گا اور کس زمین میں مرے گا، یہ سب امور صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اس سے انسان کو اپنی عاجزی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس دلایا گیا ہے۔

کتاب حکیم، محسنین، مفلحین اور جنات نعیم

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

الٓمّٓ {۱} تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ {۲} هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ {۳} الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ {۴} اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ {۵} وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ {۶} وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ {۷} اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ {۸} خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ {۹} لقمان

جواب ترجمہ: الم۔ یہ قرآن حکیم کی آیات ہیں۔ جو اچھے کام کرنے والوں کے لیے ہدایت ہے اور رحمت ہے۔ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔ اور بعض ایسے لوگ ہیں جو ان باتوں کو خریدتے ہیں جو کھیل کی باتیں ہیں تاکہ بغیر علم کے اللہ کے راستے سے ہٹائیں اور اللہ کی راہ کا مذاق بنائیں، ان لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ اور جب ایسے شخص پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو تکبر کرتے ہوئے پیٹھ پھیر دیتا ہے گویا کہ اس نے ان کو سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے، سو آپ اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے نعمتوں والے باغ ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ نے سچا وعدہ فرمایا ہے اور وہ عزیز ہے حکیم ہے۔

خلاصہ تفسیر: الٓمّٓ: یہ حروف مقطعات ہیں، انہی خاص حکمت کی بناء پر کچھ سورتوں کی ابتدا میں رکھا گیا ہے، بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ الف، لام، میم کے تین حرفوں سے اس جملہ کی طرف اشارہ ہے، میں اللہ ہوں، تمام صفات کمال کے ساتھ متصف ہوں، گناہوں کو بخشنا اور اجر و ثواب عطا

فرمانا میرا ہی کام ہے، الف سے انا کی طرف اشارہ ہے جس کا معنی ہے میں اور لام سے اللہ کی طرف اشارہ ہے اور میم سے منی کی طرف اشارہ ہے اور بعض عارفین نے کہا الف سے عارفین کی الفت کی طرف اشارہ ہے اور لام سے اس لطف و کرم کی طرف اشارہ ہے جو وہ محسنین پر فرماتا ہے اور میم سے اس کے مجد (بزرگی) اور ثناء کی طرف اشارہ ہے۔

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ: یہ سورت اور اس کی آیات، کتاب حکیم کی آیات ہیں، یعنی اس قرآن یا اس سورت کی آیات حکمت والے مضامین پر مشتمل ہیں، یا اس قرآن کی آیات محکم ہیں یعنی تغیر و تبدل سے محفوظ ہیں اور ان میں فساد اور جھوٹ محال ہے، یا اس سورت کے احکام منسوخ نہیں ہوں گے۔

هُدًى وَرَحْمَةً لِلْمُحْسِنِينَ: یہ کتاب نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے، اس کو ہدایت اس لیے فرمایا کہ اس کتاب میں نیکی اور پاکیزگی کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے ہدایت ہے، یا زندگی کے ہر شعبہ کو صحیح اور صالح طریقہ سے گزارنے کی ہدایت ہے یا زندگی کے ہر باب میں عبادت کے طریقہ کی ہدایت ہے یا اس کتاب میں ایک فرد، ایک خاندان اور ایک ملک کو فساد اور بگاڑ سے دور رکھنے اور صلاح اور فلاح سے مزین کرنے کی ہدایت ہے اور لوگوں کے عقائد اور اعمال کی صحت اور ثواب اور آخرت میں عذاب سے بچنے اور ثواب کے حاصل کرنے کی ہدایت ہے اور یہ عبادت کرنے والوں کے لیے ہدایت ہے اور عارفین کے لیے دلیل اور حجت ہے، یہ کتاب حق اور صدق کی طرف ہدایت دیتی ہے اور جو اس کی تصدیق کرے اور اس پر عمل کرے اس کے لیے رحمت ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے یہ کتاب محسنین کے لیے رحمت ہے، محسنین سے مراد ہے نیک عمل کرنے والے اور قرآن اور حدیث میں محسنین کا اطلاق صرف نیک عمل کرنے والے مومنین پر کیا جاتا ہے، ہر چند کہ یہ کتاب تمام انسانوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے لیکن اس آیت میں محسنین کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ اس کتاب کی ہدایت اور رحمت سے صرف محسنین ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

محسن اس شخص کو کہتے ہیں جو قرآن مجید کی رسی پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت جبریل نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ احسان کیا چیز ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم اللہ کی

عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔(بخاری) سو جو شخص اس صفت کے ساتھ متصف ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے جمال کا مشاہدہ کرے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے گا وہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو پکڑے گا اور اللہ کی رسی کو پکڑنے کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اس پر اعتماد کرے اس کے کلام کو برحق مانے اور اس کے احکام پر عمل کرے ورنہ اللہ تعالیٰ سمت اور جہت سے پاک ہے۔(تبیان القرآن)

الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ: محسنین کون لوگ ہیں؟ نیکوکار کون لوگ ہیں؟ یہاں سے ان کی صفات بیان کی جارہی ہیں کہ محسنین نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، آخرت پر ایقان رکھتے ہیں، یہ لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں، کامیابی اور کامرانی کا تمغہ انہیں دیا جائے گا، فوز و فلاح ان کے لیے لکھ دی گئی ہے، قرآن کریم اور احادیث نبویہ کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نیکوکاروں کی بے شمار صفات ہیں، لیکن اختصار کے ساتھ بہت ہی اہم، افضل اور بہتر صفات کو اہم ترین مقامات میں ذکر کیا جاتا ہے تاکہ یہ صفات نیکوکاروں کے ہمہ وقت پیش نظر رہیں۔

جیسے اس مقام پر نیکوکاروں کے تذکرہ کے ساتھ ہی ان کی صفات اہمیت کے پیش نظر ذکر کر دی گئیں کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں، نیکوکاروں کی گوناگوں صفات میں یہ صفات اہمیت وافضلیت رکھتی ہیں، اس لیے یہاں ان کا ذکر فرمادیا گیا ہے۔

یہاں فرمایا گیا کہ نیکوکار لوگ اقامت صلوٰۃ کرتے ہیں یعنی نماز قائم کرتے ہیں، نماز قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو اس کی تمام شرائط اور اس کے تمام ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ ادا کرنا اور نماز کی شرائط دو قسم کی ہیں ایک اس کے جواز کی شرائط ہیں یعنی نماز کو اس کے فرائض اور واجبات کے ساتھ اس کے وقت میں ادا کرنا اور نماز کو اس کے سنن اور آداب کے ساتھ پڑھنا، ان شرائط کے ساتھ نماز پڑھنے سے اس کی فرضیت انسان کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے اور دوسری شرائط ہیں نماز کی مقبولیت کی شرائط یعنی نماز کو اخلاص اور خضوع اور خشوع کے ساتھ پڑھا جائے اور جو نماز اخلاص اور تقویٰ یعنی خوف خدا کے جذبہ سے نہیں پڑھی جائے گی وہ قبول نہیں ہو گی۔

اور اقامت صلوۃ کا دوسرا معنی ہے نماز کو حضور قلب کے ساتھ ہمیشہ پڑھنا، اور اقامت صلوۃ کا تیسرا معنی ہے نماز کے اوقات، اس کے ارکان، واجبات سنن اور آداب کی حفاظت کرنا، خلاصہ یہ ہے کہ نماز قائم کرنے کا معنی ہے نماز کو اس کی شرائط کے ساتھ پڑھنا، نماز کو دائماً (ہمیشہ) پڑھنا اور نماز کی حفاظت کرنا، ان معانی پر غور کرنے سے اقامت صلوۃ کا ایک اور معنی حاصل ہوتا ہے اور وہ ہے نماز کی ادائیگی کا نظام قائم کرنا، جو شخص کسی گھر کا بڑا اور سرپرست ہو وہ بچوں کو نماز پڑھنے کی تربیت دے اور مار مار کر ان سے نماز پڑھوائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے بچوں کی عمر سات سال کی ہو جائے تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب ان کی عمر دس سال کی ہو جائے تو ان کو مار مار کر نماز پڑھاؤ اور ان کے بستر الگ الگ کر دو۔ (مسند احمد، سنن بیہقی، تاریخ بغداد)

اور جو افراد اس کے زیر کفالت ہیں ان سے سختی سے نماز پڑھوائے 'قرآن مجید میں ہے: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ (التحریم: ٦) اور ملک کے سربراہ پر لازم ہے کہ وہ دفاتر میں، محکموں میں اور تمام اداروں میں نماز پڑھنے کا نظام قائم کرے اور جو لوگ نماز نہ پڑھیں انہیں قرار واقعی سزا دی جائے 'حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کرتا رہوں حتی کہ وہ یہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور (سیدنا) محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں، پس جب وہ ایسا کر لیں گے تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے، ماسوا حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعیت (ماتحت افراد) کے متعلق سوال کیا جائے گا، امام (سربراہ مملکت) محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت (عوام) کے متعلق سوال کیا جائے گا، ایک شخص اپنے اہل و عیال کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت (زیر کفالت افراد) کے

متعلق سوال کیا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی محافظہ ہے اور اس سے اس کی رعیت (گھر کی چیزوں) کے متعلق سوال کیا جائے گا اور خادم اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا اور ایک شخص اپنے باپ کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا اور تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ (بخاری، ترمذی، مصنف عبد الرزاق)

قاضی ابو ولید محمد بن احمد بن رشد مالکی فرماتے ہیں جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار نہ کرتا ہو، لیکن نماز کا تارک ہو اور کہنے کے باوجود بھی نماز نہ پڑھتا ہو، اس کے متعلق امام احمد، اسحاق اور ابن المبارک نے یہ کہا ہے کہ وہ کافر ہو گیا اور اس کو قتل کرنا واجب ہے اور امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس شخص کو حداً قتل کر دیا جائے اور امام ابو حنیفہ اور اہل ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ اس کو قید کیا جائے اور اس پر تعزیز لگائی جائے حتی کہ وہ نماز پڑھنے لگے۔ (بدلیۃ المجتہد ج ۱ ص ۶۵)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ اور مزنی نے یہ کہا ہے کہ تارک نماز کو قید میں رکھا جائے گا حتی کہ وہ توبہ کر لے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۹۰)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز قائم کرنے کا معنی یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی کا نظام قائم کیا جائے اور ہر حاکم اپنے ماتحت افراد سے نماز پڑھوائے اور ان پر نظر رکھی جائے، جو نماز نہیں پڑھتے ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے اور اگر وہ پھر بھی نماز نہ پڑھیں تو ان کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ھوازن القشیری النیشاپوری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں، اقامت صلوۃ کا معنی یہ ہے کہ نماز کو اس کی ظاہری شرائط کے موافق ادا کیا جائے، شرم گاہ کو ڈھانپا جائے، پہلے وضوء کیا جائے، قبلہ کی طرف منہ کیا جائے، نماز کو اس کا وقت داخل ہونے کے بعد شروع کیا جائے، پاک جگہ میں نماز پڑھی جائے اور نماز کی باطنی شرائط کے مطابق نماز پڑھی جائے، اپنے دل و دماغ کو دنیاوی افکار اور تعلقات سے خالی کر لیا جائے، اپنے تمام عیوب اور گناہوں سے توبہ کر کے اپنے دل کو پاک اور صاف کر لیا جائے، کیونکہ وہ جہاں بھی ہو گا اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہو گا، پس اگر وہ چاہتا ہے کہ اللہ

تعالیٰ اس کے عیوب کو نہ دیکھے تو وہ عیوب اور گناہوں کے اقدام سے باز رہے، یہ باطنی شرم گاہ کا چھپانا ہے اور باطنی جگہ کی پاکیزگی یہ ہے کہ اس کے دل میں کوئی دعویٰ بلا تحقیق نہ ہو اور باطنی وقت کے دخول کا معنی یہ ہے کہ اس کو علم ہو کہ اس کا دل اس وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھکا ہوا ہے اور متذلل اور متواضع ہے اور بڑائی اور تکبر سے خالی ہے اور اپنے دل کے قبلہ کی طرف متوجہ ہو اور اس کا دل پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ (لطائف الاشارات، بحوالہ تبیان القرآن)

وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ: یہاں نیکوکاروں کی دوسری صفت بیان کی جارہی ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، زکوٰۃ کا لغوی معنیٰ پاکیزہ اور صالح ہونا ہے، قرآن کریم کی سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا گیا کہ جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلیا وہ کامیاب ہوگیا۔ زکوٰۃ صاحب نصاب مسلمان پر فرض ہے، زکوٰۃ کے آٹھ مصارف قرآن کریم میں بیان کیے گئے ہیں، جس کی تفصیل سورۃ التوبہ کے متعلقہ مقام پر لکھی جاچکی ہے۔

وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ: نیکوکاروں کی ایک اور صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں، آخرت سے مراد ہے دار آخرت جہاں اعمال کی جزاء دی جائے گا، اس کو آخرت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دنیا سے متاخر ہے اور فرمایا وہی یقین رکھتے ہیں، یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے میں اور حساب و کتاب میں کوئی شک نہیں رکھتے، اہل اللہ کے نزدیک دنیا حجابات جسمانیہ ظلمانیہ کا نام ہے اور آخرت حجابات روحانیہ نورانیہ کا نام ہے اور سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ جسمانی حجاب اتارے اور روحانی حجاب کی طرف متوجہ ہو پھر ان حجابات کو بھی اتارے اور حقیقت کا مشاہدہ کرے۔ (تبیان القرآن)

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ: یہاں ان نیکوکاروں اور محسنین کے لیے تمغہ بیان کیا جارہا ہے کہ یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، انسان کے ہدایت پر ہونے کی چار نشانیاں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ جب اس سے کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو ندامت و شرمندگی اختیار کرے اور اس کے بعد توبہ کرے، جب اس پر دنیوی مصیبت وافتاد آن پڑے تو صبر، حوصلے اور برداشت سے کام لے، اس کی زبان پر اناللہ وانا الیہ راجعون کے کلمات جاری ہوں، جب اسے کوئی نعمت ملے تو اللہ تعالیٰ

کی حمد وثناء کے ساتھ اس کا شکر بجالائے، جب کسی پر احسان کرے تو محسن (نیکوکار) کسی کو احسان نہ جتائے، جب کسی کو اپنے برے کام پر افسوس ہو اور نیک کام پر خوشی محسوس ہو تو یہ ایمان پر قائم رہنے کی نشانی ہے۔

وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ: یہ محسنین (نیکوکاروں) کے لیے دوسرا تمغہ بیان کیا جارہا ہے کہ یہ لوگ فلاح پاگئے، مفلحون مفلح کی جمع ہے، مفلح وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرلے، اسے دردوتکلیف سے نجات مل جائے، یہ مقام اس شخص کو نصیب ہوگا جس کے عقائد قرآن وسنت کے مطابق ہوں، جو ہمہ وقت نیک اعمال کے ساتھ جڑا رہے، برے اعمال سے بچتا رہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ: مفتی عاشق الٰہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرآن پر ایمان لانے والوں کے اعمال اور ان کے ہدایت پر کامیاب ہونے کی بشارت دینے کے بعد قرآن کا انکار کرنے والوں اور اس کے مقابلہ میں بعض چیزیں اختیار کرنے والوں کا شغل پھر ان کے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے جو قرآن کے مخالف رویہ رکھتے ہیں اور قرآن سے خود بھی دور رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

شان نزول: کلبی اور مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہ شخص تجارت کی غرض سے ایران جاتا تھا اور وہاں عجمیوں کے قصے کہانیاں خرید لاتا تھا اور وہ قصے قریش کو سنایا کرتا تھا اور ان سے کہتا تھا کہ محمد تمہیں عاد وثمود کے قصے سناتا ہے اور میں تمہیں رستم اور اسفندیار اور ایرانی شہنشاہوں کی داستانیں سناتا ہوں قریش کے لوگ اس کی داستانوں میں دل چسپی لیتے تھے اور قرآن کا سننا ترک کردیتے تھے اس پر اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (اسباب النزول)

لَهْوَ الْحَدِيثِ: ہر وہ بات جو اللہ کی یاد سے غافل کرے اور کھیل میں لگائے، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے **لَهْوَ الْحَدِيثِ** کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: **هُوَ كُلُّ مَا شَغَلَكَ عَنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ ذِكْرِهٖ** یعنی ہر وہ چیز جو اللہ کی عبادت سے ہٹائے وہ **لَهْوَ الْحَدِيثِ** ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے **غِنَاء** یعنی گانا بجانا مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ بات

منقول ہے۔ حضرت مکحول تابعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے گانے بجانے والی لونڈیاں مراد ہیں۔ (روح المعانی)

قرآن مجید میں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ فرمایا ہے۔ اِشْتَرٰی کے لغوی معنی خریدنے کے ہیں اور ایک کام کے بدلہ دوسرے کام کو اختیار کرنے کے لیے بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ میں استعمال ہوا ہے، یہاں آیت کریمہ میں جو يَشْتَرِيْ فرمایا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بعض لوگ قرآن کو چھوڑ کر اس کے عوض لَهْوَ الْحَدِيْثِ کو اختیار کر لیتے ہیں یعنی کھیلنے کی چیزوں میں لگ جاتے ہیں۔ (انوار البیان)

وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَأَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا: ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو غرور سے پشت پھیر لیتا ہے (ان کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا) گویا اس نے آیات کو سنا ہی نہیں، ایسا لگتا ہے كَأَنَّ فِيْ أُذُنَيْهِ وَقْرًا جیسے اس کے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے، ڈاٹ سے مراد ہے ثقل سماعت گراں گوشی جو سننے سے روکتی ہے۔ (مظہری)

فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ آپ اس کو دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے، عَذَابٍ اَلِیم کی اطلاع خوش خبری نہیں ہوتی بطور استہزا اس کو بشارت فرمایا (مطلب یہ کہ ہر بشارت سے محروم ہے، کسی بشارت کا مستحق نہیں، اگر اس کے لیے بشارت ہے تو بس یہی کہ وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوگا۔ (مظہری)

إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ: یہاں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنات نعیم (نعمتوں والی جنتیں) کی خوشخبری سنا رہے ہیں جو ایمان لائے، ایمان کوئی معمولی دولت نہیں ہے، جسے ایمان کی دولت نصیب ہوگئی گویا کہ اسے سب کچھ مل گیا، قرآن کریم اور احادیث میں جگہ جگہ ایمان کی اہمیت و فضیلت بیان کی گئی ہے،

مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورۃ لقمان کی اس آیت میں جن جنات النعیم کا ذکر ہے یہ جنات الفردوس اور جنات عدن کے درمیان ہیں اور اس میں ایسی لڑکیاں ہیں جو جنت کے گلاب کے پھول سے پیدا کی گئیں، کہا گیا اس میں کون رہے گا فرمایا وہ لوگ جنہوں نے گناہوں کا ارادہ کیا مگر

جب انہوں نے میری عظمت کو یاد کیا تو وہ مجھ سے ڈرنے لگے اور وہ لوگ کہ جن کی پشتیں میرے ڈر کی وجہ سے دہری ہو گئیں۔ (در منثور)

خَالِدِينَ فِيهَا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ: جو اللہ پر ایمان لائے رسول ﷺ کو مانتے رہے شریعت کی ماتحتی میں نیک کام کرتے رہے ان کے لیے جنتیں ہیں جن میں طرح طرح کی نعمتیں، لذیذ غذائیں، بہترین پوشاکیں، عمدہ عمدہ سواریاں، پاکیزہ نورنی چہروں والی بیویاں ہیں، وہاں انہیں اور ان کی نعمتوں کو دوام ہے کبھی زوال نہیں، نہ تو یہ مریں نہ ان کی نعمتیں فناہوں نہ کم ہوں نہ خراب ہوں، یہ حتماً اور یقیناً ہونے والا ہے کیونکہ اللہ فرما چکا ہے اور رب کی باتیں بدلتی نہیں اس کے وعدے ٹلتے نہیں۔ (ابن کثیر) وہ ذات زبردست ہے، حکمت والی ہے۔

آسمان، زمین، پہاڑوں کا خالق اللہ ہی ہے

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ {۱۰} هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ {۱۱} لقمان

جواب ترجمہ: اللہ نے آسمانوں کو بلاستون پیدا فرمایا تم اسے دیکھ رہے ہو اور زمین میں پہاڑ ڈال دیئے کہ وہ تم کو لے کر ڈانواں ڈول نہ ہو اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیئے، اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا سو ہم نے زمین میں ہر قسم کے اچھے پھل اگا دیئے۔ یہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں سو تم مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیا جو اس کے علاوہ ہیں؟ بلکہ بات یہ ہے کہ ظالم لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ہماری نگاہیں دیکھتی ہیں کہ یہاں چھوٹی سی چھوٹی عمارت بھی سہارے، سپورٹ اور دیوار یا ستون کے بغیر کھڑی نہیں ہو سکتی، ایسے میں وسیع و عریض آسمان کا ستونوں کے بغیر خیمہ زن ہونا یہ قدرت والے کی کاریگری اور صناعی ہے، مفتی عاشق الٰہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دو آیتیں ہیں،

پہلی آیت میں آسمان کی تخلیق اور زمین کے بعض احوال بیان فرمائے، اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے پیدا فرمایا ہے تم آسمان کو دیکھ رہے ہو کہیں بھی کوئی ستون نہیں ہے اتنے بڑے اور بھاری ساتوں آسمان محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قائم ہیں انہیں قائم رکھنے کے لیے اسے ستون بنانے اور ان پر قائم رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اس کے بعد پہاڑوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا کہ

وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ: اللہ تعالیٰ نے زمین میں بڑے بڑے بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے تاکہ وہ تمہیں لے کر حرکت نہ کریں اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے تو سمندر کے پانیوں کی وجہ سے جو اسے گھیرے ہوئے ہیں اور سخت تیز ہواؤں کی وجہ سے زمین حرکت کرتی رہتی جب وہ حرکت کرتی تو بنی آدم بھی اس کے ساتھ متحرک ہوتے، گرتے پڑتے اور کوئی کام نہ کر پاتے، یوں تو اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ پہاڑوں کے بغیر بھی زمین کو ہلنے جلنے سے محفوظ رکھے لیکن اس نے اسباب کے طور پر اس پر پہاڑ پیدا فرما دیئے، اسی لیے جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے تو پہاڑوں کے ہوتے ہوئے بھی زمین میں زلزلہ آجاتا ہے اور قیامت کے دن تو زمین میں پوری طرح بھونچال آنا ہی ہے جسے إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا میں بیان فرمایا ہے۔ یاد رہے کہ آیت کریمہ میں جس حرکت کی نفی فرمائی ہے اس سے زلزلہ جیسی حرکت مراد ہے، اگر زمین کی حرکت مستدیرہ ہو جیسا کہ اہل سائنس کہنے لگے ہیں تو آیت کریمہ میں اس کی نفی نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ

وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ: اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہر طرح کے چوپائے پیدا فرما دیئے، یہ چوپائے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں، چرتے پھرتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں اور انسانوں کی ضرورت میں کام آتے ہیں۔

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ: اللہ تعالیٰ نے آسمان سے زمین پر پانی برسایا جو بارہا برستا ہے اور برستا رہتا ہے، اس پانی کی وجہ سے مختلف انواع کی چیزیں پیدا ہوتی رہتی ہیں جو انسانوں کے بھی کام آتی ہیں اور ان کے چوپایوں کو بھی ان میں سے چارہ ملتا ہے۔ (انوار البیان)

هَٰذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ: هَٰذَا اسم اشارہ کا مشار الیہ وہ چیزیں ہیں جو گزشتہ آیت میں بیان کی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے، جو ان چیزوں

کا خالق ہے صرف وہی عبادت کے لائق ہے، مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے سوا جو معبود تجویز کر رکھے ہیں وہ تو عاجز محض ہیں اگر انہوں نے کوئی چیز پیدا کی ہو تو دکھاؤ وہ کیا ہے، جب کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور تمہارے تجویز کیے ہوئے باطل معبود بھی اس کی مخلوق ہیں اور ان کے عاجز ہونے کا یہ عالم ہے کہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ تو انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ اللہ تعالیٰ کے سوا معبود تجویز کرنا صریح گمراہی ہے، اس بات کو واضح فرمانے کے لیے آیت کریمہ کو بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ پر ختم فرمایا۔ (انوار البیان)

حضرت لقمان حکیم کی بیٹے کو نصیحتیں

سوال حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو کیا نصیحت کی تھی اسے بیان کیجیے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ {۱۲} وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ {۱۳} وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ {۱۴} وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ {۱۵} يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ {۱۶} يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ {۱۷} وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ {۱۸} وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ {۱۹} لقمان

جواب ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ: میرے

بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، یقین جانو شرک بڑا بھاری ظلم ہے، اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے بارے میں یہ تاکید کی ہے۔ (کیونکہ) اس کی ماں نے اسے کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے پیٹ میں رکھا، اور دو سال میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے۔ کہ تم میرا شکر ادا کرو، اور اپنے ماں باپ کا، میرے پاس ہی (تمہیں) لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ تم پر یہ زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو (خدائی میں) شریک قرار دو جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں تو ان کی بات مت مانو، اور دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی سے رہو، اور ایسے شخص کا راستہ اپناؤ جس نے مجھ سے لو لگا رکھی ہو۔ پھر تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، اس وقت میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ (لقمان نے یہ بھی کہا) بیٹا! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر بھی ہو، اور وہ کسی چٹان میں ہو، یا آسمانوں میں یا زمین میں، تب بھی اللہ اسے حاضر کر دے گا۔ یقین جانو اللہ بڑا باریک بیں، بہت باخبر ہے۔ بیٹا! نماز قائم کرو، اور لوگوں کو نیکی کی تلقین کرو، اور برائی سے روکو، اور تمہیں جو تکلیف پیش آئے، اس پر صبر کرو۔ بیشک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ اور لوگوں کے سامنے (غرور سے) اپنے گال مت پھلاؤ، اور زمین پر اتراتے ہوئے مت چلو۔ یقین جانو اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں اعتدال اختیار کرو اور اپنی آواز آہستہ رکھو، بیشک سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔

خلاصہ تفسیر: حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحتیں کی تھیں، اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، اگر ایسا کرے گا تو تو اپنی جان پر ظلم کرے گا، شرک بڑے گناہوں میں سے ہے اور بہت بری بات ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اگر تیرے والدین تجھے شرک کرنے کا کہیں یا یہ کہیں کہ تو اللہ کی نافرمانی کر تو اس صورت میں ان کی بات نہ مان، اس لیے کہ پیدا کرنے والے کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے اور دنیا میں ماں باپ کا ان چیزوں میں ساتھ دیتے رہو جن میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اے میرے بیٹے! یہ بات جان لے کہ اگر برائی یا نیکی ایک رائی کے دانے برابر بھی ہو گی، انتہائی چھوٹی ہو گی، کسی پہاڑ کے اندر بھی چھپی ہوئی ہو گی یا آسمان و زمین کے کسی بھی حصے میں ہو گی تو اللہ

تعالیٰ اسے قیامت کے دن لائے گا، اس کا وہ حساب کرے گا، بے شک اللہ اپنے بندوں کو باریک بینی سے دیکھ رہا ہے، وہ ان کے اعمال کی اچھی طرح خبر رکھتا ہے۔ اے میرے بیٹے! نماز ادا کرتے رہو، اس کے ارکان، اس کی شرائط اور واجبات کی مکمل طور پر رعایت کرتے ہوئے۔

اے میرے بیٹے! نیکی کی دعوت دیتے رہو، لوگوں کو اپنی ہمت کے مطابق نرمی، پیار اور حکمت کے ساتھ برائی سے روکتے رہو، نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے روکنے کی وجہ سے اگر تمہیں کوئی دکھ اور تکلیف پہنچے تو اسے برداشت کرو، اور یہ بات جان لو کہ یہ وصیتیں ان باتوں میں سے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، یہ ان باتوں میں سے ہیں جن پر انسان کو حریص ہونا چاہیے۔

اے میرے بیٹے! جب تو لوگوں سے بات کرے یا جب وہ تیرے ساتھ بات کریں تو ان سے اپنے چہرے کو انہیں حقیر جانتے ہوئے اور تکبر کرتے ہوئے نہ پھیر۔ اے میرے بیٹے! لوگوں کے درمیان زمین میں اکڑتے ہوئے اور تکبر کرتے ہوئے نہ چل، بے شک اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو پسند نہیں کرتے جو اپنے دل میں، اپنی چال ڈھال میں، اپنے قول و قرار میں تکبر کرے، اپنی رفتار میں عاجزی اختیار کر۔ اے میرے بیٹے! اپنی آواز کو پست رکھو، اونچا نہ بولو، بے شک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ: یہ حضرت لقمان کی نصیحتوں کے درمیان ایک جملہ معترضہ ہے جو اس مناسبت سے لایا گیا ہے کہ حضرت لقمان تو اپنے بیٹے کو شرک سے بچنے اور توحید کا عقیدہ رکھنے کی تاکید کر رہے تھے، دوسری طرف مکہ مکرمہ کے بعض مشرکین، جو حضرت لقمان کو ایک دانش مند شخص سمجھتے تھے، جب ان کی اولاد نے توحید کا عقیدہ اختیار کیا تو وہ انہیں دوبارہ شرک اختیار کرنے پر زور دے رہے تھے، اور اولاد پریشان تھی کہ وہ ان ماں باپ کے ساتھ کیا سلوک کرے، اللہ تعالیٰ نے پہلے تو یہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے ہی انسان کو یہ تاکید کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے والدین کا بھی شکر ادا کرے، کیونکہ اگرچہ اسے پیدا تو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے؛ لیکن ظاہری اسباب میں والدین ہی اس کا سبب بنے ہیں، پھر والدین میں سے بھی

خاص طور پر ماں کی مشقتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ کتنی محنت سے اس نے بچے کو پیٹ میں اٹھائے رکھا، اور دو سال تک اسے دودھ پلایا، اور بچے کی پرورش میں دودھ پلانے کا زمانہ ماں کے لئے سب سے زیادہ محنت کا ہوتا ہے، اس لئے ماں بطور خاص اولاد کی طرف سے اچھے سلوک کی مستحق ہے، لیکن اس اچھے سلوک کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان اپنے دین اور عقیدے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے بجائے ماں باپ کا حکم ماننا شروع کر دے، اسی لئے اس آیت میں والدین کا شکر ادا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا شکر ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے؛ کیونکہ والدین تو صرف ایک ذریعہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی پرورش کے لئے پیدا کر دیا ہے، ورنہ خالق حقیقی تو خود اللہ تعالیٰ ہیں، لہٰذا ایک ذریعے کی اہمیت کو خالق حقیقی کی اہمیت سے بڑھایا نہیں جاسکتا۔ (توضیح القرآن للشیخ تقی عثمانی)

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا: دین کے معاملے میں اگر والدین کوئی غلط بات کہیں تو ان کی بات ماننا تو جائز نہیں ہے؛ لیکن ان کی بات رد کرنے کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے جو ان کے لئے تکلیف دہ ہو، یا جس سے وہ اپنی توہین محسوس کریں، بلکہ نرم الفاظ میں ان کو بتادینا چاہیے کہ میں آپ کی یہ بات ماننے سے معذور ہوں اور صرف اتنا ہی نہیں اپنے عام برتاؤ میں بھی ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرتے رہنا چاہیے، مثلاً ان کی خدمت کرنا، ان کی مالی امداد کرنا، وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی تیمار داری کرنا وغیرہ۔

چونکہ والدین غلط راستے پر ہیں، اس لئے ان کا غلط راستہ اپنانا جائز نہیں؛ بلکہ راستہ انہی کا اپنانا چاہئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق قائم کیا ہوا ہو، یعنی وہ اسی کی عبادت اور اطاعت کرتے ہوں، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دین پر عمل بھی صرف اپنی سمجھ اور رائے سے نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ جن لوگوں کے بارے میں یہ بات واضح طور پر معلوم ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے لو لگائی ہوئی ہے، ان کو دیکھنا چاہیے کہ انہوں نے دین پر کس طرح عمل کیا، اور پھر انہی کا راستہ اختیار کرنا چاہیے، اسی لئے کہا جاتا ہے اور بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ قرآن و حدیث کے صرف ذاتی مطالعے پر کوئی ایسا نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے، جو امت کے علماء اور بزرگوں کی تشریح کے

خلاف ہو۔ (توضیح القرآن)

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ: یہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا بیان ہے جو لوگ آخرت کا انکار کرتے تھے، وہ یہ کہا کرتے تھے کہ جب انسان کے مرنے کے بعد اس کے سارے اجزاء منتشر ہو جائیں گے تو انہیں کیسے جمع کیا جاسکے گا؟ حضرت لقمان نے بیٹے کو بتایا کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بھی زمین و آسمان کی کسی بھی پوشیدہ جگہ چلا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور وہ اسے نکال لانے پر پوری طرح قادر ہے۔ یاد رہے کہ جب جس کسی شخص کی کوئی چیز گم ہو جائے تو اسے تلاش کرنے کے لئے بعض بزرگوں نے بتایا ہے کہ گیارہ مرتبہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھ کر سورۃ لقمان کی یہ آیت تلاوت کی جاتی رہے تو عموماً وہ گمشدہ چیز مل جاتی ہے۔ بندہ نے بھی اس کا درجنوں بار تجربہ کیا ہے۔ (توضیح القرآن للشیخ تقی عثمانی)

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ: یعنی انسان کو درمیانی رفتار سے چلنا چاہیے، رفتار نہ اتنی تیز ہو کہ بھاگنے کے قریب پہنچ جائے اور نہ اتنی آہستہ کہ سستی میں داخل ہو جائے، یہاں تک کہ جب کوئی شخص جماعت سے نماز پڑھنے جا رہا ہو تو اس کو بھی آنحضرت ﷺ نے بھاگنے سے منع فرما کر وقار اور سکون کے ساتھ چلنے کی تاکید فرمائی ہے۔

آواز آہستہ رکھنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسان اتنا آہستہ بولے کہ سننے والے کو دقت پیش آئے، بلکہ مراد یہ ہے کہ جن کو سنانا مقصود ہے ان تک تو آواز وضاحت کے ساتھ پہنچ جائے، لیکن اس سے زیادہ چیخ چیخ کر بولنا اسلامی آداب کے خلاف ہے، یہاں تک کہ کوئی شخص درس دے رہا ہو، یا وعظ کر رہا ہو تو اس کی آواز اتنی ہی بلند ہونی چاہیے جتنی اس کے مخاطبوں کو سننے سمجھنے کے لئے ضرورت ہے، اس سے زیادہ آواز بڑھانے کو بھی اس آیت کے تحت بزرگوں نے منع فرمایا ہے، اس حکم پر خاص طور سے ان حضرات کو غور کرنے کی ضرورت ہے جو بلا ضرورت اسپیکر کا استعمال کر کے لوگوں کے لئے تکلیف کا باعث بنتے ہیں۔ (توضیح القرآن)

حضرت لقمان حکیم، حکمت، دانائی اور بصیرت کا روشن مینار

قرآنِ کریم میں جن عظیم شخصیات کا تذکرہ بطورِ نمونۂ ہدایت و حکمت کیا گیا ہے، ان میں حضرت لقمان حکیم رحمہ اللہ کا نام نہایت نمایاں حیثیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے سورۂ لقمان میں ان کا ذکر انتہائی اعزاز کے ساتھ فرمایا: وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ یعنی بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی، یہی قرآنی تعبیر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت لقمان رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی دانائی، گہری بصیرت، صحیح فہم اور پاکیزہ کردار سے نوازا تھا، اگرچہ جمہور مفسرین کے نزدیک وہ نبی نہیں تھے، لیکن اللہ کے ایسے برگزیدہ بندے تھے جنہیں حکمت و معرفت کی دولت عطا ہوئی اور جن کی نصیحتیں رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے مشعلِ راہ بن گئیں۔

قدیم مؤرخین اور مفسرین رحمہم اللہ کے مطابق حضرت لقمان افریقی نسل سے تعلق رکھتے تھے، بیشتر روایات انہیں حبشی یا نوبی سیاہ فام شخصیت قرار دیتی ہیں، بعض روایات کے مطابق وہ ابتدا میں غلام تھے، مگر اپنے اعلیٰ اخلاق، دانائی اور دیانت داری کے باعث عزت و وقار کے بلند مقام تک پہنچے، یہ اسلامی تعلیمات کا عظیم درس ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت و فضیلت رنگ، نسل اور حسب و نسب سے نہیں بلکہ تقویٰ، علم اور کردار سے حاصل ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک غلام منش انسان کو قرآنِ مجید نے قیامت تک کے لیے حکمت و دانائی کی علامت بنا دیا۔

اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لقمان رحمہ اللہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں تھے، بعض آثار میں یہ بھی مذکور ہے کہ انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے دور سے استفادہ کیا اور ان کی نبوی تعلیمات سے فیض حاصل کیا، ان کے پیشے کے بارے میں مختلف اقوال ملتے ہیں، بعض نے انہیں چرواہا، بعض نے درزی اور بعض نے بڑھئی بتایا ہے، مگر ان کے اصل تعارف کا مرکز ان کا پیشہ نہیں بلکہ ان کی حکمت، تقویٰ اور بلند اخلاق ہیں۔

مفسرین رحمہم اللہ نے ان کی جن صفات کا ذکر کیا ہے، وہ نہایت ایمان افروز ہیں، وہ غور و فکر کرنے والے، خاموش طبع، سچے، امانت دار اور غیر ضروری باتوں سے بچنے والے انسان تھے، ایک روایت میں

ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کو یہ بلند مرتبہ کیسے حاصل ہوا؟ تو انہوں نے جواب دیا: "سچ بولنے، امانت ادا کرنے اور فضول امور سے بچنے کی وجہ سے"۔ یہی وہ صفات ہیں جو انسان کو دنیا و آخرت میں عزت عطا کرتی ہیں، حضرت لقمان رحمہ اللہ کی زندگی اس حقیقت کی روشن مثال تھی کہ حکمت محض کتابی علم کا نام نہیں بلکہ پاکیزہ کردار، صحیح فکر اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کا ثمر ہے۔

قرآنِ کریم نے خصوصیت کے ساتھ ان کی اپنے بیٹے کو کی جانے والی نصیحتوں کو محفوظ فرمایا ہے، یہ نصیحتیں دراصل ایک مکمل تربیتی منشور ہیں، جن میں عقیدۂ توحید، والدین کے حقوق، نماز کی پابندی، نیکی کا حکم، برائی سے روکنا، صبر، عاجزی اور حسنِ اخلاق جیسے بنیادی اسلامی اصول نہایت جامع انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنے بیٹے کو شرک سے بچنے کی تلقین کی اور فرمایا: يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ یعنی اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی حکمت کی بنیاد توحید اور اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔

حضرت لقمان حکیم رحمہ اللہ کی شخصیت عربی ادب اور حکمت کی تاریخ میں بھی نمایاں مقام رکھتی ہے، جاہلی عرب بھی ان کی دانائی کے قصے جانتے تھے اور ان کے اقوال کو بطورِ مثال پیش کرتے تھے، قرآنِ کریم نے ان کا ذکر کرکے یہ واضح فرمایا کہ حکمت کسی خاص قوم، نسل یا طبقے کی میراث نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے نواز دیتا ہے۔

لقمان حکیم رحمہ اللہ کے مالک نے ایک مرتبہ ان سے کہا: "ہمارے لیے ایک بکری ذبح کرو اور اس میں سے سب سے بُری چیز میرے پاس لاؤ۔" لقمان حکیم رحمہ اللہ نے بکری ذبح کی اور اس کی زبان اور دل لاکر پیش کر دیے۔ پھر دوسری مرتبہ مالک نے کہا: "ایک بکری ذبح کرو اور اس میں سے سب سے اچھی چیز میرے پاس لاؤ۔" اس بار بھی لقمان حکیم نے بکری ذبح کی اور اس کا دل اور زبان ہی لاکر پیش کر دیے۔ مالک نے حیرت سے پوچھا: "یہ کیا؟" لقمان حکیم نے جواب دیا": جب یہ دونوں اچھے ہوں تو ان سے بہتر کوئی چیز نہیں، اور جب یہ خراب ہو جائیں تو ان سے زیادہ بری بھی کوئی چیز

نہیں۔" (تفسیر الوسیط للطنطاوی)

حضرت لقمان رحمہ اللہ کا تذکرہ انسان کو یہ سبق دیتا ہے کہ حقیقی عظمت مال و دولت، اقتدار یا ظاہری شان و شوکت میں نہیں بلکہ ایمان، حکمت، تقویٰ، اخلاق اور خیر خواہی میں ہے، یہی وجہ ہے کہ صدیوں گزر جانے کے باوجود ان کی حکمت آج بھی دلوں کو روشنی عطا کرتی اور انسان کو سیدھی راہ دکھاتی ہے۔

نعمت الٰہی کا اعتراف اور اندھی تقلید کی مذمت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾ لقمان

جواب ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ اللہ نے تمہارے لیے وہ سب کچھ مسخر فرما لیا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں بھرپور انڈیل دی ہیں، اور لوگوں میں بعض لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمائی تو کہتے ہیں کہ بلکہ ہم تو اس چیز کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے کیا باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگرچہ ان کے باپ دادوں کو شیطان عذاب دوزخ کی طرف بلا رہا ہو۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ ان آیاتِ مبارکہ میں انسان کو اپنی بے شمار نعمتوں کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ: کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے فائدے کے لیے مسخر کر رکھا ہے، سورج، چاند، ستارے

اور دیگر اجرامِ فلکی اپنے مقررہ نظام کے تحت انسان کی خدمت میں مصروف ہیں، اور زمین کی مخلوقات، جانور، درخت، کھیتیاں اور نباتات بھی انسان کے نفع و آرام کا سامان بنی ہوئی ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت، حکمت اور رحمت کی روشن نشانیاں ہیں۔

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً: اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں بھی پوری فرمادی ہیں، ظاہری نعمتوں میں خوبصورت جسم، متوازن ساخت، صحت، رزق اور دنیا کی آسائشیں شامل ہیں، جبکہ باطنی نعمتوں میں عقل، فہم، علم، شعور، ایمان اور معرفتِ الٰہی جیسی عظیم نعمتیں داخل ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ: اس قدر واضح نعمتوں کے باوجود بعض لوگ اللہ کی توحید کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس نہ کوئی آسمانی دلیل ہے، نہ روشن عقل اور نہ اللہ کی نازل کردہ کوئی واضح کتاب۔ پھر اللہ تعالیٰ مشرکین کی گمراہی کا ایک اہم سبب بیان فرماتا ہے کہ

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا: جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی اور اس کے رسول کی تعلیمات کی پیروی کرو، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اسی راستے پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے، گویا ان کے نزدیک آباؤ اجداد کی رسمیں ہی حق و باطل کا معیار ہیں، قرآنِ کریم اس اندھی تقلید کی شدید مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ

اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ: کیا یہ لوگ اپنے بڑوں کی پیروی اس وقت بھی کریں گے جب شیطان انہیں گمراہ کرکے جہنم کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو؟

جس نے مضبوط کڑا تھام لیا

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے نیز یہ بتائیے کہ یہاں **فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى** کا کیا معنیٰ ہے؟

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ {۲۲} لقمان.

جواب ترجمہ: اور جو شخص فرمانبردار بن کر اپنا رخ اللہ کی طرف کر دے، اور نیک عمل کرنے والا ہو، تو اس نے یقیناً بڑا مضبوط کڑا تھام لیا۔ اور تمام کاموں کا آخری انجام اللہ ہی کے حوالے ہے۔

خلاصہ تفسیر: جو شخص اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو اور اسی کی اطاعت کا قصد کرتا ہو اور وہ اپنی عبادت میں محسن ہو اور اس قدر خوف سے ڈرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو، حدیث میں ہے حضرت جبریل نے نبی ﷺ سے پوچھا: مجھے بتایئے احسان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو (یہ یقین رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

اور اس کا معنیٰ یہ بھی ہے کہ وہ تمام شرائط، ارکان، واجبات، سنن اور آداب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔ اور فرمایا: اس نے ایک مضبوط دستہ کو پکڑ لیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس سے مراد ہے لا الہ الا اللہ۔

بعض مفسرین نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جس شخص نے اپنے چہرے کو اللہ کی بارگاہ میں جھکا دیا ہو، اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے آپ کو بالکلیہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور اس کے حوالے کر دیا جس طرح بیچنے والا کسی چیز کو فروخت کر کے خریدار کے حوالے کر دیتا ہے اور اس سے یہ بھی مراد ہے جو شخص اللہ تعالیٰ پر پورا پورا توکل کرے۔

العُرْوَةِ الْوُثْقٰى: کا معنیٰ مضبوط کڑا ہے جسے **حَبْلُ اللّٰه** بھی کہا گیا ہے۔ آدمی جب گرنے یا ڈوبنے لگتا ہے تو وہ کسی نہ کسی چیز کو تھامنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ گرنے اور ڈوبنے سے بچ جائے اگر اس کا ہاتھ مضبوط کڑے کو پڑ جائے تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ وہ گرنے سے بچ جائے گا۔ یہی حقیقی ایمان کا فائدہ ہے۔ کہ جس آدمی کا اپنے رب پر سچا اور پکا ایمان ہو تو وہ کسی صورت بھی کفر و شرک کے گڑھے میں نہیں گرتا اس فرمان سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو اپنا ایمان اللہ تعالیٰ پر مضبوط سے مضبوط تر رکھنا چاہیے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (اور جو شخص اپنی ذات کو اللہ کا فرمانبردار بنا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو اس نے مضبوط کڑے کو اچھی طرح سے پکڑ لیا) یعنی جس نے اپنے جسم اور جان

کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنا دیا (عقائد میں بھی اعمال میں بھی) اور اس کی یہ فرمانبرداری اخلاص کے ساتھ ہے، ظاہر اور باطن دونوں یکساں ہیں تو اس نے بڑے مضبوط کڑے کو پکڑ لیا، یعنی ایسے دین کو اختیار کیا جو ہلاکت و خسران اور تباہی سے پوری طرح محفوظ ہونے کا سبب بن گیا اور اس کی وجہ سے وہ دارالعذاب یعنی دوزخ میں جانے سے بچ گیا اور اس نے جو دین اختیار کیا یہ دین اسے دارالنعیم یعنی جنت میں لے جانے کا ضامن بن گیا۔ دین توحید مضبوط حلقہ ہے جو ٹوٹنے والا نہیں ہے، جیسا کہ سورۃ بقرہ میں لَا انْفِصَامَ لَهَا فرمایا ہے۔ (انوار البیان)

کافروں کا انجام اور اللہ تعالیٰ کی کامل حاکمیت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ {۲۳} نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ {۲۴} وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ {۲۵} لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ {۲۶} لقمان

جواب ترجمہ: اور جو کوئی شخص کفر اختیار کرے تو اس کا کفر آپ کو رنجیدہ نہ کرے ان سب کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے سو ہم انہیں وہ عمل بتا دیں گے جو انہوں نے کیے، بلاشبہ اللہ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں۔ ہم انہیں چند روزہ عیش دیں گے پھر انہیں سخت عذاب کی طرف مجبور کریں گے۔ اور آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا فرمایا تو وہ ضرور ضرور یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے پیدا فرمایا، آپ فرما دیجیے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور اللہ ہی کے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، بلاشبہ وہ بے نیاز ہے سب خوبیوں والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ ان آیاتِ مبارکہ میں اپنے نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا: کفار کا کفر اور انکار آپ

کو غمگین نہ کرے، کیونکہ ان کا معاملہ بالآخر اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد ہے، دنیا میں اگرچہ وہ اپنی سرکشی اور انکار پر قائم ہیں، لیکن ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب سب کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا پڑے گا، وہاں اللہ تعالیٰ انہیں ان کے تمام اعمال سے آگاہ فرمائے گا اور ان کے کفر و معاصی کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ : اللہ تعالیٰ دلوں کے پوشیدہ رازوں تک سے واقف ہے، اس سے کوئی بات مخفی نہیں، اس لیے کسی مجرم کے لیے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ پھر فرمایا کہ

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ: دنیا کی چند روزہ آسائشیں اور لذتیں دراصل مہلت ہیں، دائمی کامیابی نہیں، اللہ تعالیٰ ان منکروں کو کچھ عرصہ دنیا کے فائدے اٹھانے دیتا ہے، مگر یہ زندگی بہت مختصر ہے، اس کے بعد قیامت کے دن انہیں سخت عذاب کی طرف دھکیل دیا جائے گا، جہاں جہنم کا دردناک عذاب ان کا مقدر ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی عیش و راحت اگر ایمان سے خالی ہو تو وہ درحقیقت دھوکا اور آزمائش ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مشرکین کے اعترافِ حق کو بیان فرماتا ہے کہ

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ: اگر ان سے پوچھا جائے کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے، تو وہ بے اختیار یہی کہیں گے کہ انہیں اللہ نے پیدا کیا ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت کے منکر نہ تھے، مگر اس کے باوجود عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ کہیں قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں کہ اس نے خود تمہارے اقرار سے تم پر حجت قائم کر دی، لیکن بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت کو نہیں سمجھتے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ حمد و عبادت کا حقیقی مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ آخر میں ارشاد فرمایا کہ

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ ہی کی مخلوق، اسی کی ملکیت اور اسی کے اختیار میں ہے، وہی تمام کائنات کا مدبر اور حاکم ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ: اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے، کسی کا محتاج نہیں، جبکہ

ساری تعریفوں کا مستحق بھی وہی ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی کامل غنا، قدرت اور الوہیت کو نہایت جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا غیر متناہی علم

سوال ترجمہ اور تفسیر کیجیے

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ {۲۷}لقمان.

جواب ترجمہ: اور زمین میں جتنے درخت ہیں، اگر وہ قلم بن جائیں، اور یہ جو سمندر ہے، اس کے علاوہ سات سمندر اس کے ساتھ اور مل جائیں (اور وہ روشنائی بن کر اللہ کی صفات لکھیں) تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔

خلاصہ تفسیر: اللہ رب العالمین اپنی عزت کبریائی بڑائی جلالت اور شان بیان فرمارہا ہے، اپنی پاک صفتیں اپنے بلند ترین نام اور اپنے بے شمار کلمات کا ذکر فرمارہا ہے جنہیں نہ کوئی گن سکے نہ شمار کر سکے نہ ان پر کسی کا احاطہ ہو نہ ان کی حقیقت کو کوئی پا سکے۔

حضرت نبی کریم ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ اے اللہ! میں تیری تعریفوں کا اتنا شمار بھی نہیں کر سکتا جتنی ثناء تو نے اپنے آپ فرمائی ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اگر روئے زمین کے تمام تر درخت قلمیں بن جائیں اور تمام سمندر کے پانی سیاہی بن جائیں اور ان کے ساتھ ہی سات سمندر اور بھی ملا لئے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وصفات جلالت و بزرگی کے کلمات لکھنے شروع کئے جائیں تو یہ تمام قلمیں گھس جائیں ختم ہو جائیں سب سیاہیاں پوری ہو جائیں، ختم ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ کی تعریفیں ختم نہ ہوں، یہ نہ سمجھا جائے کہ سات سمندر ہوں تو پھر اللہ کے پورے کلمات لکھنے کے لئے کافی ہو جائیں، نہیں یہ گنتی تو زیادتی دکھانے کے لئے ہے اور یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ سات سمندر موجود ہیں اور وہ عالم کو گھیرے ہوئے ہیں البتہ بنو اسرائیل کی ان سات سمندروں کی بابت ایسی روایتیں ہیں لیکن نہ تو انہیں سچ کہا

جاسکتا ہے اور نہ ہی جھٹلایا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (الکھف:۱۰۹) یعنی اگر سمندر سیاہی بن جائیں اور رب کے کلمات کا لکھنا شروع ہو تو کلمات اللہ کے ختم ہونے سے پہلے ہی سمندر ختم ہو جائیں اگرچہ ایسا ہی اور سمندر اس کی مدد میں لائیں۔ یہاں بھی مراد صرف اسی جیسا ایک ہی سمندر لانا نہیں بلکہ ویسا ہی ایک اور پھر ایک اور بھی ویسا ہی پھر ویسا ہی پھر ویسا ہی الغرض خواہ کتنے ہی آجائیں لیکن اللہ کی باتیں ختم نہیں ہو سکتیں۔ (ابن کثیر)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ لکھوانا شروع کرے کہ میرا یہ امر اور یہ امر تو تمام قلمیں ٹوٹ جائیں اور تمام سمندروں کے پانی ختم ہو جائیں۔ (ابن کثیر)

مشرکین کہتے تھے کہ یہ کلام اب ختم ہو جائے گا، جس کی تردید اس آیت میں ہو رہی ہے کہ نہ رب کے عجائبات ختم ہوں نہ اس کی حکمت کی انتہا نہ اس کی صفت اور اس کے علم کا آخر۔ تمام بندوں کے علوم اللہ کے علم کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ، اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوتیں، نہ اسے کوئی ادراک کر سکتا ہے۔ ہم جو کچھ اس کی تعریفیں کریں وہ ان سے سوا ہے۔

یہود کے علماء نے مدینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ یہ جو آپ قرآن میں پڑھتے ہیں وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (الاسراء:۸۵) یعنی تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔

اس سے کیا مراد ہے ہم یا آپ کی قوم؟ آپ نے فرمایا، ہاں سب۔ انہوں نے کہا پھر آپ کلام اللہ شریف کی اس آیت کو کیا کریں گے جہاں فرمان ہے کہ تورات میں ہر چیز کا بیان ہے۔ آپ نے فرمایا سنو! وہ اور تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ کے کلمات کے مقابلہ میں بہت کم ہے تمہیں کفایت ہو اتنا اللہ تعالیٰ نے نازل فرما دیا ہے۔ اس پر آیت اتری۔ لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہونی چاہئے حالانکہ مشہور یہ ہے کہ یہ آیت مکی ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے، تمام اشیاء اس کے سامنے پست و عاجز ہیں کوئی اس کے ارادے کے

خلاف نہیں جاسکتا، اس کا کوئی حکم ٹل نہیں سکتا، اس کی منشاء کو کوئی بدل نہیں سکتا، وہ اپنے افعال، اقوال، شریعت، حکمت اور تمام صفتوں میں سب سے اعلیٰ غالب وقہار ہے۔

شیخ عبدالحق حقانی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کی قدرت و کبریائی کا حال تو معلوم ہو گیا، اب اس کے علم اور دیگر صفات وشیون کا حال سنو کہ دنیا بھر کے تمام درختوں کے قلم بنائے جائیں اور سات سمندروں کی سیاہی بنا کر اس کے اوصاف اور شیون اور معلومات کو لکھا جاوے تو وہ کم ہو جاویں گے، مگر وہ کلمات کہ جن سے اس کے معلومات اور شیون کو تعبیر کیا جاوے ہر گز کم نہ ہوں گے۔ ان اللہ عزیز حکیم کس لیے کہ اللہ زبردست ہے، اس کے عجائبات قدرت اس حد تک نہیں پہنچ سکتے کہ ان کے بعد پھر وہ کچھ اور عجائبِ قدرت پیدا نہ کر سکے۔ حکیم ہے کوئی شے اس کے علم سے باہر نہیں نہ اس کے اسرار و حکمت کا احاطہ کر سکتا ہے۔ الغرض بے انتہا علم وقدرت رکھتا ہے اور قلم اور دوات متناہی ہے اور متناہی غیر متناہی کا احاطہ نہیں کر سکتا، اس لیے اس جملہ کو غنی حمید کے بعد لایا کہ اس کے غنی اور حمید ہونے کے لیے دلیل ہو جاوے۔ (تفسیر حقانی)

کلمات سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت قدیم کلام نفسی مراد ہے، اور بعض حضرات نے اس سے اللہ تعالیٰ کی معلومات اور مقدورات مراد لی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی معلومات اور مقدورات غیر متناہی ہیں، جتنے بھی قلم تیار کر لیے جائیں اور جتنے بھی سمندروں کی روشنائی بنالی جائے پھر قلموں سے اللہ تعالیٰ کی معلومات و مقدورات کو لکھا جائے تو یہ معلومات و مقدورات ختم نہیں ہو سکتیں، ان کا احصاء نہیں ہو سکتا۔ اور بعض حضرات نے اس سے اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ مراد لی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے کمالات کو لکھا جائے تو کبھی ختم نہیں ہو سکتے، ان کو لکھتے لکھتے بے انتہاء کروڑوں قلم اور کروڑوں بڑے بڑے دریا ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ کی صفات اور کمالات کو اس طرح نہیں لکھا جاتا کہ وہ ختم ہو جائیں۔ (تفسیر انوار البیان)

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور بعث بعد الموت

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ {۲۸}لقمان

جواب ترجمہ: نہیں ہے تمہارا پیدا کرنا اور موت کے بعد اٹھانا مگر ایک ہی جان کی طرح، بلاشبہ اللہ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ اس آیتِ مبارکہ میں اپنی بے پایاں قدرت اور کامل اختیار کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ: اے لوگو! تم سب کا پیدا کرنا اور پھر قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا ہی آسان ہے جیسے ایک جان کو پیدا کرنا اور دوبارہ اٹھانا، انسان اپنی محدود عقل کے مطابق یہ سمجھتا ہے کہ بے شمار انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا ایک عظیم اور مشکل کام ہو گا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کثرت و قلت کا کوئی فرق نہیں، جس طرح وہ ایک انسان کو عدم سے وجود میں لا سکتا ہے، اسی طرح پوری انسانیت کو ایک ہی لمحہ میں دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی دو عظیم صفات، سمیع اور بصیر، کا ذکر فرمایا، وہ ایسا سننے والا ہے کہ ایک آواز کا سننا اسے دوسری آواز کے سننے سے غافل نہیں کرتا، بیک وقت تمام مخلوقات کی دعائیں، فریادیں اور باتیں اس کے علم و سماعت میں ہوتی ہیں، اسی طرح وہ ایسا دیکھنے والا ہے کہ ایک چیز کا دیکھنا اسے دوسری چیز سے غافل نہیں کرتا، کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز ہر لمحہ اس کے سامنے ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کی سماعت اور بصارت اس قدر کامل ہے کہ بے شمار آوازیں اور مناظر اس کے علم میں بیک وقت رہتے ہیں، تو اسی طرح بے شمار انسانوں کو پیدا کرنا یا دوبارہ زندہ کرنا بھی اس کے لیے کچھ مشکل نہیں، نہ ایک مخلوق کی تخلیق اسے دوسری مخلوق سے مشغول کرتی ہے اور نہ ایک کے حساب و جزا کا معاملہ دوسرے کے معاملے میں رکاوٹ بنتا ہے، اس آیت میں منکرینِ قیامت کو یہ حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ بعث بعد الموت اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے نہایت آسان امر ہے۔

سورج، چاند اور ستارے

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز بتایئے کہ یہاں يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ کا کیا مطلب ہے؟

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ {۲۹}لقمان

جواب ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک کسی متعین میعاد تک رواں دواں ہے، اور (کیا تمہیں یہ معلوم نہیں) کہ اللہ پوری طرح باخبر ہے کہ تم کیا کرتے ہو؟

خلاصہ تفسیر: رات کو کچھ گھٹا کر دن کو کچھ بڑھانے والا اور دن کو کچھ گھٹا کر رات کو کچھ بڑھانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جاڑوں کے دن چھوٹے اور راتیں بڑی، گرمیوں کے دن بڑے اور راتیں چھوٹی اسی کی قدرت کا ظہور ہے، سورج چاند اسی کے تابع فرمان ہیں، جو جگہ مقرر ہے وہیں چلتے ہیں قیامت تک برابر اسی چال چلتے رہیں گے اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ يَا أَبَا ذَرٍّ، أَتَدْرِي أَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ الشَّمْسُ؟ قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ: فَإِنَّهَا تَذْهَبُ فَتَسْجُدُ تَحْتَ الْعَرْشِ، ثُمَّ تَسْتَأْذِنُ رَبَّهَا فَيُوشِكُ أَنْ يُقَالَ لَهَا ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ (بخاری و مسلم) جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں، آپ نے فرمایا، یہ جا کر اللہ کے عرش کے نیچے سجدے میں گر پڑتا ہے اور اپنے رب سے اجازت چاہتا ہے قریب ہے کہ ایک دن اس سے کہہ دیا جائے کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ إِنَّ الشَّمْسَ إِذَا غَرَبَتْ دَخَلَتْ بَحْرًا تَحْتَ الْعَرْشِ، فَتُسَبِّحُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حَتَّى إِذَا هِيَ أَصْبَحَتْ اسْتَعْفَتْ رَبَّهَا مِنَ الْخُرُوجِ، فَقَالَ: لَهَا الرَّبُّ جَلَّ جَلَالُهُ: وَلِمَ ذٰلِكَ؟ وَالرَّبُّ أَعْلَمُ، قَالَتْ: إِنِّي إِذَا خَرَجْتُ عُبِدْتُ مِنْ

دُونِكَ. فَقَالَ لَهَا الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: اخْرُجِي فَلَيْسَ عَلَيْكِ مِنْ ذٰلِكَ شَيْءٌ، حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ أَبْعَثُهَا عَلَيْهِمْ مَعَ ثَلَاثَةَ عَشَرَ أَلْفَ مَلَكٍ يَقُودُونَهَا حَتَّى يُدْخِلُوهُمْ فِيهَا

جب سورج غروب ہوتا ہے تو عرش کے نیچے سمندر میں داخل ہو جاتا ہے، پھر اللہ کی تسبیح کرتا ہے، جب صبح ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے نہ نکلنے کی التجا کرتا ہے، اللہ جل جلالہ اس سے پوچھتے ہیں کہ ایسا کیوں ؟ حالانکہ اللہ خوب جانتے ہیں کہ وہ ایسا کیوں کہتا ہے، سورج کہتا ہے کہ جب میں طلوع ہوتا ہوں تو تیری ذات کے علاوہ میری پوجا کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو طلوع ہو جا، اس کی وجہ سے تیرے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے، ان کے لیے جہنم کافی ہے، میں ان پر تیرہ ہزار فرشتے بھیجوں گا جو انہیں کھینچیں گے اور کھینچ کر جہنم میں ڈالیں گے۔ (العظمت لابی الشیخ)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے ابوذر! کہ تو جانتا ہے کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ انہوں نے سورج کی طرف دیکھا تو فرمانے لگے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں کہ یہ کہاں جاتا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فَإِنَّهَا تَذْهَبُ حَتَّى تَأْتِيَ مُسْتَقَرَّهَا عِنْدَ الْعَرْشِ، فَتَخِرَّ سَاجِدَةً لِلرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ، فَلَا تَزَالُ كَذٰلِكَ حَتَّى يُقَالَ لَهَا: ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَطْلِعِهَا لَا يُنْكِرُ النَّاسُ مِنْهَا شَيْئًا حَتَّى تَنْتَهِيَ إِلَى مُسْتَقَرِّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ، فَتَخِرَّ سَاجِدَةً فَيُقَالُ لَهَا: اطْلُعِي مِنْ مَغْرِبِكِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا، أَتَدْرِي أَيَّ يَوْمٍ ذٰلِكَ؟ قَالَ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: يَوْمَ {لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ، أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا} (الأنعام: ۱۵۸) (العظمت)

یہ سورج عرش کے قریب اپنے مستقر میں چلا جاتا ہے، پھر رحمٰن کے لیے سجدے میں گر جاتا ہے، یہ سجدے میں ہی اس وقت تک رہتا ہے جب تک اسے اجازت نہیں مل جاتی۔ یہاں تک کہ اسے کہا جائے گا ادھر ہی چلا جا جدھر سے تو آیا ہے، پھر اگلی صبح کو سورج اپنے مطلع سے نکلتا ہے، لوگ اس میں سے کسی بات کو اوپر انہیں سمجھتے، یہاں تک کہ یہ عرش کے نیچے اپنے مستقر میں پہنچ جاتا ہے، پھر یہ

سجدے میں گر پڑتا ہے، پھر اسے کہا جائے گا کہ تو اپنے غروب ہونے کی جگہ سے طلوع ہو، چنانچہ وہ اپنے غروب ہونے کی جگہ سے طلوع ہو گا، تجھے پتا ہے یہ کون سا دن ہو گا؟ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں، فرمایا کہ یہ وہ دن ہو گا جس میں کسی ایسے شخص کو ایمان کام نہیں آئے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا، یا جس نے ایمان کے ساتھ نیک عمل کی کمائی نہیں کی۔

ابو الشیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب العظمت میں ایک ایسی روایت پیش کی ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے درمیان یہ گفتگو اس وقت ہوئی جب سورج غروب ہو رہا تھا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار تھے اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ سورج غروب ہو رہا تھا، اس دوران کی یہ گفتگو ہے، ہو سکتا ہے کہ گدھے پر سوار ہونے اور مسجد میں ہونے والے دو الگ الگ واقعات ہوں اور وقت دونوں کا غروب کا ہو۔ (العظمت)

حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بَلَغَنَا أَنَّ الشَّمْسَ إِذَا غَرَبَتْ صَلَّتْ وَالْقَمَرُ وَالْكَوَاكِبُ وَاللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالْمَلَائِكَةُ، فَإِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقِيَامَةِ قِيلَ لِلشَّمْسِ: لَا تَبْرَحِي، وَالْقَمَرِ وَاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْكَوَاكِبِ وَالْمَلَائِكَةِ، فَيَرَوْنَ أَنْ قَدْ حَضَرَ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ هَلَاكٌ، فَيُضَعِّفُونَ فِي الْعِبَادَةِ، وَتَخْتَلِطُ أَهْلُ الْأَرْضِ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ جِنُّهُمْ وَإِنْسُهُمْ، وَتَذُوبُ الْجِبَالُ، كَمَا يَذُوبُ الْقَارُ فِي الْيَوْمِ الْحَارِّ، وَتُغَرْبَلُ الْأَرْضُ كَمَا يُغَرْبَلُ الْغِرْبَالُ، فَيَخْرُجُونَ وَلَا يَهْتَدُونَ أَنْ يَرْجِعُوا، وَلَا يَرَوْنَ شَمْسًا، وَلَا أَرْضًا، وَلَا كَوْكَبًا، وَلَا جَبَلًا، وَلَا عِلْمًا، فَيَقُولُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: اذْهَبُوا بِنَا إِلَى أَقْطَارِ الْأَرْضِ وَذَلِكَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ {يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ} (الرحمن: ۳۳)

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جب سورج غروب ہوتا ہے تو وہ نماز پڑھتا ہے (یعنی عاجزی وانکساری

کرتا ہے) اسی طرح چاند بھی، ستارے بھی، رات بھی، دن بھی اور فرشتے بھی نماز پڑھتے ہیں، جب قیامت کی رات ہو گی تو سورج سے کہا جائے گا کہ تم اپنی جگہ پر رہو، (یعنی تم نے طلوع نہیں ہونا) جب کہ چاند، رات، دن، ستارے اور فرشتے سب ہی حاضر ہوں گے، یہ سب اپنے رب کا حکم سن رہے ہوں گے، انہیں اللہ کا حکم سننے سے پتا چل جائے گا کہ زمین والے ہلاک ہونے والے ہیں، تو یہ سارے اور زیادہ عبادت میں مصروف ہو جائیں گے، تو زمین والے انسان اور جنات آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے، پہاڑ پگھلنے لگیں گے، جس دن تارکول گرمی کی وجہ سے پگھلتا ہے، زمین کو چھانا جائے گا جس طرح چھلنی کو چھانا جاتا ہے، اہل زمین زمین سے نکلیں گے مگر واپسی کا راستہ نہ پائیں گے، یہ لوگ سورج کو نہیں دیکھیں گے، نہ زمین کو دیکھیں گے، نہ ستاروں کو دیکھیں گے، نہ پہاڑوں کو دیکھیں گے، نہ کوئی نشانی دیکھیں گے، ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ہمارے ساتھ زمین کے کناروں کی طرف چلو۔

جیسے اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اے انسانوں اور جنات کے گروہ! اگر تم میں یہ بل بوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے پار نکل سکو، تو پار نکل جاؤ، تم زبردست طاقت کے بغیر پار نہیں ہو سکو گے۔ (العظمت)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ الشَّمْسُ بِمَنْزِلَةِ السَّاقِيَةِ، تَجْرِي بِالنَّهَارِ فِي السَّمَاءِ فِي فَلَكِهَا، فَإِذَا غَرَبَتْ جَرَتْ بِاللَّيْلِ فِي فَلَكِهَا تَحْتَ الْأَرْضِ حَتَّى تَطْلُعَ مِنْ مَشْرِقِهَا، قَالَ: وَكَذَلِكَ الْقَمَرُ، سورج بمنزلہ ساقیہ کے ہے، دن کو اپنے دوران میں جاری رہتا ہے غروب ہو کر رات کو پھر زمین کے نیچے گردش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اپنی مشرق سے ہی طلوع ہوتا ہے۔ اسی طرح چاند بھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عبید اللہ بن انس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سورج، چاند اور ستاروں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ أَنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ نُورِ الْعَرْشِ (العظمت، در منثور، معجم الاوسط) ان تینوں (سورج، چاند اور ستاروں) کو نور عرش سے پیدا کیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما چاند کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں قَفَاهُ مِمَّا يَلِي الْأَرْضَ، وَوَجْهُهُ مِمَّا يَلِي السَّمَاءَ (الھیئۃ السنیہ ۸۴، در منثور) چاند کی پشت زمین کی طرف ہے اور چہرہ آسمان کی طرف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سورج اور چاند کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وُجُوهُهُمَا إِلَى السَّمَاءِ، وَقَفَاهُمَا إِلَى الْأَرْضِ يُضِيئَانِ مَنْ فِي السَّمَاءِ، كَمَا يُضِيئَانِ مَنْ فِي الْأَرْضِ (العظمت، تفسیر طبری، در منثور) سورج اور چاند دونوں کے چہرے آسمان کی طرف ہیں، ان دونوں کی پشت زمین کی طرف ہے، یہ دونوں آسمان کو اسی طرح روشن رکھتے ہیں جس طرح زمین کو روشن رکھتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ چاند کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ يُضِيءُ لِأَهْلِ السَّمَاءِ كَمَا يُضِيءُ لِأَهْلِ الْأَرْضِ (العظمت) یہ آسمان والوں کو اسی طرح روشنی دیتا ہے جس طرح زمین والوں کو دیتا ہے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما چاند کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وَجْهُهُ يُضِيءُ السَّمَاوَاتِ، وَظَهْرُهُ يُضِيءُ الْأَرْضَ (العظمت) چاند کا مکھڑا آسمانوں کو روشن کرتا ہے اور اس کی پشت زمین کو روشن کرتی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے حضرت سلمان سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں

خَلَقَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ الشَّمْسَ مِنْ نُورِ عَرْشِهِ، وَ كَتَبَ فِي وَجْهِهَا: إِنِّي أَنَا اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا، صُغْتُ الشَّمْسَ بِقُدْرَتِي، وَأَجْرَيْتُهَا بِأَمْرِي، وَ كَتَبَ فِي بَطْنِهَا: أَنَا اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا، رِضَائِي كَلَامٌ، وَغَضَبِي كَلَامٌ وَرَحْمَتِي كَلَامٌ، وَعَذَابِي كَلَامٌ، وَخَلَقَ الْقَمَرَ مِنْ نُورِ حِجَابِهِ الَّذِي يَلِيهِ، ثُمَّ كَتَبَ فِي وَجْهِهِ: إِنِّي أَنَا اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا، صُغْتُ الْقَمَرَ، وَخَلَقْتُ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ، فَالظُّلْمَةُ ضَلَالَةٌ، وَالنُّورُ هُدَايَ، أُضِلُّ مَنْ شِئْتُ، وَأَهْدِيَ مَنْ شِئْتُ، وَ كَتَبَ فِي بَطْنِهِ: إِنِّي أَنَا اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا، خَلَقْتُ الْخَيْرَ وَالشَّرَّ بِقُدْرَتِي وَعِزَّتِي أَبْتَلِي بِهِمَا مَنْ شِئْتُ مِنْ خَلْقِي (اسرار الکون)

اللہ تعالیٰ نے سورج کو اپنے عرش کے نور سے پیدا کیا، اور اس کی پیشانی پر یہ کلمات لکھے انا اللہ لا الہ الا انا، (میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے) میں نے سورج کو اپنی قدرت سے جھکایا ہے، اسے میں اپنے حکم سے چلاتا ہوں، اور اس کے پیٹ میں یہ لکھا انا اللہ لا الہ الا انا، میری رضا کلام ہے، اور میرا غصہ کلام ہے، اور میری رحمت کلام ہے، اور میرا عذاب کلام ہے، اور اللہ نے چاند کو اپنے حجاب کے قریب والے نور سے پیدا کیا، پھر اس کی پیشانی پر لکھا کہ انی انا اللہ لا الہ الا انا، میں نے چاند کو جھکایا ہے، اور میں نے اندھیروں اور روشنی کو پیدا کیا، اندھیرا گمراہی ہے، نور میری ہدایت ہے، میں جسے چاہتا ہوں گمراہ کرتا ہوں، میں جسے چاہتا ہوں ہدایت دیتا ہوں، اور اس کے پیٹ میں لکھا کہ انی انا اللہ لا الہ الا انا، میں نے خیر اور شر کو پیدا کیا، میری عزت کی قسم! میں ان دونوں کے ذریعے اپنی مخلوق میں سے جسے چاہوں مبتلا کروں۔

حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اَلْجَبَلُ الَّذِی تَطْلُعُ الشَّمْسُ مِنْ وَرَائِهِ طُولُهُ ثَمَانُونَ فَرْسَخًا فِي السَّمَاءِ وہ پہاڑ جس کے پیچھے سے سورج نکلتا ہے اس کی لمبائی اسی فرسخ ہے۔ (العظمت) ایک فرسخ قریباً آٹھ کلو میٹر کا ہوتا ہے، تو گویا کہ ۶۴۰ کلو میٹر اونچا ہوا۔

کائنات میں نظم وترتیب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ {۳۰} اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ {۳۱} لقمان

جواب ترجمہ: یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ اللہ حق ہے اور بلاشبہ لوگ اس کے علاوہ جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں وہ باطل ہیں اور بلاشبہ اللہ عالی شان ہے اور بڑا ہے۔ اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ کشتی اللہ کی نعمت کے ساتھ سمندر میں چلتی ہے تاکہ وہ تمہیں اپنی نشانیوں میں سے دکھلائے، بلاشبہ اس میں ہر ایسے شخص کے لیے نشانیاں ہیں جو خوب صبر کرنے والا خوب شکر کرنے والا ہو۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ : یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور اسے چھوڑ کر جن دوسری چیزوں کو جو لوگ پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں، اور بیشک اللہ ہی برتر اور عظیم ہے، کائنات کے نظام میں جو نظم و ترتیب باقاعدگی، پابندی، افادیت اور رفاہیت پائی جاتی ہے اس کا سبب صرف یہ ہے کہ معبود حقیقی صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ہر چیز کا سر رشتہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ پوری کائنات پر اس کی مرضی اور اس کا حکم نافذ ہے۔ تکوینی معاملات میں اس کے حکم کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔

اس کا نتیجہ ہے کہ بے حد و بے کنار کائنات کا کوئی گوشہ ابتری کا شکار نہیں، ہر مخلوق، ہر کُرّہ، ہر ستارہ اور سیارہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں سر مو کوتاہی نہیں کرتا اور اگر کہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی اِلٰہ ہوتا جو اس کے خلق و تدبیر میں دخیل ہوتا تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے۔ اور زمین و آسمان کا درہم برہم نہ ہونا اور کائنات کے نظام کا ٹھیک ٹھیک چلنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مشرکین نے جن قوتوں کو معبود بنا رکھا ہے وہ سراسر باطل ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات حق ہے اسی کی عبادت و اطاعت سبیل حق ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ: اور وہی ہے جو علی بھی ہے اور کبیر بھی ہے، یعنی سب سے بلند و برتر اور سب سے عظیم، اس سے زیادہ گری ہوئی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ برتر کے مقابلے میں کہتر کے سامنے سر جھکایا جائے اور عظیم کے مقابلے میں حقیر اور بے حقیقت چیزوں کو بندگی کا مستحق سمجھا جائے، انسان کی نہایت حیران کن گمراہی یہ ہے کہ وہ جب اکڑنے پہ آتا ہے تو خدائے بزرگ و برتر کے سامنے اکڑ جاتا ہے اور جب جھکنے پہ آتا ہے تو دیویوں، دیوتاؤں، مظاہرِ قدرت، فرشتوں اور بتوں کے سامنے جھک جاتا ہے۔ (روح القرآن)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ: فرمایا تم کشتی یعنی بحری جہاز میں سفر کرتے ہو، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ سمندر میں اس کا چلنا اور کسی حادثے کا شکار نہ ہونا سراسر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عنایت کا رہین منت ہوتا ہے، بحری جہاز کتنا بھی مضبوط اور بحری سفر کے لیے کتنا

بھی موزوں کیوں نہ ہو اور اس کے ملاح جہاز رانی کے فن سے کیسے ہی آشنا کیوں نہ ہوں بحری جہاز اسی وقت تک بے خطر آگے بڑھتا ہے جب تک سمندر میں ہول ناک طوفان نہیں اٹھتے اور مخالفانہ زوردار ہَواؤں سے اسے سابقہ پیش نہیں آتا۔

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو تو طوفان بھی اپنا راستہ بدل لیتے ہیں اور اگر اس کی نظر کرم پھر جائے تو سمندر میں طوفان اٹھتے دیر نہیں لگتی، پھر بحری جہاز کی مضبوطی اور ملاحوں کے تمام تر وسائل دھرے رہ جاتے ہیں، اس صورتحال کو دیکھ کر بڑے سے بڑا دہریہ بھی یہ ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ناموافق حالات میں کشتی اور اس کے مسافروں کو بچانے والا ایک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہوتا، لیکن کشتی کی اس صورتحال سے فائدہ صرف وہ اٹھاتے ہیں جن کے اندر دو صفات ہوتی ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ: پہلی صفت یہ کہ وہ صابر ہوں یعنی بہت صبر کرنے والے، کہ چاہے کیسے ہی حالات سے سابقہ پڑے ان کی استقامت میں کبھی فرق نہ آئے، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ہر حال میں مؤثر اور حقیقی سہارا مانا ہے تو اچھے اور برے حالات میں وہ کبھی اس تصور میں دراڑیں نہ پڑنے دیں اور دوسری صفت یہ کہ وہ شکور ہوں، یعنی بہت شکر ادا کرنے والے، کہ جیسے ہی اللہ تعالیٰ کسی نعمت سے نوازے وہ اس کا شکر ادا کریں۔

یا کسی مصیبت سے نکالے تو تب بھی اس کا شکر ادا کریں، وہ نمک حرام اور احسان فراموش نہ ہوں بلکہ نعمت کی قدر پہچاننے والے ہوں، جن لوگوں میں یہ دو خوبیاں جڑ پکڑ لیتی ہیں وہ زندگی کے سفر میں کبھی صراط مستقیم سے بھٹکنے نہیں پاتے، کشتی کے سفر میں غیر یقینی صورتحال کا سب سے بڑا سبق یہی ہے کہ اگر کشتی رواں دواں ہے اور دور دور تک کسی خطرے کا گمان نہیں تو تب بھی اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کی جائے اور اگر ناموافق ہوا کے چلنے یا طوفان کے حملہ آور ہونے سے جان کے لالے پڑ جائیں تو تب بھی نہایت استقامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی سے فریاد کی جائے اور اسی سے امید باندھی جائے۔ (تفسیر روح القرآن)

صرف مشکل میں نہیں ہمہ وقت اخلاص مطلوب

سوال آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کریں، نیز یہ بتایئے کہ اس آیت میں مذکور كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ کا کیا مفہوم ہے؟

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ {۳۲} لقمان

جواب ترجمہ: اور جب موجیں سائبانوں کی طرح ان پر چڑھ آتی ہیں تو وہ اللہ کو اس طرح پکارتے ہیں کہ اس وقت ان کا اعتقاد خالص اسی پر ہوتا ہے۔ پھر جب وہ ان کو بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو ان میں سے کچھ ہیں جو راہ راست پر رہتے ہیں (باقی پھر شرک کرنے لگتے ہیں) اور ہماری آیتوں کا انکار وہی شخص کرتا ہے جو پکا بدعہد، پرلے درجے کا ناشکر ہو۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام بیان فرمایا ہے کہ سمندر میں جو کشتی چلتی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ دیکھو آدھا تولہ لوہا سمندر میں ڈالو تو اسی وقت ڈوب جائے گا اور سو من کی لکڑی جو کشتی کی صورت میں ہے وہ نہیں ڈوبتی، یہ کشتیاں ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک لے جاتی ہیں، سامان لاتی ہیں، ضرورت کی چیزیں ان کے آنے جانے کی وجہ سے فراہم ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے انہیں ہواؤں کے تھپیڑوں کے ذریعہ اس حال میں کر دیتا ہے کہ ان کا چلنا تیرنا مشکل ہو جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ہواؤں کا رخ بدل دیتا ہے تو آرام سے چلتی ہیں، یہ سب عبرت کی چیزیں ہیں ان کے ذریعہ خالق کائنات جل مجدہٗ کی معرفت حاصل کرنی چاہیے، جو لوگ صبر اور شکر کا مزاج رکھتے ہیں وہی اللہ کی آیات سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ چلتی ہوئی کشتی کو پانی کا طوفان گھیر لیتا ہے، بڑی بڑی موجیں جو سائبانوں اور بادلوں کی طرح ہوتی ہیں وہ ڈھانپ لیتی ہیں، اس صورت میں انسان کو اپنے بچاؤ کا کوئی راستہ سمجھ میں نہیں آتا جو مومن بندے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف اخلاص کے ساتھ رجوع ہوتے ہی

ہیں اور اس سے دعا مانگتے ہیں لیکن جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اس وقت وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور پوری سچائی اور پھر پورے اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں ان میں جو مومن بندے ہوتے ہیں وہ برابر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں، خشکی میں آکر غیر اللہ کو نہیں پکارتے اور شرک میں مبتلا نہیں ہوتے، ان کے بارے میں فرمایا فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ، کہ کشتی سے اتر کر خشکی میں آنے والے بعض لوگ اعتدال والی راہ اختیار کرنے والے ہوتے ہیں یعنی توحید پر ہی برقرار رہتے ہیں، جو سیدھا اور اعتدال والا راستہ ہے، اور جو لوگ خشکی میں آکر اس مصیبت کو بھول جاتے ہیں جو کشتی میں پیش آئی تھی یعنی کشتی ڈوبنے کے قریب تھی یہ لوگ پھر شرک اختیار کر لیتے ہیں۔

سورۃ عنکبوت میں اسی کو فرمایا فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ، سو جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو وہ فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں۔

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ: اور ہماری آیتوں کا ہر وہ شخص انکار کرتا ہے جو عہد کا بہت جھوٹا بہت ناشکرا ہو) ان جھوٹے عہد کرنے والوں میں وہ بھی ہوتے ہیں جو کشتی میں اخلاص کے ساتھ توحید کا عہد کرتے ہیں پھر کشتی سے باہر خشکی میں آکر توڑ دیتے ہیں، بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بڑے بڑے دلائل اور آیات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے اور توحید کی دعوت کو قبول نہیں کرتے اور نہ صرف یہ کہ حق کو قبول نہیں کرتے بلکہ جھوٹ بھی بولتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری بھی کرتے ہیں۔ (انوار البیان)

تقویٰ، آخرت، علم الٰہی کی وسعت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ

نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۚ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ {۳۴} لقمان

جواب ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس دن باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہ دے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کی طرف سے کچھ بھی بدلہ دینے والا ہو گا، بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے، سو تمہیں دنیا والی زندگی ہر گز دھوکے میں نہ ڈال دے، اور ہر گز تمہیں اللہ کا نام لے کر بڑا دھوکہ باز دھوکہ میں نہ ڈالے۔ بلاشبہ اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے، اور وہ بارش کو نازل فرماتا ہے، اور وہ جانتا ہے جو ماؤں کے ارحام میں ہے، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کو کیا کرے گا، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ اسے کس زمین میں موت آئے گی، بلاشبہ اللہ جاننے والا باخبر ہے۔

خلاصہ تفسیر: سورۂ لقمان کی آخری دو آیات نہایت جامع، مؤثر اور فکر انگیز انداز میں انسان کو آخرت کی یاد، دنیا کے دھوکے سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کے کامل و محیط علم کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ ان آیات میں ایک طرف قیامت کی ہولناکی کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور دوسری طرف انسان کی بے بسی اور اللہ تعالیٰ کی مطلق قدرت و علم کو واضح کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ: اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو، اس کی نافرمانی سے بچو اور اس دن سے ڈرو جب کوئی باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام نہ آسکے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کو ذرا سا فائدہ پہنچا سکے گا، قیامت کے دن ہر شخص اپنی فکر میں مبتلا ہو گا، وہاں نسب، خاندان اور دنیاوی تعلقات انسان کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے، مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہوں یا حقوق العباد کا بوجھ اپنے اوپر نہیں لے سکے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دنیا کے دھوکے سے خبر دار کرتے ہوئے فرمایا :

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا: دنیا کی چمک دمک، آسائشیں اور عارضی لذتیں تمہیں حقیقت سے غافل نہ کر دیں۔ پھر فرمایا :

وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُورُ: شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکے میں نہ ڈال دے، شیطان

انسان کو جھوٹی امیدیں دلاتا ہے کہ ابھی بہت وقت ہے، اللہ غفور الرحیم ہے، بعد میں توبہ کرلیں گے، یوں وہ انسان کو غفلت اور گناہ میں مبتلا رکھتا ہے۔ اس کے بعد آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ علم کا ایسا عظیم بیان فرمایا ہے جو انسان کو عاجزی اور بندگی کا سبق دیتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ: قیامت کا علم صرف اللہ کے پاس ہے، وہی بارش نازل فرماتا ہے، وہی جانتا ہے کہ ماں کے رحم میں کیا ہے، کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائے گا اور نہ کسی کو معلوم ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا، یہ پانچ امور ایسے ہیں جن کا کامل، قطعی اور حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

مفسرین نے وضاحت فرمائی ہے کہ یہاں صرف ظاہری معلومات مراد نہیں بلکہ ہر شے کا مکمل اور یقینی علم مراد ہے، مثلاً بارش کے متعلق جدید موسمی اندازے محض احتمالات ہوتے ہیں، حتمی اور یقینی علم نہیں، اسی طرح رحمِ مادر میں صرف بچے کی جنس معلوم ہو جانا اس آیت کے خلاف نہیں، کیونکہ مَا فِي الْأَرْحَامِ میں صرف مذکر یا مؤنث ہونا شامل نہیں بلکہ اس کی پوری زندگی، اس کا رزق، عمر، سعادت و شقاوت، اخلاق، اعمال اور انجام سب داخل ہیں اور ان تمام امور کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

اسی طرح کوئی انسان یقین کے ساتھ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، کون سا واقعہ پیش آئے گا یا اس کی موت کس جگہ واقع ہوگی، انسان جتنا بھی ترقی کرلے، اس کا علم محدود اور ناقص ہی رہے گا، جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر ظاہر و باطن، حال و مستقبل اور چھپی و کھلی چیز کو محیط ہے۔

ان آیات کے اختتام پر گویا پوری سورت کا پیغام سمٹ آتا ہے کہ انسان اپنی حقیقت پہچانے، دنیا کے دھوکے میں نہ آئے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، آخرت کی تیاری کرے اور یہ یقین رکھے کہ کامل علم، کامل قدرت اور حقیقی اختیار صرف اللہ رب العزت ہی کے پاس ہے۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی المرسلین۔ آج سورۃ لقمان کے اضافات مکمل ہوئے۔

۱۲ مئی ۲۰۲۶ء بروز منگل، بعد نماز فجر پونے سات بجے

سورۃ السجدہ (تعارف)

سوال سورۃ السجدہ کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۂ السجدہ قرآنِ مجید کی نہایت مؤثر اور ایمان افروز مکی سورتوں میں سے ایک ہے، جمہور مفسرین کے نزدیک یہ مکی سورت ہے، البتہ بعض علماء نے چند آیات کو مدنی قرار دیا ہے، اس کی آیات کی تعداد تیس ہے، یہ سورت اپنے جلالِ بیان، قوتِ استدلال اور آخرت کی یاد دہانی کے اعتبار سے نہایت عظیم مقام رکھتی ہے، احادیثِ مبارکہ میں اس کی خصوصی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں اکثر سورۂ السجدہ اور سورۂ الانسان کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، جس سے اس سورت کی اہمیت اور تاثیر کا اندازہ ہوتا ہے۔

وجہ تسمیہ: اس سورت کا نام "السجدہ" اس لیے رکھا گیا کہ اس میں آیتِ سجدہ موجود ہے، جسے سن کر اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، یہ نام درحقیقت اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ قرآنِ مجید کی عظمت اور اس کی تاثیر ایسی ہے کہ سچے دل والے انسان اس کے سامنے عاجزی و بندگی اختیار کیے بغیر نہیں رہ سکتے، بعض مفسرین نے اسے "سورۃ المضاجع" بھی کہا ہے، کیونکہ اس میں تہجد گزار مومنین کی صفات کا نہایت دلنشیں انداز میں ذکر آیا ہے۔

اہم مضامین: سورۂ السجدہ کے اہم مضامین میں سب سے پہلے قرآنِ مجید کی حقانیت اور اس کے وحیِ الٰہی ہونے کا بیان ہے، سورت کے آغاز ہی میں فرمایا گیا کہ یہ کتاب تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، مشرکین کے اس اعتراض کا بھی رد کیا گیا کہ نعوذ باللہ یہ قرآن رسولِ اکرم ﷺ نے خود گھڑ لیا ہے، بلکہ واضح کیا گیا کہ یہ سراسر حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت ہے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور تخلیقِ کائنات کے عظیم مظاہر کو بھی نمایاں کیا گیا ہے، آسمان و زمین کی تخلیق، نظامِ کائنات کی حکمت، عرش پر استواء، اور تمام امور کی تدبیر جیسے مضامین نہایت مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں، تاکہ انسان اپنے خالق کی عظمت کو پہچانے اور شرک و

غفلت سے نکل کر توحیدِ خالص اختیار کرے۔

انسان کی تخلیق کا مرحلہ وار ذکر بھی اس سورت کا اہم مضمون ہے، اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ انسان کی اصل مٹی سے ہے، پھر اس کی نسل ایک حقیر پانی سے چلائی گئی اور پھر اسے بہترین صورت عطا کی گئی، اس بیان کا مقصد انسان کو اس کی حقیقت یاد دلانا اور اسے تکبر سے بچانا ہے۔

سورۂ السجدہ میں قیامت، حشر و نشر، حساب و جزا اور آخرت کے احوال کو بھی نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے، کفار کے انجام، ان کی ندامت اور جہنم کے عذاب کا ذکر دلوں کو جھنجھوڑ دینے والا ہے، جبکہ اہلِ ایمان کے لیے دائمی نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خوشخبری دی گئی ہے، اس طرح یہ سورت انسان کو دنیا کی غفلت سے نکال کر آخرت کی تیاری کی دعوت دیتی ہے۔

اس سورت میں مومنینِ صادقین کی صفات بھی بیان ہوئی ہیں کہ جب انہیں اللہ کی آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ تکبر نہیں کرتے بلکہ سجدے میں گر جاتے ہیں، اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہیں، راتوں کو بستروں سے الگ ہو کر عبادت کرتے ہیں اور خوف و امید کے ساتھ اپنے رب کو پکارتے ہیں، یہ صفات دراصل کامل ایمان اور حقیقی بندگی کی علامت ہیں۔

اسی طرح سابقہ امتوں کے انجام اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کی دعوت کا ذکر کر کے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ حق کو جھٹلانے والوں کا انجام ہمیشہ تباہی اور رسوائی رہا ہے، جبکہ ایمان و اطاعت اختیار کرنے والے ہی کامیاب ہوئے ہیں۔

مختصر یہ کہ سورۂ السجدہ قرآنِ مجید کی ایک عظیم سورت ہے جو توحید، رسالت، آخرت، تخلیقِ انسان، قدرتِ الٰہی، مومنین کی صفات اور کفار کے انجام جیسے بنیادی عقائد کو نہایت بلیغ اور مؤثر انداز میں بیان کرتی ہے، یہ سورت انسان کے دل میں خشیتِ الٰہی، فکرِ آخرت اور جذبۂ بندگی پیدا کرتی ہے اور یہی اس کا مرکزی پیغام ہے۔

انسان جب سورۃ السجدہ کے مضامین توحید، رسالت، آخرت، تخلیق انسانی، قدرت الٰہیہ اور صفاتِ مومنین پر غور و فکر کرتا ہے تو اس کے ایمان و ایقان کو نئی تازگی اور حرارت ملتی ہے۔

حقانیت قرآن اور دلائل توحید

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾ السجدہ

جواب ترجمہ: یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں، رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس نے جھوٹ بنالیا ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ ہدایت پر آجائیں۔ اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا پھر عرش پر مستوی ہوا۔ تمہارے لیے اس کے سوا نہ کوئی ولی ہے نہ کوئی سفارشی، کیا تم نہیں سمجھتے؟

خلاصہ تفسیر: سورۂ السجدہ کا آغاز بھی قرآنِ مجید کی متعدد سورتوں کی طرح حروفِ مقطعات سے ہوا ہے۔ الٓمّٓ ایسے رمزی حروف ہیں جن کی حقیقی مراد اور کامل حکمت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، مفسرین نے ان کے مختلف معانی بیان کیے ہیں، مگر راجح بات یہی ہے کہ یہ حروف اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ہیں، البتہ ان حروف کے ذکر میں ایک عظیم حکمت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ قرآن انہی عربی حروف سے مرکب ہے جنہیں عرب روزمرہ گفتگو میں استعمال کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود وہ اس جیسی ایک سورت بھی پیش نہ کرسکے، گویا یہ حروف کفارِ مکہ کے لیے ایک چیلنج اور قرآن کے اعجاز کا اعلان ہیں کہ یہی معروف حروف جب اللہ تعالیٰ کے کلام کی صورت اختیار کرتے ہیں تو انسانی طاقت اس کی مثل لانے سے عاجز ہو جاتی ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی عظمت

اور اس کے منزل من اللہ ہونے کا اعلان فرمایا کہ یہ کتاب تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں، یہ ایسا کلام نہیں جو کسی انسان کی سوچ یا تخیل کا نتیجہ ہو، بلکہ خالقِ کائنات کی وحی ہے، رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا لفظ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ جس ذات نے پوری کائنات کی پرورش فرمائی، اسی نے انسانوں کی ہدایت کے لیے یہ عظیم کتاب نازل کی۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ : کفارِ مکہ اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے یہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل اعتراض کی سختی سے تردید فرمائی کہ حقیقت ہرگز ایسی نہیں، بلکہ یہ سراسر حق ہے جو آپ ﷺ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اس قرآن کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ ایسی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا تھا، یعنی اہلِ عرب ایک طویل عرصہ سے براہِ راست وحیِ الٰہی کی روشنی سے محروم تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کو ان کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا، تاکہ وہ غفلت سے بیدار ہوں اور راہِ حق اختیار کریں۔

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی رسالت کی صداقت بھی واضح ہوتی ہے اور قرآنِ مجید کی حقانیت بھی، کیونکہ ایک اُمی شخصیت کی زبان سے ایسا عظیم، فصیح، بلیغ اور حکمتوں سے بھرپور کلام صادر ہونا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں بلکہ وحیِ الٰہی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ : پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور عظمتِ ربوبیت کے دلائل بیان فرمائے کہ وہی ذات ہے جس نے آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان موجود تمام مخلوقات کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، حالانکہ وہ ایک لمحہ میں بھی سب کچھ پیدا کرنے پر قادر تھا، چھ دنوں میں تخلیق فرمانے میں بندوں کے لیے تدریج، حکمت اور نظام کی تعلیم ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ : اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوا، یعنی ایسی بلندی اور شان کے ساتھ عرش پر جلوہ فرما ہوا جو اس کی عظمت اور جلال کے لائق ہے، اس کیفیت کی حقیقت انسانی عقل پوری طرح

نہیں سمجھ سکتی، اس لیے اہلِ سنت کا طریقہ یہی ہے کہ استواء کو بغیر کسی تشبیہ اور کیفیت بیان کیے برحق مانا جائے۔ پھر انسانوں کو متنبہ فرمایا کہ

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ : اللہ کے سوا نہ کوئی تمہارا کارساز ہے اور نہ کوئی ایسا سفارشی جو اس کی اجازت کے بغیر تمہارے حق میں سفارش کر سکے، جب خالق، مالک، رازق اور مدبرِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے تو پھر عبادت بھی اسی کا حق ہے، آخر لوگ کیوں غور و فکر نہیں کرتے اور کیوں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں؟

ان ابتدائی آیات میں قرآنِ مجید کی حقانیت، رسالتِ محمدیہ ﷺ کی صداقت، اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور توحیدِ خالص کو نہایت جامع اور مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے، تاکہ انسان اپنے خالق کو پہچانے اور اسی کی بندگی اختیار کرے۔

قیامت کا دن

سوال اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک اپنی مخلوقات کے کاموں کی تدبیر کرتا ہے، پھر یہی امر و تدبیر ایک دن اس تک پہنچتی ہے، اس دن کی دنیا کے ایام کے لحاظ سے کتنی مقدار ہو گی؟

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ {۵} السجدۃ.

جواب ترجمہ: وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر کام کا انتظام خود کرتا ہے، پھر وہ کام ایک ایسے دن میں اس کے پاس اوپر پہنچ جاتا ہے جس کی مقدار گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال ہوتی ہے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت میں یدبر کا لفظ ہے او یہ تدبیر سے بنا ہے، تدبیر کا معنیٰ ہے کسی کام کے نتیجہ اور انجام میں غور و فکر کرنا اور جب اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنیٰ ہے کسی کام کو مقدر کرنا اور اس کے اسباب مہیا کرنا۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے عبدالرحمان بن سابط رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ يُدَبِّرُ أَمْرَ الدُّنْيَا أَرْبَعَةٌ: جِبْرِيلُ، وَمِيكَائِيلُ، وَمَلَكُ الْمَوْتِ، وَإِسْرَافِيلُ، صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ

فَأَمَّا جِبْرِيلُ فَمُوَكَّلٌ بِالرِّيَاحِ وَالْجُنُودِ. وَأَمَّا مِيكَائِيلُ فَمُوَكَّلٌ بِالْقَطْرِ وَالْمَاءِ وَأَمَّا مَلَكُ الْمَوْتِ فَمُوَكَّلٌ بِقَبْضِ الْأَرْوَاحِ. وَأَمَّا إِسْرَافِيلُ فَهُوَ يَنْزِلُ بِالْأَمْرِ عَلَيْهِمْ. (تفسیر قرطبی ج ۱۴ ص ۸۶)

دنیا کی تدبیر کرنے والے چار فرشتے ہیں: جبریل، میکائیل، ملک الموت اور اسرافیل، صلوت اللہ علیہم اجمعین، رہے جبریل تو وہ ہواؤں اور لشکروں پر مامور ہیں، اور میکائیل رزق کی فراہمی اور بارش نازل کرنے پر مقرر ہیں، اور ملک الموت کے ذمہ روحوں کو قبض کرنا ہے اور رہے اسرافیل تو ان کا کام حوادث کو نازل کرنا ہے، ایک قول یہ ہے کہ تدبیر کا مقام عرش الٰہی ہے اور عرش کے نیچے اس تدبیر کے مطابق کارروائی ہوتی ہے۔

اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے معاملات کی اسباب سماویہ مثلاً فرشتوں کے ذریعہ تدبیر کرتا ہے، اور تدبیر کی اپنی طرف اضافت اس لیے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے معاملات کی اسباب سماویہ مثلاً فرشتوں کے ذریعہ تدبیر کرتا ہے، اور تدبیر کی اپنی طرف اضافت اس لیے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف: ۵۴) سنو چیزوں کو پیدا کرنا اور ان کے لیے احکام کو نافذ کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے۔

اور پیدا کرنے اور احکام نافذ کرنے سے ہی عظمت ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ جس سلطان کی کئی ملکوں پر حکومت ہو اور ان ملکوں میں اسی کے حکم پر عمل کیا جاتا ہو اس کی سطوت، شوکت، اور ہیبت دلوں پر بیٹھ جاتی ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

علامہ غلام رسول سعیدی اس مقام پر لکھتے ہیں کہ اس کے بعد فرمایا: پھر وہ کام اس کی طرف اس دن میں چڑھے گا جس کی مقدار تمہارے گننے کے مطابق ایک ہزار سال ہے۔ آیت کی اس حصہ کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں

① اللہ تعالیٰ عرش اور لوح محفوظ سے قضاء وقدر کے احکام زمین پر نازل فرماتا ہے اور زمین پر وہ احکام نافذ ہوتے ہیں، جیسے موت اور حیات، صحت اور مرض، عطا اور منع کرنا غنا اور فقر، جنگ اور صلح،

عزت اور ذلت وغیرہ، اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر سے اپنی تقدیر کے مطابق یہ تدبیریں کرتا ہے اور اپنے تصرفات کو نافذ فرماتا ہے۔

② اللہ تعالیٰ عرش سے زمین پر فرشتوں کی وساطت سے اپنے احکام شرعیہ کو نافذ فرماتا ہے، پھر فرشتے ان احکام کے مطابق بندوں کے کیے ہوئے اعمال کو مقبول کرانے کے لیے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں، اور زمین سے آسمان دنیا کی مسافت پانچ سو سال کا عرصہ ہے اور ان کے اترنے اور چڑھنے کی مسافت دنیا والوں کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہے اگرچہ فرشتے یہ مسافت ایک دن سے بھی کم میں طے کر لیتے ہیں۔

③ اللہ تعالیٰ روزانہ حادث ہونے والے معاملات کی تدبیر لوح محفوظ میں مقرر فرما دیتا ہے پھر فرشتے ان کو لے کر زمین پر اترتے ہیں پھر اس کی رپورٹ لے کر آسمان پر چڑھتے ہیں جو فی نفسہ ایک ہزار سال کی مسافت ہے لیکن وہ بہت کم وقت میں چڑھتے ہیں۔

④ فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکام شرعیہ لے کر زمین پر نازل ہوتے ہیں اور ان پر اخلاص سے عمل کرنے والے چونکہ بہت کم ہوتے ہیں اس لیے کافی مدت کے بعد ان کے اعمال کو لے کر آسمان پر چڑھتے ہیں۔

⑤ اہم اور عظیم امور کے متعلق عرش عظیم سے حکم صادر ہوتا ہے اور فرشتے اس حکم کو لے کر زمین پر نازل ہوتے ہیں اور فرشتے اس کو انجام دینے کے انتظامات میں لگ جاتے ہیں اور اس کے تمام ظاہری اور باطنی اسباب کو مہیا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے موافق وہ عظیم امور مدت طویلہ تک باقی رہتے ہیں، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کسی اور عظیم کام کے اسباب مہیا کرنے کا حکم دیتا ہے۔

⑥ مجاہد بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہزار سال کی تدبیریں فرشتوں کو القاء فرما دیتا ہے اور یہ اس کے نزدیک ایک دن ہے، پھر جب فرشتے ان کو انجام دے کر فارغ ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں آئندہ ایک ہزار سال کی تدبیریں القا فرما دیتا ہے۔

⑦ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے مطابق مختلف ادوار میں گزرتا ہوا بہ تدریج اپنے منتہائے کمال تک پہنچتا ہے پھر اس کے جو نتائج اور آثار مرتب ہوتے ہیں وہ بارگاہ ربوبیت میں پیش ہونے کے لیے

چڑھتے ہیں۔ ⑧ اللہ تعالیٰ اس کائنات کی جو تدبیر فرماتا ہے اگر انسان اور بشر اس کی تدبیر کرتے تو اس میں ایک ہزار سال لگتے۔

⑨ حضرت جبریل آسمان سے زمین کی طرف وحی لے کر آتے ہیں، پھر واپس اس جگہ پہنچتے ہیں جہاں سے وحی قبول کی تھی اور یہ درحقیقت ایک ہزار سال کی مسافت ہے، کیونکہ زمین سے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اور آنے جانے کے اعتبار سے ایک ہزار سال کی مسافت ہے لیکن حضرت جبریل امین اس مسافت کو ایک دن میں طے کر لیتے ہیں۔

⑩ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یوم سے مراد یوم قیامت ہو، یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں سے زمین تک تمام کائنات کی تدبیر فرماتا ہے، پھر ایک وقت آئے گا جس میں یہ سارا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور تمام انسانوں کے اعمال آخری فیصلہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیے جائیں گے اور یہی قیامت ہے اور یہ دن ایک ہزار سال کا ہو گا۔ (تفسیر تبیان القرآن)

پچاس ہزار سال کے دن اور ایک ہزار سال کے دن کی آیتوں میں تطبیق: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ کہتے ہیں کہ قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہو گا، حالانکہ قرآن مجید میں ہے کہ یہ دن پچاس ہزار سال کا ہو گا: تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (المعارج ۴) فرشتے اور جبریل اس کی طرف اس دن میں چڑھیں گے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہ قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہو گا، لیکن وہ اپنی شدت اور ہول ناکی کے اعتبار سے کفار پر پچاس ہزار اور مومن پر اپنی خفت اور آسانی کے اعتبار سے صرف اتنے وقت میں گزرے گا جتنے وقت میں ایک فرض نماز پڑھی جاتی ہے۔

سورۃ السجدہ میں دن کی مقدار ایام دنیا کے اعتبار سے ایک ہزار سال فرمائی ہے اور سورۃ المعارج میں اس کی مقدار پچاس ہزار سال فرمائی ہے، مفسرین نے ان میں اس طرح تطبیق فرمادی ہے کہ زمین سے آسمان دنیا کی مسافت ایام دنیا کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہے اور زمین کے آخری طبقہ

سے لے کر پہلے آسمان تک یہ مسافت ایام دنیا کے اعتبار سے پچاس ہزار سال ہے۔(تبیان القرآن)

رہا یہ کہ ہم نے یہ کہا ہے کہ مومن کے اوپر یہ وقت اتنی دیر میں گزرے گا جتنے وقت میں فرض نماز پڑھی جاتی ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ قیامت کا پچاس ہزار سال کا دن کس قدر طویل ہو گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے یہ وقت مومن پر بہت خفیف ہو کر گزرے گا، حتیٰ کہ مومن جتنے وقت میں دنیا میں فرض نماز پڑھتا تھا یہ اس سے بھی کم وقت میں گزر جائے گا۔(مسند احمد ج ۳ ص ۷۵، بحوالہ تفسیر تبیان القرآن)

عطا اور مقاتل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تمام مخلوق کا حساب قیامت کے دن بندوں کے ذمہ کیا جاتا تو اس میں پچاس ہزار سال لگتے لیکن اللہ تعالیٰ دنیا کے اعتبار سے آدھے دن میں اس حساب سے فارغ ہو جائے گا۔(تفسیر بغوی)

محمد بن الفضل نے کلبی سے روایت کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مخلوق کا حساب فرشتوں اور جن وانس کے ذمہ لگاتا تو وہ پچاس ہزار سال میں بھی یہ حساب نہ لے پاتے اور اللہ تعالیٰ ایام دنیا کی ایک ساعت میں اس حساب سے فارغ ہو جائے گا۔(معالم التنزیل ج ۵ ص ۱۵۲)

شیخ الاسلام مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے ایک ہزار سال کے برابر ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کی صحیح تشریح تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے متشابہات میں بھی شمار کیا ہے، لیکن دوسرے مفسرین کے مطابق اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے جو ایک ہزار سال کے برابر ہو گا، اور مطلب یہ ہے کہ جتنی مخلوقات کا انتظام اس وقت اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں، وہ سب آخر کار قیامت کا دن ہے جو ایک ہزار سال کے برابر ہو گا، اور مطلب یہ ہے کہ جتنی مخلوقات کا انتظام اس وقت اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں، وہ سب آخر کار قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن امور کا فیصلہ فرماتے ہیں، ان کی تنفیذ اپنے اپنے طے

شدہ وقت پر ہوتی ہے، چنانچہ بعض امور کی تنفیذ میں انسانوں کی گنتی کے مطابق ایک ہزار سال بھی لگ جاتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ایک ہزار سال بھی کوئی بڑی مدت نہیں ہے، بلکہ ایک دن کے برابر ہے، چنانچہ جیسا کہ سورۃ حج ۴۷ میں فرمایا گیا ہے، کفار کے سامنے جب یہ کہا جاتا تھا کہ ان کے کفر کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا یا آخرت میں عذاب آئے گا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے، اور کہتے تھے کہ اتنے دن گذر گئے، لیکن کوئی عذاب نہیں آیا، اگر واقعی عذاب آنا ہے تو ابھی کیوں نہیں آجاتا؟ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کر رکھا ہے وہ تو ضرور پورا ہو گا، رہا اس کا وقت، تو وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمت کے مطابق متعین ہو گا اور تم جو سمجھ رہے ہو کہ اس کے آنے میں بہت دیر ہو گئی ہے تو درحقیقت تم جس مدت کو ایک ہزار سال سمجھتے ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے۔ (توضیح القرآن)

اللہ تعالیٰ کا کامل علم، غلبہ اور رحمت

سوال اس آیت کی تفسیر کیجیے۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ {٦} السجدہ

جواب ترجمہ: وہی پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے زبردست ہے رحمت والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ کے لیے عالم الغیب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام ان چیزوں کو جانتا ہے جو مخلوق کی نگاہوں سے اوجھل اور پوشیدہ ہیں، زمین و آسمان کے راز، دلوں کے خیالات، ماضی کے واقعات اور مستقبل کے تمام حالات اس کے علم میں ہیں، اسی طرح الشہادۃ سے مراد وہ چیزیں ہیں جو مخلوق کے سامنے ظاہر اور مشاہدے میں ہیں، گویا اللہ تعالیٰ ہر مخفی اور ظاہر شے کا جاننے والا ہے۔

یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے کوئی چیز غیب نہیں، غیب اور شہادت کی تقسیم مخلوق کے اعتبار سے ہے، یعنی جو چیزیں انسانوں سے پوشیدہ ہیں وہ بھی اللہ کے علم میں ہیں اور جو چیزیں لوگوں کے سامنے ظاہر ہیں وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں، اسی لیے مفسرین کرام نے فرمایا کہ عالم الغیب کا معنی ہے "جو چیز مخلوق سے غائب ہو، اللہ اسے بھی جانتا ہے" اس کے بعد فرمایا

الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ: یعنی وہ زبردست غلبہ والا اور بے پایاں رحمت فرمانے والا ہے، اس کی قدرت ایسی کامل ہے کہ کوئی اس کے فیصلوں کو روک نہیں سکتا اور اس کی رحمت ایسی وسیع ہے کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کی مہربانیوں سے فیض یاب ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر رحم فرمانے والا کوئی نہیں، وہ اپنے بندوں کے لیے رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔

تخلیق انسانی کے مراحل

سوال سورۃ السجدہ میں بیان کیے گئے انسانی تخلیق کے مختلف مراحل کا ذکر کیجیے

اَلَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝{۷}ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ {۸}ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝{۹}السجدۃ.

جواب ترجمہ: اس نے جو چیز بھی پیدا کی، اسے خوب بنایا، اور انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی۔ پھر اس کی نسل ایک نچوڑے ہوئے حقیر پانی سے چلائی۔ پھر اسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی، اور (انسانو) تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل پیدا کیے۔ تم لوگ شکر تھوڑا ہی کرتے ہو۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے ہر چیز کو عدم سے وجود بخشا، انسان کو پیدا کیا، سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا، پھر ان کی اولاد کی نسل ایک رقیق، کمزور اور حقیر پانی سے چلائی، یوں اس نے انسانی تخلیق کو مکمل کیا، بغیر کسی نمونے اور ماڈل کے بہت ہی خوبصورت پیدائش کی، انسان کو احسن تقویم کا تمغہ عنایت کیا، پھر فرشتہ بھیج کر اس میں روح پھونکی گئی، انسان یوں اللہ کی قدرت کا شاہکار بنایا گیا، اسے سننے اور دیکھنے کی نعمت سے نوازا گیا، جس کے باعث وہ آوازوں، رنگوں، ذوات اور اشخاص کے درمیان فرق کرتا ہے، عقل و شعور کی نعمت سے مالامال کیا گیا جس کے ذریعے یہ خیر اور شر کے درمیان تمیز کرتا ہے، نفع بخش اور نقصان دہ چیزوں کے درمیان فرق کرتا ہے، مگر انسانوں میں بہت ہی تھوڑے ایسے لوگ ہیں جو ان نعمتوں کے ملنے پر اس کے شکر گزار ہوتے ہیں۔

مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا

سوال آیت کا ترجمہ کیجیے، نیز بتائیے کہ آیت میں مذکور أَئِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَئِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ کا کیا معنیٰ اور مفہوم ہے

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۭ بَلْ هُمْ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ {۱۰} السجدۃ.

جواب ترجمہ: اور انہوں نے کہا کیا یہ واقعی بات ہے کہ جب ہم مٹی میں رل مل جائیں گے تو نئے طور پر پیدا ہوں گے، بلکہ بات یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔

خلاصہ تفسیر: کفار کا عقیدہ بیان ہو رہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد جینے کے قائل نہیں۔ اور اسے وہ محال جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہمارے ریزے ریزے جدا ہو جائیں گے اور مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے پھر بھی کیا ہم نئے سرے سے بنائے جاسکتے ہیں۔ افسوس یہ لوگ اپنے اوپر اللہ کو بھی قیاس کرتے ہیں اور اپنی محدود قدرت پر اللہ کی نامعلوم قدرت کا اندازہ کرتے ہیں۔ مانتے ہیں جانتے ہیں کہ اللہ نے اول بار پیدا کیا ہے۔ تعجب ہے پھر دوبارہ پیدا کرنے پر اس کی قدرت کیوں نہیں مانتے ؟ حالانکہ اس کا تو صرف فرمان چلتا ہے۔ جہاں کہا یوں ہو جا وہیں ہو گیا۔ اسی لئے فرمادیا کہ انہیں اپنے پروردگار کی ملاقات سے انکار ہے۔

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اور جو لوگ قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنے کے منکر ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر زمین میں رل مل گئے اور اس میں غائب اور گم ہو گئے اور ہمارے اعضا اور زمین کے اجزا میں کوئی تمیز نہ رہی تو کیا ہم نئی پیدائش میں ہوں گے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ منکرین بعث کا یہ قول محض تعجب کی بنا پر نہیں بلکہ یہ لوگ ازراہ عناد خدا کے سامنے پیش ہونے کے بالکل منکر ہیں، آپ ان منکرین آخرت کے جواب میں کہہ دیجئے کہ تم لوگ محض اس جسم خاکی کو آدمی سمجھتے ہو کہ جب وہ مر گیا تو مٹی میں رل مل کر نیست و نابود ہو گیا بلکہ تم جسم اور روح سے مل کر بنے ہو اور اصل حقیقت تمہاری وہ روح یعنی جان ہے اور یہ پیکر جسمانی روح انسانی کا

لباس ہے اصل انسان وہ جان ہے مرنے کے وقت موت کا فرشتہ تمہاری روح اور جان کو تمام اعضا بدن سے پوری طرح قبض کر کے اور اس جسم خاکی سے نکال کر دوسرے عالم میں لے جاتا ہے اور یہ موت کا فرشتہ وہ ہے جو تمہاری جان نکالنے ہی کے لئے تم پر مقرر کیا گیا ہے، وہ تمہاری جان نکال کر لے جاتا ہے اور جسم کو یہاں چھوڑ دیتا ہے، موت سے بظاہر جسم اور روح الگ الگ ہو گئے، جسم یہاں رہ گیا اور مٹی بن گیا اور روح دوسرے عالم میں چلی گئی، پھر جب قیامت آئے گی تو تمہاری اس مٹی میں پھر روح پھونک دی جائے گی اور تم دوبارہ زندہ ہو جاؤ گے اور اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے اور اس کے سامنے حاضر کر دیئے جاؤ گے، جس خدا نے تم کو پہلی بار مٹی سے پیدا کیا اور تم میں روح ڈالی وہی خدا پھر تمہارے خاکی اجزاء کو جمع کر کے دوبارہ ان میں روح ڈال دے گا، خلاصہ کلام یہ کہ موت سے انسان بالکل فنا اور نیست نہیں ہو جاتا بلکہ انسان کی روح کو فرشتہ لے جاتا ہے اور جسم خاکی یہاں رہ جاتا ہے اور حسب سابق مٹی بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان خاکی اجزا متفرقہ کو جمع کر کے پھر ان میں روح ڈال دے گا۔ (تفسیر معارف القرآن)

أَئِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَئِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ: کا مفہوم یہ ہے کہ کیا جب ہمارا گوشت اور ہماری ہڈیاں زمین کی مٹی میں رل مل جائیں گی تو ہمیں دوسری بار پیدا کیا جائے گا؟

موت، قبض روح اور قیامت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ {۱۱} وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ {۱۲} السجدہ

جواب ترجمہ: آپ فرما دیجیے ملک الموت تمہاری جانوں کو قبض کرتا ہے جو تم پر مقرر ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور اے مخاطب! اگر تو اس موقع کو دیکھے جبکہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے تو عجیب منظر دیکھے گا۔ یہ لوگ کہہ رہے ہوں گے کہ اے

ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا سو ہم کو واپس بھیج ہم نیک عمل کریں گے بلاشبہ ہمیں یقین آگیا۔

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ : اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے منکرینِ قیامت کے شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے موت اور دوبارہ زندہ کیے جانے کی حقیقت کو بیان فرمایا ہے، کفار بعث بعد الموت کو بعید سمجھتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ جس ذات نے پہلی مرتبہ انسان کو پیدا کیا، وہی موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی پوری قدرت رکھتی ہے۔

لفظ يَتَوَفّٰىكُمْ مادہ توفیہ سے نکلا ہے، جس کا معنی ہے کسی چیز کو پورا پورا وصول کر لینا اور مکمل طور پر قبضے میں لے لینا، اسی لیے جب انسان کی روح قبض کی جاتی ہے تو عربی میں کہا جاتا ہے : تَوَفَّاهُ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی روح کو پورے طور پر لے لیا۔

ملک الموت کا تذکرہ: اس آیت میں جس فرشتے کا ذکر ہے وہ ملک الموت ہیں، جنہیں عام طور پر حضرت عزرائیل علیہ السلام کہا جاتا ہے، ان کا کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخلوق کی روحوں کو قبض کرنا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کا ہر تصرف اللہ تعالیٰ کے اذن، مشیت اور قدرت کے تابع ہے، وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام کے مطابق فرائض انجام دیتے ہیں۔

احادیثِ مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ ملک الموت ہر مومن کے ساتھ نرمی اور رحمت کا معاملہ کرتے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری صحابی کے پاس ملک الموت کو دیکھا تو فرمایا: ”میرے صحابی کے ساتھ نرمی کرنا، کیونکہ یہ مومن ہے“ اس پر ملک الموت نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ خوش ہو جایئے، میں ہر مومن کے ساتھ نرمی کرنے والا ہوں“۔

اسی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ملک الموت روزانہ کئی مرتبہ انسانوں کے پاس آتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ہر چھوٹے بڑے فرد کو اچھی طرح پہچان لیتے ہیں، مزید فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک مچھر کی روح بھی قبض نہیں کر سکتے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

روح قبض کرنے کی نسبت کس کی طرف ہے؟ قرآنِ کریم میں کبھی روح قبض کرنے کی نسبت براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے، جیسے فرمایا: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا اور کبھی ملک

الموت یا فرشتوں کی طرف نسبت کی گئی ہے۔

ان تمام آیات میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ حقیقت میں موت اور حیات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، ملک الموت اور دوسرے فرشتے صرف اسباب اور واسطے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنا کام انجام دیتے ہیں، چنانچہ اصل فاعل اللہ تعالیٰ ہے، جبکہ فرشتے اس کے مقرر کردہ خادم اور مامور ہیں۔ بعض آثار میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ پوری دنیا ملک الموت کے سامنے اس طرح ہے جیسے کسی انسان کے سامنے ایک تھال رکھا ہو، جہاں سے وہ بآسانی جو چاہے لے لے، اس مثال سے مراد ان کی سرعتِ عمل اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قدرت کو بیان کرنا ہے۔

موت کے اسباب اور حکمت: روایات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب ملک الموت کو روحیں قبض کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تو انہوں نے عرض کیا: ”اے میرے رب! لوگ موت کی نسبت میری طرف کریں گے اور مجھے برا کہیں گے“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں موت کے لیے مختلف امراض، حادثات اور ظاہری اسباب پیدا کردوں گا تاکہ لوگ انہی اسباب کو موت کا ذریعہ سمجھیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جو بیماریاں، حادثات اور دیگر اسبابِ موت نظر آتے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ظاہری ذرائع ہیں، جبکہ حقیقت میں موت کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے نافذ ہوتا ہے۔

وکالت کے جواز پر استدلال: بعض فقہاء نے اس آیت کے لفظ وُكِّلَ بِكُمْ سے وکالت کے جواز پر استدلال کیا ہے، کیونکہ اس میں ملک الموت کو بندوں کی روحیں قبض کرنے پر مامور قرار دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی کام کو دوسرے کے سپرد کرنا اور اس کی نیابت لینا شرعاً جائز ہے۔

البتہ مفسرین نے وضاحت فرمائی ہے کہ قرآن کے الفاظ کو ان کے اصل مقاصد اور سیاق کے مطابق سمجھنا ضروری ہے، ہر جگہ محض لفظی مشابہت سے فقہی حکم ثابت نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کے لیے معنی، مقصد اور شرعی اصولوں کو پیشِ نظر رکھنا لازم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ: اس آیتِ کریمہ میں قیامت کے دن

مجرموں کی ذلت، ندامت اور حسرت ناک کیفیت کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر آپ اس منظر کو دیکھیں، جب گناہگار لوگ اپنے رب کے حضور سر جھکائے کھڑے ہوں گے، تو ایک نہایت ہولناک اور عبرتناک منظر دیکھیں گے۔

مفسرین نے فرمایا کہ یہاں خطاب اگرچہ بظاہر نبی کریم ﷺ سے ہے، لیکن مقصود پوری امت کو تنبیہ کرنا ہے تاکہ لوگ انجامِ آخرت سے عبرت حاصل کریں۔

لفظ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ اس حالت کو ظاہر کرتا ہے کہ مجرم لوگ شرمندگی، رسوائی، خوف، غم اور ذلت کے باعث سر جھکائے ہوئے ہوں گے، دنیا میں وہ تکبر، سرکشی اور انکار میں مبتلا تھے، لیکن قیامت کے دن حقیقت سامنے آجانے کے بعد ان کے پاس سوائے ندامت کے کچھ باقی نہ رہے گا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ کہیں گے:

رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا: ”اے ہمارے رب! اب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا“ یعنی جن حقائق کا دنیا میں انکار کرتے تھے، آج وہ سب ان کے سامنے آشکار ہو چکے ہیں، اب انہیں قیامت، حساب، جنت و جہنم اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی سچائی پر کامل یقین حاصل ہو گیا ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب ہم نے تیرے وعدوں کی صداقت کو دیکھ لیا اور تیرے رسولوں کی باتوں کو سچا مان لیا۔

لیکن یہ ایمان اور یقین اس وقت حاصل ہوا جب وہ ان کے لیے نفع بخش نہ رہا، کیونکہ آخرت دارالعمل نہیں بلکہ دارالجزاء ہے، دنیا میں ایمان بالغیب مطلوب تھا، جبکہ قیامت میں تو ہر حقیقت آنکھوں کے سامنے ہو گی۔ پھر وہ حسرت اور بے بسی کے عالم میں عرض کریں گے:

فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ: ”اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ ہم نیک اعمال کریں، اب ہمیں یقین حاصل ہو چکا ہے“ یعنی وہ دنیا میں دوبارہ جانے کی تمنا کریں گے تاکہ ایمان لا کر اطاعت و عبادت کی زندگی اختیار کریں، بعض مفسرین کے نزدیک ان کا مطلب یہ ہو گا کہ اب ہم قیامت اور دوبارہ زندہ کیے جانے پر یقین کر چکے ہیں، جبکہ بعض نے فرمایا کہ اب ہم اس دین کی حقانیت پر ایمان لے آئے ہیں جو حضرت محمد ﷺ لے کر تشریف لائے تھے۔

لیکن قرآنِ کریم دوسری جگہ واضح فرماتا ہے کہ اگر انہیں دوبارہ دنیا میں بھی بھیج دیا جائے تو پھر وہی پرانے اعمال اختیار کریں گے:

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ: یعنی اگر انہیں واپس لوٹا بھی دیا جائے تو وہ دوبارہ انہی کاموں میں لگ جائیں گے جن سے روکا گیا تھا۔

جہنم کو کس سے بھرا جائے گا؟

سوال وہ کون سے اہل جہنم ہوں گے جن کے ساتھ قیامت کے دن دوزخ کو بھرا جائے گا؟ قرآنی آیت کی روشنی میں واضح فرمایئے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ {۱۳} السجدۃ.

جواب ترجمہ: اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو (پہلے ہی) اس کی ہدایت دے دیتے، لیکن وہ بات جو میری طرف سے کہی گئی تھی، طے ہو چکی ہے کہ: میں جہنم کو جنات اور انسانوں سب سے ضرور بھر دوں گا۔

خلاصہ تفسیر: مفتی تقی عثمانی اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یعنی اگر اللہ تعالیٰ زبردستی لوگوں کو ہدایت پر لانا چاہتے تو وہ ضرور ایسا کر سکتے تھے، لیکن اس صورت میں وہ آزمائش نہ ہوتی جو انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے، انسان کی آزمائش تو اسی میں تھی کہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر پیغمبروں کی بات پر ایمان لائے، جنت اور جہنم کا آنکھ سے نظارہ کر لینے کے بعد اس پر زبردستی ایمان لانے میں کوئی آزمائش نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اس آزمائش کی خاطر انسان کو پیدا کر کے ازل ہی میں یہ طے کر لیا تھا کہ جو لوگ عقل سے کام لے کر پیغمبروں کی اطاعت نہیں کریں گے؛ بلکہ ان کو جھٹلائیں گے، ان سے میں جہنم کو بھر دوں گا۔ (توضیح القرآن) حضرت صوفی عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ارشاد ہوتا ہے

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا: اگر ہم چاہیں تو ہر نفس کو ہدایت کے راستے پر چلا دیں مگر یہ تو زبردستی ہدایت پر چلانے والی بات ہو گی۔

سورۃ الانعام میں فرمایا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (آیت ۳۵) اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ مگر ایسا کرنا اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ اس کا قانون یہ ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الدھر، ۳) ہم نے انسان کی راہنمائی صراط مستقیم کی طرف کر دی ہے اپنے انبیاء بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر ہدایت کے تمام سامان مہیا کر دیئے ہیں، اب یہ ہر شخص کی اپنی صوابدید پر ہے کہ وہ ہدایت والا راستہ اختیار کرتا ہے، یا کفر، شرک اور گمراہی والا، اب جو شخص اپنے اختیار اور ارادے سے ہدایت کو قبول کرے گا، وہ اس امتحان میں سرخرو ہو گا، اگر انسان کو اللہ تعالیٰ زبردستی ہدایت کے راستے پر ڈال دے تو انسان کی حیثیت ایک جدید پتھر سے زیادہ نہ ہو کہ جس طرف چاہا لڑھکا دیا۔ اللہ نے انسان کو قوائے ظاہرہ اور باطنہ دے کر فی الجملہ خود مختار بنا دیا ہے کہ وہ جو نسا راستہ چاہے اختیار کرے اب اس کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار اس کی اپنی پسند ناپسند پر ہے، فرمایا اگر ہم چاہتے تو سب کو راہ راست پر لے آتے

وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ: مگر میری طرف سے حق بات یہ ہے کہ میں جنوں اور انسانوں سب سے جہنم کو بھر دوں گا، جنوں اور انسانوں میں سے جو بھی کفر، شرک اور معاصی کے راستے پر چلے گا، سب کو جہنم رسید کروں گا، جب شیطان نے اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنے کی قسم اٹھائی تھی تو اللہ نے اس کے بارے میں بھی یہی الفاظ استعمال کئے تھے لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ میں تجھے اور تیرے پیروکاروں سے جہنم کو بھر دوں گا۔ مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے۔

غفلت آخرت کا انجام

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۖ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ {۱۴} السجدہ

جواب ترجمہ: سو تم آج کے دن کی ملاقات کو بھول جانے کی وجہ سے چکھ لو، بلاشبہ ہم نے تمہیں

بھلا دیا اور تم جو اعمال کیا کرتے تھے ان کی وجہ سے ہمیشگی والا عذاب چکھ لو۔

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا: ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ قیامت کے دن مجرموں کو بطورِ سرزنش، ملامت اور رسوائی یہ کہا جائے گا، ”اب عذاب کا مزہ چکھو، کیونکہ تم دنیا کی زندگی میں اس دن کی ملاقات کو بھلا بیٹھے تھے“ یعنی تم نے دنیا میں آخرت، حساب و کتاب اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کو فراموش کیے رکھا، تمہاری ساری توجہ دنیا کی خواہشات، لذتوں اور نفسانی خواہشوں پر مرکوز رہی، اور تم نے اس عظیم دن کی تیاری نہ کی جس میں ہر انسان کو اپنے اعمال کا جواب دینا تھا۔ پھر فرمایا:

اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ: ”آج ہم بھی تمہیں بھلا دیتے ہیں“ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ حقیقتاً کسی کو بھول جاتا ہے، کیونکہ بھول جانا اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت، کرم اور لطف سے محروم کر دے گا، جس طرح انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آخرت کی فکر کو نظر انداز کیا تھا، اسی طرح آج انہیں عذاب میں چھوڑ دیا جائے گا اور ان کی کوئی مدد نہ کی جائے گی، اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ: ”اور ہمیشہ رہنے والے عذاب کا مزہ چکھو، ان اعمال کے سبب جو تم دنیا میں کرتے رہے تھے“ یعنی یہ دائمی عذاب ان کے اپنے برے اعمال، کفر، نافرمانی اور گناہوں کا نتیجہ ہو گا، دنیا کی چند روزہ خواہشات کے پیچھے انہوں نے اپنی ابدی زندگی کو تباہ کر لیا، اس لیے اب انہیں ایسا عذاب دیا جائے گا جو کبھی ختم نہ ہو گا۔

اس آیتِ مبارکہ میں اہلِ ایمان کے لیے بڑی نصیحت ہے کہ انسان دنیا کی عارضی زندگی میں اس قدر غافل نہ ہو جائے کہ آخرت کو فراموش کر دے، جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کی یاد، قیامت کے حساب اور نیک اعمال کی فکر رکھے گا، وہی آخرت کی کامیابی سے سرفراز ہو گا۔

مومن اور کافر، دونوں کا انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا

يَسْتَكْبِرُوْنَ{۲۰}تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ{۱۶}فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ{۱۷}اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ{۱۸}اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۭ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ {۱۹}وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ{۲۰}السجدہ

جواب ترجمہ: ہماری آیات پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں جس کے ساتھ حمد بھی ہوتی ہے اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ ان کے پہلو لیٹنے کی جگہوں سے جدا ہوتے ہیں، وہ ڈرتے ہوئے اور امید باندھتے ہوئے اپنے رب کو پکارتے ہیں اور ہم نے انھیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ سو کسی شخص کو اس کا علم نہیں ہے جو ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان پوشیدہ رکھا گیا ہے یہ ان اعمال کا بدلہ ہوگا جو دنیا میں کیا کرتے تھے۔ سو جو شخص مومن ہو گیا وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے؟ برابر نہیں ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے باغ ہوں گے ٹھہرنے کی جگہوں میں یہ بطور مہمانی ان اعمال کے بدلہ ہوں گے جو دنیا میں کیا کرتے تھے۔ اور جن لوگوں نے نافرمانی کی ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جب بھی اس میں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اسی میں واپس لوٹا دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ آگ کا عذاب چکھ لو جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

خلاصہ تفسیر وربط: جب اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیات میں مجرموں، منکرینِ قیامت اور ان کے دردناک انجام کا ذکر فرمایا تو اب ان کے مقابلے میں اہلِ ایمان کی پاکیزہ صفات اور ان کے عظیم اجر کو بیان فرمایا، تاکہ حق و باطل اور اہلِ طاعت و اہلِ معصیت کے انجام کا فرق واضح ہو جائے۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا : یعنی ہماری آیات پر حقیقی ایمان وہ لوگ لاتے ہیں جنہیں جب اللہ تعالیٰ کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ عاجزی اور خشوع کے

ساتھ سجدے میں گر پڑتے ہیں، یہ اہلِ ایمان کی علامت ہے کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی آیات سے متاثر ہوتے ہیں، وہ تکبر، عناد اور سرکشی اختیار نہیں کرتے بلکہ اپنے رب کی عظمت کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ :وہ اپنے رب کی حمد و تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔

تہجد گزار بندوں کی شان: پھر اللہ تعالیٰ نے ان مخلص بندوں کی ایک عظیم صفت بیان فرمائی:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ: یعنی ان کے پہلو اپنے بستروں سے الگ رہتے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ رات کی راحت اور نیند کو چھوڑ کر اپنے رب کی عبادت کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، تہجد کی نماز، رات کی دعائیں اور خشوع و خضوع کے لمحات انہیں دنیا کی آسائشوں سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں۔

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا: وہ اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں، یعنی ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف بھی ہوتا ہے اور اس کی رحمت کی امید بھی، مومن کی یہی شان ہے کہ وہ نہ صرف خوف میں ڈوبا رہتا ہے اور نہ صرف امید پر تکیہ کرتا ہے، بلکہ خوف و رجاء کے درمیان رہ کر عبادت کرتا ہے۔ پھر فرمایا:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ: اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے، اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، یعنی وہ صرف عبادت ہی نہیں کرتے بلکہ اپنے مال کو بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں، محتاجوں کی مدد کرتے ہیں اور دین کی خدمت میں حصہ لیتے ہیں۔

جنت کی بے مثال نعمتیں: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان خوش نصیب بندوں کے اجر کو بیان فرمایا:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ: یعنی کوئی جان نہیں جانتی کہ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان چھپا کر رکھا گیا ہے، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کی نعمتیں اس قدر عظیم اور حسین ہوں گی کہ دنیا میں کسی انسان کا تصور بھی ان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا، وہ ایسی نعمتیں ہوں گی جو انسان کے دل کو کامل خوشی اور سکون عطا کریں گی، یہ سب ان نیک اعمال کا بدلہ

ہو گا جو وہ دنیا میں کرتے رہے۔

مومن اور فاسق: اللہ تعالیٰ کے ہاں اہل ایمان وایقان کی بڑی قدر ومنزلت ہے، اہل ایمان اللہ کے ہاں بڑا مقام رکھتے ہیں، یہ قرآن کریم کا حسین اسلوب بیان اور عمدہ پیرایہ بیان ہے کہ جب اس نے اہل ایمان کے مرتبے اور مقام کا ذکر کیا تو ساتھ ہی متنبہ بھی کر دیا کہ فساق، فجار، نافرمان اور بے ایمان اللہ کے ہاں کوئی مقام نہیں رکھتے، یہ دونوں اللہ کے ہاں برابر نہیں ہیں۔ ارشاد فرمایا

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ: کیا وہ شخص جو ایمان والا ہے، اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو نافرمان اور فاسق ہو؟ ہر گز نہیں، یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے، دنیا میں اگرچہ بعض اوقات اہلِ ایمان اور اہلِ باطل بظاہر ایک جیسے حالات میں نظر آتے ہیں، لیکن آخرت میں ان کے انجام بالکل جدا ہوں گے۔

اہلِ ایمان کا انجام: اہل ایمان اور اہل فسق یہ دونوں برابر نہیں ہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، پھر اللہ تعالیٰ نے دونوں کا الگ الگ انجام بھی بیان فرمایا، اہل ایمان کا انجام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى: جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، ان کے لیے رہنے کے باغات ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی دائمی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت، مہمان نوازی اور ان کے اعمالِ صالحہ کا بہترین صلہ ہو گا، جنت کی نعمتوں اور آسائشات کا دنیا کی چیزوں اور نعمتوں کے ساتھ کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا، وہاں وہ کچھ ہو گا جسے کسی آنکھ نے دیکھا تک نہیں، کسی کان نے ان نعمتوں کے تذکرے نہیں سنے، نہ ہی کسی دل پر ان کا کھٹکا گزرا ہے، وہ جہان ہی اور ہے، وہاں کا نظام ہی اور ہے۔

اہلِ کفر اور نافرمانوں کا انجام: اس کے برعکس اہل کفر اور فساق کا انجام بیان کیا گیا، کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ کی دھکتی آگ ہے، جھلسانے اور جلانے والی آگ ہے، انہیں ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہو گا، ارشاد ہے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ: اور جو لوگ نافرمانی اور کفر میں مبتلا رہے، ان کا ٹھکانا جہنم

ہو گا، وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، جب بھی وہ جہنم سے نکلنے کی کوشش کریں گے تو دوبارہ اسی میں لوٹا دیے جائیں گے اور انہیں بطورِ ملامت کہا جائے گا "اب اس آگ کے عذاب کا مزہ چکھو جسے تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے" یہ آیاتِ مبارکہ ایمان، عبادت، تہجد، خشوع، انفاق فی سبیل اللہ اور آخرت کی تیاری کی عظیم ترغیب دیتی ہیں، جبکہ غفلت، نافرمانی اور آخرت کے انکار سے سختی کے ساتھ خبردار کرتی ہیں۔

دنیا اور آخرت کا عذاب

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کیجیے، نیز بتایئے کہ اس آیت مبارکہ میں بیان کیے گئے عذاب الادنیٰ اور عذاب الاکبر سے کیا مراد ہے؟

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ {۲۱} السجدۃ.

جواب ترجمہ: اور ضرور ضرور ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے قریب والا عذاب چکھا دیں گے تاکہ وہ باز آجائیں۔

خلاصہ تفسیر: بڑے عذاب سے مراد آخرت کا عذاب اور قریب والے عذاب سے دنیا کا عذاب مراد ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر میں دو باتیں منقول ہیں، اول یہ کہ اہل مکہ کو جو چند سال قحط میں مبتلا کیا اس سے وہ عذاب مراد ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مشرکین مکہ کا غزوہ بدر میں مقتول ہونا اور شکست کھانا مراد ہے۔ اگر وَلَنُذِيقَنَّهُمْ کی ضمیر منصوب مشرکین مکہ کی طرف راجع ہو تو یہ دونوں تفسیریں اس کے مناسب ہیں، اور اگر عمومی طور پر سب ہی کافر اس ضمیر کا مرجع قرار دیئے جائیں تو پھر دنیا کے مصائب اور امراض مراد ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تیسرا قول بھی مروی ہے، دنیا کا یہ عذاب ایمان کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہوتا ہے تاکہ تنبہ ہو جائے اور توبہ کی طرف رجوع کر لیں۔ (روح المعانی)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ

يَعْنِي بِالْعَذَابِ الْأَدْنَى مَصَائِبَ الدُّنْيَا وَأَسْقَامَهَا وَآفَاتِهَا، وَمَا يَحِلُّ بِأَهْلِهَا مِمَّا يَبْتَلِي

اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ لِيَتُوْبُوْا إِلَيْهِ (تفسیر ابن کثیر) بالعذاب الادنیٰ سے مراد دنیا کے مصائب، دنیا کی بیماریاں اور دنیا کی آفات ہیں، اور اس سے مراد وہ چیزیں ہیں کہ جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائش میں ڈالتا ہے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کا ایک ارشاد یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد ان لوگوں پر حدود قائم کرنا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ، حضرت مجاہد رحمہ اللہ اور حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قبر کا عذاب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یوں نقل کیا ہے کہ اس سے مراد وہ قحط سالی ہے جس میں انہیں مبتلا کیا گیا تھا۔ (سنن الکبریٰ لامام نسائی بحوالہ ابن کثیر)

اللہ کی آیات سے اعراض کرنے والوں کا انجام

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ {۲۲} السجدہ

جواب ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جسے اس کے رب کی آیات یاد دلائی جائیں پھر وہ ان سے اعراض کرے، بلاشبہ ہم مجرمین سے بدلہ لینے والے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی شدید مذمت فرمائی ہے جسے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جائے، اس کے سامنے حق واضح کیا جائے، توحید، رسالت اور آخرت کی نشانیاں بیان کی جائیں، مگر وہ ان سب کے باوجود تکبر، عناد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ حق سے منہ موڑ لے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں ہو سکتا جو اپنے رب کی آیات سننے اور سمجھنے کے بعد بھی ان سے اعراض کرے، کیونکہ ایسا شخص صرف اپنی جان پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ جان بوجھ کر ہدایت، کامیابی اور نجات کے راستے کو چھوڑ دیتا ہے۔

یہ آیات انسان کو سیدھا راستہ دکھاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کی دلیلیں پیش کرتی

ہیں اور انسان کو دنیا و آخرت کی کامیابی کی طرف رہنمائی کرتی ہیں، اس لیے ان واضح دلائل کے بعد بھی انکار اور اعراض کرنا عقل، انصاف اور فطرت کے خلاف ہے۔

قرآنِ کریم کے اسلوب میں لفظ ثُمَّ اَعۡرَضَ خاص قابلِ غور ہے۔ مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ثُمَّ تعجب اور استبعاد کے معنی میں ہے، یعنی اتنی روشن، واضح اور ہدایت دینے والی آیات سننے کے بعد بھی کسی شخص کا ان سے منہ موڑ لینا نہایت عجیب اور عقل سے بعید بات ہے۔

اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی انسان کو کامیابی کا بہترین موقع مل جائے اور وہ پھر بھی اسے ضائع کر دے، انسان حیرت سے کہتا ہے: ”تمہیں ایسی عظیم فرصت ملی پھر بھی تم نے فائدہ نہ اٹھایا!“

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی آیات سراسر نور، ہدایت اور سعادت کا راستہ ہیں، مگر بعض لوگ اپنی ضد اور خواہشاتِ نفس کی وجہ سے ان سے اعراض کر لیتے ہیں۔ پھر فرمایا:

اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ مُنۡتَقِمُوۡنَ: یعنی ہم مجرموں سے ضرور انتقام لینے والے ہیں، مراد یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں، انہیں جھٹلاتے ہیں اور حق واضح ہو جانے کے باوجود سرکشی اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ایسا عذاب دے گا جو ان کے لیے ذلت، رسوائی اور عبرت کا سبب ہو گا۔

نکتہ: مفسرین نے یہاں یہ لطیف نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ایک شخص کے لیے یہ نہیں فرمایا کہ ”ہم اس سے انتقام لیں گے“، بلکہ عمومی انداز میں فرمایا اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ مُنۡتَقِمُوۡنَ تاکہ تمام مجرموں کو وعید سنائی جائے اور اس میں یہ اشارہ بھی ہو کہ جو سب سے بڑا ظالم ہے، وہ عذاب اور انتقام میں بھی سب سے زیادہ حصہ پائے گا۔

اس آیتِ مبارکہ میں اہلِ ایمان کے لیے بڑی نصیحت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی آیات سنیں تو عاجزی، تدبر اور قبولِ حق کے ساتھ ان پر عمل کریں، کیونکہ ہدایت سے منہ موڑنا انسان کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کا مستحق بنا دیتا ہے، اس لیے ہمیں بھی کوشش کرنا چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نورانی ارشادات کو جاننے والوں سے سیکھیں، پڑھیں، یاد رکھیں اور ہمہ وقت یہ کوشش ہو کہ ان پر مکمل طور پر عمل ہو، کسی طور پر ان سے اعراض و روگردانی نہیں ہونا چاہیے۔

آپ ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ {۲۳} السجدۃ

جواب ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو آپ اس کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجیے اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لیے موجب ہدایت بنایا تھا۔

خلاصہ تفسیر: حضرت قتادۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس ملاقات سے مراد معراج والی رات میں ملاقات کرنا ہے، حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا أُرِيتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي مُوسَى بْنَ عِمْرَانَ، رَجُلًا آدَمَ طُوَالا جَعْدًا، كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءة وَرَأَيْتُ عِيسَى رَجُلًا مَرْبُوعَ الْخَلْقِ، إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ، مُبْسَطَ الرَّأْسِ، وَرَأَيْتُ مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ وَالدَّجَّالَ، فِي آيَاتٍ أَرَاهُنَّ اللهُ إِيَّاهُ (ابن کثیر)

میں نے معراج والی رات حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ گندم گوں رنگ کے، لمبے قد کے گھونگریالے بالوں والے تھے ایسے جیسے قبیلہ شنوءہ کے آدمی ہوتے ہیں۔ اسی رات میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا وہ درمیانہ قد کے سرخ وسفید تھے، سیدھے بال تھے۔ میں نے اسی رات حضرت مالک علیہ السلام کو دیکھا جو جہنم کے داروغہ ہیں اور دجال کو دیکھا یہ سب ان نشانیوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائیں۔

آپ نے یقیناً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے ملے جس رات آپ کو معراج کرائی گئی، بلکہ باقی نبیوں کی بہ نسبت اس رات موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ بار ملاقات ہوئی، جب آپ ﷺ سے انہوں نے پوچھا تھا کہ اللہ کی طرف سے آپ کو کیا تحفہ پیش کیا گیا؟ تو آپ ﷺ نے پچاس نمازوں کا ذکر کیا، جس پر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی امت پچاس ادا نہیں کر سکے گی، اس پر آپ ﷺ نے بار بار اللہ کی بارگاہ میں حاضری دی، یہاں تک کہ پچاس سے پانچ رہ گئیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے بنی اسرائیل کا ہادی بنادیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ ہم نے اسرائیلیوں کو ہدایت دی، جیسے سورۃ بنی اسرائیل میں ہے وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا الإسراء: ۲) یعنی ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور بنی اسرائیل کے لیے ہادی بنادیا کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ سمجھو۔

صبر و یقین سے قیادت اور امم سابقہ سے عبرت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ {۲۴} اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ {۲۵} اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ {۲۶} السجدہ

جواب ترجمہ: اور ہم نے ان میں سے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے جبکہ انہوں نے صبر کیا، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔ بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان چیزوں میں فیصلے فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ کیا ان لوگوں کو اس چیز نے ہدایت نہیں دی کہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں، یہ لوگ ان کے رہنے کی جگہوں میں چلتے پھرتے ہیں، بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں، کیا یہ لوگ نہیں سنتے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے ان آیاتِ مبارکہ میں بنی اسرائیل کے نیک لوگوں کا تذکرہ فرمایا کہ جب انہوں نے صبر، استقامت اور کامل یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کا پیشوا اور رہنما بنادیا۔ ارشاد فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا: یعنی ہم نے ان میں ایسے پیشوا پیدا کیے جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کو ہدایت دیتے تھے، یہ حضرات خود بھی حق پر قائم تھے اور دوسروں کو بھی راہِ حق کی طرف بلاتے تھے، ان کی قیادت محض دنیاوی اقتدار یا نسب کی بنیاد پر نہیں تھی بلکہ ایمان، علم، صبر اور

عملِ صالح کی بنیاد پر تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس عظیم فضیلت کا سبب بیان فرمایا:

لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ: یعنی یہ مرتبہ انہیں اس وقت ملا جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر کامل یقین رکھا، اس سے معلوم ہوا کہ دینی قیادت اور روحانی عظمت کا اصل راز دو چیزوں میں ہے: ① اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر اور استقامت۔ ② اللہ تعالیٰ کی آیات اور وعدوں پر کامل یقین۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے، گناہوں سے بچنے اور دین کی دعوت کے راستے میں آنے والی تکلیفوں کو برداشت کرنے میں صبر سے کام لیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت کا چراغ بنادیا۔ اس کے بعد فرمایا:

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ: یعنی اے میرے حبیب ﷺ! آپ کا رب قیامت کے دن ان تمام اختلافات کا فیصلہ فرمادے گا جن میں لوگ دنیا میں پڑے رہے، دنیا میں حق اور باطل کے درمیان جھگڑے، انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور دین کے بارے میں اختلافات جاری رہے، لیکن قیامت کے دن ہر حقیقت واضح ہو جائے گی، اس دن اللہ تعالیٰ حق والوں کو عزت عطا فرمائے گا اور باطل پرستوں کو ان کے انجام تک پہنچادے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے منکرین کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ: کیا ان لوگوں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ان کے کفر اور نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر دیا، جبکہ یہ لوگ آج ان کے ویران گھروں اور بستیوں میں چلتے پھرتے ہیں؟ یعنی عاد، ثمود اور دیگر سرکش قوموں کے کھنڈرات اور تباہ شدہ بستیاں اس بات کی کھلی دلیل ہیں کہ جب قومیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور رسولوں کی تکذیب میں حد سے بڑھ جاتی ہیں تو ان پر عذاب نازل ہوتا ہے، ان تباہ شدہ بستیوں کو دیکھنے کے باوجود اگر انسان عبرت حاصل نہ کرے تو یہ اس کے دل کی سختی اور غفلت کی علامت ہے۔ اسی لیے فرمایا:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ: یہاں یہ فرمایا گیا کہ ان واقعات میں بڑی نشانیاں اور عبرتیں

موجود ہیں، کیا یہ لوگ نصیحت قبول کرنے کے لیے سنتے نہیں؟ مراد یہ ہے کہ صرف کانوں سے آواز سن لینا کافی نہیں، بلکہ حقیقی سننا وہ ہے جو انسان کے دل میں اثر پیدا کرے، اسے غور و فکر پر آمادہ کرے اور اسے حق قبول کرنے کی توفیق دے۔

یہ آیات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت، دینی قیادت اور عزت انہی لوگوں کو ملتی ہے جو صبر و یقین کے ساتھ دین پر قائم رہتے ہیں، جبکہ سرکشی اور تکذیب کرنے والی قوموں کا انجام ہمیشہ تباہی اور رسوائی ہوتا ہے۔

بنجر زمینوں کو اللہ سیراب و آباد کرتا ہے

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ {۲۷} السجدۃ

جواب ترجمہ: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم سوکھی زمین کی طرف پانی کو روانہ کرتے ہیں پھر اس کے ذریعے کھیتی نکالتے ہیں جس میں سے ان کے مویشی اور خود یہ لوگ کھاتے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے۔

خلاصہ تفسیر: تعالیٰ اپنے لطف و کرم کو اور احسان و انعام کو بیان فرمارہا ہے کہ آسمان سے پانی اتارتا ہے، پہاڑوں سے اور اونچی جگہوں سے سمٹ کر ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعہ ادھر ادھر پھیل جاتا ہے۔ بنجر غیر آباد زمین میں اس سے ہریالی ہی ہریالی ہو جاتی ہے۔ خشکی تری سے بدل جاتی ہے اور موت زیست سے بدل جاتی ہے۔

گو مفسرین کا قول یہ بھی ہے کہ جزر مصر کی زمین ہے لیکن یہ ٹھیک ہے۔ ہاں مصر میں بھی ایسی زمین ہو تو ہو آیت میں مراد تمام وہ حصے ہیں جو سوکھ گئے ہوں جو پانی کے محتاج ہوں سخت ہو گئے ہوں زمین یبوست (خشکی) کے مارے پھٹنے لگی ہو۔ بیشک مصر کی زمین بھی ایسی ہے، دریائے نیل سے وہ سیراب کی جاتی ہے، حبش کی بارشوں کا پانی اپنے ساتھ سرخ رنگ کی مٹی کو بھی گھسیٹتا جاتا ہے اور مصر کی زمین جو شور اور ریتلی ہے وہ اس پانی اور اس مٹی سے کھیتی کے قابل بن جاتی ہے اور ہر سال پر فصل کا

غلہ تازہ پانی سے انہیں میسر آتا ہے جو ادھر ادھر کا ہوتا ہے۔ اس حکیم و کریم منان ورحیم کی یہ سب مہربانیاں ہیں۔ اسی کی ذات قابل تعریف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ایک روایت میں ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو مصر والے بوائی کے مہینے میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہماری قدیمی عادت ہے کہ اس مہینے میں کسی کو دریائے نیل کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور اگر نہ چڑھائیں تو دریا میں پانی نہیں آتا۔ ہم ایسا کرتے ہیں کہ اس مہینے کی بارہویں تاریخ کو ایک باکرہ لڑکی کو جو اپنے ماں باپ کی اکلوتی ہو اس کے والدین کو دے دلا کر رضامند کر لیتے ہیں اور اسے بہت عمدہ کپڑے اور بہت قیمتی زیور پہنا کر بنا سنوار کر اس نیل میں ڈال دیتے ہیں تو اس کا بہاؤ چڑھتا ہے ورنہ پانی چڑھتا ہی نہیں۔

سپہ سالار اسلام حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر نے جواب دیا کہ یہ ایک جاہلانہ اور احمقانہ رسم ہے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا اسلام تو ایسی عادتوں کو مٹانے کے لیے آیا ہے تم اب ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ باز رہے لیکن دریائے نیل کا پانی نہ چڑھا مہینہ پورا نکل گیا لیکن دریا خشک رہا، لوگ تنگ آکر ارادہ کرنے لگے کہ مصر کو چھوڑ دیں۔ یہاں کی بود و باش ترک کر دیں اب فاتح مصر کو خیال گزرتا ہے اور دربار خلافت کو اس سے مطلع فرماتے ہیں۔

اسی وقت خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ آپ نے جو کیا اچھا کیا اب میں اپنے اس خط میں ایک پرچہ دریائے نیل کے نام بھیج رہا ہوں تم اسے لے کر دریائے نیل میں ڈال دو۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس پرچے کو نکال کر پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ عُمَرَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى نِيلِ أَهْلِ مِصْرَ، أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّكَ إِنْ كُنْتَ إِنَّمَا تَجْرِي مِنْ قِبَلِكَ فَلَا تَجْرِ، وَإِنْ كَانَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ هُوَ الَّذِي يُجْرِيكَ فَنَسْأَلُ اللّٰهَ أَنْ يُجْرِيَكَ (تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی، کتاب السنہ للحافظ ابی القاسم لالکائی، تفسیر لعلامہ ابن کثیر)

یہ خط اللہ کے بندے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اہل مصر کے دریائے نیل کی طرف، بعد حمد

وصلوٰۃ کے مطلب یہ ہے کہ اگر تو اپنی طرف سے اور اپنی مرضی سے چل رہا ہے تب تو خیر نہ چل اگر اللہ تعالیٰ واحد وقہار تجھے جاری رکھتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہیں کہ وہ تجھے رواں کر دے۔

یہ پرچہ لے کر سپہ سالار نے دریائے نیل میں ڈال دیا، ابھی ایک رات بھی گزرنے نہیں پائی تھی کہ دریائے نیل میں سولہ ہاتھ گہرا پانی چلنے لگا اور اسی وقت مصر کی خشک سالی تر سالی سے، گرانی ارزانی سے بدل گئی، خط کے ساتھ ہی خطہ کا خطہ سرسبز ہو گیا اور دریا پوری روانی سے بہتا رہا، اس کے بعد سے ہر سال جو جان چڑھائی جاتی تھی وہ بچ گئی اور مصر سے اس ناپاک رسم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوا۔

بندہ ناچیز راقم الحروف (حدوٹی کان اللہ لہ) کچھ عرصہ پہلے افریقی ملک یوگنڈہ گیا تھا، یوگنڈہ کے دارالحکومت کمپالہ سے کوئی ایک گھنٹہ کی مسافت پر جینجہ نامی علاقہ پہنچے، جہاں سے دریائے نیل نکلتا ہے، جسے انگریزی میں سورس آف نیل کہا جاتا ہے، جس کے قریب ملکہ وکٹوریہ کے نام سے ایک جھیل بھی ہے، ہم نے دریائے نیل کو یہاں سے اُبھرتے اور جھیل وکٹوریہ کو بہتے دیکھا تھا، یہاں سے دریائے نیل نکل کر کچھ ہی فاصلے پر بڑی بڑی موجوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے، دریائے نیل کی جولانیاں اس قدر خوفناک تھیں کہ دیکھ کر کپکپی طاری ہو جاتی تھی، جہاں جہاں دریائے نیل کی ابتدائی موجیں سطح زمین سے ٹکراتی ہیں وہاں انگریزی زبان میں لکھا ہوا ہے کہ یہ خطرناک پوائنٹ ہے، مگر افریقی شناور انہی موجوں کے دوش پر اپنے کرتب دکھاتے اور زائرین کی حیرت میں اضافہ کرتے چلے جاتے تھے، جہاں سے دریائے نیل نکلتا ہے یہ کوئی پچیس تیس فٹ کا علاقہ ہے، بندہ عاجز حدوٹی نے اپنے اس سفر کے احوال اپنے سفر نامہ "نیل کے ساحل تک" میں لکھ دیے ہیں۔

قرآن کریم میں اسی مذکورہ آیت کے مضمون کی آیت یہ بھی ہے فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ (عبس: ۲۴) یعنی انسان اپنی غذا کو دیکھے کہ ہم نے بارش اتاری اور زمین پھاڑ کر اناج اور پھل پیدا کئے اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ یہ لوگ اسے نہیں دیکھتے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جرز وہ زمین ہے جس پر بارش ناکافی برستی ہے پھر نالوں اور نہروں کے پانی سے وہ سیراب ہوتی ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ زمین یمن میں ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایسی بستیاں یمن اور شام میں ہیں۔ ابن زید رحمہ اللہ وغیرہ کا قول ہے یہ وہ زمین ہے جس میں پیداوار نہ ہو اور غبار آلود ہو۔ اسی کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ (یس: ۳۳) ان کے لئے مردہ زمین بھی اک نشانی ہے جسے ہم زندہ کر دیتے ہیں، پھر اس میں سے غلے اگاتے ہیں جو یہ لوگ کھاتے ہیں۔

اللہ کے فیصلے کا انکار اور انجام کفار

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ{۲۸}قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ{۲۹}فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ {۳۰} السجدہ

جواب ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ فتح کب ہو گی اگر تم سچے ہو۔ آپ فرما دیجیے کہ فتح کے دن کافروں کو ان کا ایمان نہ نفع دے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ سو آپ ان سے اعراض کیجیے اور انتظار کیجیے بیشک وہ بھی منتظر ہیں۔

خلاصہ تفسیر: سورۃ السجدہ کی یہ اختتامی آیات منکرینِ حق کے اس رویّے کو بیان کرتی ہیں جو وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کے ساتھ اختیار کرتے تھے، جب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور غلبے کی بشارت دی جاتی تو کفارِ مکہ استہزاء کے انداز میں پوچھتے تھے کہ آخر وہ فیصلہ اور فتح کب آئے گی جس کا تم دعویٰ کرتے ہو؟ قرآنِ کریم نے ان کے اسی متکبرانہ سوال کا نہایت بلیغ اور فیصلہ کن جواب دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: یعنی یہ کفار کہتے ہیں کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو وہ فتح اور فیصلہ کب آئے گا؟ یہ سوال حقیقت کی طلب کے لیے نہیں تھا بلکہ تمسخر، تکذیب اور استبعاد کے طور پر تھا، مفسرین نے یہاں "الفتح" کے مختلف معانی بیان کیے ہیں، بعض کے نزدیک

اس سے مراد مسلمانوں کی نصرت اور کفار پر غلبہ ہے، بعض نے اسے اللہ تعالیٰ کے فیصلۂ عذاب سے تعبیر کیا ہے، جبکہ کئی مفسرین کے نزدیک اس سے مراد قیامت کا دن ہے، جب حق و باطل کے درمیان آخری فیصلہ ہو گا، امام زمخشری نے فرمایا کہ "فتح" یہاں فیصلہ اور حکومت کے معنی میں ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے :رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا یعنی اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما۔

امام قاسمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کفار دراصل اللہ تعالیٰ کے وعدہ نصرت کو بعید سمجھتے تھے، اس لیے طنزیہ انداز میں کہتے تھے کہ آخر یہ غلبہ کب حاصل ہو گا؟ جب کہ زجاج کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار کو اللہ کی مدد اور اہل ایمان کی کامیابی کی بشارت دیتے تھے، جس پر مشرکین مذاق اڑاتے ہوئے یہ سوال کرتے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ :یعنی اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے کہہ دیجیے کہ جس دن اللہ کا فیصلہ آجائے گا، اس دن کافروں کا ایمان لانا انہیں کوئی فائدہ نہ دے گا اور نہ ہی انہیں مزید مہلت دی جائے گی۔

یہاں "یوم الفتح" کی تفسیر میں متعدد اقوال منقول ہیں، اکثر مفسرین نے اس سے مراد قیامت کا دن لیا ہے، کیونکہ اس دن ایمانِ اضطراری مقبول نہیں ہو گا، جب انسان عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے اور پھر ایمان لائے تو وہ ایمان فائدہ نہیں دیتا، جیسے فرعون غرق ہوتے وقت ایمان لایا مگر اس کا ایمان قبول نہ ہوا۔ ابو جعفر النحاس رحمہ اللہ نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔

بعض مفسرین نے "یوم الفتح" سے فتح مکہ مراد لیا ہے، کیونکہ اس دن جب اسلام غالب ہو گیا اور کفار کو اپنی شکست یقینی نظر آگئی تو اس وقت کا ایمان ان لوگوں کے لیے نافع نہ تھا جو محض خوف اور مجبوری کے تحت ایمان لائے، بعض اہل تفسیر نے اس سے غزوۂ بدر یا دنیا میں آنے والے عمومی عذاب کو مراد لیا ہے، امام نسفی رحمہ اللہ نے نہایت عمدہ نکتہ بیان فرمایا کہ اس دن کا ایمان "ایمانِ اضطرار" ہو گا اور ایسا ایمان عند اللہ معتبر نہیں ہوتا، کیونکہ مطلوب وہ ایمان ہے جو غیب پر یقین،

اخلاص اور اختیار کے ساتھ ہو۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَظِرُونَ: یعنی اے محبوب! آپ ان سے اعراض کیجیے اور انتظار کیجیے، یہ بھی انتظار کر رہے ہیں، اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی کہ کفار کے استہزاء، عناد اور ہٹ دھرمی سے دل گرفتہ نہ ہوں، آپ دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کریں، یہ کفار بھی کسی انجام کے منتظر ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ اہلِ ایمان اللہ کی نصرت اور کامیابی کے منتظر ہیں جبکہ کفار اپنے عذاب اور ہلاکت کے منتظر۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مرحلے میں نبی کریم ﷺ کو وقتی طور پر مناظرہ اور جھگڑے سے اعراض کا حکم دیا گیا، بعد میں ضرورت کے مطابق جہاد و قتال کے احکام نازل ہوئے، جب کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے باطل مطالبات اور فضول اعتراضات کی پروانہ کریں، کیونکہ فیصلۂ الٰہی قریب ہے۔

ان آیات کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وعید، اس کا فیصلہ اور اس کی نصرت یقینی حقیقت ہے، منکرین خواہ اس کا مذاق اڑائیں یا اسے بعید سمجھیں، مگر جب اللہ کا فیصلہ آجائے گا تو اس وقت کی ندامت اور ایمان کوئی فائدہ نہ دے سکے گا، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ مہلتِ عمل ختم ہونے سے پہلے صدقِ دل سے ایمان قبول کرے اور حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔

الحمد للہ رب العالمین، آج سورۃ السجدہ کے اضافات و ترمیمات کی تکمیل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس متواضع اور عاجزانہ کاوش کو قبول و منظور فرمائے، دارین کی سعادت کا ذریعہ بنائے، آمین

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی

حال وارد سوہان اسلام آباد

۱۴ مئی ۲۰۲۶ء بمطابق ۲۶ ذیقعدہ ۱۴۴۷ء بروز جمعرات، ساڑھے سات بجے علی الصبح

سورۃ الاحزاب (تعارف)

سوال سورۃ الاحزاب کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ الاحزاب قرآنی ترتیب کے مطابق ۳۳ویں اور نزولی اعتبار سے ۹۰ویں سورت ہے، جس کے نو(۹) رکوع اور تہتر (۷۳) آیات ہیں، یہ مدنی سورت ہے، یہ سورت الانفال کے بعد اور المائدہ سے پہلے نازل ہوئی ہے، یہ سورت ۵ ہجری میں نازل ہوئی جب کنانہ اور غطفان وغیرہ کے دس ہزار افراد نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کرلیا تھا اور ان کی پشت پر بنو قریظہ موجود تھے۔

وجہ تسمیہ: اس سورت کا نام الاحزاب ہے، الاحزاب حزب کی جمع ہے، مشرکین مکہ، یہودی اور منافقین کی تمام جماعتیں متحد اور متفق ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئی تھیں اور نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں نے مدینہ کے اطراف میں خندق کھود کر مدینہ کا دفاع کیا تھا، اس وجہ سے اس غزوہ کو غزوہ خندق بھی کہا جاتا ہے، اس سورت میں چونکہ غزوۃ الاحزاب کے متعلق آیات نازل ہوئی ہیں اس وجہ سے اس سورت کا نام الاحزاب ہے، اس سورت کی آیت ۲۰ میں الاحزاب کا ذکر ہے اسی وجہ سے اس سورت کا یہ نام رکھا گیا ہے۔

زمانہ نزول: سورۃ الاحزاب بالاتفاق مدنی سورت ہے، ہاں اس میں ایک آیت ایسی ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے، یہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۶ ہے جس میں فرمایا گیا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کردیں تو اس کام کے متعلق کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ (الاحزاب: ۳۶) یہ آیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے متعلق نازل ہوئی ہے یہ نکاح مکہ مکرمہ میں ہوا تھا، اس لیے یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور سورۃ الاحزاب کی باقی آیتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہیں۔

خلاصہ مضامین: سورۃ مبارکہ میں مسلمانوں کے انفرادی اور اجتماعی احوال کا ذکر کیا گیا ہے، بالخصوص اسلامی معاشرے کو شرعی احکام اپنانے کی ہدایت کی گئی ہے یہ احکام معاشرتی سعادت کے ضامن ہیں، سورۃ مبارکہ میں بعض موروثی (جاہلی) اقدار و رواجات کو باطل قرار دیا گیا ہے مثلاً مسئلہ لے پالک،

مسئلہ ظہار اور پہلو میں دو دل ہونے کا یقین۔ (صفوۃ التفاسیر)

سورۃ مبارکہ معاشرے کو جاہلی نجاسات سے پاک کرنا چاہتی ہے چونکہ جاہلیت میں بے شمار خرافات اور موہوم کہاوتیں مشہور تھیں، ان سے اسلامی معاشرے کا پاک ہونا ضروری ہے، ہم اس سورۃ مبارکہ کے موضوعات کو تین نکات میں بیان کرسکتے ہیں، ① ارشادات اور اسلامی آداب۔ ② احکام اور الٰہی شریعت۔

③ غزوہ احزاب و غزوہ بنی قریظہ کا ذکر۔

① سورہ مبارکہ میں بعض اجتماعی آداب کا ذکر آیا ہے جیسے آداب ولیمہ، آداب ستر و حجاب، بے مہابا نمائش حسن، رسول کریم ﷺ کے ساتھ معاملے کے آداب اور آپ کا احترام اور دیگر معاشرتی آداب۔

② سورۃ مبارکہ میں بعض تشریعی احکام پر بھی بات ہوئی ہے جیسے ظہار، مسئلہ لے پالک، وراثت، لے پالک کی مطلقہ سے شادی کرنا، رسول کریم ﷺ کا متعدد عورتوں سے نکاح کرنا اور اس کی حکمت، رسول کریم ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم، شرعی حجاب کا حکم، دعوت ولیمہ کے امور سے متعلقہ مختلف احکام وغیرھا۔

③ سورۃ مبارکہ میں تفصیل سے غزوہ خندق جسے غزوہ احزاب بھی کہا جاتا ہے کے احوال بیان ہوئے ہیں، اس غزوے کی نہایت باریک بینی سے منظر کشی کی گئی ہے، منافقین کی پوشیدہ جماعتوں سے پردہ ہٹایا گیا ہے، منافقین کے مختلف ہتھکنڈوں، مکر و فریب، چالبازی، دھوکا دہی سے ہوشیار رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

سورۃ مبارکہ کی ابتدا میں منافقین کے متعلق طویل بات ہوئی ہے، سورت کے اختتام میں بھی اس موضوع پر بات ہوئی ہے، حتیٰ کہ کوئی خفا باقی نہیں رہا اور منافقین کا کوئی مکر باقی نہیں چھوڑا۔

سورۃ مبارکہ میں مؤمنین کو نعمت عظمیٰ یاد کروائی گئی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے جمع کیے ہوئے لشکروں پر تند و تیز آندھی چلائی اور فرشتے نازل کیے، سورۃ مبارکہ میں بنی قریظہ کے نقض عہد اور ان کے ساتھ ہونے والے غزوے کا ذکر بھی ہوا ہے۔ (صفوۃ التفاسیر)

تقویٰ وتوکل اختیار کرنے کا حکم

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ{۱} وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا {۲} وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا {۳} الاحزاب

جواب ترجمہ: اے نبی اللہ سے ڈرتے رہیے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے، بلاشبہ اللہ علیم ہے حکیم ہے۔ اور آپ اس کا اتباع کیجیے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کیا جاتا ہے، بلاشبہ اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اور اللہ پر بھروسہ کیجیے اور وہ کافی ہے اور کارساز ہے۔

شان نزول: یہ آیت ابوسفیان، عکرمہ بن جہل ابوالاعور السلمی (عمرو بن سفیان) کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہ لوگ اُحد کی لڑائی میں مدینہ آئے اور عبداللہ بن ابی بن سلول کے ہاں مہمان ہوئے نبی اکرم ﷺ نے انہیں اپنے ساتھ بات چیت کرنے کے لیے امان دے رکھی تھی، ان لوگوں کے ساتھ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور طُعمہ بن اُبیرق بھی اٹھ کھڑے ہوئے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا اس وقت آپ کے پاس عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے، آپ ﷺ ہمارے معبودوں لات، عزی اور مناۃ کا نام لینا چھوڑ دیں اور یہ کہیے کہ إِنَّ لَهَا شَفَاعَةً وَمَنْفَعَةً لِمَنْ عَبَدَهَا. جو لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں ان کے لیے ان معبودوں کو ان کی شفاعت کرنے اور انہیں نفع دینے کا اختیار ہے، ہمیں آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے رب سے کوئی سروکار نہیں، ان کی یہ بات نبی اکرم ﷺ پر بہت گراں گزری، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! إِئْذَنْ لَنَا يَا رَسُولَ اللهِ فِي قَتْلِهِمْ. ان کے قتل کی اجازت دیجیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں میں انہیں امان دے چکا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ أُخْرُجُوا فِي لَعْنَةِ اللهِ وَغَضَبِهِ اللہ کی لعنت اور غضب کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایماء پر انہیں مدینے سے باہر نکال دینے کا حکم دیا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ (اسباب النزول)

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ: اللہ اپنے حبیب ﷺ سے فرماتے ہیں کہ اے میرے حبیب ﷺ اللہ سے اپنی اطاعت کے ساتھ اور اس کے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ اور اس کے جو حقوق آپ ﷺ پر لازم ہیں، ان کے پورا کرنے کے ساتھ اور اس کی حرام کردہ چیزوں سے رکے رہنے اور اس کی حدود کو توڑنے سے بچے رہنے کے ساتھ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ان لوگوں کی بات مت مانو جو تمہیں یہ کہتے ہیں کہ اپنے کمزور پیروکار مومنوں کو اپنے پاس سے ہٹادو یہاں تک کہ ہم تمہارے پاس بیٹھ سکیں اور منافقین کی بات بھی مت مانیے جو آپ ﷺ کے سامنے اللہ پر ایمان اور آپ ﷺ کی خیر خواہی کا اظہار کرتے ہیں مگر وہ نہ آپ ﷺ کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اور نہ آپ ﷺ کے دین کی کہ اس کو نقصان پہنچائیں پس آپ ﷺ ان کی رائے مت قبول کریں اور نہ ان سے مشورہ کریں خیر خواہی کی طلب میں اس لئے کہ وہ آپ ﷺ کے دشمن ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا: بیشک اللہ علیم و حکیم ہیں وہ جانتے ہیں جو کچھ ان منافقین کے دلوں میں چھپا ہوا ہے اور وہ جو ان کا خیر خواہی کے اظہار سے مقصود ہے اس کے ساتھ ساتھ جو کچھ وہ آپ لوگوں سے چھپا کر رکھتے ہیں اس کا بھی اس کو علم ہے اور آپ کے معاملات کی تدبیر اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دین کے معاملات کی تدبیر اور اس کے علاوہ تمام مخلوق کی تدبیر میں وہ حکمت والا ہے۔

وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ آپ ﷺ اس پر عمل کریں جو آپ ﷺ پر وحی اتاری جارہی ہے اور جو اس کی کتاب کی آیات اتر رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ جو کچھ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اس قرآن کے سلسلے میں عمل کرتے ہیں اور اس کے علاوہ تمہارے امور اور دیگر بندوں کے امور ان سب کی اللہ تعالیٰ کو اطلاع ہے ان میں سے کوئی چیز بھی اس پر مخفی نہیں اور وہ اس پر تمہیں اپنے وعدے کے مطابق بدلہ دے گا۔

وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ آپ اللہ ہی کی ذات پر بھروسہ و توکل کیجیے، اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے اور اسی پر اعتماد کیجئے اور وہ آپ کی کار

سازی ان معاملات میں جو وہ آپ کو حکم دیتا ہے کے لئے کافی ہے اور وہ تمہارا نگہبان ہے۔

ظہار اور تبنّی

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝{۴} اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَاۗىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا {۵} الأحزاب.

جواب ترجمہ: اللہ نے کسی بھی شخص کے سینے میں دو دل پیدا نہیں کیے اور تم اپنی جن بیویوں کو ماں کی پشت سے تشبیہ دیتے ہو ان کو تمہاری ماں نہیں بنایا اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا قرار دیا ہے۔ یہ تو باتیں ہی باتیں ہیں جو تم اپنے منہ سے کہہ دیتے ہو، اور اللہ وہی بات کہتا ہے جو حق ہو، اور وہی صحیح راستہ بتلاتا ہے۔ تم ان (منہ بولے بیٹوں) کو ان کے اپنے باپوں کے نام سے پکارا کرو۔ یہی طریقہ اللہ کے نزدیک پورے انصاف کا ہے۔ اور اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے دوست ہیں۔ اور تم سے جو غلطی ہو جائے اس کی وجہ سے تم پر کوئی گناہ نہیں ہو گا، البتہ جو بات تم اپنے دلوں سے جان بوجھ کر کرو، (اس پر گناہ ہے) بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

خلاصہ تفسیر: یہاں سے زمانہ جاہلیت کے چند اقوال باطلہ کا رد فرمایا اور کافرانہ روش اور کافرانہ رسوم کا رد کیا مثلاً کوئی آدمی ذہین اور طباع اور سمجھ دار ہوتا تو زمانہ جاہلیت میں لوگ کہا کرتے تھے اس مرد کے اندر دو دل ہیں اور یہ دو دل والا آدمی ہے۔ اسی طرح ایک رسم ظہار کی تھی وہ یہ کہ کسی شخص نے اپنی منکوحہ بیوی کو ماں کہہ دیا یا اس کے پیٹ یا پیٹھ کو اپنی ماں کے پیٹ یا پیٹھ سے تشبیہ دیدی تو زمانہ جاہلیت میں اس بیوی کو واقعی ماں کی طرح حرام سمجھتے تھے اور اس کو بجائے خادم کے مخدوم سمجھنے

لگے تھے، اسی طرح متبنیٰ اور لے پالک کو حقیقی بیٹا سمجھتے تھے کسی نے کسی کو بیٹا بنالیا تو اب وہ حقیقی بیٹا ہو گیا اور وہ ورثہ کا بھی حق دار ہو گیا اس کی منکوحہ اس فرضی باپ پر حرام سمجھتے تھے۔

اسی بنا پر نبی کریم ﷺ پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کا اعتراض کرتے تھے حالانکہ نبی کریم ﷺ نے زید بن حارثہ کو اپنا متبنّٰی (منہ بولا بیٹا) فرمایا تھا، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ قبیلہ کلب کے رہنے والے تھے، بچپنے میں قید کر لئے گئے تھے، حکیم بن حزام نے ان کو اپنی پھوپھی خدیجہ کے لیے خرید لیا تھا، جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضرت نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آئیں تو انہوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کے سپرد کر دیا تھا۔

ایک دفعہ کسی سفر میں زید بن حارثہ کو ان کے ورثاء نے پہچان لیا اور ان کی واپسی کا مطالبہ کیا حضور ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کو اختیار دیدیا کہ اگر وہ جانا چاہیں تو چلے جائیں مگر انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی غلامی اور شرف صحبت کو ترک کرنا گوارہ نہ کیا آپ نے ان کو بیٹا اور متبنیٰ کر لیا اور ان کو آزاد کر دیا اور وہ زید بن محمد کہے جانے لگے۔

چونکہ قریش اپنی لڑکی کی شادی ایسے شخص کے ساتھ کرنے میں عیب سمجھتے تھے جس کا باپ دادا یا وہ خود غلام رہا ہو، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح زید بن محمد سے کر کے کفر کی اس پرانی رسم کو توڑا، جس کی وجہ سے قریش میں شادی کرنا کسی آزاد شدہ غلام سے ممنوع تھی اور جب زید بن محمد ﷺ نے ایک عرصہ کے بعد ان کو طلاق دیدی تو حضور ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی تالیف قلوب کے لئے خود ان سے شادی کر لی ۔

بہر حال زمانہ جاہلیت کی مختلف رسوم کا رد فرما دیا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ منکرین حضرت نبی کریم ﷺ کو کہا کرتے تھے کہ اس شخص کے دو دل ہیں، حضرت شاہ عبد القادر دھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کفر کے وقت کوئی جورو کو ماں کہتا تو ساری عمر وہ اس سے جدا ہوتی اور کسی کو بیٹا کہہ کر بولتا تو سچا بیٹا ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے دونوں حکم بدل دیئے۔

غرض! یہ تمہاری اپنے منہ کی بنائی باتیں ہیں ان کی حقیقت کچھ نہیں نہ کسی مرد کے سینے میں دو

دل ہوتے ہیں اور نہ بیوی کو ماں کے ساتھ تشبیہ دینے سے بیوی ماں ہو جاتی ہے اور نہ کسی کو متبنیٰ کرنے سے وہ حقیقی بیٹا بن جاتا ہے، آگے حکم بیان کرتے ہیں کے لے پالکوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کیا کرو۔ (تفسیر کشف الرحمٰن)

اُمت پر آپ ﷺ کی شفقت

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ اَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ وَ اُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلٰی بِبَعۡضٍ فِیۡ کِتٰبِ اللّٰہِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓئِکُمۡ مَّعۡرُوۡفًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الۡکِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا {۶} الأحزاب.

جواب ترجمہ: ایمان والوں کے لیے یہ نبی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں، اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ اس کے باوجود اللہ کی کتاب کے مطابق پیٹ کے رشتہ دار دوسرے مومنوں اور مہاجرین کے مقابلے میں ایک دوسرے پر (میراث کے معاملے میں) زیادہ حق رکھتے ہیں الا یہ کہ تم اپنے دوستوں (کے حق میں کوئی وصیت کر کے ان) کے ساتھ کوئی نیکی کر لو۔ یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔

خلاصہ تفسیر: حضرت نبی کریم ﷺ اہل ایمان سے بہت زیادہ قریب ہیں، دین اور دنیا کے معاملات میں ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں، حضرت نبی کریم ﷺ اپنی امت پر کس قدر شفیق اور مہربان تھے اس کا اندازہ ذخیرہ حدیث کو کھنگالنے سے ہوتا ہے، جس شخص کی نظر احادیث پر رہتی ہے وہ جگہ جگہ آپ ﷺ کی شفقتوں اور امت پر مہربانیوں کا ذکر پڑھتا ہے اور سر دھنتا ہے، ہم یہاں صرف چند روایات پیش کر رہے ہیں صرف انہی سے اندازہ لگایا جائے کہ آپ ﷺ کس قدر مہربان تھے، آپ ﷺ اپنی امت پر کس قدر شفیق تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کسی ایسے شخص کا جنازہ پڑھنے کے لیے لایا جاتا جس پر قرض ہوتا تو آپ ﷺ دریافت فرماتے تھے کہ اس نے

ادائیگی کا انتظام چھوڑا ہے یا نہیں؟ اگر جواب میں عرض کیا جاتا کہ اس نے ادائیگی کا انتظام چھوڑا ہے تو آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیتے تھے اور اگر یہ بتایا جاتا کہ اس نے قرض کی ادائیگی کا انتظام نہیں چھوڑا تو فرماتے تھے کہ تم لوگ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو۔

یہ طریقہ آپ ﷺ نے اس لیے اختیار فرمایا تھا کہ لوگوں پر قرضدار ہو کر مرنے کی شناعت و قباحت ظاہر ہو جائے کہ دیکھو حضور نے اس کی نماز جنازہ تک نہیں پڑھی۔

پھر جب اللہ نے آپ پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے تو آپ ﷺ بطور خطیب کھڑے ہوئے اور فرمایا اَنَا اَوْلٰی الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔ مجھے مومنین سے اس سے زیادہ تعلق ہے جتنا انہیں ان کی جانوں سے ہے۔ فَمَنْ تُوُفِّیَ وَعَلَیْهِ دَیْنٌ فَعَلَیَّ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ لہٰذا مومنین میں سے جس کسی شخص کی وفات ہو جائے اور وہ اپنے اوپر قرضہ چھوڑ جائے تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو کوئی مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے۔ (بخاری و مسلم)

آپ ﷺ چاہتے تھے کہ کسی مسلمان کو کوئی بھی تکلیف نہ ہو نہ دنیا میں نہ آخرت میں، آپ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اور بتایا اور تعلیم دی اس میں مومنین کے لیے خیر ہی خیر ہے جبکہ خود مومن بندے کبھی اپنی رائے کی غلطی سے اور کبھی کسی خواہش سے متاثر ہو کر دنیا و آخرت میں اپنی جانوں کو تکلیف پہنچانے والے کام بھی کر گزرتے ہیں۔

آپ ﷺ نے اپنی مثال دے کر سمجھایا اور فرمایا کہ اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ اُمَّتِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَجَعَلَتِ الدَّوَابُّ وَالْفَرَاشُ یَقَعْنَ فِیْهِ وَاَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهِ (مسلم) میری مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص نے آگ جلائی، جب آگ نے اپنا آس پاس روشن کر دیا تو پروانے اور یہ چھوٹے چھوٹے کیڑے جو آگ میں گرا کرتے ہیں اس میں گرنے لگے، آگ جلانے والا انہیں روکتا ہے اور وہ اس پر غالب ہو جاتے ہیں اور اس میں داخل ہو جاتے ہیں، میری اور تمہاری مثال ایسی ہے میں دوزخ سے بچانے کے لیے تمہاری کمروں کو پکڑتا ہوں کہ آجاؤ آگ سے بچو آگ سے بچو پھر تم مجھ پر غلبہ پا جاتے ہو (یعنی ایسے کام کرتے ہو جو دوزخ میں جانے کا سبب ہو جاتے ہیں۔)

حضرت نبی کریم ﷺ کی کوشش تو یہی رہی کہ امت مسلمہ کا کوئی شخص بھی دوزخ میں نہ جائے لیکن دنیا داری کی وجہ سے اور نفس کی خواہشوں کے دباؤ سے لوگ گناہ کرکے عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں، یہاں تو آپ ﷺ نے اپنی امت کی خیر خواہی کے لیے محنت کی ہی تھی آخرت میں سفارش بھی کریں گے، آپ ﷺ کی شفقت میں نہ یہاں کمی رہی نہ وہاں ہو گی، البتہ امت کو بھی اپنی جانوں کو عذاب آخرت سے بچانے کے لیے فکر رکھنا چاہیے، امت کو ایسے کاموں سے ہمیشہ بچنا چاہیے تاکہ ان کے عظمت والے نبی ﷺ کو قیامت کے دن باقی امتوں اور نبیوں کے سامنے شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے، آپ ﷺ نے تو یہاں تک کیا کہ امت کی خیر خواہی کے لیے یقیناً مقبول ہونے والی دعا کو آخرت میں فائدہ پہنچانے کے لیے محفوظ فرمالیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے لیے ایک دعائے مستجاب ہے (یوں تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بہت سی دعائیں کرتے تھے جو مقبول ہوا کرتی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار دیا گیا تاکہ کوئی سی ایک دعاء کرلو جو ضرور ہی قبول ہو گی) لہٰذا ہر نبی نے اپنی اس دعا کو دنیا میں استعمال کرلیا اور میں نے یہ دعا اپنی امت کی شفاعت کے لیے قیامت کے دن تک چھپا کر رکھ لی ہے سو میری امت میں سے ہر اس شخص کو پہنچ جائے گی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کیا ہو۔ (رواہ مسلم)

اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کا ذکر بھی فرمایا ہے، حضرت نبی کریم ﷺ کی بیویوں کی اعلیٰ شان یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کی امت کے لیے اس طرح محترم ہیں جس طرح ان کی مائیں ان کے لیے محترم ہیں، اس لیے نبی کریم ﷺ کی بیویوں کا نکاح آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد ان کی امت کے لیے جائز نہیں ہے۔

اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے میراث کا ذکر فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حق دار ہیں اللہ اور شریعت کے حکم میں، شروع شروع میں جب اسلام نیا نیا تھا تو لوگ ایمان و ہجرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث قرار پاتے تھے، نہ کہ رشتہ داری

کی وجہ سے، پھر یہ چیز آیت میراث کی وجہ سے منسوخ ہو گئی۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی رحمہ اللہ اس مقام پر لکھتے ہیں کہ (مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرو) یعنی غیر رشتہ داروں میں میراث تو جاری نہ ہو گی (بلکہ سب رشتہ داروں میں بھی جاری نہیں ہوتی) البتہ جس کو بھی شرعی اصول سے میراث نہ پہنچتی ہو اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، مالی امداد کر دی جائے، اس کی حاجتیں پوری کرنے کی کوشش کی جائے، (مثلاً بطور ہبہ یا صدقہ یا میراث شرعی اصول کے مطابق دے دی جائے) تو یہ دوسری بات ہے، یہ چیز نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحب و مستحسن اور باعث اجر و ثواب ہے۔ (انوار البیان)

آیت کے آخر میں جو فرمایا گیا کہ لوح محفوظ میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ ہجرت کی وجہ سے جو میراث وغیرہ دی جائے گی وہ بعد میں منسوخ ہو جائے گی ہاں رشتہ داری کی وجہ سے جو میراث دی جائے گی وہ باقی رہے گی۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے لیا گیا عہد و پیمان

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز بتایئے کہ یہاں وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ کا کیا مفہوم اور مطلب ہے؟

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّنَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوحٍ وَّإِبْرٰهِيمَ وَمُوسٰى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيثَاقًا غَلِيظًا {٧} لِّيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَأَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا أَلِيمًا {٨} الأحزاب

جواب ترجمہ: اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا اقرار لیا اور آپ سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے، اور ہم نے ان سے پختہ عہد لے لیا۔ تاکہ اللہ سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں سوال فرمائے اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں سے جو عہد لیا تھا اس آیت میں اس کا ذکر ہے، تمام نبیوں کا عمومی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ حضرت نوح علیہ السلام اور ابراہیم

علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا بھی خصوصیت کے ساتھ نام لیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کی کاوشیں، جدوجہد اور قربانیاں اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کرنے سے متعلق بہت زیادہ تھیں۔

علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کی فضیلت زائدہ ظاہر فرمانے اور یہ بتانے کے لیے کہ یہ حضرات گزشتہ اصحاب شرائع والے انبیاء علیہم السلام میں مشہور ہیں ان حضرات کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے۔ (روح المعانی) شیخ الحدیث مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ پانچ پیغمبر جن کے نام یہاں خصوصیت سے ذکر کئے گئے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اولو العزم پیغمبر ہیں اور آیت میں سب سے مقدم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور عالم شہادت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اگرچہ سب کے بعد ہوا لیکن درجہ اور مرتبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے مقدم ہیں۔ (معارف القرآن للکاندھلوی)

حضرت نبی کریم، خاتم الانبیاء، محبوب کبریا، بدرالدجیٰ، شمس الضحیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر باقی انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے کیوں کیا، اس کی وجہ علامہ آلوسی یہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق مقدم تھی اس لیے ذکر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدیم فرمائی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیدائش کا ذکر یوں بیان فرمایا کہ بُدِءَ بِیَ الْخَلْقُ وَ کُنتُ اٰخِرُھم فی البَعْثِ (کتاب المختارہ لضیاء الدین مقدسی) مخلوق کی پیدائش کی ابتداء مجھ سے کی گئی اور میں بعثت میں سب انبیاء علیہم السلام سے آخری ہوں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کُنتُ اَوَّلُ النَّبِیّین فی الخَلقِ وَاٰخِرُھم فی البَعثِ (کتاب المختارہ، خصائص الکبریٰ لجلال الدین السیوطی) میں پیدائش کے لحاظ سے تمام انبیاء سے اول ہوں اور بعثت کے لحاظ سے آخری ہوں۔ اہل علم وعرفان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر سب سے پہلے کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ چونکہ آپ سب سے پہلے نبوت سے سرفراز کیے گئے تھے اس لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مقدم کیا گیا۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کی نبوت کب ثابت ہوگئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ (خصائصا لکبریٰ، مشکوٰۃ

المصابیح) میرے لیے اس وقت نبوت ثابت ہو گئی تھی جب آدم روح و جسم کے درمیان تھے۔

اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ میں اس وقت اللہ کے نزدیک خاتم النّبیین لکھا ہوا تھا جب آدم اپنی مٹی ہی میں تھے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے کیا عہد لیا؟ جس کا اس آیت شریف میں ذکر ہے، اس کے بارے میں مفسر قرآن علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ واذکر وقت أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ كَافَّةً عُهُودُهُم بتَبلِيغ الرِّسَالَةِ وَالشَّرَائِعَ وَالدُّعَاءِ إِلَى الدِّينِ الحَقِّ (روح المعانی) (یعنی اس وقت کو یاد کیجیے جب ہم نے تمام نبیوں سے یہ عہد لیا کہ رسالت کی تبلیغ کریں گے، احکام شریعت پہنچائیں گے اور دین حق کی طرف بلائیں گے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) فرمایا تو سب نے بَلٰی کہا یعنی اقرار کیا کہ ہاں واقعی آپ ہمارے رب ہیں، اسی موقع پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ایک خصوصی عہد لیا گیا جو رسالت اور نبوت کے بارے میں تھا جو سورۃ الاحزاب کی اس آیت مبارکہ میں موجود ہے، اس سے پہلے سورۃ آل عمران میں بھی اس عہد کا ذکر کیا گیا ہے۔ (مشکوٰۃ، مسند احمد)

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا: اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا، جس عہد کا شروع آیت میں ذکر ہے بطور تاکید اسی کو دوبارہ ذکر فرمایا، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ پہلے مذکورہ بالا عہد لینے کے بعد پھر اللہ کی قسم دلا کر دوبارہ عہد لیا جسے مِيْثَاقًا غَلِيْظًا سے تعبیر فرمایا۔ (روح المعانی)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے اس وقت کا ذکر کیجئے کہ جب ہم نے تمام پیغمبروں سے بوقت عطاء نبوت یا بوقت عہد الست عہد واثق لیا کہ تم ہماری وحی کا اتباع کرنا اور دعوت و تبلیغ میں ثابت قدم رہنا اور مخالفین کے طعن اور ایذا کی پروانہ کرنا اور کافروں اور منافقوں کے کہنے پر نہ چلنا اور نکاح و طلاق اور تبنّی اور میراث وغیرہ کے بارے میں قومی رسموں کا خیال نہ کرنا بلکہ حکم خداوندی کی پیروی کرنا اور بعض آثار میں یہ آیا ہے کہ انبیا سابقین

علیہم السلام سے یہ عہد بھی لیا گیا کہ اپنی اپنی امتوں میں یہ اعلان کرنا کہ محمد رسول اللہ ﷺ خدا کے آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں (روح المعانی بحوالہ معارف القرآن)

اس عہد اور میثاق سے انبیاء کی دعوت اور تبلیغ فرض ہوئی تھی اور لوگوں پر ایمان اور تصدیق اور اطاعت فرض ہوگئی تھی پس جنہوں نے انبیا کرام کی تصدیق کی اور ان کی صداقت پر ایمان لائے یہ صادقین کا گروہ ہے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے نعیم مقیم تیار کی ہے اور جن لوگوں نے انبیا کی تکذیب کی اور ان کی صداقت کے منکر ہوئے یہ کاذبین کا گروہ ہے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اس روز صادقین کو صدق کی جزا اور کاذبین کو کذب کی سزا مل جائے گی۔ غرض یہ کہ روز ازل میں مومنین سے انبیا کرم علیہم السلام کے اتباع کا عہد لیا ہے اور انبیا سے تبلیغ احکام کا عہد لیا اور علماء سے تبیین احکام کا عہد لیا (تفسیر عزیزی ص ۲۰۲ بحوالہ معارف القرآن)

لِيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ: تاکہ اللہ سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں سوال فرمائے، اس میں میثاق لینے کی حکمت بیان فرمائی اور مطلب یہ ہے کہ یہ میثاق اس لیے لیا گیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نبیوں سے دریافت فرمائے جو عہد کرنے میں سچے تھے کہ تم نے اپنے عہد کے مطابق اپنی امتوں کو تبلیغ کی یا نہیں؟ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۴۶۵ میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے سوال کیا جائے گا کہ کیا تم نے تبلیغ کی؟ تو وہ عرض کریں گے کہ اے رب میں نے واقعتاً تبلیغ کی، پھر ان کی امت سے سوال ہوگا کہ کیا انہوں نے تمہیں میرے احکام پہنچائے؟ وہ کہیں گے نہیں! ہمارے پاس تو کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا۔

اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے دعوے کی تصدیق کے لیے گواہی دینے والے کون ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان کے امتی ہیں، یہاں تک بیان فرمانے کے بعد آنحضرت سید دو عالم ﷺ نے اپنی امت کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس کے بعد تم کو لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ بیشک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی۔

مسند احمد وغیرہ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہ السلام کی

امتیں بھی انکاری ہوں گی اور کہیں گی کہ ہم کو تبلیغ نہیں کی گئی، ان کے نبیوں سے سوال ہو گا کہ تم نے تبلیغ کی؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے کہ واقعی ہم نے تبلیغ کی تھی، اس پر ان سے گواہ طلب کیے جائیں گے تو وہ بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کی گواہی پیش کریں گے۔ (در منثور)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ سوال ان کی امتوں کے سامنے ہو گا تاکہ ان پر حجت قائم ہو جائے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سچے تھے اور ان کے ماننے والے اپنے ایمان میں سچے تھے ان کے بارے میں سورۃ مائدہ کے آخری رکوع میں فرمایا قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی۔ جن لوگوں نے سچ کو جھٹلایا ان کے بارے میں فرمایا وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا: اور کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار فرمایا، سورۃ زمر میں فرمایا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ، سو اس شخص سے بڑا ظالم کون ہو گا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور سچ کو جھٹلایا جب اس کے پاس آیا، کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے۔ (انوار البیان)

جنگ خندق کے ایمان افروز واقعات

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے، نیز بتائیے کہ اس آیت کریمہ میں کس غزوہ کا ذکر کیا گیا ہے؟ اور اس غزوہ کے کیا واقعات ہیں؟

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ﴿۹﴾ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾ الأحزاب

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! یاد کرو اللہ نے اس وقت تم پر کیسا انعام کیا جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے تھے، پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھی بھیجی، اور ایسے لشکر بھی جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے اور تم جو کچھ کر رہے تھے اللہ اس کو دیکھ رہا تھا۔ یاد کرو جب وہ تم پر تمہارے اوپر سے بھی چڑھ

آئے تھے اور تمہارے نیچے سے بھی اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں، اور کلیجے منہ کو آگئے تھے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سوچنے لگے تھے۔ اس موقع پر ایمان والوں کی بڑی آزمائش ہوئی اور انہیں ایک سخت بھونچال میں ڈال کر ہلا ڈالا گیا۔

خلاصہ تفسیر: ان آیات میں غزوہ خندق کا ذکر ہے، غزوہ خندق شوال سنہ ۵ ہجری میں ہوا تھا، اس غزوہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر اپنا فضل واحسان کیا تھا، اس غزوہ میں مشرکین نے اپنی پوری طاقت، پوری قوت اور مکمل اتحاد کے ساتھ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے ارادے سے ایک لشکر جرار لے کر مسلمانوں پر حملہ کیا تھا۔

اس غزوہ کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے، اس کا قصہ یوں ہے کہ بنو نضیر کے یہودی سرداروں نے جن میں سلام بن ابو حقیق، سلام بن مشکم، کنانہ بن ربیع وغیرہ تھے مکہ میں آکر قریشیوں کو جو پہلے ہی سے تیار تھے حضرت نبی کریم ﷺ سے لڑائی کرنے پر آمادہ کیا اور ان سے عہد کیا کہ ہم اپنے زیر اثر لوگوں کے ساتھ آپ کی جماعت میں شامل ہیں، انہیں آمادہ کرکے یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے ان سے بھی ساز باز کرکے اپنے ساتھ شامل کرلیا، قریشیوں نے بھی ادھر ادھر پھر کر تمام عرب میں آگ لگا کر سب گرے پڑے لوگوں کو بھی ساتھ ملالیا۔

ان سب کا سردار ابو سفیان صخر بن حرب بنا اور غطفان کا سردار عیینہ بن حصن بن بدر مقرر ہوا، ان لوگوں نے کوشش کرکے دس ہزار کا لشکر اکٹھا کرلیا اور مدینے کی طرف چل پڑے۔

جناب نبی کریم ﷺ کو جب اس لشکر کشی کی خبریں پہنچیں تو آپ نے بہ مشورہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدینے شریف کی مشرقی سمت میں خندق یعنی کھائی کھدوائی، اس خندق کے کھودنے میں تمام صحابہ مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم شامل تھے اور خود آپ بھی بہ نفس نفیس اس کے کھودنے اور مٹی ڈھونے میں بھی حصہ لیتے تھے۔

مشرکین کا لشکر بلا مزاحمت مدینہ شریف تک پہنچ گیا اور مدینہ کے مشرقی حصے میں احد پہاڑ کے متصل اپنا پڑاؤ جمایا، یہ مدینہ کا نچلا حصہ تھا، اوپر کے حصے میں انہوں نے اپنی ایک بڑی بھاری جمعیت

بھیج دی، جس نے اعالی مدینہ میں لشکر کا پڑاؤ ڈالا اور نیچے اوپر سے مسلمانوں کو محصور کر لیا۔

اسی کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا کہ إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ حضرت نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ جو تین ہزار سے نیچے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ صرف سات سو تھے لے کر ان کے مقابلے پر آئے۔ سلع پہاڑی کو آپ نے اپنی پشت پر کیا اور دشمنوں کی طرف متوجہ ہو کر فوج کو ترتیب دیا۔

خندق جو آپ نے کھودی اور کھدوائی تھی اس میں پانی وغیرہ نہ تھا وہ صرف ایک گڑھا تھا جو مشرکین کے پاپیادہ چلنے والوں اور گھڑ سواروں کے ریلے کو بے روک آنے نہیں دیتا تھا آپ نے بچوں اور عورتوں کو مدینے کے ایک قلعہ میں جمع کر دیا تھا۔

یہودیوں کی ایک جماعت بنو قریظہ مدینے میں تھی مشرقی جانب ان کا محلہ تھا۔ نبی ﷺ سے ان کا مضبوط معاہدہ تھا، ان کا بھی بڑا گروہ تھا تقریبا آٹھ سو جنگجو لڑنے کے قابل میدان میں موجود تھے، مشرکین اور یہود نے ان کے پاس حی بن اخطب نضری یہودی کو بھیجا اس نے انہیں بھی شیشے میں اتار کر سبز باغ دکھلا کر اپنی طرف کر لیا اور انہوں نے بھی ٹھیک موقع پر مسلمانوں کے ساتھ بد عہدی کی اور اعلانیہ طور پر معاہدہ توڑ دیا۔

یہ وقت تھا جس کا نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے کہ آنکھیں پتھرا گئیں، دل الٹ گئے طرح طرح کے خیالات آنے لگے، جھنجھوڑ دیئے گئے اور سخت امتحان میں مبتلا ہو گئے، هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالا شَدِيدًا، مہینہ بھر تک محاصرہ کی یہی تلخ صورت قائم رہی، گو مشرکین کی یہ جرأت تو نہیں ہوئی کہ خندق سے پار ہو کر دستی لڑائی لڑتے لیکن ہاں گھیر اڈالے رہے اور مسلمانوں کو تنگ کر دیا۔ البتہ عمرو بن عبدود عامری جو عرب کا مشہور بہادر پہلوان تھا کو لے کر خندق سے اپنے گھوڑوں کو کدالایا، یہ حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے سواروں کی طرف اشارہ کیا۔

ابھی یہ لوگ آگے نہ بڑھنے پائے تھے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم اس کے مقابلے پر جاؤ، اس نے حضرت علی کو کہا کہ تم چھوٹے ہو میں تم پر تلوار چلانا پسند نہیں کرتا،

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تجھ پر تلوار چلانا پسند کرتا ہوں، یہ سن کر وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترا، اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وار کیا، جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روکا، اسی وار سے آپ کے سر پر زخم بھی آیا تھا، تھوڑی دیر تک تو دونوں بہادروں میں تلوار چلتی رہی لیکن بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کفر کے اس سرغنہ کو تیہ تیغ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کے بعد نعرہ تکبیر بلند کیا، جس سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور وہ سمجھ گئے کہ اللہ نے فتح دے دی ہے۔

پھر پروردگار نے وہ تند و تیز آندھی بھیجی کہ مشرکین کے تمام خیمے اکھڑ گئے کوئی چیز قرینے سے نہ رہی، آگ کا جلانا مشکل ہو گیا۔ کوئی جائے پناہ نظر نہ آئی، بالآخر تنگ آکر نامرادی سے واپس ہوئے۔ یہی منظر کشی قرآن کریم نے اس مقام پر کی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا: جس ہوا کا اس آیت میں ذکر ہے اس کو صبا کہا جاتا ہے، جس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے، جس میں حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ نُصِرْتُ بِالصَّبَا، وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ میری بادصبا سے مدد کی گئی، جب کہ قوم عاد دبور نامی ہوا سے تباہ کی گئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قَالَتِ الْجَنُوبُ لِلشَّمَالِ لَيْلَةَ الْأَحْزَابِ: انْطَلِقِي نَنْصُرُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتِ الشَّمَالُ: إِنَّ الْحُرَّةَ لَا تَسْرِي بِاللَّيْلِ. قَالَ: فَكَانَتِ الرِّيحُ الَّتِي أُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الصَّبَا. جنوب ہوا نے شمال ہوا سے اس جنگ احزاب میں کہا کہ چل ہم تم جا کر رسول اللہ ﷺ کی مدد کریں، تو شمال ہوا نے کہا کہ گرمی رات کو نہیں چلاتی۔ پھر ان کی مدد کے لیے صبا ہوا بھیجی گئی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مجھے میرے ماموں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے خندق والی رات سخت سردی اور تیز ہوا میں مدینہ شریف بھیجا کہ کھانا اور لحاف لے آؤں، میں نے نبی کریم ﷺ سے اجازت چاہی تو آپ نے اجازت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میرے جو صحابی تمہیں ملے انہیں کہنا کہ میرے پاس چلے آئیں۔ اب میں چلا، ہوائیں زناٹے کی شائیں شائیں چل رہی تھیں۔

مجھے جو مسلمان ملا میں نے اسے حضور ﷺ کا پیغام دیا اور جس نے سنا الٹے پاؤں فوراً حضور کی طرف چل دیا یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

ہوا میری ڈھال کو دھکے دے رہی تھی اور وہ مجھے لگ رہی تھی یہاں تک کہ اس کا لوہا میرے پاؤں پر گر پڑا جسے میں نے پھینک دیا، اس ہوا کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھی نازل فرمائے تھے جنہوں نے مشرکین کے دل اور سینے خوف اور رعب سے بھر دیئے تھے۔ یہاں تک کہ جتنے سرداران لشکر تھے اپنے ماتحت سپاہیوں کو اپنے پاس بلا بلا کر کہنے لگے نجات کی صورت تلاش کرو، بچاؤ کا انتظام کرو، یہ تھا فرشتوں کا ڈالا ہوا رعب اور یہی وہ لشکر ہے جس کا بیان اس آیت میں ہے کہ **وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا** اس لشکر کو تم نے نہیں دیکھا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے ایک نوجوان شخص نے جو کوفے کے رہنے والے تھے کہا کہ اے ابو عبداللہ تم بڑے خوش نصیب ہو کہ تم نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا اور آپ کی مجلس میں بیٹھے بتاؤ تم کیا کرتے تھے؟ حضرت حذیفہ نے فرمایا: واللہ ہم جان نثاریاں کرتے تھے۔ نوجوان نے کہا: سنئے چچا! اگر ہم حضور ﷺ کے زمانے کو پاتے تو واللہ آپ کو قدم بھی زمین پر نہ رکھنے دیتے، اپنی گردنوں پر اٹھا کر لیجاتے۔

حضرت حذیفہ نے فرمایا: بھتیجے! لو ایک واقعہ سنو، جنگ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ رات گئے تک نماز پڑھتے رہے۔ فارغ ہو کر دریافت فرمایا کہ کوئی ہے جو جا کر لشکر کفار کی خبر لائے؟ اللہ کے نبی ﷺ اس سے شرط کرتے ہیں کہ وہ جنت میں داخل ہو گا۔

کوئی شخص خوف، بھوک اور سخت سردی کی وجہ سے کھڑا نہ ہو سکا تو پھر آپ ﷺ نے مجھے طلب کیا، جب آپ ﷺ نے میرا نام لے کر مجھے بلایا تو اٹھے بغیر کوئی چارہ نہ رہا، پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ اے حذیفہ! جاؤ ذرا یہ خبر تو لاؤ کہ مشرکین کیا کر رہے ہیں؟ اور ہمارے پاس آنے تک کسی کو کوئی بات نہ بتانا، چنانچہ میں ان مشرکوں کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہوا اور الٰہی لشکر ان کے ساتھ وہ کچھ کر رہے تھے جو کچھ کر رہے تھے، چولہوں پر سے دیگیں ہوا نے الٹ دی ہیں۔ خیموں کی چوبیں اکھڑ گئی

ہیں، آگ جلا نہیں سکتے۔ کوئی چیز اپنی ٹھکانے نہیں رہی۔

اسی وقت ابو سفیان کھڑا ہوا اور با آواز بلند منادی کی کہ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، إِنَّكُمْ وَاللهِ مَا أَصْبَحْتُمْ بِدَارِ مَقَامٍ، لَقَدْ هَلَكَ الْكُرَاعُ وَالْخُفُّ، وَأَخْلَفَتْنَا بَنُو قُرَيْظَةَ، وَبَلَغَنَا عَنْهُمُ الَّذِي نَكْرَهُ، وَلَقِينَا مِنْ هذه الريح الذى ترون والله مَا تَطْمَئِنُّ لَنَا قِدْرٌ، وَلَا تَقُومُ لَنَا نَارٌ، وَلَا يَسْتَمْسِكُ لَنَا بِنَاءٌ، فَارْتَحِلُوا، فَإِنِّي مُرْتَحِلٌ،

اے قریشیو! اللہ کی قسم! تم کسی ٹھہرنے کی جگہ پر نہیں رہے، ہمارے جانور اور ہمارے اونٹ ہلاک ہو رہے ہیں، بنو قریظہ نے ہم سے بد عہدی کی ہے، انہوں نے ہمیں وہ دکھ دیا ہے جسے ہم ناپسند کرتے ہیں، ہمیں اس ہوا نے ہمیں وہ صدمہ پہنچایا ہے جسے تم دیکھ رہے ہو، ہماری صورت حال یہ ہے کہ ہم ہانڈیوں میں سالن نہیں پکا سکتے، آگ نہیں جلا سکتے، ہمارے خیمے ٹھہر نہیں رہے، اس لیے تم کوچ کرو میں بھی یہاں سے کوچ کر رہا ہوں۔

اتنا کہتے ہی اپنے اونٹ پر جو بندھا ہوا بیٹھا تھا، چڑھ گیا اور اسے مارا وہ تین پاؤں سے ہی کھڑا ہو گیا پھر اس کا پاؤں کھولا، اس وقت ایسا اچھا موقع تھا کہ اگر میں چاہتا ایک تیر میں ہی ابو سفیان کا کام تمام کر دیتا لیکن رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمادیا تھا کہ کوئی نیا کام نہ کرنا اس لئے میں نے اپنے دل کو روک لیا۔ اب میں واپس لوٹا اور اپنے لشکر میں آگیا، جب میں پہنچا تو میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ ایک چادر کو لپیٹے ہوئے تھے، جو آپ کی کسی بیوی صاحبہ کی تھی نماز میں مشغول ہیں، آپ نے مجھے دیکھ کر دونوں پیروں کے درمیان بٹھالیا اور چادر مجھے بھی اڑھادی۔ پھر رکوع اور سجدہ کیا اور میں وہیں وہی چادر اوڑھے بیٹھا رہا جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے سارا واقعہ بیان کیا، قریشیوں کے واپس لوٹ جانے کی خبر جب قبیلہ غطفان کو پہنچی تو انہوں نے بھی سامان باندھا اور واپس لوٹ گئے۔

اور روایت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں چلا تو باوجود کڑاکے کی سخت سردی کے قسم اللہ کی مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں کسی گرم حمام میں ہوں، اس میں یہ بھی ہے کہ جب میں لشکر کفار میں پہنچا تو اس وقت ابو سفیان آگ سلگائے ہوئے تاپ رہا تھا، میں نے اسے دیکھ کر پہچان کر

اپنا تیر کمان میں چڑھالیا اور چاہتا تھا کہ چلادوں اور بالکل زد میں تھا نا ممکن تھا کہ میر انشانہ خالی جائے لیکن مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد آگیا کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ وہ چوکنے ہو کر بھڑک جائیں تو میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

جب میں واپس آیا اس وقت بھی مجھے کوئی سردی محسوس نہ ہوئی بلکہ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ گویا میں حمام میں چل رہا ہوں، ہاں جب حضور ﷺ کے پاس پہنچ گیا، بڑے زور کی سردی لگنے لگی اور میں کپکپانے لگا تو حضور ﷺ نے اپنی چادر مجھ کو اوڑھادی۔ میں جو اوڑھ کر لیٹا تو مجھے نیند آگئی اور صبح تک پڑا سوتا رہا صبح خود حضور ﷺ نے خود مجھے یہ کہہ کر جگایا کہ اے سونے والے بیدار ہو جا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب اس تابعی نے کہا کہ کاش ہم رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے اور آپ کے زمانے کو پاتے تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، کاش! کہ تم جیسا ایمان ہمیں نصیب ہوتا کہ باجود نہ دیکھنے کے پورا اور پختہ عقیدہ رکھتے ہو، برادر زادے جو تمنا کرتے ہو یہ تمنا ہی ہے نہ جانے تم ہوتے تو کیا کرتے؟ ہم پر تو ایسے کٹھن وقت آئے ہیں۔ یہ کہہ کہ پھر آپ نے خندق کی رات کا واقعہ بیان کیا۔

اس میں یہ بھی ہے کہ ہوا جھڑی آندھی کے ساتھ بارش بھی تھی۔ روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ کے واقعات کو بیان فرمارہے تھے جب اہل مجلس نے کہا کہ اگر ہم اس وقت موجود ہوتے تو یوں اور یوں کرتے، اس پر آپ نے یہ واقعہ بیان فرمادیا کہ باہر سے تو دس ہزار کا لشکر گھیرے ہوئے ہے اندر سے بنو قریظہ کے آٹھ سو یہودی بگڑے ہوئے ہیں، بال بچے اور عورتیں مدینے میں ہیں، خطرہ لگا ہوا ہے اگر بنو قریظہ نے اس طرف کا رخ کیا تو ایک ساعت میں ہی عورتوں بچوں کا فیصلہ کر دیں گے، واللہ اس رات جیسی خوف وہراس کی حالت کبھی ہم پر نہیں گزری۔ پھر وہ ہوائیں چلتی ہیں، آندھیاں اٹھتی ہیں، اندھیرا چھا جاتا ہے، کڑک گرج اور بجلی ہوتی ہے کہ العظمتہ اللہ، ساتھی کو دیکھنا تو کہاں اپنی انگلیاں بھی نظر نہ آتی تھیں۔

جو منافق ہمارے ساتھ تھے وہ ایک ایک ہو کر یہ بہانا بنا کر ہمارے بال بچے اور عورتیں وہاں ہیں اور گھر کا نگہبان کوئی نہیں۔ حضور ﷺ سے آکر اجازت چاہنے لگے اور آپ نے بھی کسی ایک کو نہ روکا

جس نے کہا کہ میں جاؤں؟ آپ نے فرمایا شوق سے جاؤ۔ وہ ایک ایک ہو کر سرکنے لگے اور ہم صرف تین سو کے قریب رہ گئے۔

حضور ﷺ اب تشریف لائے ایک ایک کو دیکھا میری عجیب حالت تھی نہ میرے پاس دشمن سے بچنے کے لئے کوئی آلہ تھا نہ سردی سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی کپڑا تھا۔ صرف میری بیوی کی ایک چھوٹی سی چادر تھی جو میرے گھٹنوں تک بھی نہیں پہنچتی تھی۔ جب حضور ﷺ میرے پاس پہنچے اس وقت میں اپنے گھٹنوں میں سر ڈالے ہوئے دبک کر بیٹھا ہوا کپکپا رہا تھا۔

آپ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ میں نے کہا، حذیفہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، حذیفہ سن! واللہ مجھ پر تو زمین تنگ آگئی کہ کہیں حضور مجھے کھڑا نہ کریں، میری تو درگت ہو رہی ہے لیکن کرتا کیا حضور ﷺ کا فرمان تھا میں نے کہا یارسول اللہ! سن رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، دشمنوں میں ایک نئی بات ہونے والی ہے جاؤ ان کی خبر لاؤ۔ واللہ اس وقت مجھ سے زیادہ نہ تو کسی کو خوف تھا نہ گھبراہٹ تھی نہ سردی تھی لیکن حضور ﷺ کا حکم سنتے ہی کھڑا ہو گیا اور چلنے لگا تو میں نے سنا کہ آپ میرے لئے دعا کر رہے ہیں کہ اَللّٰهُمَّ، احْفَظْهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ، وَعَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ، وَمِنْ فَوْقِهِ وَمِنْ تَحْتِهِ اے اللہ اس کے آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے اوپر سے نیچے سے اس کی حفاظت کر۔

حضور ﷺ کی اس دعا کے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ کسی قسم کا خوف، ڈر، دہشت میرے دل میں تھی ہی نہیں۔ پھر حضور ﷺ نے مجھے آواز دے کر فرمایا دیکھو حذیفہ وہاں جا کر میرے پاس واپس آنے تک کوئی نئی بات نہ کرنا۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ میں ابوسفیان کو اس سے پہلے پہچانتا نہ تھا میں گیا تو وہاں یہی آوازیں لگ رہی تھیں کہ يَا آلَ عَامِرٍ، اَلرَّحِيلَ اَلرَّحِيلَ، لَا مُقَامَ لَكُمْ. وَإِذَا الرِّيحُ فِي عَسْكَرِهِمْ مَا تُجَاوِزُ عَسْكَرَهُمْ شِبْرًا، فَوَاللهِ إِنِّي لَأَسْمَعُ صَوْتَ الْحِجَارَةِ فِي رِحَالِهِمْ وَفَرَسَتْهُمُ الرِّيحُ تَضْرِبُهُمْ بِهَا، ثُمَّ خَرَجْتُ نَحْوَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا انْتَصَفْتُ فِي

الطَّرِيقِ أَوْ نَحْوًا مِنْ ذٰلِكَ، إِذَا أَنَا بِنَحْوٍ مِنْ عِشْرِينَ فَارِسًا أَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ مُعْتَمِّينَ، فَقَالُوا: أَخْبِرْ صَاحِبَكَ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى كَفَاهُ الْقَوْمَ

چلو کوچ کرو واپس چلو، ایک عجیب بات میں نے یہ بھی دیکھی کہ وہ خطرناک ہوا جو دیگیں الٹ دیتی تھی وہ صرف ان کے لشکر کے احاطہ تک ہی تھی واللہ اس سے ایک بالشت بھر باہر نہ تھی۔ میں نے دیکھا کہ پتھر اڑ اڑ کر ان پر گرتے تھے۔ جب میں واپس چلا تو میں نے دیکھا کہ تقریباً بیس سوار ہیں جو عمامے باندھے ہوئے ہیں، انہوں نے مجھ سے فرمایا جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کو خبر دو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفایت کر دی اور آپ کے دشمنوں کو مات دی۔

حدیث شریف میں ہے کہ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلَّى، حضور ﷺ کی عادت میں داخل تھا کہ جب کبھی کوئی گھبراہٹ اور دقت کا وقت ہوتا تو آپ نماز شروع کر دیتے۔ جب میں نے حضور ﷺ کو خبر پہنچائی اسی وقت یہ آیت اتری۔

آیت میں نیچے کی طرف سے آنے والوں سے مراد بنو قریظہ ہیں۔ شدت خوف اور سخت گھبراہٹ سے آنکھیں الٹ گئیں اور دل حلقوم تک پہنچ گئے تھے اور طرح طرح کے گمان ہو رہے تھے یہاں تک کہ بعض منافقوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب کی لڑائی میں کافر غالب آجائیں گے، عام منافقوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے؟

معتب بن قشیر کہنے لگا کہ كَانَ مُحَمَّدٌ يَعِدُنَا أَنْ نَأْكُلَ كُنُوزَ كِسْرَى وَقَيْصَرَ، وَأَحَدُنَا لَا يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يَذْهَبَ إِلَى الْغَائِطِ، آنحضرت تو ہمیں کہہ رہے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے مالک بنیں گے اور یہاں حالت یہ ہے کہ پاخانے کو جانا بھی دوبھر ہو رہا ہے۔

یہ مختلف گمان مختلف لوگوں کے تھے مسلمان تو یقین کرتے تھے کہ غلبہ ہمارا ہی ہے جیسا کہ فرمان ہے وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُونَ الْاَحْزَابَ قَالُوا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيمَانًا وَّتَسْلِيمًا (الأحزاب: ۲۲) لیکن منافقین کہتے تھے کہ اس مرتبہ سارے مسلمان مع آنحضرت سمیت ختم کر دیئے جائیں گے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عین اس گھبراہٹ اور پریشانی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یارسول اللہ! اس وقت ہمیں اس سے بچاؤ کی کوئی تلقین کریں۔ آپ نے فرمایا یہ دعا مانگو اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا، وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا. اللہ ہماری پردہ پوشی کر، اللہ ہمارے خوف ڈر کو امن وامان سے بدل دے۔

ادھر مسلمانوں نے دل کی گہرائیوں سے یہ دعا مانگی، ادھر اللہ نے سخت ترین ہوا بھیجی، جس نے دشمنوں کے خیمے اکھاڑ ڈالے اور اللہ تعالیٰ نے بادصبا کے ذریعے مسلمانوں کی مدد کی۔

غزوہ خندق میں کافروں کے تین آدمی قتل ہوئے تھے، جن میں ایک نوفل بن عبد اللہ، دوسرا عمرو بن عبدود اور تیسرا منیہ بن عبید تھا، جب کہ مسلمانوں میں سے چھ لوگ شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے، ان میں ایک سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، دوسرے انس بن اویس رضی اللہ عنہ، تیسرے عبد اللہ بن سہل رضی اللہ عنہ، چوتھے طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ، پانچویں ثعلبہ بن غنم رضی اللہ عنہ، چھٹے کعب بن زید رضی اللہ عنہ، جب کہ زرقانی میں دو مسلمان شہدا کے مزید نام لکھے ہوئے ہیں، اس کے مطابق خندق میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد آٹھ تھی، ساتویں قیس بن زید رضی اللہ عنہ اور آٹھویں عبد اللہ بن ابی خالد رضی اللہ عنہ ہیں۔

منافقین کی منافقت کا بھیانک منظر

سوال غزوہ خندق کے موقع پر منافقین کا بدنما کردار رہا، اس بارے میں قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کیجیے۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا {۱۲} وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا {۱۳} وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا {۱۴} وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا {۱۵} قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا {۱۶} قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْۗءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا {۱۷} قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا {۱۸} اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا {۱۹} يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۚ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا {۲۰} الأحزاب.

جواب ترجمہ: اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے محض دھوکہ کا وعدہ کر رکھا ہے، اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ اے یثرب والو تمہارے لیے ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے لہٰذا واپس ہو جاؤ، اور ان میں سے ایک فریق نبی ﷺ سے اجازت طلب کر رہا تھا یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے یہ لوگ صرف بھاگنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ اگر مدینہ کے اطراف سے کوئی لشکر ان پر گھس آئے پھر ان سے فتنہ کا سوال کیا جائے تو یہ ضرور فتنے کو منظور کر لیں گے اور گھروں میں نہیں ٹھہریں گے مگر بس ذرا سی دیر، اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ سے پہلے یہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر نہیں جائیں گے۔ اور اللہ سے کیے ہوئے عہد کی باز پرس ضرور ہو کر رہے گی۔ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگ بھی جاؤ تو یہ بھاگنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا، اور اس صورت میں تمہیں (زندگی کا) لطف اٹھانے کا جو موقع دیا جائے گا وہ تھوڑا ہی سا ہو گا۔ کہو کہ: کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے، اگر وہ تمہیں کوئی برائی پہنچانے کا ارادہ کر لے، یا (وہ کون ہے جو اس کی رحمت کو روک سکے) اگر وہ تم پر رحمت کرنے کا ارادہ کر لے؟ اور اللہ کے سوا ان لوگوں کو نہ کوئی رکھوالا مل سکتا ہے، نہ کوئی مددگار۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (جہاد میں) رکاوٹ ڈالتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ: ہمارے پاس چلے آؤ اور خود لڑائی میں

آتے نہیں، اور آتے ہیں تو بہت کم۔ (اور وہ بھی) تمہارے ساتھ لالچ رکھتے ہوئے چنانچہ جب خطرے کا موقع آجاتا ہے تو وہ تمہاری طرف چکرائی ہوئی آنکھوں سے اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو۔ پھر جب خطرہ دور ہو جاتا ہے تو تمہارے سامنے مال کی حرص میں تیز تیز زبانیں چلاتے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائے ہیں، اس لیے اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیے ہیں، اور یہ بات اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ (دشمنوں کے) لشکر ابھی گئے نہیں ہیں۔ اور اگر وہ لشکر (دوبارہ) آجائیں تو ان کی خواہش یہ ہو گی کہ وہ دیہات میں جا کر رہیں (او وہیں بیٹھے ہوئے) تمہاری خبریں معلوم کرتے رہیں۔ اور اگر تمہارے درمیان رہے بھی تو لڑائی میں تھوڑا ہی حصہ لیں گے۔

خلاصہ تفسیر: منافقین، دل کے بیمار اور کمزور ایمان والوں نے اس موقع پر جس طرح کا کردار ادا کیا وہ کسی طور پر قابل رشک نہیں تھا، بلکہ قابل مذمت تھا، انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ اللہ اور رسول اللہ نے مدد، نصرت اور تمکین کے جھوٹے وعدے کیے تھے، دھوکے پر مبنی وعدے تھے، جو ناقابل یقین تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ ﷺ مدینہ کے اہل ایمان کے سامنے واضح طور پر منافقین کے اس گروہ کی بات بیان کر دیں جنہوں نے آواز دی تھی کہ اے یثرب والو! اس نقصان دہ معرکہ میں تمہارا کھڑا رہنا مناسب نہیں ہے، اس لیے مدینہ میں موجود اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو جاؤ، منافقین کے دوسرے گروہ نے اپنے گھروں کی طرف واپس پلٹنے کی نبی کریم ﷺ سے اجازت چاہی، واپس جانے کے لیے انہوں نے بہانہ یہ کیا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، اس لیے وہ خوف زدہ ہیں، حالانکہ حقیقت یہ تھی ایسا کوئی بھی معاملہ نہیں تھا، ان کا مقصد صرف لڑائی سے راہ فرار اختیار کرنا تھا۔

اگر کفار کا لشکر مدینہ کے اطراف وجوانب سے مدینہ میں داخل ہو جاتا، پھر ان منافقین سے شرک کے بارے میں پوچھا جاتا، اسلام سے پھر جانے کی بات کی جاتی تو یہ لوگ سبقت کرتے ہوئے

اس بات کو قبول کر لیتے، شرک سے تھوڑے ہی لوگ پیچھے رہ جاتے، حالانکہ ان منافقین نے رسول اللہ ﷺ کے دست حق پرست پر غزوہ خندق سے پہلے یہ عہد وپیمان کیا تھا کہ میدان کارزار سے وہ راہ فرار اختیار نہیں کریں گے، اور جب انہیں راہ جہاد کی طرف دعوت دی جائے گی تو وہ اس سے پیچھے نہیں ہٹیں گے، مگر انہوں نے اپنے عہد وپیمان سے خیانت کی، اپنے عہد کے بر خلاف کیا، جس پر اللہ ان سے حساب لے گا، ان سے ان کے عہد وپیمان کے بارے میں پوچھے گا، اللہ کی بارگاہ میں عہد وپیمان کے بارے میں سوال کیا جائے گا، ان کا محاسبہ کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو فرماتے ہیں کہ انہیں کہہ دیں کہ معرکہ سے موت، قتل اور ڈر کی وجہ سے بھاگ جانا تمہیں کسی طرح کا نفع نہیں دے سکتا، اس سے تمہاری موت کا وقت مؤخر نہیں ہو سکتا، اگر تم راہ فرار اختیار کرتے ہو تو یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ دنیا کی اس محدود زندگی میں تمہاری عمریں ہی کتنی ہیں؟ کس قدر تم ان محدود عمروں کے باعث نفع اٹھا سکتے ہو؟ یہ دنیا کی زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلے میں بہت تھوڑی ہے۔

اے میرے حبیب! انہیں بتا دیجیے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے کون بچا سکتا ہے؟ یا تمہیں اس کے عذاب سے کون بچا سکتا ہے؟ اگر وہ تمہارے ساتھ برائی کا ارادہ کرے یا تمہارے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرے تو بتاؤ کہ عطا کرنے والا، روکنے والا، نقصان دینے والا اور نفع دینے والا کون ہے؟ حالانکہ یہ منافقین اللہ کی ذات کے سوا کسی کو اپنا دوست نہیں پائیں گے جو ان کی غم خواری کرے، جو ان کے ساتھ دوستی نبھائے، اور اللہ کے سوا کسی کو مدد کرنے والا بھی نہیں پائیں گے جو ان کی مدد کرے۔

اللہ تعالیٰ راہ جہاد سے اعراض کرنے والوں، منہ موڑنے والوں اور لوگوں کو بد کانے والوں کو اچھی طرح جانتے ہیں، جنہوں نے لوگوں سے کہا کہ ہمارے ساتھ مل جاؤ اور محمد ﷺ کو چھوڑ دو، اس کے ساتھ مل کر لڑائی نہ کرو، ہمیں تم پر خوف وخطرہ ہے کہ تم ان کے ساتھ کہیں ختم نہ ہو جاؤ۔

یہ لوگ میدان جہاد کی طرف نہیں آئیں گے مگر بہت کم، وہ بھی دکھلاوے، ریا، سمعہ اور رسوائی کے ڈر کی وجہ سے، ایمان والوں پر یہ لوگ بخل کرتے ہیں، مال میں کنجوسی کرتے ہیں، ان کے دلوں

میں مسلمانوں کے بارے میں بغض اور کینہ ہے، اس لیے نہ ان پر مال خرچ کرتے ہیں، نہ ان کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں، نہ ہی ان کے ساتھ محبت ومودت کے جذبات رکھتے ہیں، یہ دنیا کی زندگی سے محبت رکھتے ہیں اور موت کو ناپسند کرتے ہیں، وقت جہاد آپہنچے تو ہلاکت وموت کے ڈر کی وجہ سے آپ کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھیں گے، ان کو قتل کا ڈر دامن گیر ہو جاتا ہے، یہ اس طرح نگاہیں گھماتے ہیں جس طرح نزع کے وقت انسان کی نظریں گھومتی ہیں، جب لڑائی ختم ہو جاتی ہے تو قینچی کی طرح زبانیں استعمال کرنے لگ جاتے ہیں۔

جب مال غنیمت تقسیم ہونے لگتا ہے تو اس وقت ان کا بخل اور حسد دیکھنے والا ہوتا ہے، یہ وہ بدنصیب اور کم بخت لوگ ہیں جو دل سے ایمان نہیں لائے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا ثواب ضائع کر دیا ہے، اللہ کے لیے ایسا کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

منافقین کا خیال یہ ہے کہ جن جتھوں اور گروہوں کو اللہ نے عبرت ناک شکست سے دوچار کیا ہے وہ ابھی تک گئے نہیں ہیں، ایسا خیال وہ شدت خوف اور بزدلی کے باعث کرتے ہیں، اگر یہی جتھے اور لشکر مدینہ کی طرف واپس لوٹیں تو یہ منافقین آرزو کریں گے کہ کاش وہ مدینہ کی بجائے کسی دیہات میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہوتے جہاں انہیں تمہاری خبریں ملتی رہتیں یا تمہاری خبریں دریافت کرتے رہتے، اگر یہ لوگ تمہارے اندر بھی رہیں تو اپنی بزدلی، ذلت اور کمزور یقین کی وجہ سے بہت کم لڑائی میں حصہ لیں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا {۲۱} الاحزاب

جواب ترجمہ: تمہارے لیے یعنی اس شخص کے لیے جو اللہ سے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ: قتال سے چھوڑ کر گھر بیٹھے رہنے والوں ہی کے لیے عتاب ہے یعنی تمہارے لیے نبی کریم ﷺ کی ذات میں بہترین اسوہ ہے کیونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے جان کو صرف کر رہے ہیں کہ آپ غزوہ خندق کے لیے گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ (الجامع لاحکام القرآن)

اسوۃٌ کا معنی قدوہ اور نمونہ ہے، جوہری نے کہا: اُسوۃ اور اِسوۃ دو لغتیں ہیں، اس کی جمع أُسًی اور إِسًی ہے، اسوۃ اسے کہتے ہیں جس سے تسلی حاصل کی جائے اور اس کے تمام افعال میں اقتدا کی جائے، اور تمام احوال میں اس سے تسلی حاصل کی جاتی ہے۔ حضور ﷺ کے چہرے کو زخمی کیا گیا، آپ کی رباعیہ (سامنے والے دانت) کو توڑا گیا، آپ کے چچا کو قتل کیا گیا، آپ کا پیٹ بھوکا رہا اور آپ کو نہ پایا گیا مگر صابر اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے والا شکر کرنے والا اور راضی برضا رہنے والا۔ (قرطبی)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بھوک کی شکایت کی اور ہم نے اپنے پیٹوں سے کپڑا اٹھایا جس پر ایک ایک پتھر تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھایا جب کہ آپ کے پیٹ پر دو پتھر تھے۔ (ترمذی) جب حضور ﷺ کو زخمی کیا گیا تو آپ ﷺ نے یوں دعا کی اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يعلمون اے اللہ! میری قوم کو بخش دے وہ نہیں جانتے۔

لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا: معنی ہے جو ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے اور اس بعث کی تصدیق کرتا ہے جس میں اعمال کی جزا ہے، ایک قول یہ کیا گیا ہے جو یوم آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید رکھتا ہے۔ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا: اور وہ اللہ تعالیٰ کے عقاب سے ڈر کر اور ثواب کی امید میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ ذکر کرتا ہے۔

جنگ خندق! مسلمانوں کا قابل رشک کردار

سوال غزوہ خندق میں مسلمانوں کا کردار قابل رشک رہا، اس بارے میں قرآن کریم کی روشنی میں وضاحت فرمائیے۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا {۲۲} مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا {۲۳} لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا {۲۴} الأحزاب.

جواب ترجمہ: اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں، جب انہوں نے (دشمن کے) لشکروں کو دیکھا تھا تو انہوں نے یہ کہا تھا کہ: یہ وہی بات ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے کیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا۔ اور اس واقعے نے ان کے ایمان اور تابع داری کے جذبے میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ انہی ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اسے سچا کر دکھایا۔ پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنا نذرانہ پورا کر دیا، اور کچھ وہ ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں۔ اور انہوں نے (اپنے ارادوں میں) ذرا سی بھی تبدیلی نہیں کی۔ (یہ واقعہ اس لیے ہوا) تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا انعام دے، اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے، یا ان کی توبہ قبول کرلے۔ اللہ یقیناً بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

خلاصہ تفسیر: اہل ایمان نے جب اپنی کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ بہت سے جتھوں نے مدینہ کے گرد صف بندی کرلی ہے، مدینہ کو گھیر لیا ہے تو انہیں اللہ کی مدد کا وعدہ یاد آگیا کہ نصرت الٰہی قریب آچکی ہے، اس پر اہل ایمان پکار اٹھے کہ یہی وہ وعدہ ہے جس کا آزمائشوں، ابتلاؤں اور امتحانوں کے بعد ہم سے اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے وعدہ فرمایا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، رسول کریم ﷺ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جس کی بشارت دی تھی۔

جب اہل ایمان ان لشکروں کی نقل و حرکت دیکھتے تو ان کا ایمان بڑھتا تھا، وہ رب کے تقدیری فیصلوں کو تسلیم کرتے اور اس کے احکامات کی پیروی کرتے، اہل ایمان میں سے کچھ مرد وہ تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کیا، اور جنگ پر، تکلیفوں پر صبر کا مظاہرہ کیا، ان میں کچھ وہ تھے جنہوں نے اپنی نذر پوری کی اور لیلائے شہادت کو اپنے گلے سے لگالیا، راہ خدا میں جان

دے ڈالی، یا صدق وصداقت پر، وفاداری اور جان سپاری پر موت کی آغوش میں پہنچ گئے، بعض وہ تھے جو نصرت الٰہی یا شہادت جیسی نیکیوں کے منتظر رہے، مگر اللہ کے ساتھ کیے گئے عہد وپیمان کو تبدیل نہیں کیا، نہ اسے توڑا نہ بدلا، جیسا کہ منافقین نے عہد وپیمان کرنے کے بعد اسے توڑ ڈالا تھا۔

یہ سب کچھ اس لیے ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کے صدق وسچائی اور امتحانوں میں پڑنے کی وجہ سے ثواب واجر عطا کرے اور منافقین کو اگر چاہے تو سزا دے، اس لیے کہ انہیں پختہ توبہ کی توفیق نہیں دی گئی تھی، نہ ہی رجوع الی اللہ کی توفیق سے سرفراز کیے گئے تھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی جانوں پر زیادتی کرنے کے بعد توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، وہ جب انہیں پختہ توبہ کرنے کی توفیق دے دے تو یہ سمجھ لیا جائے کہ اللہ ان پر مہربان ہو گیا ہے۔

جنگ خندق! غداروں کا انجام

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے، نیز یہ بتایئے کہ ان آیات میں کن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے؟

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا {۲۵} وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا {۲۶} وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا {۲۷} الأحزاب

جواب ترجمہ: اور کافروں کو اللہ نے ان کے غصہ کے ساتھ واپس لوٹا دیا انہوں نے کوئی خیر نہ پائی اور قتال کی جانب سے مومنین کے لیے اللہ خود ہی کافی ہو گیا اور اللہ قوت والا ہے عزت والا ہے۔ اور جن اہل کتاب نے ان (دشمنوں) کی مدد کی تھی، انہیں اللہ ان کے قلعوں سے نیچے اتار لایا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ (اے مسلمانو! ان میں سے کچھ کو تم قتل کر رہے تھے، اور کچھ کو قیدی بنا رہے تھے۔ اور اللہ نے تمہیں ان کی زمین کا، ان کے گھروں کا اور ان کی دولت کا وارث بنا دیا، اور ایک ایسی زمین کا بھی جس تک ابھی تمہارے قدم نہیں پہنچے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا: اللہ تعالیٰ نے کفار قریش وعطفان کو اپنے غم

اور جلن کے ساتھ واپس کر دیا کہ وہ کامیابی ان سے فوت ہو گئی جس کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے اور جس غلبہ کی وہ طمع کیے ہوئے تھے اس میں نامراد لوٹے ان کو کچھ بھی بھلائی نہ ملی ان کو نہ تو مسلمانوں کا مال ملا نہ قیدی ہاتھ آئے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی جانب سے ان کے ساتھ فرشتوں کے لشکروں اور ہوا کے ذریعہ لڑائی میں کافی ہو گیا۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ: جب مشرکین و یہود کے لشکر مدینے پر آئے اور انہوں نے گھیر اڈالا تو بنو قریظہ کے یہودی جو مدینے میں تھے اور جن سے حضور ﷺ کا عہد و پیمان ہو چکا تھا، انہوں نے بھی عین موقع پر بے وفائی کی اور عہد توڑ کر آنکھیں دکھانے لگے، ان کا سردار کعب بن اسد باتوں میں آ گیا اور حی بن اخطب خبیث نے اسے بد عہدی پر آمادہ کر لیا، پہلے تو یہ نہ مانا اور اپنے عہد پر قائم رہا، حی نے کہا کہ دیکھ تو سہی میں تو تجھے عزت کا تاج پہنانے آیا ہوں، قریش اور ان کے ساتھی غطفان اور ان کے ساتھی اور ہم سب ایک ساتھ ہیں۔ ہم نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک ایک ایک مسلمان کا قیمہ نہ کر لیں یہاں سے نہیں ہٹیں گے۔

کعب چونکہ جہاندیدہ شخص تھا، اس نے جواب دیا کہ محض غلط ہے۔ یہ تمہارے بس کے نہیں تو ہمیں ذلت کا طوق پہنانے آیا ہے۔ تو بڑا منحوس شخص ہے، میرے سامنے سے ہٹ جا اور مجھے اپنی مکاری کا شکار نہ بنا لیکن حی پھر بھی نہ ٹلا اور اسے سمجھاتا بجھاتا رہا۔ آخر میں کہا سن! اگر بالفرض قریش اور غطفان بھاگ بھی جائیں تو میں مع اپنی جماعت کے تیری گھڑی میں آجاؤں گا اور جو کچھ تیرا اور تیری قوم کا حال ہو گا۔ وہی میرا اور میری قوم کا حال ہو گا۔

بالآخر کعب پر حی کا جادو چل گیا اور بنو قریظہ نے صلح توڑ دی جس سے حضور ﷺ کو اور صحابہ کو سخت صدمہ ہوا اور بہت ہی گراں گزرا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے غلاموں کی مدد کی اور حضور ﷺ مع اصحاب کے کامیاب و کامران مدینہ شریف کو واپس آئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہتھیار کھول دیئے اور حضور ﷺ بھی ہتھیار اتار کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گرد و غبار صاف کرنے کے لئے غسل کے لیے بیٹھے ہی تھے تو حضرت جبریل ظاہر ہوئے، آپ کے سر پر ریشمی عمامہ تھا، خچر پر سوار تھے،

جس پر ریشمی گدی تھی، فرمانے لگے کہ

أَوَضَعْتَ السِّلَاحَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: لٰكِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَمْ تَضَعْ أَسْلِحَتَهَا، وَهٰذَا الْآنَ رُجُوعِي مِنْ طَلَبِ الْقَوْمِ، کیا آپ نے ہتھیار کھول دیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں، حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا لیکن فرشتوں نے ابھی تک اپنے ہتھیار الگ نہیں کئے، میں کافروں کے تعاقب سے ابھی ابھی آرہا ہوں۔

سنئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بنو قریظہ کی طرف چلئے اور ان کی پوری گوشمالی کیجئے، مجھے بھی اللہ کا حکم مل چکا ہے کہ میں انہیں لرزا دوں۔ حضور ﷺ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، تیار ہو کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا اور فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک عصر کی نماز بنو قریظہ میں ہی پڑھے، ظہر کے بعد یہ حکم ملا تھا، بنو قریظہ کا قلعہ یہاں سے کئی میل پر تھا۔ نماز کا وقت صحابہ کو راستہ میں آگیا، تو بعض نے تو نماز ادا کر لی اور کہا کہ حضور کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ ہم تیز چلیں اور بعض نے کہا ہم تو وہاں پہنچے بغیر نماز نہیں پڑھیں گے، جب آپ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے دونوں میں سے کسی کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔

آپ نے مدینہ پر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں لشکر کا جھنڈا دیا اور آپ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے پیچھے پیچھے بنو قریظہ کی طرف چلے اور جا کر ان کے قلعہ کو گھیر لیا۔ یہ محاصرہ پچیس روز تک رہا، جب یہودیوں کے ناک میں دم ہو گیا اور تنگ حال ہو گئے تو انہوں نے اپنا حاکم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بنایا جو قبیلہ اوس کے سردار تھے۔

بنو قریظہ میں اور قبیلہ اوس میں زمانہ جاہلیت میں اتفاق و یگانگت تھی ایک دوسرے کے حلیف تھے اس لئے ان یہودیوں کو یہ خیال رہا کہ حضرت سعد ہمارا لحاظ اور پاس کریں گے جیسے کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول نے بنو قینقاع کو چھڑوایا تھا ادھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ جنگ خندق میں انہیں اکحل (بازو کی ایک رگ کا نام جس کی فصد کی جاتی ہے) کی رگ میں ایک تیر لگا تھا جس سے خون جاری تھا حضور ﷺ نے زخم پر داغ لگوایا تھا اور مسجد کے خیمے میں ہی انہیں رکھا تھا کہ پاس ہی پاس عیادت اور بیمار پرسی کر لیا کریں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو دعائیں کیں ان میں ایک دعا یہ تھی کہ اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ أَبْقَيْتَ مِنْ حَرْبِ قُرَيْشٍ شَيْئًا فَأَبْقِنِي لَهَا. وَإِنْ كُنْتَ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَافْجُرْهَا وَلَا تُمِتْنِي حَتَّى تُقِرَّ عَيْنِي مِنْ بَنِي قُرَيْظَةَ. اے پروردگار! اگر اب بھی کوئی ایسی لڑائی باقی ہے، جس میں کفار قریش تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھ آئیں تو تو مجھے زندہ رکھ کہ میں اس میں شرکت کر سکوں اور اگر تو نے کوئی ایک لڑائی بھی ایسی باقی نہیں رکھی تو خیر میرا زخم خوب بہا تا رہے لیکن اے میرے رب جب تک میں بنو قریظہ قبیلے کی سرکشی کی سزا سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی نہ کرلوں تو میری موت کو موخر فرمانا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ جیسے مستجاب الدعوات کی دعا کی قبولیت کی شان دیکھئے کہ آپ دعا کرتے ہیں ادھر یہود ان بنو قریظہ آپ کے فیصلے پر اظہار رضامندی کر کے قلعے کو مسلمانوں کے سپرد کرتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدمی بھیج کر آپ کو مدینہ سے بلواتے ہیں کہ آپ آکر ان کے بارے میں اپنا فیصلہ سنادیں۔ یہ گدھے پر سوار کرا لئے گئے اور سارا قبیلہ ان سے لپٹ گیا کہ دیکھئے حضرت خیال رکھئے گا، بنو قریظہ آپ کے آدمی ہیں، انہوں نے آپ پر بھروسہ کیا ہے، وہ آپ کے حلیف ہیں، آپ کی قوم کے دکھ کے ساتھی ہیں، يَا سَعْدُ، إِنَّهُمْ مَوَالِيكَ، فَأَحْسِنْ فِيهِمْ. وَيُرَقِّقُونَهُ عَلَيْهِمْ وَيُعَطِّفُونَهُ. آپ ان پر رحم فرمایئے گا، ان کے ساتھ نرمی سے پیش آیئے گا، دیکھئے اس وقت ان کا کوئی نہیں وہ آپ کے بس میں ہیں وغیرہ۔

لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ محض خاموش تھے کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ ان لوگوں نے مجبور کیا کہ جواب دیں، پیچھا ہی نہ چھوڑا۔ آخر آپ نے فرمایا وقت آگیا ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ اس بات کا ثبوت دے کہ اسے اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں۔ یہ سنتے ہی ان لوگوں کے تو دل ڈوب گئے اور سمجھ لیا کہ بنو قریظہ کی خیر نہیں۔

جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی سواری اس خیمے کے قریب پہنچ گئی جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ. فَقَامَ إِلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ، اپنے سردار کے استقبال

کے لئے اٹھو چنانچہ مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے۔

مسلمانوں نے آپ کو عزت واکرام وقعت واحترام سے سواری سے اتارا، یہ اس لئے تھا کہ اس وقت آپ حاکم کی حیثیت میں تھے، ان کے فیصلے پورے ناطق ونافذ سمجھے جائیں۔

آپ کے بیٹھتے ہی حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ آپ کے فیصلے پر رضامند ہو کر قلعے سے نکل آئے ہیں، اب آپ ان کے بارے میں جو چاہیں حکم دیجئے۔ آپ نے کہا جو میں ان پر حکم کروں وہ پورا ہو گا؟ حضور نے فرمایا ہاں کیوں نہیں؟ انہوں نے پوچھا اور اس خیمے والوں پر بھی اس کی تعمیل ضروری ہو گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا یقیناً۔ آپ نے پوچھا اور اس طرف والوں پر بھی؟ اور اشارہ اس طرف کیا جس طرف خود رسول اکرم ﷺ تھے۔ لیکن آپ کی طرف نہیں دیکھا آپ کی بزرگی اور عزت و عظمت کی وجہ سے۔ حضور ﷺ نے جواب دیا ہاں اس طرف والوں پر بھی۔

آپ نے فرمایا اب میرا فیصلہ سنئے میں کہتا ہوں إِنِّي أَحْكُمُ أَنْ تُقْتَلَ مُقَاتِلَتُهُمْ، وَتُسْبَى ذُرِّيَّتُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ حَكَمْتَ بِحُكْمِ اللهِ مِنْ فَوْقِ سَبْعَةِ أَرْقِعَةٍ، بنو قریظہ میں جتنے لوگ لڑنے والے ہیں انہیں قتل کر دیا جائے اور ان کی اولاد کو قید کر لیا جائے ان کے مال قبضے میں لائے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے سعد رضی اللہ عنہ تم نے ان کے بارے میں وہی حکم کیا جو اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان کے اوپر کیا ہے۔ (سیرت ابن اسحاق، البدایہ والنہایہ، تفسیر ابن کثیر)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا لَقَدْ حَكَمْتَ بِحُكْمِ الْمَلِكِ، تم نے سچے مالک اللہ تعالیٰ کا جو حکم تھا وہی سنایا ہے۔ پھر حضور ﷺ کے حکم سے خندقیں کھائی کھدوا کر انہیں بندھا ہوا بلوا کر ان کی گردنیں ماری گئیں۔ یہ گنتی میں سات آٹھ سو تھے ان کی عورتیں نابالغ بچے اور مال لے لئے گئے۔

وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ: جن اہل کتاب یعنی یہودیوں نے کافروں کے لشکروں کی ہمت افزائی کی تھی اور ان کا ساتھ دیا تھا ان سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے قلعے خالی کرا دیئے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس قوم قریظہ کے بڑے سردار جن سے ان کی

نسل جاری ہوئی تھی اگلے زمانے میں آکر حجاز میں اسی طمع میں بسے تھے کہ نبی آخر الزمان ﷺ کی پیش گوئی ہماری کتابوں میں ہے وہ چونکہ یہیں تشریف لانے والے ہیں، تو ہم سب سے پہلے آپ کی اتباع کی سعادت سے مسعود ہوں گے۔ لیکن جب رسول کریم ﷺ اللہ کے نبی بن کر تشریف لائے تو انہوں نے آپ ﷺ کو پہچان لیا اور پہچاننے کے بعد آپ ﷺ کا انکار کر دیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر دی۔

مِنْ صَيَاصِيهِمْ: صیاصی سے مراد قلعے ہیں، اسی معنٰی کے لحاظ سے سینگوں کو بھی صیاصی کہتے ہیں، اس لئے کہ جانور کے سارے جسم کے اوپر اور سب سے بلند یہی ہوتے ہیں۔

وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ: ان کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا انہوں نے ہی مشرکین کو بھڑکا کر رسول اللہ ﷺ پر چڑھائی کرائی تھی۔ عالم جاہل برابر نہیں ہوتے۔ یہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو جڑوں سے اکھیڑ دینا چاہا تھا لیکن معاملہ برعکس ہو گیا پانسہ پلٹ گیا قوت کمزوری سے اور مراد نامرادی سے بدل گئی۔ نقشہ بگڑ گیا حمایتی بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ بے دست وپا رہ گئے۔ عزت کی خواہش نے ذلت دکھائی، مسلمانوں کے برباد کرنے اور پیس ڈالنے کی خواہش نے اپنے تئیں پسوا دیا۔ اور ابھی آخرت کی محرومی باقی ہے۔ کچھ قتل کر دیئے گئے باقی قیدی بنا لیے گئے۔

عطیہ قرظی کا بیان ہے کہ جب میں حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو میرے بارے میں حضور ﷺ کو کچھ تردد ہوا۔ فرمایا اسے الگ لے جاؤ دیکھو اگر اس کے ناف کے نیچے بال ہوں تو قتل کر دو ورنہ قیدیوں میں بٹھا دو، دیکھا تو میں بچہ ہی تھا، زندہ چھوڑ دیا گیا۔

وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ: ان کی زمین، گھر اور ان کے مال کے مالک مسلمان بن گئے بلکہ اس زمین کے بھی جو اب تک پڑی تھی اور جہاں مسلمانوں کے نشان قدم بھی نہ پڑے تھے یعنی خیبر کی زمین یا مکہ شریف کی زمین۔ یا فارس یا روم کی زمین اور ممکن ہے کہ یہ کل خطے مراد ہوں اللہ بڑی قدرتوں والا ہے۔

ازواج مطہرات کی شان

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا {۲۸} وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا {۲۹} يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا {۳۰} وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا {۳۱} يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا {۳۲} وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا {۳۳} وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا {۳۴} الأحزاب.

جواب ترجمہ: اے نبی! اپنی بیویوں سے کہو کہ: اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ تحفے دے کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور عالم آخرت کی طلب گار ہو تو یقین جانو اللہ نے تم میں سے نیک خواتین کے لیے شاندار انعام تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی کسی کھلی بے ہودگی کا ارتکاب کرے گی، اس کا عذاب بڑھا کر دوگنا کر دیا جائے گا، اور اللہ کے لیے ایسا کرنا بہت آسان ہے۔ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی تابع دار رہے گی اور نیک عمل کرے گی، اسے ہم اس کا ثواب بھی دوگنا دیں گے، اور اس کے لیے ہم نے باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو! اگر تم تقوی اختیار کرو تو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ لہذا تم نزاکت کے ساتھ بات مت کیا کرو، کبھی کوئی ایسا شخص بے جا لالچ کرنے لگے جس کے دل میں روگ ہوتا ہے، اور بات وہ کہو جو بھلائی والی ہو۔ اور اپنے

گھروں میں قرار کے ساتھ رہو اور (غیر مردوں کو) بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو، جیسا کہ پہلے والی جاہلیت میں دکھایا جاتا تھا اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔ اے نبی کے اہل بیت! (گھر والو) اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور رکھے، اور تمہیں ایسی پاکیزگی عطا کرے جو ہر طرح مکمل ہو۔ اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔ یقین جانو اللہ بہت باریک بین اور ہر بات سے باخبر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ سے عَظِيْمًا تک کا شان نزول: حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ نے یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے آپ ﷺ سے کچھ زیادہ خرچہ ملنے کی درخواست کی، اس وقت آپ ﷺ کی نو بیویاں تھیں، رسول اللہ ﷺ کو ان کا یہ مطالبہ اچھا نہ لگا (بڑوں کی بڑی باتیں ہیں، وہ سید الاولین والآخرین نبی ﷺ کی بیویاں تھیں، انہیں آپ کے ساتھ صبر و شکر کے ساتھ رہنا چاہیے تھا اور بعض مرتبہ جو فاقہ کی نوبت آجاتی تھی اس کو درجات کی بلندی کے لیے برداشت کرنا چاہیے تھا اور خرچہ کا سوال زبان پر نہیں لانا چاہیے تھا، جب رسول اللہ ﷺ سے انہوں نے خرچہ کا سوال کیا تو آپ نے قسم کھالی کہ ایک مہینہ تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ مشہور ہو گیا کہ آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے، اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس کی خبر لاتا ہوں، انہوں نے خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں مسجد میں گیا تو دیکھا کہ وہاں مسلمان موجود ہیں اور یوں کہہ رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے، آپ نے فرمایا میں نے طلاق نہیں دی، عرض کیا تو کیا میں مسلمانوں کو یہ بات بتادوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا چاہو تو بتادو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر پکار کر اعلان کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی۔

جب انتیس دن گزر گئے تو آیت تخییر یعنی يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ، آخر تک نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ حکم دیا کہ آپ ﷺ اپنی بیویوں سے فرما دیجیے کہ تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں دنیا کا سامان دے دیتا ہوں اور ساتھ ہی تمہیں خوبصورتی کے ساتھ چھوڑ دوں گا یعنی اپنے نکاح

میں نہیں رکھوں گا اور اگر تم اللہ کو اور اس کے رسول کو چاہتی ہو اور آخرت کی طلب گار ہو تو تم سمجھ لو کہ اللہ نے نیک کام کرنے والی عورتوں کے لیے اجر عظیم تیار فرمایا ہے، یعنی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ زندگی گزارتی رہو، اچھے اعمال کرتی رہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا (اس صورت میں رسول اللہ ﷺ کی جدائی کا کوئی مسئلہ نہیں)۔

جب آیت تخییر نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے آیت شریفہ کے مضمون کے مطابق اپنی بیویوں کو اختیار دے دیا کہ اگر چاہو تو دنیا کا سامان لے لو اور ساتھ ہی یہ سمجھ لو کہ میں تمہیں طلاق دے دوں گا اور اگر چاہو تو میرے ہی پاس رہو لیکن اس صورت میں مطلوبہ اخراجات کا کوئی وعدہ نہیں، ہاں یہ وعدہ ہے کہ نیک کام کرتی رہو گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر عظیم دیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرتا ہوں، جب تک اپنے ماں باپ سے مشورہ نہ کرلو جواب دینے میں جلدی نہ کرنا (آپ کو معلوم تھا کہ ان کے والدین انہیں رسول اللہ ﷺ سے جدا ہونے کا مشورہ نہیں دے سکتے تھے) یہ فرما کر آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دونوں آیتیں سنادیں، جن میں اختیار دینے کا مضمون ہے،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت سمجھدار اور مزاج شناس نبوت تھیں فوراً عرض کیا کیا میں آپ ﷺ کے بارے میں اپنے ماں باپ سے مشورہ لوں گی؟ میں اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں اور ساتھ ہی یوں بھی عرض کیا کہ آپ ﷺ دوسری بیویوں میں کسی کو میرے جواب سے مطلع نہ فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ اللہ نے مجھے تکلیف میں ڈالنے والا اور تکلیف میں پڑنے والا بنا کر نہیں بھیجا، مجھے تو سکھانے والا اور سہولت کا طریقہ بتانے والا بنا کر بھیجا ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے باقی آٹھ ازواج مطہرات کے سامنے بھی آیت بالا کا مضمون پیش فرمایا، ان سب نے بھی یہی جواب دیا کہ ہم اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہیں۔

جب انتیس دن گزر گئے تو آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے تو یہ قسم کھائی تھی کہ پورے ایک ماہ ہمارے ہاں تشریف نہیں لائیں گے، آپ

ﷺ نے فرمایا کہ یہ مہینہ انتیس دن کا تھا، انتیس دن گزر گئے نیا مہینہ شروع ہو گیا، جب آپ کی تمام بیویوں نے اللہ اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو اختیار کر لیا تو آپ کے چہرۂ انور پر خوشی کے انوار ظاہر ہو گئے اور آپ ﷺ نے ان کی قدر دانی فرمائی۔ (معالم التنزیل صحیح مسلم بحوالہ انوار البیان)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی رحلت کے وقت آپ ﷺ کی نو بیویاں تھیں، ان میں ① حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابو بکر صدیق قبیلہ تیم سے، ② حضرت حفصہ بنت عمر فاروق قبیلہ عدویہ سے، ③ حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان قبیلہ امویہ سے، ④ حضرت زینب بنت جحش قبیلہ اسدیہ سے، ⑤ حضرت ام سلمہ ھند بنت ابی امیہ قبیلہ مخزوم سے، ⑥ حضرت میمونہ بنت الحارث قبیلہ ھلال سے، ⑦ حضرت سودہ بنت زمعہ قبیلہ عامر سے، ⑧ حضرت جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار قبیلہ مصطلق سے، ⑨ حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب قبیلہ نضریہ، اسرائیلیہ ھارونیہ سے تھیں۔ رضی اللہ عنہن (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۱۲)

آپ ﷺ کی دو باندیاں تھیں، ایک حضرت ماریہ بنت شمعون قبطیہ مصریہ اور دوسری حضرت ریحانہ بنت زید بن عمرو (طبقات ابن سعد)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ میں حضرت حافظ ابو بکر البیہقی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت سعید بن عروبہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے پندرہ عورتوں سے شادی کی تھی، جن میں سے تیرہ کے ساتھ ہمبستری فرمائی تھی، ان میں سے گیارہ اکٹھی تھیں، جب آپ ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت نو بیویاں زندہ تھیں۔ یہی نو بیویاں جن کا ہم نے البدایہ والنہایہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۲۸۹، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۱۳) بخاری شریف میں حضرت انس سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے گیارہ ازواج مطہرات سے ہمبستری فرمائی تھی۔ (بحوالہ البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۱۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جن دو عورتوں کے ساتھ آپ ﷺ نے ہمبستری نہیں فرمائی ان میں ایک عمرہ بنت یزید غفاریہ ہیں اور دوسری شنباء تھیں، ان میں عمرہ بنت یزید غفاریہ سے تنہائی

اختیار فرمائی، بے لباس ہوئیں مگر آپ ﷺ نے ایسی کوئی چیز محسوس فرمائی جس کے باعث اس سے ہمبستری نہیں کی، مگر اسے مہر دے دیا تھا، آپ ﷺ کے بعد کسی اور سے شادی بھی نہیں کر سکتی تھی، شنباء سے ہمبستری آسان نہیں تھی اس لیے آپ ﷺ نے آسانی کے ساتھ ہمبستری ہو جانے تک انتظار فرمایا۔

جب آپ ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم کا انتقال ہو گیا تو شنباء نے اپنی زبان سے ایک ایسا ناپسندیدہ جملہ نکالا جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے اسے طلاق دے دی تھی، مہر دے دیا تھا مگر کسی اور مرد کے لیے یہ بھی حرام تھی، شنباء نے یہ جملہ منہ سے نکالا تھا کہ اگر یہ بندہ نبی ہوتا تو اس کا بیٹا ابراہیم فوت نہ ہوتا۔ (البدایہ والنہایہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت جسے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ میں نقل فرمایا اس میں ان دس عورتوں کا ذکر کیا جو بیک وقت آپ ﷺ کے نکاح میں تھیں، نو وہی جن کا ذکر ہم نے اس سے پہلے کیا ہے اور دسویں ام شریک تھیں، مگر اس کے بعد ابن کثیر نے بخاری کے حوالے سے یہ بات ذکر کی ہے کہ آپ ﷺ باری باری جن عورتوں کے ہاں جاتے تھے وہ گیارہ تھیں۔

پھر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشہور بات یہی ہے کہ ام شریک کے ساتھ آپ ﷺ نے ہمبستری نہیں فرمائی تھی اور جن گیارہ عورتوں کے ساتھ ہمبستری کا ذکر آتا ہے ان میں نو ازواج مطہرات وہی تھیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور دو باندیاں تھیں ایک حضرت ماریہ اور دوسری حضرت ریحانہ۔ (البدایہ والنہایہ)

سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۱ میں اللہ تعالیٰ اپنے عدل و فضل کا بیان فرما رہا ہے اور حضور ﷺ کی ازواج مطہرات سے خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ تمہاری اطاعت گزاری اور نیکو کاری پر تمہیں دگنا اجر ملے گا اور تمہارے لئے جنت میں باعزت روزی ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ آپ کی منزل میں ہوں گی اور حضور ﷺ کی منزل اعلیٰ علیین میں ہے، جو تمام لوگوں سے بالاتر ہے۔ اسی کا نام وسیلہ ہے۔ یہ جنت کی سب سے اعلیٰ اور سب سے اونچی منزل ہے جس کی چھت عرش الٰہی ہے۔ (ابن کثیر) سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۲ میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی بیویوں کو آداب سکھاتا ہے

اور چونکہ تمام عورتیں انہی کے ماتحت ہیں۔ اس لئے یہ احکام سب مسلمان عورتوں کے لئے ہیں۔

فرمایا کہ تم میں سے جو پرہیز گاری کریں وہ بہت بڑی فضیلت اور مرتبے والی ہیں۔ مردوں سے جب تمہیں کوئی بات کرنی پڑے تو آواز بنا کر بات نہ کرو کہ جن کے دلوں میں روگ ہے انہیں طمع پیدا ہو۔ بلکہ بات اچھی اور مطابق دستور کرو۔ پس عورتوں کو غیر مردوں سے نزاکت کے ساتھ خوش آوازی سے باتیں کرنی منع ہیں۔ گھل مل کر وہ صرف اپنے خاوندوں سے ہی کلام کر سکتی ہیں۔ پھر فرمایا بغیر کسی ضروری کام کے گھر سے باہر نہ نکلو۔

مسجد میں نماز کے لئے آنا بھی شرعی ضرورت ہے جیسے کہ حدیث میں ہے لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ، وَلْيَخْرُجْنَ وَهُنَّ تَفِلَات، اللہ کی لونڈیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ لیکن انہیں چاہئے کہ سادگی سے جس طرح گھروں میں رہتی ہیں اسی طرح آئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ (ابو داؤد) ان کے لئے ان کے گھر بہتر ہیں۔

بزار میں ہے کہ عورتوں نے حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، ذَهَبَ الرِّجَالُ بِالْفَضْلِ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ تَعَالَى، فَمَا لَنَا عَمَلٌ نُدْرِكُ بِهِ عَمَلَ الْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَعَدَ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا مِنْكُنَّ فِي بَيْتِهَا فَإِنَّهَا تُدْرِكُ عَمَلَ الْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (البزار)

یارسول اللہ! جہاد وغیرہ کی کل فضیلتیں مرد ہی لے گئے۔ اب آپ ہمیں کوئی ایسا عمل بتائیں جس سے ہم مجاہدین کی فضیلت کو پا سکیں۔ آپ نے فرمایا تم میں سے جو اپنے گھر میں پردے اور عصمت کے ساتھ بیٹھی رہے وہ جہاد کی فضیلت پالے گی۔ (البزار بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ إِنِ الْمَرْأَةَ عَوْرَةٌ، فَإِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ، وَأَقْرَبُ مَا تَكُونُ بِرَوْحَةِ رَبِّهَا وَهِيَ فِي قَعْرِ بَيْتِهَا (ترمذی، صحیح ابن خزیمہ، تفسیر ابن کثیر)

عورت سر تا پا پردے کی چیز ہے۔ یہ جب گھر سے باہر قدم نکالتی ہے تو شیطان جھانکنے لگتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ اللہ کے قریب اس وقت ہوتی ہے جب یہ اپنے گھر کے اندرونی حجرے میں ہو۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا، وَصَلَاتُهَا فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا (ابوداؤد) عورت کی اپنے گھر کی اندرونی کوٹھڑی کی نماز گھر کی نماز سے افضل ہے اور گھر کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے۔

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورت اپنے گھر سے نکلتی اور مردوں کے سامنے چلتی تھی، اسے زمانہ جاہلیت کا بناؤ سنگھار کہا گیا ہے، جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرا کرتی تھیں، اب اسلام بے پردگی کو حرام قرار دیتا ہے، ناز سے اٹھلا کر چلنا ممنوع ہے، دوپٹہ گلے میں ڈال لیا لیکن اسے لپیٹا نہیں جس سے گردن اور کانوں کے زیور دوسروں کو نظر آئیں، یہ جاہلیت کا بناؤ سنگھار تھا جس سے اس آیت میں روکا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت مبارکہ تلاوت کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ حضرت نوح اور حضرت ادریس کے درمیان ایک ہزار سال کی مدت کا فاصلہ تھا، ان کی دو نسلیں آباد تھیں، ایک تو پہاڑ پر دوسرے نرم زمین پر، پہاڑیوں کے مرد خوش شکل تھے عورتیں سیاہ فام تھیں اور نرم زمین والوں کی عورتیں خوبصورت تھیں اور مردوں کے رنگ سانولے تھے، ابلیس ایک لڑکے کی صورت اختیار کر کے انہیں بہکانے کے لئے نرم زمین والوں کے پاس آیا اور ایک شخص کا غلام بن کر رہنے لگا، پھر اس نے بانسری وضع کی ایک چیز بنائی اور اسے بجانے لگا، یہ آواز لوگوں نے اس سے پہلے نہیں سنی تھی، چنانچہ وہ لوگ اس کی آواز پر لٹو ہو گئے اور پھر بھیڑ لگنے لگی اور ایک دن میلے کا مقرر ہو گیا جس میں ہزارہا مرد و عورت جمع ہونے لگے، عورتیں مردوں کی خاطر بناؤ سنگھار کر کے آتی تھیں اور مرد ان عورتوں کے لیے بن سنور کر آتے تھے۔

ایک دن ایک پہاڑی آدمی بھی آگیا اور ان کی عورتوں کو دیکھ کر واپس جا کر اپنے قبیلے والوں میں ان کے حسن کا چرچا کرنے لگا، اب وہ لوگ بکثرت آنے لگے اور آہستہ آہستہ ان عورتوں مردوں میں اختلاط بڑھ گیا اور بدکاری اور زناکاری کا عام رواج ہو گیا، یہی جاہلیت کا بناؤ ہے جس سے یہ آیت روک رہی ہے۔

اہل بیت رضی اللہ عنہم سے کون مراد ہے؟

سوال سورۃ الاحزاب کے اس مقام پر اہل بیت کا ذکر ہے اس سے کیا مراد ہے؟

جواب ہمارے ہاں اہل بیت سے حضرت نبی کریم ﷺ کی بیویاں پہلے مراد ہیں، پھر آپ ﷺ نے جن خوش نصیبوں کو اپنی چادر میں لپیٹ کر فرمایا کہ اے میرے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، جو حقیقت میں اہل بیت ہیں وہ اور جن کو چادر تطہیر میں لے کر اہل بیت فرمایا گیا یہ سب ہی اللہ کے پسندیدہ اور برگزیدہ تھے، ہم ان میں سے ہر دو کی منقبت اور شان ارفع و اعلیٰ کے قائل ہیں، کسی کی شان میں کمی کرنا اپنے ایمان کو برباد کرنا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اہل بیت سے ہر قسم کے میل کچیل کو دور کرنے کا ارادہ اللہ تعالیٰ کا ہو چکا ہے وہ تمہیں بالکل پاک صاف کر دے گا۔

یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ان آیتوں میں اہل بیت میں داخل ہیں۔ اس لئے کہ یہ آیت انہی کے بارے میں اتری ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ تو بازاروں میں منادی کرتے پھرتے تھے کہ یہ آیت نبی ﷺ کی بیویوں ہی کے بارے میں خالصتاً نازل ہوئی ہے (ابن جریر، تفسیر ابن کثیر)

ابن ابی حاتم میں حضرت عکرمہ رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ مَنْ شَاءَ بَاهَلْتُهُ أَنَّهَا نَزَلَتْ فِي أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، جو چاہے مجھ سے مباہلہ کرلے۔ یہ آیت حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اس قول سے یہ مطلب ہے کہ شان نزول یہی ہے کوئی اور نہیں، تو یہ تو ٹھیک ہے اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ اہل بیت میں اور کوئی ان کے سوا داخل ہی نہیں تو اس میں نظر ہے اس لئے کہ احادیث سے اہل بیت میں ازواج مطہرات کے سوا اوروں کا داخل ہونا بھی پایا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ

الْبَيْتِ، یہ آیت نبی کریم ﷺ کی بیویوں کے بارے میں خصوصیت سے نازل ہوئی ہے۔ (ابن کثیر)

مسند احمد اور ترمذی میں روایت ہے کہ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمُرُّ بِبَابِ فَاطِمَةَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ إِذَا خَرَجَ إِلَى صَلَاةِ الْفَجْرِ يَقُولُ: الصَّلَاةُ يَا أَهْلَ الْبَيْتِ، (تفسیر ابن کثیر) رسول اللہ ﷺ چھ مہینے حضرت فاطمہ کے دروازے کے قریب سے گزرتے رہے، جب صبح کی نماز کے لئے نکلتے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر پہنچ کر فرماتے اے اہل بیت! نماز کا وقت آگیا ہے پھر اسی آیت تطہیر کی تلاوت کرتے تھے۔

مسند میں ہے شداد بن عمار کہتے ہیں میں ایک دن حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اس وقت وہاں کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہو رہا تھا، وہ آپ کو برا بھلا کہہ رہے تھے میں نے بھی ان کا ساتھ دیا جب وہ لوگ گئے تو مجھ سے سے حضرت واثلہ نے فرمایا تو نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے؟ میں نے کہا ہاں میں نے بھی سب کی زبان میں زبان ملائی، تو فرمایا سن میں نے جو دیکھا ہے تجھے سناتا ہوں۔

میں ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر گیا تو معلوم ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی مجلس میں گئے ہوئے ہیں، میں ان کے انتظار میں بیٹھا رہا تھوڑی دیر میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ آرہے ہیں اور آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی ہیں، دونوں بچے آپ کی انگلی تھامے ہوئے تھے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تو اپنے سامنے بٹھا لیا اور دونوں نواسوں کو اپنے گھٹنوں پر بٹھا لیا اور ایک کپڑے سے ڈھک لیا پھر اسی آیت کی تلاوت کر کے فرمایا اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي، وَأَهْلُ بَيْتِي أَحَقُّ، اے اللہ! یہ ہیں میرے اہل بیت اور میرے اہل بیت زیادہ حقدار ہیں۔

دوسری روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے یہ دیکھ کر کہا یا رسول اللہ! میں بھی آپ کے اہل بیت میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا تو بھی میرے اہل میں سے ہے۔

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ کا یہ فرمان میرے لئے بہت ہی بڑی امید کا ہے۔

(مسند احمد، تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر) ایک اور روایت میں ہے حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا جب حضرت علی حضرت فاطمہ حضرت حسن حضرت حسین رضی اللہ عنہم آئے، آپ نے اپنی چادر ان پر ڈال کر فرمایا، اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي، اَللّٰهُمَّ أَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا، اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں یا اللہ ان سے ناپاکی کو دور فرما اور انہیں پاک کر دے۔ میں نے کہا میں بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں تو بھی۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ میرا مضبوط عمل یہی ہے۔ (تفسیر طبری ۷ ص ۲۲، تفسیر ابن کثیر، معجم طبرانی کبیر)

مسند احمد میں ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے، جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حریرے کی ایک پتیلی بھری ہوئی لائیں۔ آپ نے فرمایا اپنے میاں کو اور اپنے دونوں بچوں کو بھی بلالو۔ چنانچہ وہ بھی آگئے اور کھانا شروع ہوا آپ اپنے بستر پر تھے۔ خیبر کی ایک چادر آپ کے نیچے بچھی ہوئی تھی۔ میں حجرے میں نماز ادا کر رہی تھی جب یہ آیت اتری، پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر انہیں اڑھادی اور چادر میں سے ایک ہاتھ نکال کر آسمان کی طرف اٹھا کر یہ دعا کی کہ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي وَخَاصَّتِي، فَأَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا، الٰہی یہ میرے اہل بیت اور حمایتی ہیں تو ان سے ناپاکی دور کر اور انہیں ظاہر کر، میں نے اپنا سر گھر میں سے نکال کر کہا یا رسول اللہ! میں بھی آپ سب کے ساتھ ہوں، آپ نے فرمایا یقیناً تو بہتری کی طرف ہے، فی الواقع تو خیر کی طرف ہے۔

دوسری سند سے انہی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا آیت تطہیر تو میرے گھر میں اتری ہے۔ آپ میرے ہاں آئے اور فرمایا کسی اور کو آنے کی اجازت نہ دینا۔ تھوڑی دیر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں، اب بھلا میں بیٹی کو باپ سے کیسے روکتی؟ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ آئے تو نواسے کو نانا سے کون روکے؟ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے میں نے انہیں بھی نہ روکا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے میں انہیں بھی نہ روک سکی۔ جب یہ سب جمع ہوگئے تو جو چادر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اوڑھے ہوئے تھے اسی میں ان سب کو لے لیا اور کہا الٰہی یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے پلیدی دور کر دے اور انہیں خوب پاک کر دے۔ پس یہ آیت اس وقت اتری جبکہ یہ

چادر میں جمع ہو چکے تھے میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں بھی؟ لیکن اللہ جانتا ہے آپ اس پر خوش نہ ہوئے اور فرمایا تو خیر کی طرف ہے۔

مسند کی روایت میں ہے کہ میرے گھر میں حضور ﷺ تھے جب خادم نے آکر خبر کی کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ آگئے ہیں تو آپ نے مجھ سے فرمایا ایک طرف ہو جاؤ، میرے اہل بیت آگئے ہیں، میں گھر کے ایک کونے میں بیٹھ گئی جب دونوں ننھے بچے اور یہ دونوں صاحب تشریف لائے۔ آپ نے دونوں بچوں کو گودی میں لے لیا اور پیار کیا پھر ایک ہاتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گردن میں دوسرا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گردن میں ڈال کر ان دونوں کو بھی پیار کیا اور ایک سیاہ چادر سب پر ڈال کر فرمایا یا اللہ تیری طرف نہ کہ آگ کی طرف میں اور میری اہل بیت، میں نے کہا میں بھی؟ فرمایا ہاں تو بھی۔

اور روایت میں ہے کہ میں اس وقت گھر کے دروازے پر بیٹھی ہوئی تھی اور میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا تو بھلائی کی طرف ہے اور نبی ﷺ کی بیویوں میں سے ہے۔ اور روایت میں ہے میں نے کہا مجھے بھی ان کے ساتھ شامل کر لیجئے تو فرمایا تو میری اہل ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سیاہ چادر اوڑھے ہوئے ایک دن صبح ہی صبح نکلے اور ان چاروں کو اپنی چادر تلے لے کر یہ آیت پڑھی (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرتبہ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا وہ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے، ان کے گھر میں آپ کی صاحبزادی تھیں، جو سب سے زیادہ آپ کی محبوب تھیں۔ پھر چادر کا واقعہ بیان فرما کر فرمایا میں نے قریب جا کر کہا یا رسول اللہ! میں بھی آپ کے اہل بیت سے ہوں، آپ نے فرمایا تم یقیناً خیر پر ہو (ابن ابی حاتم)

حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے اور ان چاروں کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضور ﷺ پر وحی اتری تو آپ نے ان چاروں کو اپنے کپڑے تلے لے کر فرمایا یا، رب! یہ میرے اہل ہیں اور میرے اہل بیت ہیں (ابن جریر)

صحیح مسلم شریف میں ہے حضرت یزید بن حبان فرماتے ہیں میں اور حصین بن سیرہ اور عمر بن

مسلمہ مل کر حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ حصین کہنے لگے اے زید! آپ کو تو بہت سی بھلائیاں مل گئیں۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ کی حدیثیں سنیں، آپ کے ساتھ جہاد کئے، آپ کے پیچھے نمازیں پڑھیں غرض آپ نے بہت خیر وبرکت پالی، اچھا ہمیں کوئی حدیث تو سناؤ۔

آپ نے فرمایا بھتیجے! اب میری عمر بڑی ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ دور ہو گیا۔ بعض باتیں ذہن سے جاتی رہیں۔ اب تم ایسا کرو جو باتیں میں از خود بیان کروں انہیں تم قبول کرلو ورنہ مجھے تکلیف نہ دو سنو! مکہ اور مدینے کے درمیان ایک پانی کی جگہ پر جسے خم کہا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ہمیں ایک خطبہ سنایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور وعظ وپند کے بعد فرمایا

أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُولُ رَبِّي فَأُجِيبُ، وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ، وَأَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللهِ فيه الهُدى وَالنُّور، فَخُذُوا بِكِتَابِ اللهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ فَحَثَّ عَلَى كِتَابِ اللهِ وَرَغَّبَ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ: وَأَهْلُ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي ثَلَاثًا

میں ایک انسان ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ میرے پاس میرے رب کا قاصد آئے اور میں اس کی مان لوں میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں۔ پہلی تو کتاب اللہ جس پر ہدایت ونور ہے۔ تم اللہ کی کتاب کو لو اور اسے مضبوطی سے تھام لو پھر تو آپ نے کتاب اللہ کی بڑی رغبت دلائی اور اس کی طرف ہمیں خوب متوجہ فرمایا۔ پھر فرمایا اور میری اہل بیت کے بارے میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں تین مرتبہ یہی کلمہ فرمایا۔ تو حصین نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی بیویاں آپ کی اہل بیت نہیں ہیں؟ فرمایا آپ کی بیویاں تو آپ کی اہل بیت ہیں ہی۔ لیکن آپ کی اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ کھانا حرام ہے، پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا آل علی، آل عقیل، آل جعفر، آل عباس رضی اللہ عنہم۔ پوچھا کیا ان سب پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے؟ کہا ہاں!

جس شخص کو نور معرفت حاصل ہو اور قرآن میں تدبر کرنے کی عادت ہو وہ یقیناً بیک نگاہ جان لے گا کہ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بلاشبک وشبہ داخل ہیں اس لئے کہ اوپر سے کلام ہی ان

کے ساتھ اور انہی کے بارے میں چل رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ کی آیتیں اور رسول ﷺ کی باتیں جن کا درس تمہارے گھروں میں ہو رہا ہے انہیں یاد رکھو اور ان پر عمل کرو۔

اللہ کی آیات اور حکمت سے مراد بقول حضرت قتادہ وغیرہ کتاب و سنت ہے۔ پس یہ خاص خصوصیت ہے جو ان کے سوا کسی اور کو نہیں ملی کہ ان کے گھروں میں اللہ کی وحی اور رحمت الٰہی نازل ہوا کرتی ہے اور ان میں بھی یہ شرف حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بطور اولیٰ اور سب سے زیادہ حاصل ہے کیونکہ حدیث شریف میں صاف وارد ہے کہ کسی عورت کے بستر پر حضور ﷺ کی طرف وحی نہیں آتی بجز آپ رضی اللہ عنہا کے بستر کے یہ اس لئے بھی کہ حضور ﷺ نے آپ کے سوا کسی اور باکرہ سے نکاح نہیں کیا تھا۔ ان کا بستر بجز رسول اللہ ﷺ کے اور کسی کے لئے نہ تھا، پس اس زیادتی درجہ اور بلندی مرتبہ کی وہ صحیح طور پر مستحق تھیں۔

ہاں جبکہ آپ کی بیویاں آپ کے اہل بیت ہوئیں تو آپ کے قریبی رشتے دار بطور اولیٰ آپ کی اہل بیت ہیں، جیسے حدیث میں گذر چکا کہ میرے اہل بیت زیادہ حقدار ہیں۔ اس کی مثال میں یہ آیت ٹھیک طور پر پیش ہو سکتی ہے۔

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ (التوبہ :۱۰۸) کہ یہ اتری تو ہے مسجد قبا کے بارے میں جیسا کہ صاف صاف احادیث میں موجود ہے۔ لیکن صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ اس مسجد سے کون سی مسجد مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا وہ میری ہی مسجد ہے یعنی مسجد نبوی، پس جو صفت مسجد قبا میں تھی وہی صفت چونکہ مسجد نبوی میں بھی ہے اس لئے اس مسجد کو بھی اسی نام سے اس آیت کے تحت داخل کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا، آپ ایک مرتبہ نماز پڑھا رہے تھے کہ بنو اسد کا ایک شخص کود کر آیا اور سجدے کی حالت میں آپ کے جسم میں خنجر گھونپ دیا جو آپ کے نرم گوشت میں لگا جس سے آپ کئی مہینے بیمار رہے جب اچھے

ہو گئے تو مسجد میں آئے منبر پر بیٹھ کر خطبہ پڑھا جس میں فرمایا اے عراقیو! ہمارے بارے میں اللہ کا خوف کیا کرو ہم تمہارے حاکم ہیں، تمہارے مہمان ہیں، ہم اہل بیت ہیں جن کے بارے میں آیت وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الأحزاب: ۳۳) اتری ہے، اس پر آپ نے خوب زور دیا اور اس مضمون کو بار بار ادا کیا جس سے مسجد والے رونے لگے۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک شامی سے فرمایا تھا کیا تو نے سورۃ احزاب کی آیت تطہیر نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں، کیا اس سے مراد تم ہو؟ فرمایا ہاں! اللہ تعالیٰ بڑے لطف و کرم والا، بڑے علم اور پوری خبر والا ہے۔ اس نے جان لیا کہ تم اس کے لطف کے اہل ہو، اس لیے اس نے تمہیں یہ نعمتیں عطا فرمائیں اور یہ فضیلتیں تمہیں دیں۔

اہل ایمان مرد و عورت کے اوصاف

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا {۳۵} وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا {۳۶} الاحزاب

جواب ترجمہ: بلاشبہ مسلم مرد اور مسلم عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمان برداری کرنے والے مرد اور فرمان برداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع

کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لیے اس کی گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں تو انھیں اپنے کام میں اختیار باقی رہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔

خلاصہ تفسیر: سورۃ الاحزاب کی یہ عظیم آیات اسلامی معاشرے کی روح، مومن مرد و عورت کے اوصاف اور اللہ و رسول ﷺ کے فیصلے کے سامنے کامل سپردگی کے اصول کو نہایت جامع انداز میں بیان کرتی ہیں، ان آیات میں ایک طرف اہلِ ایمان کے بلند اخلاق اور اعمالِ صالحہ کا ذکر ہے اور دوسری طرف یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنی خواہشات اور ذاتی رائے کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے تابع کر دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ ... اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا: یہ آیت مرد و عورت دونوں کے لیے ایمان و عمل کا یکساں معیار متعین کرتی ہے، اسلام میں قربِ الٰہی، مغفرت اور اجر کا مدار جنس پر نہیں بلکہ ایمان، اطاعت اور تقویٰ پر ہے۔

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس آیت کے نزول کا ایک سبب یہ تھا کہ بعض مسلمان خواتین یا ازواجِ مطہرات نے عرض کیا کہ قرآن مجید میں اکثر مردوں کا ذکر آتا ہے، عورتوں کا تذکرہ کم نظر آتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں مردوں اور عورتوں دونوں کا الگ الگ ذکر کر کے واضح کر دیا گیا کہ اللہ کے ہاں اجر و ثواب میں دونوں برابر ہیں۔

علامہ زمخشری روایت کرتے ہیں کہ ازواج مطہرات نے عرض کیا، یا رسول اللہ! قرآن میں مردوں کا ذکر خیر کے ساتھ آتا ہے، کیا ہمارے لیے بھی کوئی فضیلت ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے دس اوصاف ذکر فرمائے ہیں، سب سے پہلے

اَلْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ فرمایا، یعنی وہ مرد و عورت جو ظاہری طور پر اللہ کے احکام کے تابع اور فرماں بردار ہیں، اس کے بعد اَلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ فرمایا، یعنی وہ لوگ جن کے دل ایمان کی سچی تصدیق سے روشن ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام ظاہری اطاعت کا نام ہے جبکہ ایمان دل کے یقین اور تصدیق کا۔ پھر فرمایا: اَلْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ: یعنی وہ مرد و عورت جو ہمہ وقت اللہ کی اطاعت اور بندگی میں مشغول رہتے ہیں۔ امام مراغی نے قنوت کی تعریف اطاعت کے ساتھ سکون وعاجزی بیان کی ہے، اس کے بعد سچائی، صبر، خشوع، صدقہ، روزہ، پاکدامنی اور کثرت ذکر الٰہی جیسے اوصاف ذکر کیے گئے۔

اَلصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ: میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ دین پر استقامت، خواہشاتِ نفس سے مجاہدہ اور مصائب ومشکلات پر ثابت قدمی مومن کی شان ہے۔

اَلْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ: سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کی عظمت سے جھک جاتے ہیں اور جن کی عبادت میں عاجزی اور سکون پیدا ہو جاتا ہے۔

وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ: میں اللہ تعالیٰ نے کثرتِ ذکر کی فضیلت بیان فرمائی، یعنی وہ بندے جو ہر حال میں اللہ کو یاد رکھتے ہیں، ان کے دل غفلت سے محفوظ رہتے ہیں اور ان کی زندگیاں نورِ ایمان سے منور ہو جاتی ہیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام صفات کے حامل مرد و عورت کے لیے دو عظیم انعامات کا وعدہ فرمایا:

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا: یعنی اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے، مغفرت سے مراد گناہوں کی معافی اور اجرِ عظیم سے مراد جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ اس کے بعد اگلی آیت میں ایمان کی عملی روح کو بیان فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ: یعنی کسی مومن مرد یا عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر انہیں اپنے معاملے میں اختیار باقی رہے۔

یہ آیت اسلام کے بنیادی اصولِ اطاعت کو واضح کرتی ہے کہ مومن کی اپنی خواہش، پسند، رائے اور عقل اللہ و رسول ﷺ کے حکم کے تابع ہوتی ہے، حقیقی ایمان یہی ہے کہ بندہ اپنے نفس کو شریعت کے سامنے جھکا دے۔

امام ثعالبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وَمَا كَانَ اگرچہ نفی کے الفاظ ہیں، مگر اس سے مراد سخت ممانعت اور روک دینا ہے۔ الْخِيَرَةُ کا مطلب اختیار اور پسند کا حق ہے، یعنی اللہ و رسول ﷺ کے فیصلے کے بعد کسی مسلمان کو اپنی مرضی اختیار کرنے کا حق نہیں رہتا۔

بعض مفسرین نے اس آیت کا شانِ نزول حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے واقعے کو قرار دیا ہے، جہاں ابتدا میں طبعی طور پر کچھ تردد پیدا ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ اصولی ہدایت نازل فرمائی کہ مومن کی شان تسلیم و رضا ہے۔

امام نحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی چیز کا حکم دیں تو کسی مومن کے لیے ان کی نافرمانی جائز نہیں، یہی کامل ایمان اور عبودیت کی علامت ہے۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کے انجام کو بیان فرمایا

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا: یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا۔ یہ اس بات کی واضح تنبیہ ہے کہ انسان کی نجات صرف اللہ و رسول ﷺ کی کامل اطاعت میں ہے، جو شخص اپنی خواہشات، رسم و رواج یا ذاتی نظریات کو شریعت پر مقدم کر دے، وہ راہِ حق سے دور ہو جاتا ہے۔

ان دونوں آیات کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت و فضیلت کا معیار ایمان، تقویٰ، عبادت، صبر، پاکدامنی اور ذکرِ الٰہی ہے اور یہ صفات مرد و عورت دونوں کے لیے یکساں مطلوب ہیں، اسی طرح ایمان کا حقیقی تقاضا یہ ہے کہ بندہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہر فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے، کیونکہ کامیابی اطاعت میں ہے اور گمراہی نافرمانی میں۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

سوال حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا معاملہ تھا؟ نیز اسلام میں تبنّٰی کی کیا حیثیت ہے؟ قرآنی آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشٰهُ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِيٓ أَزْوَاجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا {۳۷} مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهُ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ۚ {۳۸} الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيبًا {۳۹} مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلٰكِن رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا {۴۰} الأحزاب

جواب ترجمہ: اور (اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) یاد کیجیے جب آپ اس شخص سے جس پر اللہ نے بھی احسان کیا تھا اور آپ نے بھی احسان کیا تھا یہ کہہ رہے تھے کہ: اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو، اور اللہ سے ڈرو، اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھول دینے والا تھا اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ پھر جب زید نے اپنی بیوی سے تعلق ختم کر لیا تو ہم نے اس سے تمہارا نکاح کرا دیا، تاکہ مسلمانوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح کرنے) میں اس وقت کوئی تنگی نہ رہے جب انہوں نے اپنی بیویوں سے تعلق ختم کر لیا ہو۔ اور اللہ نے جو حکم دیا تھا اس پر عمل تو ہو کر رہنا ہی تھا۔ نبی کے لیے اس کام میں اعتراض کی کوئی بات نہیں ہوتی جو اللہ نے اس کے لیے طے کر دیا ہو۔ یہی اللہ کی وہ سنت ہے جس پر ان (انبیاء) کے معاملے میں بھی عمل ہوتا آیا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور اللہ کا فیصلہ نپا تلا مقدر ہوتا ہے۔ پیغمبر وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بھیجے ہوئے احکام کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں، اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے

سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ اور حساب لینے کے لیے اللہ کو کسی کی ضرورت نہیں۔ (مسلمانو!) محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں، اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی ان آیات کا پس منظر اور پیش منظر بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کا احسان تو یہ تھا کہ انہیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچایا، اور اسلام لانے کی توفیق دی، یہاں تک کہ یہ ان چار خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے۔

اور آنحضرت ﷺ کے ان پر احسان کی تفصیل یہ ہے کہ یہ آٹھ سال کی عمر میں اپنی والدہ کے ساتھ اپنے ننھیال میں گئے تھے، وہاں قبیلہ قین کے لوگوں نے حملہ کر کے انہیں غلام بنایا، اور عکاظ کے میلے میں لے جا کر حضرت حکیم بن حزام کے ہاتھ بیچ دیا، انہوں نے یہ غلام اپنی پھوپی حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کو دے دیا، اس کے بعد جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور سرور عالم ﷺ کا نکاح ہوا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، جبکہ ان کی عمر پندرہ سال تھی۔

کچھ عرصے کے بعد ان کے والد اور چچا کو معلوم ہوا کہ ان کا بچہ مکہ مکرمہ میں ہے تو وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، اور عرض کی کہ آپ جو معاوضہ چاہیں، ہم سے لے لیں، اور یہ بچہ ہمارے حوالے کر دیں، آپ نے جواب دیا کہ اگر وہ بچہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو میں کسی معاوضے کے بغیر ہی اسے آپ کے حوالے کر دوں گا، البتہ اگر وہ نہ جانا چاہے تو میں زبردستی اسے نہیں بھیج سکتا، وہ لوگ یہ سن کر بہت خوش ہوئے، اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا، اور آپ نے انہیں اختیار دیا کہ اگر وہ اپنے والد اور چچا کے ساتھ جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں، لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ نے یہ حیرت انگیز جواب دیا کہ میں حضرت محمد ﷺ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔

ان کے والد اور چچا بڑے حیران ہوئے کہ ان کا بیٹا آزادی پر غلامی کو اور اپنے باپ اور چچا پر ایک بالکل غیر شخص کو ترجیح دے رہا ہے، لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ نے یہ حیرت انگیز جواب دیا کہ میں حضرت

محمد ﷺ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے اس آقا کا جو طرز عمل دیکھا ہے، اس کے بعد دنیا کے کسی شخص کو میں ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ (توضیح القرآن)

حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ (واضح رہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آنحضرت ﷺ کو ابھی تک نبوت عطا نہیں ہوئی تھی) اس پر ان کے والد اور چچا بھی مطمئن ہو کر چلے گئے۔ اور آنحضرت ﷺ نے حضرت زید کو فوراً آزاد کر دیا، اور حرم مکہ میں جا کر قریش کے لوگوں کے سامنے اعلان فرمادیا کہ آج سے میں نے انہیں اپنا بیٹا بنالیا ہے۔ اسی بنا پر لوگ انہیں زید بن محمد ﷺ کہا کرتے تھے۔ (توضیح القرآن)

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب حضرت زینب اور حضرت زید بن حارثہ کے نکاح کے بارے میں لکھتے ہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے حضرت زید کا نکاح ہو تو گیا تھا، لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ کو یہ شکایت رہتی تھی کہ ان کی اہلیہ کے دل سے اپنی خاندانی فوقیت کا احساس مٹا نہیں، اور شاید اسی کی وجہ سے بعض اوقات وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ تیز زبانی کا بھی مظاہرہ کرتی ہیں۔ حضرت زید کی یہ شکایت اتنی بڑھی کہ انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کے لیے آنحضرت ﷺ سے مشورہ کیا، آپ نے ان سے فرمایا کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ بلکہ اپنے پاس رکھو، اور اللہ سے ڈرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو طلاق پسند نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بیوی کے جو حقوق رکھے ہیں، انہیں ادا کرو۔ (توضیح القرآن)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے اور اللہ تعالیٰ کا اپنی قدرت سے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے حضرت نبی کریم ﷺ سے نکاح کرانے کا ذکر اس کے بعد بیان کیا گیا۔

حضرت مفتی تقی صاحب لکھتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضرت زید کے مشورہ لینے سے پہلے ہی یہ بتا دیا تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کسی وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں گے، اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت آپ کو ان سے نکاح کرنا ہو گا، تاکہ عرب میں اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کو جو معیوب سمجھا جاتا ہے، اس رسم کا عملی طور پر

خاتمہ ہو، آنحضرت ﷺ کے لیے یہ بڑی آزمائش تھی، اول تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کا یہ نکاح آپ نے بڑے اصرار سے کرایا تھا، دوسرے ان کے طلاق دینے کے بعد ان سے آپ کا نکاح ہونے سے مخالفین کو باتیں بنانے کا موقع ملے گا کہ انہوں نے اپنی منہ بولی بہو سے نکاح کر لیا۔

لہذا جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آپ سے طلاق دینے کے بارے میں مشورہ کیا تو آپ ﷺ نے یہ سوچا ہو گا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حتمی حکم آجائے گا، اس وقت تو سر تسلیم خم کرنا ہی ہو گا، لیکن جب تک حتمی حکم نہیں آتا، اس وقت تک مجھے حضرت زید کو وہی مشورہ دینا چاہئے جو میاں بیوی کے اختلاف کے موقع پر عام طور سے دیا جاتا ہے کہ طلاق سے حتی الامکان بچو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ایک دوسرے کے حقوق ادا کرو۔

چنانچہ آپ نے یہی مشورہ دیا، اور یہ بات ظاہر نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ کسی وقت حضرت زید اپنی اہلیہ کو طلاق دیں گے، اور پھر وہ آپ کے نکاح میں آئیں گی، اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یوں بیان فرمایا ہے کہ: اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھول دینے والا تھا۔

صحیح روایات کی روشنی میں اس آیت کی یہی تفسیر صحیح ہے۔ بعض دشمنان اسلام نے کچھ واہی تباہی کی روایتوں کی بنا پر اس کا جو مطلب نکالا ہے، وہ سراسر غلط ہے، اور جو انتہائی کمزور روایتیں اس سلسلے میں پیش کی گئی ہیں، وہ قطعی طور پر غیر معقول اور ناقابل توجہ ہیں۔ (توضیح القرآن)

اس کے بعد والی آیت کے ذیل میں مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ چونکہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ نے اپنا بیٹا قرار دیا تھا، اس لئے لوگ ان کو زید بن محمد ﷺ کہہ کر پکارتے تھے، پچھلی آیتوں میں جب یہ حکم جاری ہوا کہ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا قرار نہیں دیا جاسکتا، تو حضرت زید کو زید بن محمد ﷺ کہنے کی بھی ممانعت ہو گئی۔

چنانچہ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ کسی مرد کے نسبی باپ نہیں ہیں (کیونکہ آپ کی زندہ رہنے والی اولاد میں صرف بیٹیاں تھیں) لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کی وجہ سے پوری

امت کے روحانی باپ ہیں، اور چونکہ آخری نبی ہیں اور قیامت تک کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔ اس جاہلیت کی رسموں کو اپنے عمل سے ختم کرنے کی ذمہ داری آپ ہی پر عائد ہوتی ہے۔ (توضیح القرآن)

مسئلہ ختم نبوت

سوال سورۃ الاحزاب کی آیت ۴۰ کی روشنی میں حضرت نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

جواب اللہ تعالیٰ جل شانہ نے سورۃ الاحزاب کی آیت ۴۰ میں واضح فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں، یعنی آپ ﷺ کے بعد کوئی سچا نبی پیدا نہیں ہو گا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر جس عظیم الشان کتاب کو نازل فرمایا اسے قرآن کریم کہا جاتا ہے، جو عرش بریں کا سب سے آخری پیام ہدایت ہے، اس کے بعد کوئی وحی اور کوئی کتاب نازل نہیں ہو گی، جیسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ المرسلات میں ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم کے بعد کوئی وحی اور کتاب نہیں آئے گی جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کی شان قرآن کریم کی سورۃ البقرہ کے شروع میں بیان فرمائی ہے کہ اہل تقویٰ آپ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی پر ایمان رکھتے ہیں۔

آپ ﷺ پر نازل ہونے والی اس وحی کو قرآن کریم کہا جاتا ہے، قرآن کریم کے بعد اگر کسی کتاب کے آنے کا انتظار ہوتا، یا اللہ نازل کرنے کا ارادہ رکھتے تو یہاں واضح فرمادیتے کہ اہل تقویٰ وہ لوگ ہیں جو آپ پر نازل ہونے والی وحی اور آپ کے بعد آنے والی وحی پر ایمان رکھتے ہیں، واضح ہو گیا کہ قرآن ہی عرش بریں کا آخری پیغام ہے، جو خاتم النبیین ﷺ پر نازل ہوا۔

پھر اس آیت پر نظر دوڑائی جائے جس میں اللہ نے بہت ہی واشگاف انداز میں اپنے حبیب نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آج ہم نے آپ پر آپ کا دین مکمل کر دیا ہے، دین کی شکل میں اپنی نعمت آپ پر تمام کر دی ہے، اسلام کو بطور دین آپ کے لیے چن لیا ہے، پسند کر لیا ہے۔

میرے استاذ، ولی کامل حضرت مولانا نور اشرف ہزاروی مدظلہ العالی اپنی کتاب ہدیۃ المرزائیہ میں لکھتے ہیں کہ جس شخص کا ایمان ہے کہ دین اسلام رسول اکرم ﷺ پر مکمل ہو چکا تھا جیسا کہ مذکورہ

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا تو وہ آپ ﷺ کے بعد کسی کو رسول اور نبی تسلیم نہیں کر سکتا نہ ہی آپ ﷺ کے بعد نزول وحی کا قائل ہو سکتا، ایک سطحی ذہن رکھنے والا بھی اس بات کو بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب دین اسلام مکمل ہو گیا تھا تو مزید وحی اور نبی کا کیا کام رہ گیا کہ جس کی تکمیل کے لیے نئے نبی کی ضرورت ہو۔ (ہدیۃ المرزائیہ ۷۰)

مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ کی شریعت اور کتاب سابقہ تمام شریعتوں اور کتابوں کے لیے ناسخ ہے، آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا، آپ ﷺ کی ختم نبوت کے بعد جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے وہ بلاشک وشبہ کافر، مرتد اور زندیق ہے، جو شخص آپ ﷺ کے بعد کسی مدعی نبوت کی جھوٹی نبوت کو تسلیم کرے وہ بھی کافر اور مرتد ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ ﷺ کو یہ اعزاز عطا فرمایا کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ ﷺ نے اپنی زبان صدق سے بیان فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا، نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی آدمی کسی جھوٹے دعویدار نبوت سے اس کے دعوائے نبوت پر کوئی دلیل یا نشانی طلب کرے تو وہ بھی دائرہ اسلام سے نکل جائے گا، اس لیے کہ اس کذاب سے دلیل مانگنا، کسی نشانی کا مطالبہ کرنا ختم نبوت میں شک کے مترادف ہے۔

سورۃ الاحزاب کی اس آیت کے ذیل میں اردو تفاسیر میں ختم نبوت کی جس قدر تفصیل موجود ہے وہ عربی تفاسیر میں نہیں ہے، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں خوب تفصیل سے مسئلہ ختم نبوت پر بات کی ہے، پھر وہ فرماتے ہیں کہ جس نے اس مسئلہ پر تفصیل دیکھنا ہو تو مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب خاتم النبیین کو دیکھیں اور اگر اس مسئلہ کا اجمال مطلوب ہو تو وہ میری کتاب مسک الختام کا مطالعہ کریں، حضرت مفتی صاحب نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں بھی اس مسئلہ پر اچھا خاصا مواد پیش کیا ہے۔

حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہاں جبکہ آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت کا ذکر آیا، اور اس منصب نبوت میں آپ تمام دوسرے انبیاء سے خاص امتیازی فضیلت رکھتے ہیں تو آگے آپ کی مخصوص شان اور تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ کا فائق ہونا اس لفظ سے واضح ہو گیا وخاتم النبیین

لفظ خاتم میں دو قرأتیں ہیں، امام حسن اور عاصم کی قرأت خاتم بفتح تاء ہے اور دوسرے آئمہ قرأت خاتم بکسر تاء پڑھتے ہیں۔ حاصل معنی دونوں کا ایک ہی ہے، یعنی انبیاء کو ختم کرنے والے، کیونکہ خاتم خواہ بکسر التاء ہو یا بفتح التاء دونوں کے معنی آخر کے بھی آتے ہیں، اور مہر کے معنیٰ میں بھی یہ دونوں لفظ استعمال ہوتے ہیں، اور نتیجہ دوسرے معنی کا بھی وہی آخر کے معنیٰ ہوتے ہیں کیونکہ مہر کسی چیز پر بند کرنے کے لئے آخر ہی میں کی جاتی ہے۔

لفظ خاتم بالکسر والفتح دونوں کے معنی لغت عربی میں تمام کتابوں میں مذکور ہیں۔ قاموس، صحاح، لسان العرب، تاج العروس وغیرہ اسی لئے تفسیر روح المعانی میں خاتم بمعنی مہر کا حاصل بھی وہی معنی آخر کے بتلائے ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں وَالْخَاتَمِ اِسْمُ اٰلَةٍ لِمَا يُخْتَمُ به كَالطَّابَعِ لِمَا يُطْبَعُ به فَمَعْنٰى خَاتَمِ النَّبِيِّينَ الَّذِى خُتِمَ النَّبِيُّونَ به وَمَالَه اٰخِرِ النَّبِيِّينَ، یہی مضمون تفسیر بیضاوی اور احمدی میں بھی مذکور ہے اور امام راغب نے مفرادات القرآن میں فرمایا وخاتم النبوة الاية ختم النبوة اى تمها بمجيه، یعنی آپ کو خاتم نبوت اس لئے کہا گیا کہ آپ نے نبوت کو اپنے تشریف لانے سے ختم اور مکمل کر دیا ہے۔

اور محکم ابن سیدہ میں ہے وخاتم كل شئى وخاتمته عاقبته واخره ،یعنی ہر چیز کا خاتم اور خاتمہ اس کے انجام اور آخر کو کہا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرأت خواہ بفتح تاء کی لی جائے یا بکسر تاء کی، معنی دونوں صورتوں میں یہ ہیں کہ آپ ختم کرنے والے ہیں انبیاء کے، یعنی سب کے آخر اور بعد میں آپ مبعوث ہوئے ہیں۔

صفت خاتم الانبیاء ایک ایسی صفت ہے جو تمام کمالات نبوت و رسالت میں آپ کی اعلیٰ فضیلت اور خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے۔ کیونکہ عموماً ہر چیز میں تدریجی ترقی ہوتی ہے اور انتہا پر پہنچ کر اس کی

تکمیل ہوتی ہے۔ اور جو آخری نتیجہ ہوتا ہے وہی اصل مقصود ہوتا ہے، قرآن کریم نے خود اس کو واضح کر دیا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ، یعنی آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے۔

انبیائے سابقین کے دین بھی اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے مکمل تھے، کوئی ناقص نہ تھا، لیکن کمال مطلق اسی دین مصطفوی کو حاصل ہوا جو اولین و آخرین کے لئے حجت اور قیامت تک چلنے والا دین ہے۔

اس جگہ صفت خاتم النبیین کے اضافہ سے اس مضمون کی بھی اور زیادہ وضاحت اور تکمیل ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ کو مقطوع النسل کہنا جہالت ہے، جبکہ ساری امت کے باپ ہونے کی حیثیت سے آپ متصف ہیں کیوں کہ لفظ خاتم النبیین نے یہ بھی بتلا دیا کہ آپ کے بعد قیامت تک آنے والی سب نسلیں اور قومیں آپ ہی کی امت میں شامل ہوں گی۔ اس وجہ سے آپ کی امت کی تعداد بھی دوسری امتوں سے زیادہ ہو گی اور آپ کی روحانی اولاد دوسرے انبیاء کی نسبت سے بھی زیادہ ہو گی۔

صفت خاتم النبیین نے یہ بھی بتلا دیا کہ آنحضرت ﷺ کی شفقت اپنی اولاد روحانی یعنی پوری امت پر دوسرے تمام انبیاء سے زائد ہو گی، اور آپ قیامت تک پیش آنے والی ضرورتوں کو واضح کرنے کا پورا اہتمام فرمائیں گے۔ کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی اور کوئی وحی دنیا میں آنے والی نہیں، بخلاف انبیاء سابقین کے کہ ان کو اس کی فکر نہ تھی وہ جانتے تھے کہ جب قوم میں گمراہی پھیلے گی تو ہمارے بعد دوسرے انبیاء آکر اس کی اصلاح کر دیں گے، مگر خاتم الانبیاء ﷺ کو یہ فکر لاحق تھی کہ قیامت تک امت کو جن حالات سے سابقہ پڑے گا ان سب حالات کے متعلق ہدایات امت کو دے کر جائیں، جس پر رسول اللہ ﷺ کی احادیث شاہد ہیں کہ آپ کے بعد جتنے لوگ قابل اقتداء آنے والے تھے اکثر ان کے نام لے کر بتلا دیا ہے۔

اسی طرح جتنے گمراہی کے علمبردار ہیں ان کے حالات اور پتے ایسے کھول کر بتلا دیئے ہیں کہ ذرا غور کرنے والے کو کوئی اشتباہ باقی نہ رہ جائے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اِنِّيْ تَرَكْتُكُمْ عَلٰى شَرِيْعَةٍ بَيْضَاءَ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ، یعنی میں نے تم کو ایسے روشن راستے پر چھوڑا ہے جس

میں رات دن برابر ہیں کسی وقت بھی گمراہی کا خطرہ نہیں۔ (معارف القرآن)

اس آیت میں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ اوپر آنحضرت ﷺ کا ذکر بصفت رسول آیا ہے، اس کے لئے بظاہر مناسب یہ تھا کہ آگے "خاتم الرسل" یا "خاتم المرسلین" کا لفظ استعمال ہوتا، مگر قرآن حکیم نے اس کے بجائے "خاتم النبیین" کا لفظ اختیار فرمایا۔

وجہ یہ ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک نبی اور رسول میں ایک فرق ہے۔ وہ یہ کہ نبی تو ہر شخص کو کہا جاتا ہے جس کو حق تعالیٰ اصلاح خلق کے لئے مخاطب فرمائیں، اور اپنی وحی سے مشرف فرمائیں، خواہ اس کے لئے کوئی مستقل کتاب اور مستقل شریعت تجویز کریں، یا پہلے ہی کسی نبی کی کتاب و شریعت کے تابع لوگوں کو ہدایت کرنے پر مامور ہو، جیسے ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب و شریعت کے تابع ہدایت کرنے پر مامور تھے۔

اور لفظ رسول خاص اس نبی کے لئے بولا جاتا ہے جس کو مستقل کتاب و شریعت دی گئی ہو۔ اسی طرح لفظ نبی کے مفہوم میں بہ نسبت لفظ رسول کے عموم زیادہ ہے، تو آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ آپ انبیاء کے ختم کرنے والے اور سب سے آخر میں ہیں خواہ وہ صاحب شریعت نبی ہوں یا صرف پہلے نبی کے تابع۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کی جتنی قسمیں اللہ کے نزدیک ہو سکتی ہیں وہ سب آپ پر ختم ہو گئیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا۔

یعنی یہ آیت نص صریح ہے اس عقیدہ کے لئے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور جب نبی نہیں تو بدرجہ اولیٰ رسول بھی نہیں، کیونکہ لفظ نبی عام اور لفظ رسول خاص ہے اور یہ وہ عقیدہ ہے جس پر احادیث متواترہ شاہد ہیں، جو صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کی روایت سے ہم تک پہنچی ہیں۔

اس آیت کی لفظی تشریح میں کسی قدر تفصیل سے اس لئے کام لیا گیا کہ ہمارے ملک میں مرزا قادیانی مدعی نبوت نے اس آیت کو اپنے راستہ کی رکاوٹ سمجھ کر اس کی تفسیر میں طرح طرح کی تحریفات اور احتمالات پیدا کئے ہیں، مذکور الصدر تقریر سے الحمد للہ ان سب کا جواب ہو جاتا ہے۔ (معارف القرآن للمفتی رحمہ اللہ)

مسئلہ ختم نبوت: مسئلہ ختم نبوت ہمارے ایمان وعقیدے سے تعلق رکھتا ہے، اس وقت قادیانی دنیا بھر میں اپنے جھوٹے مشن کو عام کرنے میں سرگرداں ہیں، پاکستان کے شہر چناب نگر میں قادیانیوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا رکھا ہے، جہاں سے وہ دنیا بھر میں موجود قادیانیوں کو اپنے کفریہ عقائد و نظریات کی کمک پہنچا رہے ہیں، جب کہ ان کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کو طشت از بام کرنے کے لیے پاکستان میں بھی اکابر علماء حق اس مسئلہ کے لیے اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان میں اٹھایا جانا اور پھر آخر زمانے میں تشریف لانا جو قرآن و سنت کی بے شمار نصوص سے ثابت ہیں ان کا انکار کر کے خود مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اور استدلال میں یہ پیش کیا کہ اگر حضرت عیسیٰ بن مریم نبی بنی اسرائیل کا پھر دنیا میں آنا تسلیم کیا جائے تو یہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منافی ہو گا۔

جواب بالکل واضح ہے کہ خاتم النبیین اور آخر النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی شخص عہدہ نبوت پر فائز نہ ہو گا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ سے پہلے جس کو نبوت عطا ہو چکی ہے ان کی نبوت سلب ہو جائے گی، یا ان میں سے کوئی اس عالم میں پھر نہیں آسکتا۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی آپ کی امت میں اصلاح و تبلیغ کے لئے آئے گا وہ اپنے منصب نبوت پر قائم ہوتے ہوئے اس امت میں اصلاح کی خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی کے تابع انجام دے گا، جیسا کہ احادیث صحیفہ میں تصریح ہے۔ (معارف القرآن)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے سے یہ مراد ہے کہ وصف نبوت آپ کے بعد منقطع ہو گیا، اب کسی کو یہ وصف اور منصب نہیں ملے گا، اس سے اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا جس پر امت کا اجماع ہے اور قرآن اس پر ناطق ہے اور احادیث رسول جو تقریباً درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اس پر شاہد ہیں وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانے میں نازل ہوں گے، کیونکہ ان کو نبوت اس دنیا میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مل چکی تھی۔

صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں تمام کتب حدیث میں حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت اسناد صحیح کے ساتھ آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک مکان بنایا ہو اور اس کو خوب مضبوط اور مزین کیا ہو مگر اس کے ایک گوشہ میں دیوار کی ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی ہو تو لوگ اس کو دیکھنے کے لئے اس میں چلیں پھریں اور تعمیر کو پسند کریں مگر سب یہ کہیں کہ اس مکان بنانے والے نے یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی جس سے تعمیر بالکل مکمل ہو جاتی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "(قصر نبوت کی) وہ آخری اینٹ میں ہوں، اور بعض الفاظ حدیث میں ہیں کہ میں نے اس خالی جگہ کو پر کر کے قصر نبوت کو مکمل کر دیا۔

اس تمثیل بلیغ کا حاصل یہ ہے کہ نبوت ایک عالی شان محل کی طرح ہے، جس کے ارکان انبیاء علیہم السلام ہیں، آنحضرت محمد ﷺ سے پہلے یہ محل بالکل تیار ہو چکا تھا اور اس میں صرف ایک اینٹ کے سوا کسی اور قسم کی گنجائش تعمیر میں باقی نہیں تھی، آنحضرت ﷺ نے اس جگہ کو پر کر کے قصر نبوت کی تکمیل فرما دی، اب اس میں نہ کسی نبوت کی گنجائش ہے نہ رسالت کی، اگر نبوت یا رسالت کی کچھ اقسام مان لی جائیں تو اب ان میں سے کسی قسم کی گنجائش قصر نبوت میں نہیں ہے۔ (معارف القرآن)

صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بنی اسرائیل کی سیاست اور انتقام خود انبیاء کے ہاتھ میں تھا، جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو دوسرا نبی اس کے قائم مقام ہو جاتا تھا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ میرے خلیفہ ہوں گے جو بہت ہوں گے۔

اس حدیث نے یہ بھی واضح کر دیا کہ آنحضرت ﷺ چونکہ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا تو امت کی ہدایت کا انتظام کیسے ہو گا؟ اس کے متعلق فرمایا کہ آپ کے بعد امت کی تعلیم و ہدایت کا انتظام آپ کے خلفاء کے ذریعہ سے ہو گا، جو رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے مقاصد نبوت کو پورا کریں گے، اگر ظلی بروزی کوئی نبوت کی قسم ہوتی یا غیر تشریعی نبوت باقی ہوتی، تو ضرور تھا کہ یہاں اس کا ذکر کیا جاتا کہ اگرچہ عام نبوت ختم ہو چکی مگر فلاں قسم کی نبوت

باقی ہے جس سے اس عالم کا انتظام ہو گا۔ (معارف القرآن)

اس حدیث میں صاف واضح الفاظ میں بتلا دیا کہ نبوت کی کوئی قسم آپ کے بعد باقی نہیں، اور ہدایت خلق کا کام جو پچھلی امتوں میں انبیاء بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا، وہ اس امت میں آپ کے خلفاء سے لیا جائے گا۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث مرفوع ہے: یعنی نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا بجز مبشرات کے۔

مسند احمد وغیرہ میں حضرت صدیقہ عائشہ اور ام کرز کعبیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا بجز مبشرات کے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مبشرات کیا چیز ہیں؟ فرمایا سچے خواب جو مسلمان خود دیکھے یا اس کے متعلق کوئی دوسرا دیکھے۔

اس حدیث نے کس قدر وضاحت سے بتلا دیا کہ نبوت کی کوئی قسم تشریعی یا غیر تشریعی اور بقول مرزا قادیانی ظلی یا بروزی آنحضرت ﷺ کے بعد باقی نہیں، صرف مبشرات یعنی سچے خواب لوگوں کو آئیں گے جن سے کچھ معلومات ہو جائیں گی۔

اور مسند احمد اور ترمذی میں حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک رسالت اور نبوت میرے بعد منقطع ہو چکی ہے، میرے بعد نہ کوئی رسول ہو گا اور نہ نبی، اس حدیث نے واضح کر دیا کہ غیر تشریعی نبوت بھی آپ کے بعد باقی نہیں، اور ظلی بروزی تو نبوت کی کوئی قسم ہی نہیں نہ اسلام میں اس طرح کی کوئی چیز معروف ہے۔

یہ احادیث نقل کرنے کے بعد حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس جگہ مسئلہ ختم نبوت کی احادیث جمع کرنا مقصود نہیں، وہ تو دو سو سے زیادہ رسالہ "ختم نبوت" میں جمع کر دی گئی ہیں، صرف چند احادیث سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ مرزائی قادیانی نے جو بقاء نبوت کے لئے ظلی اور بروزی کا عنوان ایجاد کیا ہے، اول تو اسلام میں اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں، اور بالفرض ہوتی بھی تو ان احادیث مذکورہ نے واضح طور پر یہ بتلا دیا کہ آپ کے بعد نبوت کی کوئی قسم کسی طرح کی باقی نہیں ہے۔ (معارف القرآن) بندہ عاجز راقم الحروف نے بھی اس موضوع پر مستقل رسالہ لکھا۔

کثرت ذکر الٰہی اور رحمت خداوندی

سوال ان آیات کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا {۴۱} وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا {۴۲} هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا {۴۳} تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا {۴۴} الاحزاب

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کرو خوب کثرت کے ساتھ۔ اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو۔ وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے آئے۔ اور وہ ایمان والوں پر رحم فرمانے والا ہے۔ جس دن یہ لوگ اس سے ملاقات کریں گے ان کا تحیہ سلام ہوگا اور اس نے ان کے لیے اجر کریم تیار فرمایا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو کثرتِ ذکر، تسبیح و تہلیل اور دائمی یادِ الٰہی کی تلقین فرمائی ہے، پھر اس ذکر کے عظیم ثمرات بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر رحمت نازل فرماتا ہے، فرشتے ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں، اور آخر کار انہیں ایمان کے نور، سلامتی اور جنتِ ابدی کی نعمت عطا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا: اے ایمان والو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو، اس آیت میں اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے دلوں، زبانوں اور اعضاء و جوارح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں، مومن کی زندگی اللہ کی یاد سے معمور ہونی چاہیے، اس کا دل اللہ کی معرفت سے زندہ رہے، زبان تسبیح و تہلیل سے تر رہے اور اس کے اعمال اللہ کی اطاعت کے تابع ہوں۔

ذِكْرًا كَثِيْرًا: سے مراد یہ ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ کو یاد رکھے؛ خوشی میں، غمی میں، تنہائی میں، اجتماع میں، سفر میں اور حضر میں، کیونکہ اللہ کا ذکر دلوں کی زندگی، روح کی غذا اور ایمان کی قوت ہے، اس کے بعد فرمایا:

وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا: یعنی صبح وشام اس کی تسبیح بیان کرو، صبح اور شام کا خصوصی ذکر اس لیے کیا گیا کہ یہ دونوں اوقات انسان کی زندگی میں نہایت اہم ہیں، دن کے آغاز اور اختتام پر اللہ کی یاد انسان کے دل کو غفلت سے محفوظ رکھتی ہے اور اس کے اعمال کو اخلاص عطا کرتی ہے، "تسبیح" سے مراد اللہ تعالیٰ کو ہر عیب، نقص اور شریک سے پاک قرار دینا ہے، جبکہ "تہلیل" یعنی "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه" کے ذریعے اس کی وحدانیت کا اقرار کرنا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ذکرِ الٰہی کے عظیم انعامات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ: یعنی اللہ تعالیٰ تم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے تمہارے لیے دعائیں کرتے ہیں، یہ اہلِ ایمان کے لیے بہت بڑی سعادت اور شرف کی بات ہے کہ خود ربِّ کریم ان پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے اور ملائکہ ان کے حق میں دعا گو رہتے ہیں، اللہ کی "صلاۃ" سے مراد اس کی رحمت، عنایت اور بندوں کی تعریف ہے، جبکہ فرشتوں کی "صلاۃ" سے مراد ان کا مومنوں کے لیے استغفار اور دعائے رحمت کرنا ہے۔ ارشاد فرمایا:

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ: یعنی تاکہ وہ تمہیں کفر، جہالت، غفلت اور گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان، ہدایت اور معرفت کے نور میں داخل فرمادے، ایمان حقیقت میں نور ہے جو دلوں کو روشن کرتا ہے، جبکہ کفر اور معصیت ظلمت ہیں جو انسان کی بصیرت کو تاریک کر دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بندۂ مومن کو ہدایت کی روشنی عطا فرماتا ہے اور اسے باطل راستوں سے بچالیتا ہے۔ پھر فرمایا:

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا: یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت مہربان ہے، اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بندۂ مومن اللہ کے احکام کی اطاعت کرے، اس کے اوامر پر عمل کرے اور اس کی نافرمانی سے بچے تو اللہ تعالیٰ اسے عذاب سے محفوظ رکھتا ہے اور اپنی رضا و مغفرت سے نوازتا ہے۔ اس کے بعد اہلِ ایمان کے آخری انجام اور آخرت کی کامیابی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ: یعنی جس دن مومن اپنے رب سے ملاقات کریں گے، اس دن ان کا استقبال سلامتی اور امن کے ساتھ ہوگا۔ یہ سلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہوگا، فرشتوں کی

طرف سے بھی اور جنتی ایک دوسرے کو بھی سلام کہیں گے، اس سلام کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر خوف، غم، عذاب اور تکلیف سے محفوظ ہوں گے۔ پھر ارشاد فرمایا:

وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا: یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عزت والا اور بہترین اجر تیار کر رکھا ہے، یہ اجرِ کریم دراصل جنت ہے، جس میں دائمی نعمتیں، اللہ کی رضا اور ابدی راحتیں موجود ہیں، یہ سب ان کے ایمان، اطاعت، ذکرِ الٰہی اور گناہوں سے بچنے کا بدلہ ہوگا، ان آیات کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ مومن کی حقیقی زندگی اللہ کے ذکر سے وابستہ ہے، جو بندہ کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے، فرشتے اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور وہ دنیا و آخرت کی تاریکیوں سے نکل کر نورِ ایمان، سلامتی اور جنتِ ابدی تک پہنچ جاتا ہے۔

شانِ رسالت، دعوتِ حق اور توکل علی اللہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا {۴۵} وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا {۴۶} وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا {۴۷} وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعْ أَذَاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا {۴۸} الاحزاب

جواب ترجمہ: اے نبی بیشک ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا۔ اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ اور آپ مومنین کو خوشخبری سنا دیجیے کہ بلاشبہ اللہ کی طرف سے ان پر بڑا فضل ہے۔ اور آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیے اور ان کی ایذاء کو چھوڑیئے اور اللہ پر بھروسہ کیجیے اور اللہ کافی کارساز ہے۔

خلاصہ تفسیر: سورۃ الاحزاب کی ان مبارک آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد ﷺ کے عظیم منصب، آپ کی بعثت کے مقاصد، اہلِ ایمان کے لیے بشارت اور کفار و منافقین کے مقابلے میں صبر، استقامت اور توکل علی اللہ کی تعلیم کو نہایت جامع انداز میں بیان فرمایا ہے، یہ آیات درحقیقت رسالتِ محمدیہ ﷺ کے عالمی مشن اور نبوی ذمہ داریوں کا حسین خلاصہ ہیں۔ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا: اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو گواہ، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اس آیت میں نبی کریم ﷺ کے تین عظیم اوصاف بیان کیے گئے ہیں، پہلا وصف شَاهِدًا ہے، یعنی آپ ﷺ اپنی اُمت پر گواہ ہیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پوری امانت و دیانت کے ساتھ پہنچا دیا، قیامت کے دن آپ ﷺ اپنی امت کے اعمال اور اپنے تبلیغی فریضے کی ادائیگی پر گواہی دیں گے۔

دوسرا وصف مُبَشِّرًا ہے، یعنی آپ ﷺ اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ کی مغفرت، رضا، رحمت اور جنت کی خوشخبری سنانے والے ہیں، جو لوگ ایمان لائیں گے اور اعمالِ صالحہ اختیار کریں گے، ان کے لیے دنیا و آخرت کی کامیابیاں مقدر ہوں گی۔

تیسرا وصف نَذِيرًا ہے، یعنی آپ ﷺ کفار و منکرین کو اللہ کے عذاب، آخرت کی پکڑ اور نافرمانی کے انجام سے ڈرانے والے ہیں، تاکہ وہ غفلت سے بیدار ہو جائیں اور راہِ حق اختیار کریں، پھر فرمایا:

وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا: یعنی ہم نے آپ کو اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے، نبی کریم ﷺ کی دعوت کسی ذاتی مقصد یا دنیاوی اقتدار کے لیے نہ تھی بلکہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کے لیے تھی، آپ ﷺ لوگوں کو توحید، عبادت، اطاعت اور اخلاقِ حسنہ کی دعوت دیتے تھے۔

سِرَاجًا مُّنِيرًا: کے الفاظ نہایت بلیغ ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو ایسا روشن چراغ قرار دیا جس کی روشنی سے پوری انسانیت نے ہدایت پائی، جیسے سورج اندھیروں کو ختم کر کے دنیا کو روشنی دیتا ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے کفر، جہالت اور شرک کی تاریکیوں کو مٹا کر ایمان و ہدایت کا نور عام فرمایا، جو شخص ہدایت کا طالب بن کر آپ ﷺ کی تعلیمات کی طرف آئے گا، وہ یقیناً نورِ حق سے منور ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا: یعنی ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجیے کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے، یہ فضلِ عظیم دنیا و آخرت دونوں کو شامل ہے، دنیا میں

اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو عزت، نصرت، سکونِ قلب اور برکت عطا فرماتا ہے، جبکہ آخرت میں انہیں جنت، رضائے الٰہی اور دائمی نعمتوں سے نوازا جائے گا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو کفار و منافقین کے مقابلے میں ایک اہم ہدایت دی گئی:

وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ: یعنی کفار اور منافقین کی باتوں میں نہ آیئے، یہ لوگ آپ ﷺ کو دینِ حق سے روکنے، دعوتِ اسلام کو کمزور کرنے اور اہلِ ایمان کے حوصلے پست کرنے کی کوشش کرتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان کی خواہشات، سازشوں اور باطل مطالبات کی پیروی نہ کریں۔ پھر فرمایا:

وَدَعْ أَذَاهُمْ: یعنی ان کی ایذا رسانیوں کو نظر انداز کر دیجیے، اس میں نبی کریم ﷺ کو صبر، حلم اور اعلیٰ اخلاق کی تلقین کی گئی کہ آپ ان کی تکلیف دہ باتوں اور شرارتوں پر فوری انتقامی ردِ عمل نہ دیں، کیونکہ بسا اوقات نرمی اور اعراض دلوں کے قریب آنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ آخر میں ارشاد فرمایا:

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا: یعنی اللہ پر بھروسہ کیجیے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے، یہ آیت توکل علی اللہ کی عظیم تعلیم پر مشتمل ہے، نبی کریم ﷺ کو یہ ہدایت دی گئی کہ ہر معاملے میں، خصوصاً دشمنوں کے مقابلے، دعوتِ دین کی مشکلات اور امت کی راہنمائی میں، صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھیے، کیونکہ حقیقی مددگار، محافظ اور کارساز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

ان آیات کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پوری انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت، ہدایت اور نور بن کر تشریف لائے، آپ ﷺ کی دعوت کا مقصد انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر ایمان کے نور تک پہنچانا تھا، چنانچہ آپ ﷺ اپنے مفوضہ فرائض میں کامیاب رہے، آپ ﷺ نے انسانیت کو انسانی ڈگر پر گامزن کرنے میں اپنا نمایاں کردار ادا کیا۔

اہلِ ایمان کے لیے خوشخبری ہے کہ اللہ کا فضل ان کے ساتھ ہے، جبکہ داعیانِ حق کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ وہ باطل قوتوں کے دباؤ سے مرعوب ہوئے بغیر صبر، حکمت اور کامل توکل کے ساتھ اپنے مشن پر قائم رہیں، دعوت وارشاد کا کام تسلسل کے ساتھ ایمانداری کے ساتھ کرتے رہیں۔

رخصتی سے پہلے طلاق دی گئی عورت کی عدت

سوال جس آدمی نے نکاح کیا پھر بدون مجامعت اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو کیا اس کی عدت ہے؟ اور کیا اس کے حقوق ہوں گے؟ آیت کریمہ کی روشنی میں بتایئے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۖ فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا {۴۹} الأحزاب

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نے مومن عورتوں سے نکاح کیا ہو، پھر تم نے انہیں چھونے سے پہلے ہی طلاق دے دی ہو، تو ان کے ذمہ تمہاری کوئی عدت واجب نہیں ہے جس کی گنتی تمہیں شمار کرنی ہو۔ لہذا انہیں کچھ تحفہ دے دو، اور انہیں خوبصورتی سے رخصت کر دو۔

خلاصہ تفسیر: جس عورت کو خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دے دی گئی اس کی کوئی عدت نہیں ہے، اسے کچھ نہ کچھ دے دلا کر اچھی طرح رخصت کر دینا چاہیے، اس آیت مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ عمل زوجیت سے پہلے تم انہیں طلاق دے دو، اس میں عمل زوجیت سے مراد عام ہے حقیقۃً ہو یا حکماً ہو اور حکماً عمل زوجیت سے مراد خلوت صحیحہ ہے اور خلوت صحیحہ کو حکماً عمل زوجیت اس لیے قرار دیا ہے کہ عورت نے اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کر دیا اس عمل سے کوئی شرعی اور طبعی مانع نہیں ہے اس کے باوجود اگر خاوند نے یہ عمل نہیں کیا تو عورت کی طرف سے اس عمل کی پیش کش ہو چکی ہے اور یہ حکماً عمل زوجیت ہے، اس لیے اگر خلوت صحیحہ کے بعد خاوند نے عورت کو طلاق دے دی تو وہ فقہاء احناف کے نزدیک پورے مہر کی مستحق ہو گی خواہ خاوند نے یہ عمل نہ کیا ہو کیونکہ عورت اسے اس عمل کے لیے اپنے آپ کو پیش کر چکی تھی اور خاوند نے اگر عمل نہیں کیا تو عورت کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہے اس لیے وہ اس صورت میں بھی مکمل مہر کی حق دار ہو گی۔

اس آیت میں بیوی کو ہاتھ نہ لگانے کا ذکر ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک خلوت صحیحہ بیوی کو ہاتھ لگانے (عمل زوجیت) کے قائم مقام ہے اور خلوت صحیحہ کی تعریف یہ ہے کہ خاوند کی بیوی کے ساتھ خلوت میں عمل زوجیت سے کوئی شرعی مانع نہ ہو، مثلاً دونوں میں سے کسی نے احرام باندھا ہو، یا

کسی کا روزہ ہو یا بیوی کو حیض ہو اور نہ کوئی حسی مانع ہو مثلاً بیوی کو ایسی بیماری ہو جو اس عمل سے مانع ہو اور نہ کوئی عقلی مانع ہو مثلاً وہاں کوئی ایسا شخص ہو جس کی وجہ سے خاوند اس عمل سے حیا کرے، اگر اس طریقہ سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہو پھر خاوند نے اس عمل سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی تو خاوند پر مکمل مہر واجب ہو گا اور اس عورت پر احتیاطاً عدت واجب ہو گئی اور اگر اس طرح خلوت نہ ہوئی ہو اور نہ خاوند نے عمل تزویج کیا ہو تو اس پر نصف مہر واجب ہو گا اور عورت پر عدت واجب نہیں ہو گی۔ (تفسیر تبیان القرآن)

فقہاء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک مطلقات کی چار قسمیں ہیں، ① جس عورت کے ساتھ حقیقۃً یا حکماً یہ عمل نہیں کیا گیا اور نہ اس کا مہر مقرر کیا گیا کو متاع دینا واجب ہے اور یہ قمیض، دوپٹہ اور تہبند ہے۔ ② جس عورت کے ساتھ حقیقۃً یا حکماً یہ عمل نہیں کیا گیا اور اس کا مہر مقرر کیا گیا ہے، اس کو نصف مہر دینا واجب ہے اور اس کو متاع دینا مستحب ہے۔

③ جس عورت کے ساتھ حقیقۃً یا حکماً یہ عمل کیا گیا اور اس کا مہر مقرر کیا گیا تھا اس کو پورا مہر دینا واجب ہے اور اس کو متاع دینا مستحب ہے۔ ④ جس عورت کے ساتھ حقیقۃً یا حکماً یہ عمل کیا گیا اور اس کا مہر مقرر کیا گیا تھا اس کو مہر مثل دینا واجب ہے اور اس کو بھی متاع دینا مستحب ہے۔ (حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۶ ص ۶۴۸۔۶۴۷)

بدائع میں ہے کہ متعہ طلاق سے مراد وہ لباس ہے جو عورت گھر سے نکلنے کے وقت ضرور ہی استعمال کرتی ہے۔ اس میں پاجامہ، کرتا، اوڑھنی اور ایک بڑی چادر جو سر سے پاؤں تک بدن کو چھپا سکے شامل ہے اور چونکہ لباس قیمت کے اعتبار سے اعلیٰ، ادنیٰ، اوسط ہر طرح کا ہو سکتا ہے، اس لئے فقہاء نے اس کی یہ تفصیل فرمائی کہ اگر شوہر بیوی دونوں مالدار گھرانوں کے ہیں تو کپڑے اعلیٰ قسم کے دیئے جائیں، اور دونوں غریب ہیں تو کپڑے ادنیٰ درجہ کے دیئے جائیں، اور ایک غریب اور دوسرا مالدار ہے تو اوسط درجہ کا لباس دیا جائے۔ (کذا قال الخصاف فی التفقات)

وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا: کا معنی یہ ہے کہ جب ان عورتوں پر عدت واجب نہیں ہے تو پھر ان کو

بغیر طعن اور تشنیع کے چھوڑ دو اور جانے دو، اصل میں ترتیح کا معنی ہے اونٹوں کو پھل دار درختوں پر چرنے کے لیے چھوڑ دینا پھر اس لفظ کو مطلقاً چرنے کے لیے چھوڑنے میں استعمال کیا جانے لگا، پھر اس کا اطلاق مطلقاً نکالنے اور چھوڑنے پر کیا جانے لگا، سراج جمیل کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ خاوند عورت کو جو کچھ دے چکا ہے اس کو اس سے واپس نہ مانگے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

بعض خصائص نبوی ﷺ

سوال اس آیت کی تفسیر کیجیے

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا {۵۰} الأحزاب.

جواب ترجمہ: اے نبی ہم نے آپ کے لیے یہ بیویاں حلال کر دیں جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں اور وہ عورتیں بھی حلال کیں جو آپ کی مملوکہ ہیں ان اموال میں سے جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت میں سے دلوائی اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی اور وہ مؤمن عورتیں حلال کیں جو بغیر عوض کے اپنی جان نبی کو بخش دیں اگر پیغمبر ان سے نکاح کرنا چاہیں، یہ آپ کے لیے مخصوص ہے نہ کہ مؤمنین کے لیے ہم نے جان لیا جو کچھ ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور باندیوں کے بارے میں احکام مقرر کیے تاکہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو اور اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرمارہا ہے کہ آپ نے اپنی جن بیویوں کو مہر ادا کیا ہے وہ سب آپ پر حلال ہیں، آپ ﷺ کی تمام ازواج مطہرات کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ تھا جس کے پانچ سو درہم ہوتے ہیں، ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کا مہر حضرت نجاشی رحمہ اللہ نے اپنے

پاس سے چار سو دینار دیا تھا اور اسی طرح ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کا مہر صرف ان کی آزادی تھی، خیبر کے قیدیوں میں سے ان کا انتخاب کیا گیا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا اور اور اسی آزادی کو مہر قرار دیا اور نکاح کر لیا۔

اور حضرت جویریہ بنت حارث مصطلقیہ رضی اللہ عنہا نے جتنی رقم پر مکاتبہ کیا تھا وہ پوری رقم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کو ادا کر کے ان سے عقد باندھا تھا، قرآن کریم میں ارشاد ہوا وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ. اسی طرح جو لونڈیاں غنیمت میں آپ کے قبضے میں آئیں وہ بھی آپ پر حلال ہیں۔

حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہما دونوں کے مالک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہو گئے تھے، پھر آپ نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا تھا، ریحانہ بنت شمعون نصریہ اور ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کی ملکیت میں آئی تھیں، حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا ایک فرزند بھی ہوا، جن کا نام حضرت ابراہیم تھا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نکاح کے بارے میں نصرانیوں نے افراط اور یہودیوں نے تفریط سے کام لیا تھا، اس لئے اس عدل وانصاف والی سہل اور صاف شریعت نے درمیانہ راہ حق کو ظاہر کر دیا، نصرانی تو سات پشتوں تک جس عورت مرد کا نسب نہ ملتا ہو۔ ان کا نکاح جائز جانتے تھے اور یہودی بہن اور بھائی کی لڑکی سے بھی نکاح کر لیتے تھے، پس اسلام نے بھانجی بھتیجی سے نکاح کرنے کو روکا اور چچا کی لڑکی پھوپھی کی لڑکی ماموں کی لڑکی اور خالہ کی لڑکی سے نکاح کو مباح قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ: علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں عم اور خال کو واحد لایا گیا، جب کہ عمات اور خالات کو جمع لایا گیا، اس میں مردوں کی فضیلت عورتوں پر ظاہر کرنا تھی، کہ مردوں میں شرف وفضیلت پائی جاتی ہے جب کہ عورتوں میں نقص وکوتاہی پائی جاتی ہے۔

جیسے سورۃ النحل میں یمین کو واحد ذکر کیا گیا جب کہ شمائل کو جمع ذکر کیا گیا، اسی طرح سورۃ البقرہ میں نور کو واحد اور ظلمات کو جمع ذکر کیا گیا، اسی طرح سورۃ الانعام میں بھی ظلمات کو جمع اور نور کو واحد

ذکر کیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اَللّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ: جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی ہے، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف سے مجھے شادی کا پیغام ملا، لیکن میں نے کسی عذر کی وجہ سے معذرت کرلی، میری معذرت کو حضرت نبی کریم ﷺ نے تسلیم کرلیا اور یہ آیت اتری، میں ہجرت کرنے والیوں میں نہ تھی بلکہ فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والیوں میں تھی، یوں میں طلقاء میں سے تھی، جن کو نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد فرمایا تھا کہ تم طلقاء یعنی آزاد لوگ ہو۔

ابو رزین وغیرہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ جنہوں نے مدینے کی طرف آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو، حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد اسلام لانا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا، وہ مومنہ عورت جو اپنا نفس اپنے نبی کے لئے ہبہ کردے اور نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں، تو بغیر مہر دیے اسے نکاح میں لاسکتے ہیں، پس یہ حکم دو شرطوں کے ساتھ ہے، ایک تو اس کا اپنا نفس ہبہ کرنا دوسرے آپ کا بھی اسے اپنے نکاح میں لانے کا ارادہ کرنا۔

حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا کہ میں اپنا نفس آپ کے لئے ہبہ کرتی ہوں، پھر وہ دیر تک کھڑی رہیں، تو ایک صحابی نے کھڑے ہو کر کہا کہ يَا رَسُولَ اللهِ، زَوِّجْنِيهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ، یارسول اللہ! اگر آپ ان سے نکاح کا ارادہ نہ رکھتے ہوں تو میرے نکاح میں دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے؟ جو انہیں مہر میں دیں؟ جواب دیا کہ اس تہمد کے سوا اور کچھ نہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا إِنْ أَعْطَيْتَهَا إِزَارَكَ جَلَسْتَ لَا إِزَارَ لَكَ، فَالْتَمِسْ شَيْئًا، یہ اگر تم انہیں دے دو گے تو خود بغیر تہمد کے رہ جاؤ گے کچھ اور تلاش کرو، اس نے کہا میں اور کچھ نہیں پاتا، آپ ﷺ نے فرمایا الْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ، تلاش تو کرو گو لوہے کی انگوٹھی ہی مل جائے۔

انہوں نے ہر چند دیکھ بھال کی لیکن کچھ نہ پایا۔

آپ ﷺ نے فرمایا هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ؟ قرآن کی کچھ سورتیں بھی تمہیں یاد ہیں؟ اس نے کہا فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ (مسند احمد، بخاری، مسلم) بس انہی سورتوں پر میں نے انہیں تمہارے نکاح میں دیا۔

حضرت انس جب یہ واقعہ بیان کرنے لگے تو ان کی صاحبزادی بھی سن رہی تھیں، کہنے لگیں مَا كَانَ أَقَلَّ حَيَاءَهَا اس عورت میں بہت ہی کم حیا تھی۔ تو آپ نے فرمایا تم سے وہ بہتر تھیں کہ حضور ﷺ کی خدمت کی رغبت کر رہی تھیں اور آپ پر اپنا نفس پیش کر رہی تھیں (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آئیں اور اپنی بیٹی کی بہت سی تعریفیں کر کے کہنے لگیں کے یارسول اللہ! میری مراد یہ ہے کہ آپ اس سے نکاح کر لیں۔ آپ نے قبول فرمالیا اور وہ پھر بھی تعریف کرتی رہیں۔ یہاں تک کہا کہ یارسول اللہ! وہ کبھی بیمار پڑیں نہ سر میں درد ہوا یہ سن کر آپ نے فرمایا پھر مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں۔ (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اپنے نفس کو ہبہ کرنے والی بیوی صاحبہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا تھیں۔ (بیہقی فی سنن الکبریٰ، تفسیر ابن کثیر)

ایک روایت میں ان کے بارے میں یہ بات آئی ہے کہ یہ قبیلہ بنو سلیم میں سے تھیں، ان کے بارے میں یہاں تک آتا ہے کہ یہ بڑی نیک بخت عورت تھیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے ام سلیم ہی حضرت خولہ ہوں رضی اللہ عنہا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دوسری کوئی عورت ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے تیرہ عورتوں سے نکاح کیا جن میں سے چھ تو قریشی تھیں۔ حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت سودہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن اور تین بنو عامر بن صعصعہ کے قبیلے میں سے تھیں اور دو عورتیں قبیلہ بنو ہلال بن عامر میں سے تھیں اور حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا، یہی وہ ہیں جنہوں نے اپنا نفس رسول اللہ کو ہبہ کیا

تھا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا جن کی کنیت ام المساکین تھی اور ایک عورت بنو ابی بکر بن کلاب سے۔ یہ وہی ہے جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا اور بنو جون میں سے ایک عورت جس نے پناہ طلب کی تھی، اور ایک عورت اسدیہ جن کا نام زینب بنت جحش ہے رضی اللہ عنہا۔ دو کنیزیں تھیں، صفیہ بنت حی بن اخطب اور جویریہ بنت حارث بن عمرو بن مصطلق خزاعیہ۔ (ابن ابی حاتم، مصنف ابن ابی شیبہ، تفسیر ابن کثیر)

یہ مشہور بات ہے کہ حضرت زینب جن کی کنیت ام المساکین تھی، یہ زینب بنت خزیمہ تھیں، قبیلہ انصار میں سے تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی انتقال کر گئیں۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ میں ان عورتوں پر غیرت کیا کرتی تھی جو اپنا نفس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیتی تھیں اور مجھے بڑا تعجب معلوم ہوتا تھا کہ عورتیں اپنا نفس ہبہ کرتی ہیں۔ جب یہ آیت اتری کہ {تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ} الأحزاب: ۵۱) ان بیویوں میں سے تم جس کی باری چاہو ملتوی کر دو، اور جس کو چاہو، اپنے پاس رکھو، اور جن کو تم نے الگ کر دیا ہو ان میں سے اگر کسی کو واپس بلانا چاہو تو اس میں بھی تمہارے لیے کوئی گناہ نہیں ہے۔ تو میں نے کہا بس اب تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر خوب وسعت و کشادگی کر دی۔ (بخاری)

تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لَمْ يَكُنْ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةٌ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لَهُ، کوئی عورت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ تھی جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کیا ہو۔

حضرت یونس بن بکیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں گو آپ کے لئے یہ مباح تھا کہ جو عورت اپنے تئیں آپ کو سونپ دے آپ اسے اپنے گھر میں رکھ لیں لیکن آپ نے ایسا کیا نہیں۔ کیونکہ یہ امر آپ کی مرضی پر رکھا گیا تھا۔ یہ بات کسی اور کے لئے جائز نہیں، ہاں مہر ادا کر دے تو بیشک جائز ہے۔

چنانچہ حضرت بروع بنت واشق کے بارے میں جنہوں نے اپنا نفس سونپ دیا تھا جب ان کے شوہر انتقال کر گئے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ ان کے خاندان کی اور عورتوں کے مثل

انہیں مہر دیا جائے، جس طرح موت مہر کو مقرر کر دیتی ہے اسی طرح صرف دخول سے بھی مہر واجب ہو جاتا ہے۔ ہاں حضور ﷺ اس حکم سے مستثنیٰ تھے۔ ایسی عورتوں کو کچھ دینا آپ پر واجب نہ تھا گو اسے شرف بھی حاصل ہو چکا ہو۔ اس لئے کہ آپ کو بغیر مہر کے اور بغیر ولی کے اور بغیر گواہوں کے نکاح کر لینے کا اختیار تھا جیسا کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے قصے میں ہے۔ (ابن کثیر)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کسی عورت کو یہ جائز نہیں کہ اپنے آپ کو بغیر ولی اور بغیر مہر کے کسی کے نکاح میں دے دے، ہاں صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ تھا اور مومنوں پر جو ہم نے مقرر کر دیا ہے اسے ہم خوب جانتے ہیں یعنی وہ چار سے زیادہ بیویاں ایک ساتھ رکھ نہیں سکتے، ہاں ان کے علاوہ لونڈیاں رکھ سکتے ہیں اور ان کی کوئی تعداد مقرر نہیں۔ اسی طرح ولی کی مہر کی گواہوں کی بھی شرط ہے۔ پس امت کا تو یہ حکم ہے اور آپ پر اس کی پابندیاں نہیں۔ تاکہ آپ کو کوئی حرج نہ ہو۔ اللہ بڑا غفور ورحیم ہے۔

خلاصہ کلام، سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۰ میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی جو خصوصیات بیان فرمائی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے چند احکامات ایسے بیان کیے ہیں جو دوسروں کے لیے نہیں ہیں۔

① آپ ﷺ کے نکاح میں جو عورتیں تھیں، جن کا آپ ﷺ نے مہر ادا کر دیا تھا وہ سب آپ ﷺ کے لیے اس آیت کی روشنی میں حلال کر دی گئی تھیں۔

② آپ ﷺ کے لیے ہمہ قسم کی لونڈیاں جائز قرار دی گئی تھیں، چاہے وہ مال غنیمت سے آپ ﷺ کو ملی تھیں، چاہے آپ ﷺ نے ان کی قیمت ادا کر کے انہیں خرید لیا تھا، یہ صرف آپ ﷺ کے لیے جائز تھیں۔

③ علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی جس طرح یہ خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات سے کوئی امتی نکاح شادی نہیں کر سکتا تھا اسی طرح آپ ﷺ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ کے پاس جو باندیاں تھیں ان کے

ساتھ بھی آپ ﷺ کی رحلت کے بعد شادی نہیں کی جاسکتی تھی۔

④ مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے اگر نبی کریم ﷺ اپنے لیے کوئی خاص حصہ پسند فرمالیتے تھے تو یہ آپ ﷺ کی ملک خاص ہو جاتی تھی، یہ صرف آپ ﷺ کی خصوصیت تھی، اسے صفی النبی کہا جاتا تھا۔

⑤ دار الحرب سے کسی غیر مسلم کی طرف سے اگر کوئی ہدیہ مسلمانوں کے امیر المومنین کے نام پر آئے تو حکم شرعی یہ ہے کہ اس کا مالک امیر المومنین نہیں ہوتا بلکہ وہ بیت المال شرعی کی ملک قرار دیا جاتا ہے، بخلاف نبی کریم ﷺ کے کہ ایسا ہدیہ آپ کے لئے خصوصیت سے حلال کر دیا گیا (معارف القرآن)

⑥ آپ کے لئے چچا اور پھوپھی کی لڑکیاں اور ماموں خالہ کی لڑکیاں حلال کر دی گئیں، چچا پھوپھی میں باپ کے خاندان کی سب لڑکیاں اور ماموں خالہ میں ماں کے خاندان کی سب لڑکیاں شامل ہیں، اور ان سے نکاح کا حلال ہونا تو آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں، سب مسلمانوں کا یہی حکم ہے۔

لیکن ان میں یہ قید کہ انہوں نے آپ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کی ہو یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ عام امت کے لئے تو باپ اور ماں کے خاندان کی یہ لڑکیاں بغیر کسی شرط کے حلال ہیں، خواہ انہوں نے ہجرت کی ہو یا نہ کی ہو، مگر رسول اللہ ﷺ کے لئے ان میں سے صرف وہ حلال ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو۔ ساتھ ہجرت کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ سفر میں آپ کی معیت رہی ہو یا ایک ہی وقت میں ہجرت کی ہو، بلکہ مراد نفس ہجرت میں معیت و موافقت ہے۔ ان میں سے جس نے کسی وجہ سے ہجرت نہیں کی اس سے آپ کا نکاح حلال نہیں رکھا گیا، جیسا کہ آپ کے چچا ابو طالب کی بیٹی ام ہانی نے فرمایا کہ مجھ سے آپ کا نکاح اس لئے حلال نہیں تھا کہ میں نے مکہ سے ہجرت نہیں کی تھی، بلکہ میرا شمار طلقاء میں تھا۔ (معارف القرآن)

⑦ اگر کوئی مسلمان عورت اپنے نفس کو آپ کے لئے ہبہ کر دے، یعنی بغیر مہر کے آپ سے نکاح کرنا چاہے، اگر آپ اس سے نکاح کا ارادہ کریں تو آپ کے لئے بلا مہر کے بھی نکاح حلال ہے، اور یہ خاص حکم آپ کے لئے ہے دوسرے مومنین کے لئے نہیں۔

⑧ اگرچہ عام مسلمانوں کے لئے یہود و نصاریٰ کی عورتوں یعنی کتابیات سے نکاح بنص قرآن حلال

ہے، مگر رسول اللہ ﷺ کے لئے عورت کا مومن ہونا شرط ہے، کتابیات سے آپ کا نکاح نہیں ہو سکتا۔

یہ آقائے نامدار، تاجدار مدینہ، مراد المشتاقین، حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے نکاح وشادی کی بابت چند ایک خصائص تھے جو یہاں ذکر کیے گئے ہیں، یہ وہ خصائص ہیں جو صرف آپ ﷺ ہی کے ساتھ خاص ہیں کسی اور کے لیے نہیں ہیں۔

ازواجِ مطہرات کے درمیان تقسیمِ اوقات اور حکمتِ الٰہی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَلَا یَحْزَنَّ وَیَرْضَیْنَ بِمَاۤ اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا {۵۱} الاحزاب

جواب ترجمہ: آپ ان میں سے جسے چاہیں اپنے سے دور رکھیں اور جسے چاہیں اپنے نزدیک ٹھکانا دیں اور جسے آپ دور کر دیں اسے طلب کریں تو اس بارے میں آپ پر کوئی گناہ نہیں یہ اس بات سے قریب تر ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور جو کچھ آپ ان کو دیں وہ سب اس پر راضی رہیں اور اللہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ جاننے والا ہے حلم والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو اپنی ازواجِ مطہرات کے درمیان قیام اور تقسیمِ اوقات کے بارے میں خصوصی اختیار عطا فرمایا, ارشاد ہوا کہ

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ: آپ ﷺ جس زوجہ کا وقت مؤخر کرنا چاہیں مؤخر کر سکتے ہیں اور جسے چاہیں اپنے قریب رکھ سکتے ہیں اور جن کا وقت بعد میں رکھا ہو اگر دوبارہ انہیں اپنے پاس بلانا چاہیں تو بھی اس میں کوئی حرج نہیں۔

یہ اختیار دراصل رسول اللہ ﷺ کی عظیم ذمہ داریوں اور مشقتوں کو آسان بنانے کے لیے عطا کیا گیا تھا، کیونکہ آپ ﷺ صرف ایک گھریلو شخصیت نہیں تھے بلکہ پوری امت کے راہنما، داعی، قاضی، معلم اور سربراہ بھی تھے, اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر آسانی فرماتے ہوئے یہ وسعت عطا کی۔

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ: یہ اختیار اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ آپ ﷺ کی ازواج کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں، وہ راضی رہیں اور انہیں یہ احساس نہ ہو کہ ان کے حقوق میں کمی کی گئی ہے، کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے عمل فرما رہے ہیں۔

اس آیت میں یہ حقیقت بھی بیان کی گئی کہ اللہ تعالیٰ مردوں کے دلوں کے رجحانات اور محبت کے میلان کو خوب جانتا ہے، بعض بیویوں کی طرف طبعی میلان ہونا انسانی فطرت ہے، مگر عدل و انصاف اور حقوق کی ادائیگی ضروری ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال سے پوری طرح باخبر اور نہایت بردبار ہے، فوراً گرفت نہیں فرماتا بلکہ توبہ اور اصلاح کا موقع عطا کرتا ہے۔

ازواج النبی ﷺ کا امتیازی اعزاز

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا {۵۲} الأحزاب.

جواب ترجمہ: اس کے بعد آپ کے لیے عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ یہ بات حلال ہے کہ آپ ان بیویوں کے بدلہ دوسری بیویوں سے نکاح کریں اگرچہ آپ کو ان کا حسن بھلا معلوم ہو مگر جو آپ کی مملوکہ ہو اور اللہ ہر چیز کا نگران ہے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کا مطلب ظاہری الفاظ اور سباق کے اعتبار سے یہ ہے کہ اس وقت (اس آیت کے نزول کے وقت) جو آپ ﷺ کے نکاح میں عورتیں ہیں آپ انہیں کو اپنے نکاح میں رکھیں ان کے علاوہ کسی عورت سے آپ کو نکاح کرنا حلال نہیں ہے اور اس کی بھی اجازت نہیں ہے کہ ان میں کسی عورت کو طلاق دے کر اس کی جگہ کسی اور عورت سے نکاح کر لیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور دیگر ائمہ تفسیر سے آیت بالا کی یہ تفسیر منقول ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کو اختیار دے دیا کہ چاہو تو دنیا لے لو اور چاہو تو میرے پاس رہو۔ اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات

رضی اللہ عنہن نے نفقہ کا مطالبہ چھوڑ کر آپ ہی کی زوجیت میں رہنا پسند کر لیا تو اللہ جل شانہٗ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو بھی انہیں بیویوں کے لیے مخصوص فرما دیا جو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں جن کی تعداد نو تھی، ان کے سوا کسی سے آپ کے لیے نکاح جائز نہیں رکھا گیا۔ (روح المعانی، سنن بیہقی، تفسیر انوار البیان)

بعض حضرات نے آیت بالا کی دوسری تفسیر کی ہے وہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ شروع آیت میں آپ کے لیے عورتوں کی جتنی اقسام حلال کی ہیں ان کے بعد یعنی ان کے علاوہ اور قسم کی عورتوں سے آپ کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے، اپنے خاندان کی عورتوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف وہ عورتیں حلال کی گئیں جو مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئی تھیں غیر مہاجرات سے آپ کا نکاح حلال نہیں رکھا گیا۔ اسی طرح غیر مومنہ یعنی اہل کتاب کی عورتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح جائز نہیں رکھا گیا۔

اور مِنۢ بَعْدُ کا مطلب یہ ہوا کہ جتنی قسمیں آپ کے لیے حلال کر دی گئیں آپ انہیں میں سے کسی عورت سے نکاح کر سکتے ہیں، اگر یہ مطلب لیا جائے تو یہ کسی نئے حکم کا اعادہ نہیں ہے بلکہ پہلے حکم ہی کی تاکید اور توضیح ہے۔

اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ کے نکاح میں جو موجودہ نو عورتیں ہیں ان کے علاوہ کسی اور سے نکاح درست نہیں، اگر پہلی تفسیر مراد لی جائے تب بھی اس حکم کو منسوخ مانا گیا ہے۔ ام المومنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کا وصال ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے دیگر خواتین سے نکاح کی اجازت دے دی تھی۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الاحزاب بحوالہ تفسیر انوار البیان)

آداب معاشرت واحکام پردہ

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ

اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا {۵۳} الأحزاب.

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو جایا کرو، پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو، اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے میں لحاظ نہیں فرماتا، اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو، یہ بات تمہارے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے اور تم کو یہ جائز نہیں ہے کہ رسول کو کلفت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو، بیشک تمہاری یہ بات خدا کے نزدیک بڑی بھاری ہو گی۔

خلاصہ تفسیر: آیت کریمہ میں مسلمانوں کے ایک دوسرے کے گھروں میں آنے جانے اور اسلامی معاشرت سے متعلق چند آداب و احکام بیان کیے گئے ہیں۔ سببِ نزول کے اعتبار سے چونکہ اس کا تعلق آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی اور آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات سے ہے اس لیے بیوت النبی کا ذکر فرمایا گیا ہے لیکن ان احکام میں عموم پایا جاتا ہے، کیونکہ شریعت کا یہ مسلمہ اصول ہے اَلعِبرَۃُ لِعُمُومِ اللَّفظِ لَالِخُصُوصِ السَّبَب یعنی اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے سبب کے اختصاص کا نہیں۔ (تفسیر روح القرآن)

آداب کی تعلیم میں چار احکام دیے گئے ہیں یا یوں کہہ لیجیے کہ چار ادب سکھائے گئے ہیں۔ پہلا ادب یہ ہے کہ جب تک تمہیں گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے یعنی تمہیں کھانے کی دعوت نہ دی جائے اس وقت تک نبی کریم ﷺ کے گھروں میں تمہیں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔

اس میں دو ادب سکھائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ گھروں میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلبی ضروری ہے اور اگر اجازت نہ دی جائے تو واپس پلٹ جاؤ۔ اور دوسری یہ بات کہ کسی دعوت میں بن بلائے مت جاؤ۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب انھیں معلوم ہوتا ہے کہ فلاں جگہ کھانے کی تقریب ہے تو وہ بن بلائے پہنچ جاتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اس سے روکا گیا۔ اور بعد میں نبی کریم ﷺ نے مختلف مواقع پر اپنے عمل سے اس کی وضاحت فرمائی۔

تیسرا ادب یہ سکھایا گیا ہے کہ اگر کسی دعوت میں بلایا جائے تو اسے بہانہ بنا کر کھانے کی تیاری کے انتظار میں وہیں دھونی مار کر مت بیٹھ رہو۔ جس دین نے اپنے ماننے والوں کو قناعت اور کفایت کی تعلیم دی ہے اور فقیری اور ناداری کی حالت میں بھی خودداری کا ادب سکھایا ہے ان کے لیے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ وہ کسی طماعی اور سفلہ پن کا اظہار کریں۔ اور ساتھ ہی یہ بات بھی کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں لوگوں کا رہن سہن نہایت سادہ تھا، زنانہ مکانوں کے ساتھ مردانہ بیٹھکیں نہیں تھیں۔ ایسے میں قبل از وقت لوگوں کا جمع ہو جانا اہل خانہ کے لیے اذیت کا باعث ہوتا تھا۔ اس لیے اس بات سے روکا گیا کہ کھانے کے پکنے کے انتظار میں مت بیٹھو۔ آیت میں ناظرین، منتظرین کے معنی میں ہے اور اِنٰہُ میں اِنًا کھانا پکنے کو کہتے ہیں۔ (تفسیر روح القرآن)

اس کے بعد گھروں اور تقریبات میں آنے کے لیے صحیح طریقہ ارشاد فرمایا گیا۔ وہ یہ ہے کہ جب تمھیں بلایا جائے تو کھانے کے وقت پہنچو تاکہ میزبان کو کوئی دشواری پیش نہ آئے اور جب کھانا کھا چکو تو وہاں سے منتشر ہو جاؤ، طویل باتیں چھیڑ کر وہاں نہ بیٹھے رہو، کیونکہ بعض دفعہ مہمانوں کا کھانے کے بعد دیر تک بیٹھے رہنا میزبان کے لیے باعث کلفت ہوتا ہے، ممکن ہے کہ میزبان کے لیے اس کے بعد کچھ اور ضروری مصروفیات ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جگہ کی تنگی کے باعث مہمانوں کو باری باری کھلایا جا رہا ہو، ظاہر ہے کہ پہلے مہمانوں کے جانے کے بعد دوسرے مہمانوں کو کھانے پر بلایا جا سکے گا اور اگر پہلے مہمانوں میں سے کچھ لوگ باتوں میں لگے بیٹھے رہیں تو میزبان کو بھی تکلیف ہو گی اور مہمان بھی اذیت محسوس کریں گے، ہاں اگر یہ اندازہ ہو سکے کہ میزبان کی خواہش ہے کہ مہمان دیر تک

تشریف رکھیں تاکہ اس کی تقریب کے لیے رونق کا سامان بنیں اور جگہ کی کشادگی کے باعث کسی تنگی کا بھی اندیشہ نہ ہو، تو پھر دیر تک بیٹھنے اور باتوں میں لگے رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ (روح القرآن)

اس کے بعد نبی کریم ﷺ کی کریم النفسی اور مروت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو بہت بلند و بالا خصلتوں اور عادتوں کا پیکر بنایا ہے، اس لیے تمہارا وقت سے پہلے آبیٹھنا اور پھر دیر تک بیٹھ کر باتیں کرتے رہنا اور اجازت لیے بغیر اندر چلے آنا اس سے انھیں جگہ کی تنگی اور مردانہ اور زنانہ حصہ ایک ہونے کی وجہ سے جو اذیت پہنچتی تھی وہ اپنی کریم النفسی کے باعث اس کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ تکلیف برداشت کر لیتے تھے لیکن مہمانوں سے کچھ کہنا لحاظ اور مروت کے خلاف سمجھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ حق کے اظہار میں کسی کا لحاظ نہیں فرماتا، یہ باتیں اسلامی معاشرت کے نقطہ نگاہ سے بہت نقصان دہ ہیں اور ان ہی سے بہت سے مفاسد بھی پیدا ہو سکتے ہیں، اس وجہ سے وہ تمہیں ان باتوں سے آگاہ فرما رہا ہے تاکہ اسلامی معاشرہ انسانی خصائلِ حمیدہ کا صحیح ترجمان ثابت ہو۔ (روح القرآن)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاشرہ جو ہمہ جہت تربیت کے بعد تمام نوع انسانی کے لیے ایک نمونے کا معاشرہ بنا، یہ صرف آنحضرت ﷺ کی تربیت کا اعجاز اور اسلامی اخلاق کا اثر تھا ورنہ اہل عرب اپنے عادات واطوار میں اس وقت کی دنیا میں سب سے زیادہ اجڈ اور غیر شائستہ تھے۔ وہ معاشرے کے بنیادی آداب سے بھی تہی دامن تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کی تربیت میں جس طرح نہایت حکیمانہ طریقہ اختیار کیا اسی طرح اپنے مزاج کے خلاف ان کی بہت سی ناشائستہ باتوں کو بھی برداشت کیا۔ آپ اپنی کریم النفسی کے باعث لوگوں کی غلط باتوں پر ٹوکنا اور خاص طور پر گھر آئے ہوئے مہمانوں کو کسی بات پر تنبیہ کرنا خلاف مروت سمجھتے تھے اس لیے آپ اذیت برداشت کرتے تھے لیکن کہنا پسند نہ تھا۔

آپ کے خادم خاص حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمے میں سب لوگ تو کھانے سے فارغ ہو کر رخصت ہو گئے مگر دو تین حضرات بیٹھ کر باتیں کرنے میں لگ گئے۔ تنگ آکر حضور ﷺ اٹھے اور ازواجِ مطہرات کے یہاں ایک چکر لگایا۔ واپس تشریف لائے

تو دیکھا کہ وہ حضرات بیٹھے ہوئے ہیں، آپ پھر پلٹ گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جا بیٹھے۔ اچھی خاصی رات گزر جانے کے بعد جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ چلے گئے ہیں تب آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف لائے۔ اس کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر روح القرآن)

اسلامی معاشرے کے چند خصوصی آداب کی یہاں تعلیم دی گئی ہے، مثلاً پہلا ادب: کہ کسی کے گھر بغیر اجازت گھس جانا خلاف تہذیب ہے۔ خاص طور سے نبی کے گھروں میں صرف اس وقت جاؤ جب ان کی طرف سے کھانے کی دعوت دی جائے، اس صورت میں بھی آداب کا خیال رکھو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور سے بے حد مصروف شخصیت ہیں اس لیے ان کے وقت اور مصروفیات کا خیال رکھتے ہوئے عین کھانے کے وقت پر جاؤ اور کھانے کے بعد بجائے بیٹھ کر گپ شپ لگانے کے فوراً رخصت ہو جاؤ۔

دوسرا ادب: میزبان کی تکلیف کا خیال رکھتے ہوئے کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے نہ رہو۔ میزبان مہمان کو جانے کے لیے نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ آداب میزبانی کے خلاف ہے۔

تیسرا ادب: عورتوں سے کچھ کام ہو تو پردے کا خیال رکھتے ہوئے اوٹ میں رہ کر بات کرو۔

چوتھا ادب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی، عزت اور احترام کا خیال رکھتے ہوئے کبھی یہ خیال بھی دل میں نہ لاؤ کہ آپ کے وصال کے بعد کوئی بھی ان کی بیوہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے، اس کی ہرگز اجازت نہیں بلکہ سوچنا بھی گناہ ہے۔ اللہ ہر بات جانتا ہے۔

پانچواں ادب: ان مردوں کا ذکر جن کے سامنے آنا منع نہیں جن سے پردہ نہ کیا جائے اور وہ یہ ہیں۔ باپ، بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے، اور اپنے جیسی عام مسلمان عورتیں اور لونڈیاں۔

چھٹا ادب: اللہ کے خوف کو ہر صورت دل میں زندہ رکھتے ہوئے ان تمام احکامات پر پوری خوشی سے ہمیشہ عمل کرنا کیونکہ اللہ تو ظاہر باطن ہر چیز سے خوب اچھی طرح واقف ہے۔ بظاہر یہ بڑی معمولی باتیں لگتی ہیں۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک تہذیب یافتہ سلجھی ہوئی سوسائٹی کے اصول ایسے ہی ہو سکتے ہیں جو معاشرہ اخلاقی لحاظ سے برا ہو وہ سوائے تنزل کے اور کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔ بقول ارسطو "انسان ایک معاشرتی جانور ہے" اس لیے پیدائش سے لے کر موت تک اسلام

نے اس کے لیے بہترین اصول بنادیے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلامی معاشرتی اصول تمام مذاہب کے اصولوں سے بہترین ہیں۔ کسی بھی فرد کو یا معاشرے کو بہترین تعلقات بنانے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، قانون اور اخلاق، ان دونوں میں سے اخلاق اور کردار کا پلڑا بھاری ہے، کیونکہ ایک باکردار مضبوط اور بہترین اخلاق کا مالک انسان ہی قانون کی پابندی بھی کر سکتا ہے، فطرتاً ہر انسان نیک پیدا کیا گیا ہے مگر جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا ہے اگر اس کو اچھا ماحول، والدین، استاد اور دوست احباب مل جائیں تو وہ بہت اچھا انسان بن جاتا ہے اسی لیے دین اسلام میں ہر عمر کے لحاظ سے زندگی کے بہترین اصول بنا کر انسانوں کے سامنے رکھ دیے ہیں، تاکہ مسلمان دور سے پہنچانا جائے کہ ہاں یہ باکردار سلجھا ہوا حسین سیرت کا مالک مسلمان ہی ہو سکتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ انسان کی شخصیت کو سنوارنے والا مذہب ہی ہو سکتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے، "ہر بچہ اصل فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں (بخاری، کتاب الجنائز، بحوالہ تفسیر مفہوم القرآن)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ پردہ نسواں کی خاص اہمیت: اس جگہ یہ بات قابل نظر ہے کہ یہ پردے کے احکام جن عورتوں مردوں کو دیئے گئے ہیں ان میں عورتیں تو ازواج مطہرات ہیں، جن کے دلوں کو پاک صاف رکھنے کا حق اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لے لیا ہے، جس کا ذکر اس سے پہلی آیت لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ میں مفصل آچکا ہے۔ دوسری طرف جو مرد مخاطب ہیں وہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن میں بہت سے حضرات کا مقام فرشتوں سے بھی آگے ہے۔

لیکن ان سب امور کے ہوتے ہوئے ان کی طہارت قلب اور نفسانی وساوس سے بچنے کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ مرد و عورت کے درمیان پردہ کرایا جائے۔ آج کون ہے جو اپنے نفس کو صحابہ کرام کے نفوس پاک سے اور اپنی عورتوں کے نفوس کو ازواج مطہرات کے نفوس سے زیادہ پاک ہونے کا دعویٰ کر سکے، اور یہ سمجھے کہ ہمارا اختلاط عورتوں کے ساتھ کسی خرابی کا موجب نہیں ہے؟

آیات مذکورہ کے اسباب نزول: ان آیات کے سبب نزول میں چند واقعات بیان کئے جاتے ہیں، جن میں کوئی تضاد نہیں، ہو سکتا ہے کہ مجموعہ واقعات نزول آیات کا سبب نہ ہوں۔ شروع آیت میں جو مہمانی کے آداب بیان ہوئے کہ بغیر بلائے کھانے کے لئے نہ جائیں، اور کھانے کے انتظار میں نہ بیٹھیں۔ اس کا سبب نزول ابن ابی حاتم نے سلیمان بن ارقم سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان ثقلاء اور بوجھل لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بغیر دعوت کے کسی کے مکان میں جا بیٹھیں اور کھانے کا انتظار کریں۔

اور امام عبد بن حمید نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ان بعض لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو انتظار میں رہتے اور کھانے کے وقت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں جا کر بیٹھ جاتے اور باہمی باتوں میں مشغول ہو جاتے، یہاں تک کہ کھانا تیار ہو جاتا تو اس میں شریک ہو جاتے تھے۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ ہدایات جاری ہوئیں جو شروع آیت میں مذکور ہیں۔ یہ واقعات پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کے ہیں، جب عام مرد زنانہ مکان میں آتے جاتے رہتے تھے۔

دوسرا حکم جو عورتوں کے پردہ سے متعلق ہے اس کے شان نزول میں امام بخاری کی دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے پاس نیک و بد ہر طرح کے آدمی آتے جاتے ہیں، اگر آپ ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم دے دیں تو بہتر معلوم ہوتا ہے، اس پر یہ آیت حجاب نازل ہوئی۔

صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”میں نے موافقت کی اپنے رب کے ساتھ تین چیزوں میں ایک یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مقام ابراہیم کو اپنی جائے نماز بنالیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، **وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى** اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ آپ کی ازواج مطہرات کے سامنے ہر نیک و بد انسان آتا ہے، بہتر ہو کہ آپ ان کو پردہ کرائیں، اس پر آیت حجاب نازل ہو گئی اور جب ازواج مطہرات میں باہمی غیرت و رشک بڑھنے لگا تو میں نے ان سے کہا کہ اگر رسول اللہ

ﷺ تمہیں طلاق دے دیں تو بعید نہیں کہ اللہ آپ کو تم سے بہتر ازواج عطا فرمادیں، چنانچہ ٹھیک انہی الفاظ کے ساتھ قرآن نازل ہو گیا۔ (معارف القرآن)

ایک دوسرا واقعہ حضرت انس کی روایت سے صحیح بخاری میں یہ آیا کہ حضرت انس نے فرمایا کہ آیت حجاب کی حقیقت سے میں سب سے زیادہ واقف ہوں، کیوں کہ میں اس واقعہ میں حاضر تھا جب کہ حضرت زینب بنت جحش نکاح کے بعد رخصت ہو کر حرم نبوی میں داخل ہوئیں، اور مکان میں آپ کے ساتھ موجود تھیں۔ آپ نے ولیمہ کے لئے کچھ کھانا پکوایا اور لوگوں کو دعوت دی، کھانے کے بعد کچھ لوگ وہیں جم کر آپس میں باتیں کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔

ترمذی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو تکلیف ہوئی، آپ گھر سے باہر تشریف لائے اور دوسری ازواج مطہرات کے پاس ملاقات وسلام کے لئے تشریف لے گئے، جب آپ پھر گھر میں واپس آئے تو یہ لوگ وہیں موجود تھے۔ آپ کے لوٹنے کے بعد ان لوگوں کو احساس ہوا تو منتشر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ مکان کے اندر تشریف لائے تو تھوڑا سا وقت گزرا تھا کہ آپ پھر باہر تشریف لائے میں وہاں موجود تھا۔ آپ نے یہ آیت حجاب جو اسی وقت نازل ہوئی تھی پڑھ کر سنائی، يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ میں ان آیات کے نزول میں سب سے زیادہ قریب ہوں، کہ میرے سامنے ہی نازل ہوئی ہیں (ترمذی)

آیات حجاب کے نزول کے اسباب میں یہ تین واقعات روایات حدیث میں مذکور ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ تینوں واقعات کا مجموعہ ہی ان آیات کے نزول کا سبب بنا ہو۔ (معارف)

اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا {۵۴} الاحزاب

جواب ترجمہ: اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اسے پوشیدہ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اگر تم اپنی زبانوں سے کوئی چیز ظاہر کرو جس کا

تعلق عورتوں کی نگرانی سے ہو یا اس کے علاوہ اس چیز میں سے ہو جس سے اس نے منع کیا ہے یا اس سے رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچتی ہے، جیسے یہ قول کہ میں ان کی بیوی سے ان کی وفات کے بعد ضرور شادی کرونگا یا اس طرح کی بات اپنے دلوں میں چھپاؤ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے اللہ کو یہ اور اس کے علاوہ تمہارے امور اور دوسروں کے امور معلوم ہیں اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں وہ ان سب پر تم کو بدلہ دے گا۔ (تفسیر طبری)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو ظاہر ہے یا مخفی ہے، وہ اسے بھی جانتا ہے جو ہو چکا ہے اور اسے بھی جانتا ہے جو ابھی تک واقع نہیں ہوا، اس پر کوئی گزرا ہوا مخفی نہیں اور نہ آنے والا مستقبل مخفی ہے، یہ اپنے عموم پر ہے اس کے ساتھ اس کی مدح کی جارہی ہے وہ مدح اور حمد کا مستحق ہے۔

یہاں اس سے مراد توبیخ اور اس کے لیے وعید ہے جس کی سابقہ آیت میں اشارۃً بات کی گئی تھی، وہ ان لوگوں میں سے تھا جس کی طرف اس آیت کے ساتھ اشارہ کیا گیا تھا: آیت ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ اور جس کی طرف اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا تھا: آیت وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا انہیں اس آیت میں فرمایا: اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو وہ اعتقادات ہوں اور دل میں جو ناپسندیدہ وساوس ہوں اور ان پر تمہیں بدلہ عطا فرمائے گا۔ یہ آیت ماقبل آیت سے منقطع ہے اور اس کے لیے بیان ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن)

محرموں سے حجاب نہ کرنے کی اجازت

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا {۵۵} الأحزاب

جواب ترجمہ: نبی کی بیویوں کے لیے اپنے اپنے باپ (کے سامنے بے پردہ آنے) میں کوئی گناہ نہیں ہے، نہ اپنے بیٹوں کو، نہ اپنے بھائیوں کے، نہ اپنے بھتیجوں کے، نہ اپنے بھانجوں کے، اور نہ اپنی عورتوں کے۔ اور نہ اپنی کنیزوں کے (سامنے آنے میں کوئی گناہ ہے) اور (اے خواتین!) تم اللہ سے ڈرتی رہو۔ یقین جانو کہ اللہ ہر بات کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رُوِیَ أَنَّهُ لَمَّا نَزَلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ قَالَ الْآبَاءُ وَالْأَبْنَاءُ وَالْأَقَارِبُ أَوَ نَحْنُ يَا رَسُولَ اللهِ نُكَلِّمُهُنَّ أَيْضاً مِّنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ فَنَزَلَتْ (تفسیر روح المعانی ج ۱۱ ص ۲۵۱) جب آیت حجاب نازل ہوئی تو ازواج مطہرات کے آباء وابناء اور اقارب نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم بھی ان سے پردہ کے پیچھے سے بات کیا کریں؟ اس پر آیت نازل ہوئی اور ازواج مطہرات کو اجازت دے دی گئی کہ اپنے باپوں اور بیٹوں اور اپنے بھائیوں کے بیٹوں اور بہنوں کے بیٹوں کے سامنے آسکتی ہیں۔ (تفسیر روح المعانی)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ وَفِيْ حُكْمِهِمْ كُلُّ ذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْ نَسَبٍ أَوْ رَضَاعٍ (تفسیر روح المعانی ج ۱۱ ص ۲۵۱) یعنی آیت کریمہ میں چار رشتوں کا ذکر ہے، دوسرے جو محرم ہیں نسب سے ہوں یا رضاع سے ان کا بھی یہی حکم ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ وَلَمْ يَذْكُرِ الْعَمَّ وَالْخَالَ لِأَنَّهُمَا بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدَيْنِ (روح) آیت کریمہ میں چچا اور ماموں کا ذکر نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں والدین کی طرح سے ہیں۔

محرموں سے پردہ نہ کرنے کی اجازت کے ساتھ ہی وَلَا نِسَآئِهِنَّ فرمایا ہے یعنی مسلمان عورتوں سے بھی ان کا کوئی پردہ نہیں ہے البتہ کافر عورتوں کے سامنے نہ آئیں اگرچہ کتابیہ یعنی یہودیہ یا نصرانیہ ہوں۔ مزید فرمایا وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ اور جن کے مالک ہیں ان کے دائیں ہاتھ ان کے سامنے آنے میں بھی پردہ نہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے باندیاں مراد ہیں، اپنے غلاموں کے سامنے بھی آنا جائز نہیں ہے۔

سورۃ نور کی آیت وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ میں بھی ان رشتہ داروں کا

ذکر ہے جن سے پردہ کرنا واجب نہیں ہے وہاں چند مزید رشتے ذکر فرمائے سورۃ نور میں جو اَوْ نِسَآءِهِنَّ اور یہاں سورۃ احزاب میں وَلَا نِسَآءِهِنَّ فرمایا ہے اس میں جو ضمیر مضاف الیہ ہے اس سے واضح ہو رہا ہے کہ مسلمان عورت کو کافر عورت کے سامنے آنا جائز نہیں۔ (تفسیر انوار القرآن)

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ: ارشاد فرمایا اور اللہ سے ڈرتی رہو، اس میں التفات ہے جو غیوبت سے خطاب کی طرف ہے، اللہ تعالیٰ نے خطاب کے صیغے کے ساتھ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خطاب فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو کیونکہ تقویٰ ہی ہر نیکی کی بنیاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا: بلاشبہ اللہ ہر چیز پر حاضر ہے یعنی وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے، اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، درحقیقت یہ یقین اور استحضار کہ اللہ تعالیٰ حاضر ناظر ہے دلوں میں تقویٰ پیدا ہونے اور اس کے استحضار کے لیے بڑا اکسیر ہے۔ (انوار البیان)

نبی کریم ﷺ پر درود شریف بھیجنے کا حکم

سوال اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر ہدیہ صلاۃ وسلام پیش کیا کریں، تو اس کی وضاحت اور تفسیر کی جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا {٥٦} الأحزاب.

جواب ترجمہ: بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو، اور خوب سلام بھیجا کرو۔

خلاصہ تفسیر: کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ قَدْ عَرَفْنَا السَّلَامَ عَلَيْكَ، فَكَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ؟ فَنَزَلَتْ ہم نے آپ ﷺ پر سلام تو جان لیا آپ پر صلاۃ (درود) کیسے بھیجیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اس کے لئے تمام رسولوں کے درمیان سے منتخب فرمایا اور تمہیں تمام مخلوقات میں سے چنا لہذا تم اللہ کی نعمت کے بدلے میں اسی کا شکر ادا کرو۔ (اسباب النزول للنیشاپوری)

آدم کو سجدہ اور مصطفٰے ﷺ کے لیے درود شریف: عثمان واعظ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام سہل بن محمد بن سلیمان رحمہ اللہ کو یہ کہتے سنا یہ شرف جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو اس فرمان کے ذریعے بخشا، اس شرف سے جو آدم کو فرشتوں کو سجدے کا حکم دے کر بخشا سے زیادہ کامل اور تام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے ساتھ آدم علیہ السلام کو یہ شرف عطا کرنے میں شریک ہونا ناممکن ہے جبکہ نبی کریم ﷺ پر صلاۃ کی اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بارے میں اور پھر فرشتوں کے بارے میں خبر دی ہے۔ لہٰذا وہ شرف جو ذات باری کی طرف سے صادر ہوا اس شرف سے بڑھ کر ہے جو صرف فرشتوں کے ساتھ خاص ہے اور اس میں اللہ کا ان کے ساتھ شریک ہونا محال ہے۔ (اسباب النزول)

امام تفسیر مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی، تو ابو بکر نے عرض کیا اللہ تعالیٰ جو چیز بھی آپ کو عطا فرمائے ہمیں بھی اس میں شریک کرے اس پر یہ آیت نازل ہوئی، هوَ الَّذِی یُصَلِّی عَلَیکُم وَمَلٰئِکَتُهُ (الاحزاب ۴۳) وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی۔ (اسباب النزول، در منثور)

درود شریف پڑھنے والوں کے لیے فرشتوں کی دعاء: حضرت نبی کریم ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دو فرشتے مقرر کر رکھے ہیں، جب بھی کسی مسلمان کے ہاں میرا تذکرہ ہوتا ہے پھر مجھ پر درود پڑھتا ہے تو دونوں فرشتے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے اور اللہ تعالیٰ اور ملائکہ ان دونوں فرشتوں کو کہتے ہیں آمین اور جس مسلمان بندے کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے تو فرشتے کہتے ہیں اللہ تجھے نہ بخشے، اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی طرف سے ان فرشتوں کے جواب میں آمین کہی جاتی ہے (مجمع الزوائد)

درود شریف پڑھنے کا حکم: امام کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس مجلس میں حضرت نبی کریم ﷺ کا نام پاک لیا جائے اس پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب بھی آپ ﷺ کا نام لیا جائے اس وقت درود شریف پڑھنا واجب ہے اور احتیاط اسی قول میں ہے اور جمہور کا یہ قول ہے، اگر دوسرے کیلئے صلاۃ کا

لفظ بولا جائے گا تو تابع کی حیثیت سے آئے گا، جیسا کہیں صلی اللہ علی النبی وآلہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں، باقی جب اہل بیت میں سے کسی کیلئے الگ طور پر صلاۃ کا لفظ لایا جائے گا۔ تو یہ مکروہ ہے اور رافضیوں کے نشانات میں سے ہے۔

درود شریف بھیجنا امر ربانی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان والے بندوں پر کس قدر مہربانی فرمائی کہ انہیں سردار دوجہاں، حضرت نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر درود شریف بھیجنے کا حکم دیا، تاکہ انہیں دائمی ذلت آمیز عذاب سے بچائے، آپ ﷺ کی بزرگی، شرافت اور کرامت بڑھانے کے لیے ہمارا رب بھی آپ ﷺ پر درود شریف بھیجتا ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کی فضیلت اور عظمت بڑھانے کے لیے فرشتے بھی آپ ﷺ پر درود شریف بھیجتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بھی حکم دے رہے ہیں کہ وہ آپ ﷺ پر درود شریف بھیجیں تاکہ ان کے لیے جنت میں داخلے کا سامان اور جنت میں عزت والا مقام مل جائے، یہ فرمان گرامی اس عظیم ہستی کا ہے جو ہمیشہ سے خوب سننے والی ہے، جو ہمیشہ سے خوب جاننے والی ہے، جو ہمیشہ سے بلند مرتبے والی ہے، جو ہمیشہ سے عظیم الشان ہے، اس لیے اہل اسلام کو چاہیے کہ وہ رحمت دوجہاں ﷺ کی ذات اقدس پر صلاۃ وسلام بھیجیں تاکہ بروز محشر آپ ﷺ کی شفاعت کے مستحق بن سکیں۔

تفسیر معارف الفرقان کی پہلی طباعت میں یہاں درود شریف پر ایک مستقل رسالہ موجود تھا، جو الگ سے ”تحفہ محمود فی فضائل درود“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس کے علاوہ بندہ عاجز کی ایک تفصیلی کتاب ”صلاۃ وسلام علی سید الانام“ بھی شائع ہو چکی ہے، اس لیے درود شریف سے متعلق مستقل رسالہ یہاں سے ہٹا دیا گیا ہے، شائقین حضرات وہ الگ سے مطالعہ فرمالیں۔ جزاکم اللہ

اللہ اور رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینے والے ملعون اور دوزخی ہیں

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا

{۵۷}الاحزاب

جواب ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ اللہ کو اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار فرمایا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی تعظیم کا حکم دینے کے بعد آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے والوں کے انجام سے خبر دار فرمایا، ارشاد ہوا کہ جو لوگ قول یا فعل کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں لعنت کا مستحق بنا دیتا ہے یعنی اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے اور ان کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو ایذا دینے سے مراد اس کی شان میں گستاخی، اس کے دین کی مخالفت اور اس کے احکام کی نافرمانی ہے، یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہہ کر تکلیف دی، نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے کر تکلیف دی، مشرکین نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دے کر تکلیف دی، ابن آدم نے اللہ تعالیٰ کو جھٹلا کر، اسے گالی دے کر تکلیف دی، ابن آدم نے زمانے کو برا کہہ کر اللہ کو تکلیف دی، کیونکہ اللہ فرماتے ہیں زمانہ میں خود ہوں، تصویر بنانے والے تصویریں کھرچ کھرچ کر اللہ تعالیٰ کو تکلیف دیتے ہیں، اسی لیے تو ان پر لعنت کی گئی، اسی طرح ابن آدم اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو تکلیف دیتا ہے، انہیں تکلیف دینا گویا کہ اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچانا ہے۔

جبکہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینے میں آپ کی شان میں گستاخی، آپ کی تعلیمات کا مذاق اڑانا، یا آپ کو تکلیف پہنچانا شامل ہے، اس سے مراد وہ تمام اقوال ہیں جو آپ ﷺ کو اذیت دیتے ہیں اور ایسے افعال بھی ہو سکتے ہیں جو آپ ﷺ کو اذیت دیتے ہیں جہاں تک ان کے قول کا تعلق ہے وہ آپ ﷺ کو ساحر، شاعر، کاہن، مجنون کہنا ہے، جہاں تک ان کے فعل کا تعلق ہے وہ غزوہ اُحد کے موقع پر آپ ﷺ کی رباعیہ کو توڑنا اور آپ ﷺ کے چہرہ کو زخمی کرنا ہے اور مکہ مکرمہ میں جب سجدہ کی حالت میں تھے اس وقت آپ پر اوجھ پھینک دینا ہے۔ پتہ چلا حرمت رسول ﷺ ایمان کا لازمی حصہ ہے۔

صحابہ و صحابیہ رضی اللہ عنہم کو اذیت دینے والے مجرمین

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا {۵۸} الاحزاب

جواب ترجمہ: اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر گناہ کیے ایذا پہنچاتے ہیں وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار اٹھاتے ہیں۔

شان نزول: ① حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک انصار لونڈی کو بناؤ سنگار کرتے دیکھا تو اسے مارا اور اس کے بناؤ سنگار کو ناپسند کیا وہ اپنے گھر والوں کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شکایت کرنے گئی اس کے گھر والے نکل آئے اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اذیت دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (اسباب النزول)

② مقاتل رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ آیت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اس کا شان نزول یہ ہے کہ منافقوں میں سے کچھ لوگ انھیں اذیت دیتے تھے اور ناشائستہ باتیں سناتے تھے۔

③ کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ آیت ان زناکاروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مدینہ کی گلیوں میں عورتوں کو تلاش کرتے پھرتے رہتے تھے اگر عورتیں رات کو قضائے حاجت کے لیے باہر نکلتیں اور یہ زناکار لوگ انہیں دیکھتے تو ان کے قریب ہو کر ان سے اشارہ کنایہ کرتے اگر وہ خاموش رہتیں تو یہ ان کا پیچھا کرتے اور اگر وہ ڈانٹ دیتیں تو یہ ان کو ستانے سے باز رہتے یہ لوگ صرف لونڈیوں کو تلاش کرتے رہتے لیکن ان دنوں آزاد عورت اور لونڈی میں کوئی تمیز نہ ہوتی تھی عورتیں صرف قمیض اور اوڑھنی لے کر نکلتی تھیں ان عورتوں نے اپنے خاوندوں سے اس کی شکایت کی انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ (اسباب النزول)

④ ابو مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مومنین خواتین قضائے حاجت کے لیے رات کو باہر نکلتیں منافق لوگ ان کے راستے میں آڑے آتے اور انہیں ستاتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (اسباب النزول)

⑤ سدی کا قول ہے کہ مدینے میں لوگوں کے گھر تنگ تھے عورتیں قضائے حاجت کے لیے

رات کو باہر نکلتی تھیں مدینے کے اوباش (منافقین) لوگ باہر نکلتے اگر وہ کسی عورت کو پردہ یعنی چادر میں دیکھتے تو کہتے کہ یہ آزاد عورت ہے اسے چھوڑ دیتے اس کے ساتھ تعرض نہ کرتے اور اگر عورت کو بغیر پردے میں دیکھتے تو یہ کہتے کہ لونڈی ہے تو اسے ورغلاتے، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ (اسباب النزول)

خلاصہ تفسیر: اس آیت میں اہلِ ایمان کے احترام کا حکم بیان فرمایا گیا، ارشاد ہوا کہ جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی جرم کے ایذا دیتے ہیں، وہ بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں، کسی مسلمان کی عزت پر حملہ کرنا، اس پر جھوٹا الزام لگانا، اسے بدنام کرنا یا بلاوجہ اذیت دینا اسلام میں سخت جرم ہے، یہاں ان لوگوں کو سرزنش کردی جو اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی قصور کے ستایا کرتے ہیں، کبھی ان پر جھوٹی تہمتیں لگاتے ہیں، کبھی راہ چلتے ان کی بے عزتی کر دیتے ہیں، کبھی انہیں زدوکوب کرتے ہیں، وہ سن لیں کہ وہ بہتان تراشی اور کھلے گناہ کو بوجھ اپنے اوپر لاد رہے ہیں۔

یہاں اگرچہ کسی کی تخصیص نہیں کی گئی، ایمان والے مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن عربی گرائمر و قواعد کے مطابق ایک باریک بات یہاں سمجھ میں آتی ہے کہ یہاں الْمُؤْمِنِيْنَ، الْمُؤْمِنٰتِ کہا گیا ہے، یہاں صرف مومنین اور مومنات نہیں کہا گیا، الف لام اشارہ کرتا ہے کہ یہاں خاص مومنین و مومنات یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن مراد ہیں، اس کے ضمن میں عام مسلمان مرد اور عورتیں بھی داخل ہیں، اس کی شان نزول میں بھی وضاحت ملتی ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

جو لوگ اُس زمانے میں اور آج کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن کو اذیت پہنچاتے ہیں وہ سبھی بدبخت اس وعید میں آتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیت دینے والوں پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے، فرمایا کہ جو ان سے محبت رکھے گا وہ میری وجہ سے ان سے محبت رکھے گا، جو ان سے بغض رکھے گا وہ میری وجہ سے ان سے بغض رکھے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کیا کہ جس نے انہیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔

آیت حجاب کی تفسیر

سوال آیت حجاب کی روشنی میں پردے کے احکامات بیان کیجیے، آیت کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا {۵۹} الأحزاب.

جواب ترجمہ: اے نبی! اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیجیے کہ اپنی چادریں نیچی کر لیا کریں اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کریں گی، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

خلاصہ تفسیر: مفسرین نے لکھا ہے کہ رات کے وقت (جب گھروں میں بیت الخلاء نہیں بنائے گئے تھے) عورتیں قضائے حاجت کے لیے کھجور کے باغوں میں نشیبی علاقوں میں جایا کرتی تھیں ان میں حرائر (آزاد) عورتیں اور اماء (باندیاں) دونوں ہوتی تھیں۔

منافقین اور بد نفس لوگ راستوں میں کھڑے ہو جاتے تھے اور عورتوں کو چھیڑتے تھے یعنی اشارے بازی کرتے تھے، ان کا دھیان باندیوں کی طرف ہوتا تھا اگر کبھی کسی آزاد عورت کو چھیڑتے اور اس پر گرفت کی جاتی تو کہہ دیتے تھے کہ ہم نے یہ خیال کیا تھا کہ شاید وہ باندی ہے۔

نیز دشمنان اسلام (جن میں مدینے کے رہنے والے یہودی بھی تھے اور منافق بھی) یہ حرکت بھی کرتے تھے کہ مسلمانوں کے لشکر میں جب کہیں جاتے تو لوگوں میں رعب پیدا کرنے والی باتیں پھیلاتے اور شکست کی خبریں اڑا دیتے اور خواہ مخواہ بیٹھے بٹھائے یوں کہتے تھے کہ دشمن آگیا دشمن آگیا۔ (تفسیر انوار البیان) آیات بالا میں اول تو یہ حکم دیا کہ اپنی عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم دیں۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ارشاد فرمایا: (اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مومنین کی عورتوں سے فرما دیجیے کہ اپنی بڑی بڑی چادریں جو اتنی چوڑی چکلی ہوں جس میں عورت سر سے پاؤں تک اپنے آپ کو لپیٹ سکے، اپنی ان چادروں کا ایک حصہ اپنے اوپر ڈال لیا کریں) یعنی سر بھی ڈھکے رہیں اور چہرے بھی اور سینے بھی، جب پردہ کا یہ اہتمام ہو گیا تو آزاد عورتیں اور باندیاں الگ الگ پہچانی

جا سکیں گی کیونکہ کام کاج کے لیے نکلنے کی وجہ سے باندیوں کو چہرہ ڈھانکنے کا حکم نہیں ہے۔ (انوار البیان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یُدۡنِیۡنَ عَلَیۡہِنَّ مِنۡ جَلَابِیۡبِہِنَّ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے سروں کو اور چہروں کو بڑی بڑی چادروں سے ڈھانکے رہا کریں صرف ایک آنکھ کھلی رہے جس سے چلنے پھرنے اور دیکھنے بھالنے کی ضرورت پوری ہو جائے اور پورا پردہ کرنے کی وجہ سے آزاد عورتوں اور باندیوں میں امتیاز ہو جائے تاکہ بد نفس چھیڑ چھاڑ نہ کر سکیں، گو باندیوں کے ساتھ بھی چھیڑ چھاڑ کرنا ممنوع تھا لیکن آزاد عورتوں کو پورے پردہ کا حکم دینے سے ان بد نفسوں کا یہ بہانا ختم ہو گیا کہ ہم نے باندی سمجھ کر آوازہ کسا تھا۔ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۸۹، بحوالہ انوار البیان)

یاد رہے کہ آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں کو حکم دے دو کہ اپنے اوپر چوڑی چکلی چادریں ڈالے رہا کریں، اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زیادہ بیٹیاں تھیں، جس سے واضح طور پر روافض کی بات کی تردید ہو گئی جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک بیٹی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جیسے سید نا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور بنات طاہرات رضی اللہ عنہن کو پردہ کرنے کا حکم تھا اسی طرح دیگر مومنین کی بیبیوں کو بھی پردہ کرنے کا حکم ہے۔

بعض فیشن ایبل جاہل جو عورتوں کو بے پردہ بازاروں اور پارکوں میں گھمانے کو قابل فخر سمجھتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ پردہ کا حکم صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے تھا عام عورتوں کے لیے نہیں ہے آیت کریمہ سے ان لوگوں کی ان جاہلانہ باتوں کی تردید ہو رہی ہے۔ (انوار البیان)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ گھر سے نکلتے وقت عورت کو اپنا سر اور چہرہ اور بدن چھپانا فرض ہے کہ کسی کو اس کا چہرہ نظر نہ آئے اور یہی پردہ مروجہ ہے جو شروع اسلام سے اب تک مسلمانوں میں رائج ہے جس کو اس زمانہ کے شہوت پرست ختم کرنا چاہتے ہیں اللہ ان کو ہدایت دے اور مسلمانوں کو ان کے فتنہ سے بچائے۔ آمین۔ (معارف القرآن)

"جلباب" ایسی بڑی چادر کو کہتے ہیں جو پورے جسم کو ڈھانپ لے۔ اس حکم کی حکمت یہ بیان

فرمائی گئی کہ اس سے مومن عورتوں کی پہچان ہو گی کہ وہ پاکدامن اور باحیا عورتیں ہیں، لہٰذا کوئی فاسق شخص انہیں ایذا دینے کی جرأت نہیں کرے گا، یہ آیت اسلام کے نظامِ حیا اور عفت کی بنیادوں میں سے ہے، اسلام عورت کو قید نہیں کرتا بلکہ اسے عزت، وقار اور تحفظ عطا کرتا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا: اور اگر سر اور چہرہ چھپانے میں بلا قصد اور بلا ارادہ کوئی کوتاہی یا بے احتیاطی ہو جائے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ایسے گناہ اور کوتاہی کو بخش دیتا ہے جو بربنائے غفلت صادر ہو جائے اور قصد اور ارادہ کو اس میں دخل نہ ہو۔

منافقین کو دھمکی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا {٦٠} مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا {٦١} سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا {٦٢} الأحزاب

جواب ترجمہ: اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو مدینہ میں افواہیں اڑایا کرتے ہیں اگر یہ لوگ باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے، پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پائیں گے۔ جو پھٹکارے ہوئے ہوں گے جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ ہو گی اور قتل کیے جائیں گے۔ جو لوگ پہلے گزرے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنا یہی دستور رکھا ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ردوبدل نہ پائیں گے۔

خلاصہ تفسیر: خواتینِ اسلام کو پردے سے متعلق مناسب ہدایات دینے کے بعد منافقین کو دھمکی دی گئی ہے اور ان لوگوں کو بھی جن کے دلوں میں اسلام کے خلاف بغض وعناد پل رہا ہے وہ مسلمانوں کے سامنے آنے کی جرأت تو نہیں رکھتے، لیکن مسلمانوں کے اندر گھس کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کرتے ہیں۔

اور ان لوگوں کو بھی دھمکی دی گئی ہے جو مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے سنسنی خیز افواہیں پھیلاتے رہتے تھے اور کبھی مختلف قسم کے اتہامات ادھر ادھر پھیلا کر بدگمانیوں کی فضاء پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ منافقین بھی اور یہ پانچویں کلاس کے لوگ بھی اپنی حرکتوں سے باز آجائیں، تو ان کے لیے بہتر ہے۔

ہم نے آج تک ان کے بارے میں اپنے پیغمبر کو عفو و درگزر کی تلقین کی اور انھوں نے ہمیشہ کریم النفسی کا ثبوت دیتے ہوئے ان کی بہت سی حرکتوں سے چشم پوشی کی، لیکن اب معاملہ بہت آگے بڑھ چکا ہے، اگر یہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم اپنے پیغمبر کو ان کے خلاف بھڑکا دیں گے، یعنی انہیں حکم دیں گے کے اب وہ عفو و درگزر کی بجائے ان پر گرفت کریں اور ان کی حرکتوں پر مناسب سزا دیں۔

لیکن یہ چونکہ اپنی حرکتوں سے باز آنے والے نہیں، اس لیے جب دارو گیر شروع ہو گی تو پھر مدینے کی سرزمین ان کے لیے تنگ ہو جائے گی۔ بہت تھوڑے دنوں یہ آپ کے ساتھ رہ سکیں گے۔ اور جب تک رہیں گے اپنے کرتوتوں کے باعث لعنت و ملامت کا شکار ہوں گے، ہر طرف سے پھٹکار ان پر پڑے گی اور پھر جہاں پکڑے جائیں گے بری طرح قتل کر دیے جائیں گے۔

کیونکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے عفت و پاکدامنی کی حفاظت اسلام کی ترجیحات میں سے ہے۔ وہ مسلمانوں میں وسائل کی کمی کو بڑا مسئلہ نہیں سمجھتا، لیکن بداخلاقی، آوارگی اور عفت و حرمت کی شکست وریخت کو بالکل برداشت نہیں کرتا۔ جو لوگ اس قماش کے ہوتے ہیں انھیں وہ سنبھلنے اور اپنی اصلاح کا موقع دیتا ہے، لیکن اگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے تو پھر ایسے طاعون کے چوہوں کو وہ دیر تک برداشت نہیں کرتا۔ (تفسیر روح القرآن)

مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ منافقین اور ان میں کے وہ لوگ جو شہوت پرست ہیں اور جن کے دلوں میں عورتوں کے دیکھنے کا روگ لگا ہوا ہے یہ لوگ اگر اپنی شرارتوں سے اور اپنی بدنظری سے اور عورتوں کے چھیڑنے سے باز نہ آئے اور علی ہذا وہ لوگ بھی جو مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے والے ہیں یہ لوگ جھوٹی خبریں اڑانے سے باز نہ آئے تو البتہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان

سب پر مسلط کر دیں گے آپ ﷺ ان کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں، پھر وہ لوگ آپ کے ساتھ مدینہ میں رہنے نہیں پائیں گے مگر بہت تھوڑی مدت، جلدی ہی شہر بدر کر دیئے جائیں گے۔ لعنت کے مارے پھٹکارے ہوئے ہوں گے مگر کہیں بچ نہیں سکیں گے اور ایسے ذلیل و خوار ہوں گے کہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے یعنی کہیں بھی بھاگ کر جائیں گے وہیں گرفتار ہوں گے اور قید کیے جائیں گے اور سب قتل کئے جائیں گے کہیں ان کو پناہ نہیں ملے گی۔

اللہ کا یہی طریقہ اور دستور رہا ہے گزشتہ لوگوں کے بارے میں جنہوں نے نفاق پر کمر باندھی اور شرارتیں کیں اول اللہ نے ان کو مہلت دی بالآخر جب ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا تو ان کو گرفتار کر کے خوب قتل کیا اور آپ ﷺ اللہ کے اس طریقہ اور دستور میں ہرگز کوئی تغیر و تبدل نہ پائیں گے مدینہ کے منافقین اگر عورتوں کو چھیڑنے سے اور جھوٹی خبریں اڑانے سے باز نہ آئے تو ان کا بھی یہی انجام ہو گا۔ چنانچہ جس وقت سورۃ توبہ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے منافقین کو مسجد میں جمع کر کے خطبہ دیا اور خطبہ کے بعد نام بنام فرمایا اے فلانے تو کھڑا ہو اور نکل جا۔ تو منافق ہے پھر ان منافقوں کے قرابت دار جو مومنین صالحین تھے اٹھے اور اٹھ کر ان منافقین کو ذلت و خواری کے ساتھ مسجد سے نکال دیا۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۴۷ ج ۱۴)

مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کی رحمت سے دور کیے گئے ہیں، جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور سختی کے ساتھ قتل کیے جائیں گے، یہ وعید ان منافقین اور مفسدین کے لیے تھی جو مسلسل فساد، سازش اور دین دشمنی میں مصروف رہتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام صرف عبادات کا دین نہیں بلکہ ایک پاکیزہ اور محفوظ معاشرے کا نظام بھی عطا کرتا ہے، جس میں فساد، سازش اور بغاوت کی اجازت نہیں۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا: آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافقین کے بارے میں یہ اللہ کی ہمیشہ سے جاری سنت ہے، اور اللہ کی سنت میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی، یعنی جو لوگ حق کے مقابلے میں نفاق، فساد اور فتنہ انگیزی اختیار کرتے ہیں، بالآخر ذلت،

رسوائی اور عذاب ان کا مقدر بنتا ہے، یہی قانون پہلی امتوں میں بھی جاری رہا اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔

ان آیات کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ اسلام پاکیزگی، حیا، ادبِ رسالت، احترامِ مومنین اور معاشرتی امن کا دین ہے۔ جو لوگ ان اصولوں کی حفاظت کرتے ہیں وہ اللہ کی رحمت کے مستحق بنتے ہیں، جبکہ جو لوگ فساد، ایذا رسانی اور نفاق اختیار کرتے ہیں ان کے لیے دنیا و آخرت کی رسوائی مقدر ہے۔

قیامت، کفار اور گمراہ کرنیوالوں کا انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا {٦٣} اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا {٦٤} خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا {٦٥} يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا {٦٦} وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا {٦٧} رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا {٦٨} الاحزاب

جواب ترجمہ: وہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں اور آپ کو اس کی کیا خبر عجیب نہیں کہ قیامت قریب ہی زمانہ میں واقع ہو جائے۔ بیشک اللہ نے لعنت کر دی ہے کافروں پر اور ان کے لیے دہکنے والی آگ تیار کی ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہ کوئی یار و مددگار نہ پائیں گے۔ جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے یوں کہیں گے اے کاش کہ ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ اور وہ یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب بلاشبہ ہم نے اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی فرمان برداری کی سو انہوں نے ہمیں راستہ سے گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے رب انہیں عذاب کا دوہرا حصہ دیجیے اور ان پر لعنت کر دیجیے بڑی لعنت۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ: مشرکین رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے وقت کو دریافت کرتے اور جلد آنے کا بطور استہزاء مطالبہ کرتے اور یہودی بطور امتحان سوال کرتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تورات اور ہر کتاب میں عمومی بتلایا ہے پس اپنے رسول کو حکم فرمایا کہ ان کو

جواباً فرمائیں کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس ہی رکھا ہے۔ پھر اپنے رسول ﷺ کے سامنے واضح فرمایا کہ قیامت قریب الوقوع ہے اس سے جلد مطالبہ کرنے والوں کو دھمکا دیا اور امتحان کرنے والوں کو خاموش کر دیا۔ فرمایا

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُدْرِيْكَ: فرما دیجئے بیشک اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور آپ کو اس کی کیا خبر) لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا (کہ عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی واقع ہو جائے) قریب والی چیز ہے یا ساعۃ زمانہ کے معنی میں ہو، شاید کہ اس کا زمانہ قریب ہو۔ (مدارک التنزیل)

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا: اللہ تعالیٰ نے کفار کو ہر چیز سے دور ہٹا دیا ہے اور پرے کر دیا ہے اور ان کے لئے آخرت میں بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے تاکہ وہ اس میں داخل ہوں، وہ اس بھڑکتی آگ میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اس کی کوئی انتہاء نہیں وہ کوئی ایسا دوست نہ پائیں گے جو ان کی کارسازی کر کے ان کو بھڑکتی آگ سے چھڑا دے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کو داخل کیا ہے اور نہ ان کا کوئی مددگار ہو گا جو ان کی مدد کر کے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کو نجات دلائے۔ (طبری)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا: ملعون کفار لعنت کا طوق پائے دہکتی آگ میں جلیں گے، یہ جلنا کوئی محدود مدت کے لیے نہیں ہو گا بلکہ اس آگ میں ہمیشہ ہمیش رہنا ان کا مقدر بنا دیا گیا ہے۔

لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا: دہکتی دوزخ میں کفار ہمیشہ رہیں گے، اس کے ساتھ ان کی بدنصیبی یہ ہے کہ وہاں نہ کوئی اپنا دوست یار پائیں گے جو انہیں اس جلا دینے والے عذاب سے نجات دلا سکے گا اور نہ ہی کوئی مددگار پائیں گے جو سخت جلانے والی آگ کو بجھا سکے، اس عذاب کو دور کر سکے، ان کے عذاب کو ہلکا کر سکے۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا: کافر لوگ جو کارساز اور مددگار اس دن نہ پائیں گے جس دن ان کے چہروں کو ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں پلٹا جائے گا، اس حالت میں وہ آگ میں ہی کہیں گے يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ ہائے کاش ہم نے دنیا میں امر و نہی کے سلسلہ میں رسول کی بات مانی ہوتی تو ہم بھی اہل جنت کے ساتھ جنت میں رہتے ہائے

ہماری حسرت وندامت وہ جنت کس قدر عظیم وجلیل ہے۔(طبری)

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا: یہ جہنم میں کفار کی گفتگو ہے، اے ہمارے رب ہم نے اپنی گمراہی کے پیشواؤں اور شرک کے سرداروں کی اطاعت اختیار کی تو انہوں نے ہمیں حق کے اس راستہ سے ہٹا دیا جو راستہ ایمان وہدایت اور تیری وحدانیت کے اقرار اور دنیا میں تیری اطاعت والا تھا۔ سَادَتَنَا اور كُبَرَاءَنَا کا معنی گمراہ کن جماعتوں کے سردار، وہ لوگ جنہوں نے دوسروں کو کفر کی تلقین کی۔

رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا: اے ہمارے رب آج ان کو ہمارے عذاب کی بہ نسبت دوگنا عذاب دے اور بڑی رسوائی میں مبتلا فرما۔

نبی ﷺ کو اذیت نہ دی جائے

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا {٦٩} الأحزاب

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی سو اللہ نے انہیں اس بات سے بری کر دیا جو ان لوگوں نے کہی تھی، اور موسیٰ اللہ کے نزدیک باوجاہت تھے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے مخاطب ہو کر فرمارہے ہیں کہ وہ اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کے ساتھ اس طرح کا رویہ نہ رکھیں جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے لوگوں نے ان کے ساتھ رکھا تھا، مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام حیادار انسان تھے، وہ لوگوں کے سامنے غسل نہیں کرتے تھے، ان لوگوں نے اس بات کو اچھا خیال نہیں کیا کہ یہ چھپ کر کیوں نہاتے ہیں، ان میں ضرور کوئی بیماری ہے، یا تو ان میں برص کی بیماری ہے یا ان کے خصیتین بہت بڑے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس خیال باطل کو توڑنے کا ارادہ فرمایا، چنانچہ ایک دن موسیٰ علیہ السلام غسل کرنے لگے تو کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھے، جب غسل کے بعد کپڑے پہننے لگے تو پتھر باذن اللہ ان کے کپڑے لے کر بھاگ گیا، موسیٰ علیہ السلام اپنا

عصا لے کر اس پتھر کے پیچھے ہو لیے، اور اپنے منہ سے ایک جملہ مسلسل کہے جا رہے تھے کہ اے پتھر! میرے کپڑے، اے پتھر! میرے کپڑے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اس پتھر کے پیچھے پیچھے چلتے رہے اور وہ پتھر ان کے آگے آگے بھاگتا رہا یہاں تک کہ وہ بنی اسرائیل کے سرداروں کے سامنے جا رکا، موسیٰ علیہ السلام نے وہاں تک پتھر کا پیچھا کیا، کپڑے لے کر انہوں نے اپنا ستر چھپایا، ان لوگوں نے حضرت موسیٰ کو اپنی کھلی آنکھوں سے سر سے پیروں تک دیکھ لیا کہ ان میں کسی قسم کی کوئی بیماری اور عیب نہیں ہے، ان کا اللہ کے ہاں بڑا مرتبہ اور مقام ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہاں اس پتھر کی پٹائی بھی فرمائی، عصا اس کے اوپر مارا، جس کے باعث اس پتھر پر کچھ نشانات پڑ گئے تھے۔

یہ تکلیف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اور منافقین کی طرف سے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تکالیف دی گئیں ان کا ذکر احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس مقام پر چند ایک واقعات نقل فرمائے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ لوگوں میں کچھ تقسیم کیا اس پر ایک شخص نے کہا اس تقسیم سے اللہ کی رضامندی کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں میں نے جب یہ سنا تو میں نے کہا اے اللہ کے دشمن میں تیری اس بات کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور پہنچاؤں گا۔ چنانچہ میں نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر کر دی آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا پھر فرمایا اللہ کی رحمت ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وہ اس سے بہت زیادہ ایذاء دیے گئے لیکن صبر کیا۔ (بخاری، مسلم)

روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عام ارشاد تھا کہ کوئی بھی میرے پاس کسی کی طرف سے کوئی بات نہ پہنچائے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں تم میں آ کر بیٹھوں تو میرے دل میں کسی کی طرف سے کوئی بات چبھتی ہوئی نہ ہو۔

ایک مرتبہ کچھ مال آپ کے پاس آیا آپ نے اسے لوگوں میں تقسیم کیا، دو شخص اس کے بعد آپس میں باتیں کر رہے تھے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ واللہ اس تقسیم سے نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی خوشی کا ارادہ کیا نہ آخرت کے گھر کا۔

میں ٹھہر گیا اور دونوں کی باتیں سنیں۔ پھر خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ نے تو یہ فرمایا ہے کہ کسی کی کوئی بات میرے سامنے نہ لایا کرو، ابھی کا واقعہ ہے کہ میں جا رہا تھا جو فلاں اور فلاں سے میں نے یہ باتیں سنیں اسے سن کر حضور ﷺ کا چہرہ غصے کے مارے سرخ ہو گیا اور آپ پر یہ بات بہت ہی گراں گزری، پھر میری طرف دیکھ کر فرمایا عبد اللہ جانے دو دیکھو موسیٰ علیہ السلام اس سے بھی زیادہ ستائے گئے لیکن انہوں نے صبر کیا، قرآن فرماتا ہے موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نزدیک بڑے مرتبے والے تھے، مستجاب الدعوت تھے، جو دعا کرتے تھے قبول ہوتی تھی۔

خوف خداوندی اور قول سدید کا فائدہ

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا {٧٠} يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا {٧١} الاحزاب

جواب ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کہو۔ اللہ تمہارے اعمال کو صحیح بنا دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمان برداری کرے سو وہ کامیاب ہو گیا بڑی کامیابی کے ساتھ۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا: اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے فرماتے ہیں کہ وہ اللہ سے ڈریں اور سچی، سیدھی اور کھری بات کہیں، قولا سدیدا یعنی ایسا قول جو اعتدال پر ہو اور حق پر ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: درست۔ قتادہ رحمہ اللہ اور مقاتل رحمہ اللہ نے کہا: حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں درست قول کرو اور نبی کریم ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب نہ کرو جو حلال نہ ہو۔

عکرمہ رحمہ اللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قول سدید لا الہ الا اللہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کا ظاہر اس کے باطن کے موافق ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کیا گیا ہو اس کے علاوہ کا ارادہ نہ کیا گیا ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد دو جھگڑنے والوں کے درمیان صلح کی کوشش کرنا ہے۔ یہ تَسدِیدُ السَّھمِ سے ماخوذ ہے تاکہ اس کے ساتھ ٹارگٹ پر تیر مارا جائے۔ قول سداد تمام بھلائیوں کو عام ہے، جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اسے اور غیر کو عام ہے۔

آیت کا ظاہر یہ معنی دیتا ہے کہ اشارہ اس قول کی طرف ہے جو اس اذیت کے خلاف ہو جو اذیت کا قول رسول اللہ ﷺ کے متعلق ہو اور مومنین کے متعلق ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا کہ وہ قول سدید پر اعمال کو درست کر کے اور گناہوں کو بخش کر جزا دے گا، تیرے لیے درجہ اور رفعت منزلت کے اعتبار سے یہ کافی ہے، جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ان امور میں اطاعت کی جن کا اسے حکم دیا گیا اور جن سے اسے منع کیا گیا تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ (الجامع لاحکام القرآن)

یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ: اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو قبول کرے گا، تمہاری طاعات کو قبول کرے گا، تمہیں صالح اعمال کی توفیق بخشے گا۔

وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ: اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، مٹا دے گا مطلب یہ ہے اپنی زبانوں کی حفاظت اور باتوں کی میانہ روی میں اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھو اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں مقصود یعنی قبولیت حسنات مہیا فرما دیں گے اور اس پر ثواب دیں گے اور تمہارے گناہوں کی بخشش فرما دیں گے سب گناہوں کو مٹا دیں گے۔

یہ آیت پچھلی آیت کے مضمون کو ثابت کرنے والی ہے اس کی بنیاد اس بات پر تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو ایذاء نہ پہنچاؤ اور اس آیت کی بنیاد امر پر ہے کہ زبان کی محافظت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ ان پر یکے بعد دیگرے نہی وامر کا حکم آجائے، نہی کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ لائے جس میں وعید سنا دی گئی اور امر کے بعد بلیغ وعدہ کر دیا گیا، جس سے ایذاء سے پھرنے کا مقصد پختہ اور مضبوط ہو گیا اور اس کے ترک کا داعیہ پیدا ہو اجب بڑی کامیابی کو اطاعت سے معلق فرمایا تو اس کے آخر میں یہ ارشاد فرمایا تھا۔

وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، پس وہ بہت بڑی کامیابی پا گیا، تو اس کے بعد یہ ارشاد لائے۔ (مدارک التنزیل)

امانت خداوندی کی سپرداری

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز یہ بتایئے کہ اس آیت مبارکہ میں بیان کی گئی امانت سے کیا مراد ہے؟ آسمان، زمین اور پہاڑوں نے اس امانت کو اٹھانے سے کیوں انکار کیا تھا؟

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا {۷۲} لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا {۷۳} الأحزاب.

جواب ترجمہ: بلاشبہ ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا، بیشک وہ ظلوم ہے جہول ہے۔ تاکہ اللہ منافقوں کو اور منافقات کو اور مشرکوں کو اور مشرکات کو سزا دے اور مومنین اور مومنات پر توجہ فرمائے اور اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

خلاصہ تفسیر: شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ یہاں "امانت" کا مطلب ہے: اپنی آزاد مرضی سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی ذمہ داری لینا" اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے تکوینی احکام تو وہ ہیں جنہیں ماننے پر تمام مخلوقات مجبور ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کر ہی نہیں سکتیں، مثلاً موت اور زندگی کا فیصلہ وغیرہ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی مختلف مخلوقات کو یہ پیشکش فرمائی کہ بعض احکام کے معاملے میں انہیں یہ اختیار دیا جائے گا کہ اگر وہ چاہیں تو اللہ تعالیٰ کا حکم مان کر اس پر عمل کریں، اور اگر چاہیں تو حکم پر عمل نہ کریں۔

پہلی صورت میں ان کو جنت کی ابدی نعمتیں حاصل ہوں گی، اور دوسری صورت میں انہیں دوزخ کا عذاب دیا جائے گا۔ جب یہ پیشکش آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو کی گئی تو وہ یہ ذمہ داری اٹھانے سے ڈر گئے، اور انہوں نے ایسی ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں انہیں دوزخ کے عذاب کا خطرہ ہو۔

لیکن جب انسان کو یہ پیشکش کی گئی تو اس نے یہ ذمہ داری اٹھالی۔ آسمان، زمین اور پہاڑ اگرچہ دیکھنے میں ایسے نظر آتے ہیں جیسے ان میں شعور نہیں ہے، لیکن قرآن کریم کی کئی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کسی نہ کسی درجے میں شعور موجود ہے، جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۴۴ میں گذرا ہے اس لیے ان مخلوقات کو یہ پیشکش حقیقی معنی میں ہوئی ہو، اور انہوں نے انکار کیا ہو تو اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ امانت کی پیشکش اور اس سے انکار مجازی معنی میں ہو، یعنی اس امانت کے اٹھانے کی صلاحیت نہ ہونے کو انکار سے تعبیر فرمایا گیا ہو۔ (توضیح القرآن)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ امانت سے مراد یہاں اطاعت ہے۔ اسے حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کرنے سے پہلے زمین و آسمان اور پہاڑوں پر پیش کیا گیا لیکن وہ بار امانت نہ اٹھا سکے اور اپنی مجبوری اور معذوری کا اظہار کیا، جناب باری تعالیٰ نے اسے اب حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کیا کہ یہ سب تو انکار کر رہے ہیں۔ تم کہو آپ نے پوچھا اللہ اس میں بات کیا ہے؟ فرمایا اگر بجالاؤ گے ثواب پاؤ گے اور برائی کی سزا پاؤ گے۔ آپ نے فرمایا میں تیار ہوں۔

آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ امانت سے مراد فرائض ہیں دوسروں پر جو پیش کیا تھا یہ بطور حکم کے نہ تھا بلکہ جواب طلب کیا تھا تو ان کا انکار اور اظہار مجبوری گناہ نہ تھا بلکہ اس میں ایک قسم کی تعظیم تھی کہ باوجود پوری طاقت کے اللہ کے خوف سے تھرا اٹھے کہ کہیں پوری ادائیگی نہ ہو سکے اور مارے نہ جائیں۔ لیکن انسان جو کہ بھولا تھا اس نے اس بار امانت کو خوشی خوشی اٹھالیا۔ آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ عصر کے قریب یہ امانت اٹھائی تھی اور مغرب سے پہلے ہی خطا سرزد ہو گئی۔

لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ: تاکہ اللہ عذاب دے منافق مردوں کو اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو۔

وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ: اور تاکہ رحمت کے ساتھ اللہ متوجہ ہو مومن مردوں اور مومن عورتوں پر، یعنی انسان نے امانت کے بوجھ کو اٹھالیا، پھر اس ذمہ داری کو نباہنے والے بھی ہوئے اور خلاف ورزی کرنے والے بھی ہوئے جس کا انجام یہ ہوا کہ منافقوں اور مشرکوں کو عذاب

ہو، اس میں اَلْکَافِرِیْنَ وَالْکَافِرَاتِ کا ذکر نہیں ہے کیونکہ جب ان کافروں کا انجام عذاب ہے جو منافق ہیں یعنی زبان سے اسلام کا اقرار کرتے ہیں اور دل سے انکاری ہیں تو جو لوگ کھلے کافر ہوں گے وہ بطریق اولیٰ مستحق عذاب ہوں گے اور ایمان والے مردوں اور عورتوں پر اللہ رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے گا۔ اس میں وَیَرْحَمَ اللّٰہ کی بجائے وَیَتُوْبُ فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص نافرمانی کے بعد توبہ کرلے گا وہ بھی رحمت اور مغفرت کا مستحق ہو گا۔ آخر میں جو

وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا: فرمایا اس میں یہ بات بتادی کہ مغفرت فرمانا اور رحم فرمانا اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ ہیں، کافر اور مشرک کی تو مغفرت نہیں جیسا کہ دوسری آیت میں بیان فرمایا ہے، دنیا میں تو سب ہی پر رحمت ہے اور آخرت میں صرف اہل ایمان پر رحمت ہو گی۔ (انوار البیان)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی امام المرسلین وخاتم النبیین، آج سورۃ الاحزاب کے اضافات وترمیمات کے ساتھ یہ جلد پایہ تکمیل کو پہنچی ہے۔ اللہ تعالیٰ باقی جلدوں پر بھی تکمیلی کام کی توفیق بخشے۔

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی

(حال وارد کاشانہ فقیر حدوٹی، حدوٹ مری

۱۹ مئی ۲۰۲۶ء بروز منگل